تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین

باب الجماعة

فصل الاستخلاف ۲۴۹

باب مفسدات الصلوٰۃ ۲۵۳

باب مکروہات الصلوٰۃ

باب الوتر والنوافل

فہرست ضمنی مسائل

تجوید و قراءۃ

امامت

احکامِ مسجد

سجود السہو

اجارہ

حظر واباحت

فوائد فقہیہ

رسم المفتی

عقائد وکلام

مناظرہ وردِّ بدمذہباں

تفسیر وعلوم قرآن

فوائدِ حدیثیہ

اسماء الرجال

تاریخ و تذکرہ

فضائل ومناقب

فوائد اصولیہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تصوف واخلاق

لغت

ریاضی

متفرقات

باب الجماعة

(جماعت کا بیان)

مسئلہ ۸۴۶ ازمیرٹھ خیر نگر دروازہ خیر المساجد مرسلہ مولوی ابوالعارف محمد حبیب اللہ صاحب قادری برکاتی ۲ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ مسجد خیر نگر دروازہ کا صحن محراب کے ہر دو جانب میں مساوی نہیں ہے بلکہ دست راست کی جانب ۱۶ فٹ بڑھا ہوا ہے گرمی برسات وغیرہ میں جب نماز صحنِ مسجد میں پڑھی جاتی ہے تو جماعت اس سرے سے اُس سرے تک قائم ہوتی ہے جو محراب کی نسبت سے داہنی جانب ۱۶ فٹ متجاوز ہوتی ہے جس کا ایک خاکہ بھی مرسلۂ خدمت ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ جب صحنِ مسجد میں جماعت قائم ہوجائے تو امام کو رعایت وسطِ صف کی لازم ہے یا محاذاتِ محراب ضروری ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

امام کے لئے سنّتِ متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود ہے وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہو تو امام وسطِ صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتوارث ہے، محراب صوری کہ طاق نما ایک خلا وسطِ دیوارِ قبلہ میں بنانا حادث ہے اُسی محراب حقیقی کی علامت ہے یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کا اتباع نہ ہوگا مگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباعِ سنّت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث توسطوا الامام (امام درمیان میں کھڑا ہو۔ ت) ہو، جس مسجد میں مسقف حصہ نہ ہو وہاں یہ محراب صوری ہوتی ہی نہیں جیسے افضل المساجد مسجد الحرام شریف اور اس میں ہر مسجد کا صحن داخل ہے کہ باختلاف موسم مسجد مستقل ہے فقہائے کرام درجہ مسقفہ کو مسجد شتوی کہتے ہیں اور غیر مسقف کو مسجد صیفی جب ان کے وسط متطابق نہ ہوں تو ہر مسجد کے لئے اس کا اپنا وسط معتبر ہے پس صورت مستفسرہ میں جبکہ مسجد صیفی مسجد شتوی سے سولہ فٹ جانب راست زائد ہے تو امام محراب صوری اندرونی کی محاذات سے آٹھ فٹ جانب راست ہٹ کر صحن میں کھڑا ہو

کہ اس مسجد کی محراب میں قیام حاصل ہو۔ درمختار میں ہے:

یصف الامام ویقف وسطا[1] (امام صف بنوائے اور درمیان میں کھڑا ہو۔ت)

درایہ شرح ہدایہ میں ہے:

السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاترى ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام۔ مبسوط[2]۔

سنّت یہ ہے کہ امام صف کے محاذی درمیان میں کھڑا ہو کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا تمام محرابیں مساجد کے وسط میں بنائی گئی ہیں اور وہ مقام امام کا تعین کررہی ہیں، مبسوط۔(ت)

امام بحر خواہرزادہ میں ہے:

لوقام فی احد جانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ[3] الخ اثرھا ش۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر امام صف کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک طرف کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے، اگر مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور مسجد بھری ہو تو امام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ امام کی دونوں طرف لوگ برابر ہوں الخ ان دونوں عبارتوں کو شامی نے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴۷: از اروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ مرسلہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان شریف ۱۳۳۰ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے باہر در میں جو مشرق کی جانب ہوتا ہے اُس میں تنہا امام کو کھڑے ہو کر نماز پڑھانی کیسی ہے اور اکثر مساجد میں باہر کا صحن اندر کے صحن سے بہت نیچا ہوتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

فی ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن

ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے ہے کہ

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

[3] " " " " " " " " "

سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[1]۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں کہ امام دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہو۔ (ت)

پھر امام و مقتدیان کا درجہ بدلا ہونا کہ امام درجہ مسقف میں ہے اور سب مقتدی صحن میں، یہ دوسری کراہت ہے[2] کما فی جامع الرموز (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ ت) پھر اگر درکی کرسی صحن سے بقدر امتیاز بلند ہوئی تو یہ تیسری کراہت ہے[3] کما فی الدرالمختار والتفصیل فی فتاوٰنا (جیسا کہ درمختار میں ہے اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲۸: از ڈھاکہ بنگالہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طالب علم پر جو طلب علمِ دین کرتا ہے جماعتِ نمازِ پنجگانہ واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

علماء نے طالب و مشتغل علم کو احیانا ترکِ جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شرائط، اُس کا اشتغال خاص علمِ فقہ سے ہو کہ مقصود اصلی ہے نہ نحو و صرف و لغت و معانی و بیان و بدیع وغیرہا اگرچہ بوجہ آلیت داخل علم دین ہیں، اور وہ اشتغال بدرجہ استغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ یہ کہ اشتغالِ فقہ کا بہانہ کرکے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت و فضولیات میں گزارے جیسا کہ بہت طلبائے زمانہ کا انداز ہے، یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اہتمامِ جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کرسکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلاً ایک مجمع طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے، پھر بااینہمہ کسل نفس کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بناکر ترکِ جماعت پر مداومت نہ کرے بلکہ احیانا واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحق تعزیر ٹھہرے گا، درمختار میں دربارہ اعذار ترکِ جماعت لکھا

کذا اشتغاله بالفقه لا بغیرہ کذا جزم به الباقانی تبعا للبہنسی ای الا اذا واظب

اسی طرح جو طالب علم فقہ میں مشغول ہو نہ کہ کسی دوسرے فن میں، اس پر بہنسی کی اتباع میں باقانی نے جزم کیا ہے مگر

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[2] جامع الرموز فصل " " " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۴

[3] درمختار باب " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

تکاسلا فلا یعذر ویعزر[1]

اس صورت میں جب وہ سُستی کی وجہ سے دوام اختیار کرے تو وہ معذور نہ ہوگا اور اس پر تعزیر ہوگی۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

(وتکرار فقه) لانحو ولغة (بجماعة تفوته) ولم یداوم علی ترکها[2]۔

(اور تکرارِ فقہ) نہ کہ نحو و لغت کا (جماعت کے ساتھ جو فوت ہوجائے) اور نہ جماعت کے ترک پر دوام اختیار کرنے والا ہو۔(ت)

قنیہ کے لفظ یہ ہیں:

من لایحضرها لاستغراق اوقاته فی تکریر الفقه[3] الخ

جو جمیع اوقات میں تکرارِ فقہ کی وجہ سے حاضر جماعت نہیں ہوسکتا الخ(ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

ثم اشتغال لابغیر الفقه فی بعض من الاوقات عذر معتبر[4] واﷲ تعالٰی اعلم

بعض اوقات میں وہ اشتغال جو فقہ کے علاوہ میں ہو معتبر عذر نہیں ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۴۹: از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر صفِ اول کے مقتدی امام کے ایسے متصل کھڑے ہوں کہ ان کے پنجے امام کی ایڑی کے برابر ہوں یا ایک بالشت امام کی ایڑی سے پیچھے ہوں اس غرض سے کہ دوسری صف بھی مسجد کے اندر ہوجائے حالانکہ صحن میں جگہ ہے اور صفِ اول کا کوئی مقتدی امام کے پیچھے نہ ہو اس صورت میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کیسی کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیشک کراہت تحریمی ہوگی اور ایسے امر کے مرتکب آثم وگنہگار کہ امام کا صف پر مقدم ہونا سنّتِ دائمہ ہے جس پر حضور سید عالم صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی اور مواظبت دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۳

[3] ردالمحتار بحوالہ القنیہ " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۱

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۲

ترك التقدم للامام الرجال محرم وكذا صرح الشارح وسماه في الكافي مكروها وهو الحق اي كراهة تحريم لان مقتضى المواظبة على التقدم منه عليه الصلاة والسلام بلا ترك الوجوب فلعدمه كراهة التحريم[1]۔

مردوں کے امام کے لئے تقدم کا ترک حرام ہے۔ شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، کافی میں اسے مکروہ کا نام دیا اور یہی حق ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور اسے کبھی ترک نہ کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کا ترک کراہتِ تحریمی ہوتا ہے (ت)

اُسی میں ہے:

مقتضى فعله صلى الله تعالٰى عليه وسلم التقدم على الكثير من غير ترك الوجوب[2]۔

مقتدی کثیر ہونے کی صورت میں حضور علیہ السلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور کبھی ترک نہ فرمانا وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

التقدم واجب على الامام للمواظبة من النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم وترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للاثم[3]۔

امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور واجب کا ترک کراہتِ تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کا مقتضی ہے (ت)

اقول وباللہ التوفیق ظاہر ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ تقدم ہمیشہ یونہی تھا کہ صف کے لئے پوری جگہ عطا فرماتے نہ وہ ناقص وقاصر تقدم جو سوال میں مذکور ہوا۔ دلیل واضح اس پر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکمیلِ صف کا نہایت اہتمام فرماتے اور اس میں کسی جگہ فرجہ چھوڑنے کو سخت ناپسند فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو ارشاد ہوتا:

اقيموا صفوفكم وتراصوا فاني اراكم من وراء ظهري[4] اخرجه البخاري والنسائي

اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو کر بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶
[2] ؎ 〃 〃 〃 ۱/۳۰۹
[3] بحرالرائق 〃 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱
[4] صحیح البخاری باب الزاق المنکب بالمنکب الخ 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰
سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف والمقاربۃ بینہا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مسلم بلفظ اتموا الصفوف فانی اراکم خلف ظهری[1]۔

دیکھتا ہوں۔ اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور مسلم شریف میں ان الفاظ سے ہے، اپنی صفیں مکمل کرو کیونکہ میں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں[1]۔

دوسری حدیث میں ہے:

سدوا الخلل فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلة الحذف[2] رواہ الامام احمد عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یعنی صف چھدری نہ رکھو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی وضع پر اس چھوٹی ہوئی جگہ میں داخل ہوتا ہے۔ اسے امام احمد نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور یہ مضمون حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ عدیدہ مروی ہوا امام احمد بسند صحیح اُن سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

راصوا الصفوف فان الشیاطین تقوم فی الخلل[3]

یعنی صفیں خوب گھنی رکھو جیسے رانگ سے درزیں بھر دیتے ہیں کہ فرجہ رہتا ہے تو اس میں شیطان کھڑا ہوتا ہے۔

نسائی کی روایات صحیحہ میں ہے:

راصوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیٰطین تدخل من خلل الصف کانها الحذف[4]

اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بیشک میں شیاطین کو رخنہ صف میں داخل ہوتے دیکھتا ہوں گویا وہ بھیڑ کے بچے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی امامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۵/۲۶۲

[3] " " " از مسند انس رضی اللہ عنہ " " " ۳/۱۵۴

[4] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ " مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

ابوداود طیالسی کی روایت میں یوں ہے:

اقیموا صفوفکم وتراصّوا فوالذی نفسی بیدہ انی لاری الشیاطین بین صفوفکم کانھا غنم عفر[1]

اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک میں شیاطین کو تمہاری صفوں میں دیکھتا ہوں گویا وہ بکریاں ہیں بھکے رنگ کی۔

فائدہ: بھیڑ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اکثر دیکھا ہے کہ جہاں چند آدمی کھڑے دیکھے اور دو شخصوں کے بیچ میں کچھ فاصلہ پایا وہ اس فرجہ میں داخل ہو کر ادھر سے اُدھر نکلتے ہیں یوں ہی شیطان جب صف میں جگہ خالی پاتا ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کو آگھستا ہے اور بھکے رنگ کی تخصیص شاید اس لئے ہے کہ حجاز کی بکریاں اکثر اسی رنگ کی ہیں یا شیاطین اس وقت اسی شکل پر متشکل ہوئے۔ چوتھی حدیث میں اس تاکید شدید سے ارشاد فرمایا:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصفوف الملئکۃ وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا فی ایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطٰن ومن وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[2]۔ رواہ الامام احمد و ابوداؤد والطبرانی فی الکبیر والحاکم و ابن خزیمۃ وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وعند النسائی والحاکم عنہ بسند صحیح الفصل الاخیر اعنی من قولہ من وصل[3] الحدیث۔

یعنی صفیں درست کرو کہ تمہیں تو ملائکہ کی سی صف بندی چاہیے اور اپنے شانے سب ایک سیدھ میں رکھو اور صف کے رخنے بند کرو اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور صف میں شیطان کے لئے کھڑکیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو صف قطع کرے اللہ اسے قطع کرے۔ اسے امام احمد، ابوداود، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، حاکم اور ابن خزیمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور حاکم نے انہی سے سند صحیح کے ساتھ آخری جملہ من وصل صفاً کو فصل کر کے روایت کیا ہے الحدیث۔

---

[1] مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث ۲۱۰۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ص ۲۸۲

[2] سنن ابوداود باب تسویۃ الصفوف " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو " دار الفکر بیروت ۲/۹۸

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ من وصل صفا " " " ۱/۲۱۳

سنن النسائی کتاب الامامۃ " " مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

ملائکہ کی صف بندی کا دُوسری حدیث میں خود بیان آیا:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال الا تصفون کما تصف الملٰئکۃ عند ربھا فقلنا یا رسول اللہ کیف تصف الملٰئکۃ عند ربھا قال یتمون الصف الاول و یتراصّون فی الصف[1] اخرجہ احمد و مسلم و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باہر تشریف لاکر ارشاد فرمایا: ایسے صف کیوں نہیں باندھتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسی صف باندھتے ہیں؟ فرمایا: اگلی صف کو پُورا کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسے امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجانا یہ کہ اگر اگلی صف میں کچھ فرجہ رہ گیا اور نیتیں باندھ لیں اب کوئی مسلمان آیا وہ اس فرجہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہے مقتدیوں پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے تو انھیں حکم ہے کہ دب جائیں اور جگہ دے دیں تاکہ صف بھر جائے۔ فتح القدیر و بحرالرائق و مراقی الفلاح و درمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشرنبلالی قال بعد ایراد الحدیث الرابع وبھذا یعلم جھل من یستمسك عند دخول احد بجنبہ فی الصف یظن انہ ریاء بل ھو اعانۃ علی ما امر بہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]

علامہ شرنبلالی نے چوتھی حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے کہ اس حدیث سے اس شخص کی جہالت واضح ہوجاتی ہے جو ریاکاری کا تصور کرتے ہُوئے صف میں اپنی کسی جانب نمازی کو شامل ہونے سے روکتا ہو بلکہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بجاآوری پر دوسرے کی مدد کرنا ہے (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ حدیث ۱۱۹ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱
مسند احمد بن حنبل حدیث جابر بن سمرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۱۰۱
سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷
سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ " مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

اور نہایت یہ کہ اگر اگلی صف والوں نے فرجہ چھوڑا اور صف دوم نے بھی اس کا خیال نہ کیا مگر اپنی صف گھنی کر لی اور نیتیں بندھ گئیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ صف اول والوں نے بے اعتدالی کی تھی تو یہ پہلے اس کی تکمیل کرکے دوسری صف باندھتے، اب ایک شخص آیا اور اس نے صفِ اول کا رخنہ دیکھا اُسے اجازت ہے کہ اس دوسری صف کو چیر کر جائے اور فرجہ بھرے کہ صفِ دوم بے خیالی کرکے آپ تقصیروار ہے اور اس کا چیرنا روا۔ قنیہ و بحرالرائق و شرح نورالایضاح و درمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ لشرح التنویر لو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی لتقصیرهم[1]۔

شرح تنویر کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے صف اول میں رخنہ پایا حالانکہ دوسری میں نہ تھا تو اس کے لئے دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے دوسری صف کو چیرنا جائز ہوگا۔ (ت)

بحر میں ہے، لاحرمة له لتقصیرهم[2] (دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے بعد میں آنیوالے کو دوسری صف چیرنا جائز ہے)

یونہی اس رخنہ بندی کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انھوں نے خود اس امر عظیم میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کردی۔ قنیہ میں ہے:

قام فی اٰخر الصف فی المسجد وبینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمر بین یدیه لیصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا یاثم المار بین یدیه[3]۔

ایک آدمی آخری صف میں کھڑا ہوگیا حالانکہ اس کے اور دوسری صفوں کے درمیان خالی جگہیں تھیں تو آنیوالے نمازی کو اجازت ہے کہ وہ اس کے آگے سے گزر کر صف مکمل کرے کیونکہ آخر میں کھڑے ہونے والے نے اپنا احترام خود ختم کیا ہے لہذا اس کے سامنے سے گزرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ (ت)

حدیث میں ہے:

من نظر الی فرجة فی صف فلیسدها بنفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط علی رقبته فانه لاحرمة له[4] اخرجه الدیلمی

یعنی جسے صف میں فرجہ نظر آئے وُہ خود وہاں کھڑا ہوکر اسے بند کردے اگر اس نے نہ کیا اور دوسرا آیا تو وُہ اس کی گردن پر قدم رکھ کر چلا جائے کہ اس کے لئے

---

[1] درمختار — باب الامامة — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۸۳

[2] بحرالرائق — " — " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۳۵۴

[3] القنیہ — باب فی السترة — " کلکتہ بھارت — ص ۳۹۸

[4] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس حدیث ۱۱۱۸۴ اور ۱۱۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/۱۰۵، ۱۱۳

ف: مسند الفردوس مجھے دستیاب نہیں اور ماثور الخطاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی۔ نذیر احمد سعیدی

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

کوئی حرمت نہ رہی۔ اسے دیلمی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

یونہی اگر صف دوم میں کوئی شخص نیت باندھ چکا اس کے بعد اُسے صف اول کا رخنہ نظر آیا تو اجازت ہے کہ عین نماز کی حالت میں چلے اور جا کر فرجہ بند کردے کہ یہ مشی قلیل حکم شرع کے امتثال کو واقع ہُوئی، ہاں دو صف کے فاصلے سے نہ جائے کہ مشی کثیر ہوجائے گی۔ علامہ ابن امیر الحاج حلیہ میں ذخیرہ سے ناقل:

ان کان فی الصف الثانی فرأی فرجۃ فی الاول فمشی الیھا لم تفسد صلاتہ لانہ مامور بالمراصۃ قال علیہ الصلاۃ والسلام تراصوا فی الصفوف ولو کان فی الصف الثالث تفسد[1]

اگر کوئی آدمی دوسری صف میں کھڑا تھا کہ اس نے پہلی میں رخنہ دیکھا اور وہ اُسے پُر کرنے کے لئے چلا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز میں مل کر کھڑا ہونا حکمِ شرعی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: صفوں میں خوب مل کر کھڑا ہوا کرو۔ اور اگر نمازی تیسری صف میں تھا تو اب نماز فاسد ہوجائے گی (ت)۔

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں،

ظاھر التعلیل بامرانہ یطلب منہ المشی الیھا تامل[2]

امر کے ساتھ علّت بیان کرنا بتا رہا ہے کہ اس نمازی سے رخنہ پُر کرنے کا مطالبہ ہے تامل۔ (ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق یہ احکام فقہ وحدیث باعلٰی ندا منادی کہ وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہُوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیر لہ من ان یمر بین یدیہ[3]۔ اخرجہ الائمۃ احمد والستۃ عن ابی جھیم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الحافظ فی بلوغ المرام ووقع

اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت ابوجہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حافظ نے بلوغ المرام میں کہا کہ مسند بزار

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] ؎؎

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب اثم المار بین یدی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۳

فی البزار من وجہ اخراس بعین خریفا[1] قلت والاحادیث یفسر بعضہا بعضا۔

میں ایک اور سند سے مروی الفاظ یہ ہیں: چالیس سال۔ میں کہتا ہوں احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

لویعلم احدکم مالہ فی ان یمر بین یدی اخیہ معترضا فی الصلاۃ کان لان یقیم مائۃ عام خیرلہ من الخطوۃ التی خطاھا[2]۔ رواہ احمد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے پر کیا گناہ ہوتا ہے تو وہ اس ایک قدم چلنے سے سو سال تک کھڑے رہنے کو بہتر سمجھے گا۔ اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اس میں سو برس کھڑا رہنا اُس ایک قدم رکھنے سے بہتر فرمایا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: پہلے چالیس ارشاد ہوئے تھے پھر زیادہ تعظیم کے لئے سو (سال) فرمائے گئے۔

تیسری حدیث میں ہے:

لویعلم المار بین یدی المصلی لاحب ان ینکسر فخذہ ولایمر بین یدیہ[3]۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عبدالحمید بن عبدالرحمٰن منقطعا۔

اگر نمازی کے آگے گزرنے والا واقف رکھتا ہو تو چاہتا اس کی ران ٹوٹ جائے مگر نمازی کے سامنے سے نہ گزرے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں شیخ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن سے منقطع طور پر روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث میں ارشاد فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

اذا صلی احدکم الی شیئ یسترہ من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیہ فلیدفعہ فان ابی فلیقاتلہ فانما ھو شیطان[4]۔ اخرجہ

جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور کوئی سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے دفع کرے اگر نہ مانے تو اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے

[1] بلوغ المرام مع مسک الختام باب سترۃ المصلی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (انڈیا) ۱/۱۷۵
[2] سنن ابن ماجہ باب المرور بین یدی المصلی " آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۸
[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کان یکرہ ان یمر الرجل الخ " ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۲
[4] صحیح البخاری باب لیرد المصلی من مر بین یدیہ " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۳

احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اسے احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا شدید امر جس پر یہ تشدیدیں اور سخت تہدیدیں ہیں اُسی وقت روا رکھا گیا ہے جب دوسرا اس سے زیادہ اشد اور افسد تھا کما لایخفٰی (جیساکہ مخفی نہیں۔ت)

ایک دلیل اس وجوب اور فرجہ رکھنے کی کراہت تحریمی پر یہ ہے۔

دلیل دوم احادیث کثیرہ میں صیغۂ امر کا وارد ہونا کما سمعت وما ترکت لیس باقل مما سردت (جیساکہ تُونے سُن لیا اور جن روایات کو میں نے ترک کردیا ہے وہ بیان کردہ سے کم نہیں ہیں۔ت) اسی لئے ذخیرہ وحلیہ میں فرمایا:

انہ مامور بالمراصۃ[1] (کیونکہ مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ت)

فتح القدیر و بحرالرائق وغیرہما میں فرمایا:

سد الفرجات المأمور بہا فی الصف[2] (صف کے درمیانی رخنہ کو پُر کرنے کا حکم ہے۔ت)

اور اصول میں مبرہن ہوچکا ہے امر مفید وجوب ہے الا ان یصرف عنہ صارف (مگر اس صورت میں جب اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔ت)

دلیل سوم علماء تصریح فرماتے ہیں کہ صف میں جگہ چھوٹی ہو تو اور مقام پر کھڑا ہونا مکروہ ہے،

فی الخانیۃ والدرالمختار وغیرہما واللفظ للعلائی لوصلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ[3]۔

خانیہ، درمختار اور دیگر کتب میں ہے علائی کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے رفوف مسجد میں نماز ادا کی حالانکہ صحن مسجد میں جگہ تھی تو مکروہ ہوگی جیساکہ ایسی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو ایسی صف کے پیچھے ہو جس میں رخنہ تھا۔(ت)

اور کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے،

الا اذا دل دلیل علی خلافہ کما نص علیہ

مگر جب اسکے خلاف دلیل موجود ہو جیساکہ فتح، بحر، حواشی در

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلیۃ عن الذخیرۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] بحرالرائق 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۴

[3] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/۸۴

فی الفتح والبحر وحواشی الدر وغیرھما من تصانیف الکرام الغر۔

اور دیگر تصانیفِ علماء عظام میں تصریح ہے۔ (ت)

دلیل چہارم احادیثِ سابقہ میں حدیث رابع کے وعید شدید من قطع صفا قطعہ اللہ (جس نے صف قطع کی اللہ اسے قطع کرے گا۔ت) علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی زیر عبارت مذکورۂ درمختار فرماتے ہیں:

قولہ کقیامہ فی صف الخ ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ او تحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من قطع صفا قطعہ اللہ انتھی فافھم[2]۔

قولہ جیسا کہ کھڑا ہونا اس صف میں الخ اس میں کراہتِ تنزیہی ہے یا تحریمی؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد من قطع اللہ الخ کراہتِ تحریمی کی طرف راہنمائی کرتا ہے انتہی فافہم (ت)

جب یہ امر واضح ہوگیا تو اب صورت مذکورۂ سوال میں دوسری وجہ کراہت تحریم کی اور ثابت ہوئی ظاہر ہے کہ جب امام وصفِ اول میں صرف اس قدر فاصلہ قلیلہ چھوٹا تو بالیقین صفِ اول ناقص رہے گی اور امام کے پیچھے ایک آدمی کی جگہ چھوٹے گی وہ بھی ایسی جسے بوجہ تنگیٔ مقام کوئی بھر بھی نہ سکے گا تو یہ فعل ایک مکروہ تحریمی کو مستلزم اور جو مکروہِ تحریمی کو مستلزم ہو خود مکروہ تحریمی ہے، محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد عبارت منقولہ صدر جواب کے فرماتے ہیں:

واستلزم ماذکران جماعۃ النساء تکرہ کراھۃ تحریم لان ملزوم متعلق الحکم اعنی الفعل المعین ملزوم لذلک الحکم[2] انتھی

مذکورہ بات اس کو مستلزم ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ملزوم متعلق حکم یعنی فعلِ معین کا اس حکم کو ملزوم ہوتا ہے انتہی۔ (ت)

بحمد اللہ اس تحقیقِ انیق سے چند مسائلِ نفیسہ ثابت ہوئے:

اوّلاً امام کا صف پر تقدم جو بنصِ ہدایہ وکافی وغیرہما واجب ہے وہ صرف تھوڑا آگے بڑھ جانے سے ادا نہیں ہوتا جب تک پوری صف کی جگہ نہ چھوٹے۔

ثانیاً ہر صف میں اوّل سے آخر تک دوسری صف کے لئے صفِ کامل کی جگہ بچنا واجب ہے۔

ثالثاً کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہِ تحریمی ہے جب تک اگلی صف پوری نہ کرلیں صفِ دیگر ہرگز نہ باندھیں۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۱

[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۶

رابعاً صورت مذکورۂ سوال دو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے ایک ترکِ تقدم دوسری بقائے فرجہ۔

خامساً اکثر واقع ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی تھا دوسرا آیا بائیں ہاتھ کو کھڑا ہوگیا یہاں تک تو کراہت تنزیہی تھی لترك السنة پھر اور لوگ بھی آتے اور یونہی برابر کھڑے ہوجاتے ہیں نہ امام آگے بڑھتا ہے نہ مقتدی پیچھے ہٹتے ہیں یہ صورت مکروہ تحریمی کی ہے کہ اگرچہ اکیلے مقتدی کے حق میں سنت یہ ہے کہ امام کے داہنی جانب بالکل اس کے محاذی کھڑا ہو نہ متاخر اور یہ سنت عوام میں صدہا سال سے متروک ہے اکیلا بھی امام سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

الواحد یقوم عن یمینہ ای ان کان مع الامام واحد وقف عن یمین الامام لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صلی بابن عباس فاقامہ عن یمینہ ولایتاخر عن الامام فی ظاہر الروایۃ وعن محمد انہ یضع اصابعہ عند عقب الامام وھو الذی وقع عند العوام[1] انتھی قلت وعوام زماننا قد تعدوا حتی خرجوا عن روایۃ محمد ایضا کما ھو مشاہد۔

اکیلا نمازی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو یعنی اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو نماز پڑھائی تو ان کو آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور ظاہر روایت کے مطابق وہ امام سے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور عوام میں یہی طریقہ جاری ہے انتہی۔ میں کہتا ہوں ہمارے دور کے لوگ تجاوز کرگئے ہیں حتی کہ وہ امام محمد سے مروی روایت سے بھی نکل گئے ہیں جیسا کہ مشاہدہ میں ہے (ت)

پھر جو بعد کو آئے وہ اس مقتدی کی محاذات میں کھڑے ہوں گے جس کے باعث امام کو قدرے تقدم رہے گا اس صورت میں وُہ توسط جس کی نسبت دُرمختار میں فرمایا:

لو توسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لو اکثر[2]

اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تحریمی ہے (ت)

اگر نہ بھی مانا جائے تاہم اس صورت میں کراہت تحریم ہی رہے گی کہ توسط نہ سہی فرجہ رکھنا اور صف کامل کی جگہ نہ چھوڑنا خود موجب کراہت تحریمی ہے، یہ مسائل واجب الحفظ ہیں اکثر اہلِ زمانہ ان سے غافل ولعلک لا تجد ھذا التحقیق الخطیر بھذا الایضاح والتقریر فی غیر ھذا التحریر (شاید ایسی بے مثال

---

[1] کافی شرح وافی

[2] درمختار　　　باب الامامۃ　　　مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی　　　۱/ ۸۳

تحقیق اپنی وضاحت وتفصیل کے ساتھ اس تحریر کے علاوہ کہیں نہ ملے۔ت) والحمد للہ علی ما علم اللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵ یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سمجھ وال لڑکا آٹھ نو برس کا جو نماز خوب جانتا ہے اگر تنہا ہو تو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دُور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اُسے صف سے دُور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے

فان صلاۃ الصبی الممیز الذی یعقل الصلاۃ صحیحۃ قطعاً وقد امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسد الفرج والتراص فی الصفوف ونھی عن خلافہ بنھی شدید۔

کیونکہ وہ بچہ جو صاحبِ شعور ہو اور نماز کو جانتا ہو اس کی نماز بالیقین صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف کے رخنہ کو پُر کرنے اور اس میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف سے سخت منع فرمایا ہے۔(ت)

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں، درمختار میں ہے، لو واحداً دخل فی الصف[1] (اگر بچہ اکیلا ہو تو صف میں داخل ہوجائے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال[2]

اگر بچے زیادہ نہ ہوں تو بچہ مردوں کے درمیان کھڑا ہوجائے۔(ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخل نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کر دیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔

فتح القدیر میں ہے:

اما محاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الا من شذ ولا متمسک لہ فی الروایۃ کما صرحوا بہ

بے ریش بچے کے محاذی ہونے پر تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگر شاذ طور پر کوئی فسادِ نماز کا قائل ہے اور اس کے لئے کوئی دلیل روایت

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

الروایۃ کما ھو حوابہ ولا فی الدرایۃ[1] میں ہے جیسا کہ فقہانے اسکی تصریح کی ہے اور نہ ہی درایت میں ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵۵۱ تا ۵۵۴ از سہسرام محلہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عمر جلیل ۱۶ شوال ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں:

(۱) اگر کوئی نماز کسی وجہ سے دُہرائی جائے تو وہ شخص کہ نماز مشکوکہ میں شریک نہیں تھا وہ جماعتِ ثانیہ میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) امام فرض پڑھا رہا ہے ایک مقتدی دوسری یا تیسری رکعت میں ملا تو اسکا جو فرض چھوٹ گیا ہے باآوازِ بلند پڑھے یا آہستہ؟

(۳) قضائے عمری کو امام وداع جمعہ کو فجر سے عشا تک بجہر پڑھادے تو سب کی عمر بھر کی قضا کیا ادا ہوجائے گی؟

(۴) نمازِ جمعہ میں اگر کوئی شخص تشہد میں شریک ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) نماز اگر ترکِ فرض کے سبب دُہرائی جائے نیا شخص شریک ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۲) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں منفرد ہے، اور تصریح فرماتے ہیں کہ منفرد کو جہری رکعتوں میں جہر جائز بلکہ افضل ہے مگر اس میں یہ دقت ہے کہ منفرد کا جہر اور کے شامل ہونے کا داعی ہوگا اور یہ دعوتِ خیر ہے کہ دونوں کو جماعت مل جائے گی لیکن مسبوق کا جہر کہ ناواقف کو شرکت کی طرف داعی ہو امر ناجائز کی طرف داعی ہوگا اور اس کا وہ عمل باطل ہوجائے گا لہذا یہی اصوب معلوم ہوتا ہے کہ وُہ جہر نہ کرے۔

(۳) یہ قضائے عمری کی جماعت جاہلوں کی ایجاد اور محض ناجائز و باطل ہے۔

(۴) سلام سے پہلے جو شریک ہوگیا اسے جمعہ مل گیا۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۵۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی ابھی التحیات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ امام کھڑا ہوگیا یا سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات پوری کرلے یا اُتنی ہی پڑھ کر چھوڑ دے؟ بینوا توجروا

الجواب

ہر صورت میں پُوری کرلے اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہوجائے لان التشھد واجب والواجب

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

لایترک لسنۃ والمسئلۃ منصوص علیھا فی الخانیۃ وغیرھا فی کتب العلماء (تشہد واجب ہے اور واجب کو کسی سنّت کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا اس مسئلہ پر خانیہ اور دیگر علماء کی کتب میں نص موجود ہے۔ ت)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵۶ ازفیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجنیر ریلوے

۲ جمادی الاخرٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین ومفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید مسجد یا خلاف آں نمازِ فرض پڑھا رہا ہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یا کوئی اور رکعت، اور بکر تنہا یا دو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہونے یا ہوجانے کے بکر تنہا یا دونوں شخصوں نے اُسی مقام پر اور اُسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیا حکم ہے ان کی نماز کا؟ یا پہلے ان کو اطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رالع نے بآوازِ بلند کہہ دیا اب کیا حکم ہے بکر کی نماز کا، آیا وہ نماز درست ہوئی؟ اگر نہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہوچکی ہے وہیں سے ترک کردے یا پوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمائیے۔

(۲) اگر ہیجڑا یا عورت یا نابالغ یا شیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نمازِ فرض پڑھ رہا ہے مسجد میں یا باہر، اور زید بھی نمازِ فرض پڑھنا چاہتا ہے آیا اُسی مصلے پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہ؟ کیا اس شخص کی نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اگر زید قابلِ امامت تھا اور انھیں معلوم تھا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور انھوں نے اقتدا نہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تو اگر جماعتِ اولٰی ہوچکی ہے جب تو فضل سے محروم رہے اور اگر یہی جماعتِ اولٰی ہوتی تو گنہگار ہوئے اور اگر زید قابلِ امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابلِ امامت تھا تو اب بھی وہی احکام ہیں اور اگر ان میں بھی کوئی قابلِ امامت نہیں تو اصلاً حرج نہ ہوا اور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہوجائے گی اور نیت توڑ دینا صرف جماعتِ قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کے فرض شروع کئے ایک رکعت یا اُس سے کم پڑھنے پایا تھا کہ جماعت قائم ہوئی نیت توڑ دے، باقی جماعتِ معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت نہیں۔

(۲) پڑھ سکتا ہے اور ختمِ نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸: از میرٹھ کمبوہ دروازہ کارخانہ داروغہ یار الٰہی صاحب مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعتِ ثانیہ کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہاں بعض لوگوں کو اس کی ممانعت میں تشدد ہے جماعتِ اولیٰ کے بعد آٹھ آٹھ دس دس آدمی جمع ہو جاتے ہیں مگر جماعت نہیں کرتے برابر کھڑے ہو کر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

(۱) مسجد اگر شارع عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب تو بالاجماع اس میں تکرارِ جماعت باذانِ جدید و تکبیرِ جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جو لوگ آئیں نئی اذان و اقامت سے جماعت کرتے جائیں۔

(۲) اور اگر مسجدِ محلہ ہے تو اگر اس کے غیر اہل جماعت کر گئے ہیں تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلاشبہہ جائز۔

(۳) یا اول اہلِ محلہ ہی نے جماعت کی مگر بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) یا اذان آہستہ دی تو اُن کے بعد آنے والے باذانِ جدید بروجہ سنّت اعادۂ جماعت کریں۔

(۵) یا اگر امام میں کسی نقص قرأت وغیرہ یا فسق یا مخالفتِ مذہب کے باعث جماعتِ اولیٰ فاسد یا مطلقاً مکروہ یا باقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیر اکمل واقع ہوئی جب بھی اُنھیں اعادۂ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں تو قطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلہ ہے اور اُس کے اہل بروجہ مسنون اذان دے کر امام نظیف موافق المذہب کے پیچھے جماعت کر چکے اب غیر لوگ یا اہلِ محلہ ہی سے جو باقی رہ گئے تھے آئے اُنھیں بھی اُس مسجد میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے ظاہر الروایہ سے حکمِ کراہت نقل کیا گیا اور علامہ محقق اجل مولیٰ خسرو نے درر و غرر اور مدقق اکمل علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی نے خزائن الاسرار میں فرمایا کہ اس کراہت کا محل صرف اُس صورت میں ہے جب لوگ باذانِ جدید جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں، اور اسی طرف درمختار میں اشارہ فرمایا اور ایسے ہی ملتقی وغیرہ میں تصریح کی، اور قول محقق منقح یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اذانِ جدید کے ساتھ اعادۂ جماعت کریں تو مکروہِ تحریمی، ورنہ اگر محراب نہ بدلیں تو مکروہ تنزیہی ورنہ اصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اور یہی ماخوذ للفتوٰی، درمختار میں ہے:

یکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن[1]

محلہ کی مسجد میں اذان و تکبیر کے ساتھ جماعت کا تکرار مکروہ ہے البتہ راستہ کی مسجد اور ایسی مسجد میں مکروہ نہیں جہاں امام اور مؤذن نہ ہو (ت)

[1] درمختار | باب الامامۃ | مطبوعہ مجتبائی دہلی | ۱/۸۲

ردالمحتار میں ہے :

عبارته فی الخزائن اجمع مما ھنا و نصھا یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة باذان و اقامة الا اذا صلی بھما فیہ اولا غیر اھلہ او اھلہ لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اھلہ بدونھما اوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة علیحدة کما فی امالی قاضیخان اھ ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلة مالہ امام وجماعة معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا[1] اھ ثم قال اعنی الشامی بعد ما نقل الدلیل علی الکراھة 'مقتضی ھذا الاستدلال کراھة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان و یؤیدہ ما فی الظھیریة لودخل جماعة المسجد بعد

اس کی عبارت خزائن میں یہاں سے زیادہ جامع ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ مسجدِ محلہ میں جدید اذان اقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب پہلے یہاں کسی غیر اہلِ محلہ نے اذان اقامت کے ساتھ نماز پڑھائی ہو یا اہلِ محلہ نے نماز پڑھائی مگر اذان آہستہ دی ہو تو اس صورت میں اگر اہلِ محلہ اذان واقامت کے بغیر تکرارِ جماعت کریں یا مسجد راستہ کی ہو تو بالاتفاق جماعت جائز ہو گی جیساکہ اس مسجد کا حکم ہے جس کا امام اور موذن مقرر نہیں اور لوگ گروہ در گروہ اس میں نماز ادا کرتے ہوں، تو یہاں افضل یہی ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرے جیساکہ امالی قاضی خاں میں ہے اھ اور اسی کی مثل درر میں ہے محلہ کی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس کا امام اور جماعت معلوم ہو جیساکہ درر وغیرہ میں ہے، منبع میں ہے مسجد کو محلہ کے ساتھ مقید کرنا شارع عام کی مسجد سے احتراز ہے اور اذانِ ثانی کے ساتھ مقید کرنا اس صورت سے احتراز ہے جب مسجدِ محلہ میں بغیر اذان کے جماعت ہو گئی ہو کیونکہ اب بالاتفاق تکرارِ جماعت مباح ہے اھ پھر کراہت پر دلیل نقل کرنے کے بعد شامی نے فرمایا اس استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ مسجدِ محلہ میں تکرارِ جماعت مکروہ ہے اگرچہ تکرار بغیر اذان کے ہو اور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت

---

[1] ردالحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۸

[2] " " " " " ۱/ ۴۰۸

ماصلی فیه اهله یصلون وحدانا وهوظاهر الرواية اھ وهذا مخالف لحكاية الاجماع المارة[1] الخ، وقال قبل هذا فی باب الاذان بعد نقل عبارة الظهيرية، وفی اٰخر شرح المنية وعن ابی حنيفة لو كانت الجماعة اكثر من ثلثة يكره التكرار والا فلا وعن ابی يوسف اذا لم تكن علی الهيأة الاولٰی لاتكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيأة كذا فی البزازية اھ وفی التاترخانية عن الولوالجية وبه ناخذ[2]۔

بھی کرتی ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئے جب اہلِ محلہ اس میں جماعت کروا چکے تھے تو وہ اکیلے اکیلے نماز ادا کریں اور یہی ظاہر روایت ہے اھ اور یہ گزشتہ منقول اجماع کے مخالف ہے الخ اس سے پہلے باب الاذان میں عبارتِ ظہیریہ کے نقل کرنے کے بعد شامی نے کہا اور شرح منیہ کے آخر میں ہے: اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر افرادِ جماعت تین سے زیادہ ہوں تو تکرار مکروہ ہوگا ورنہ نہیں اور امام ابویوسف سے مروی ہے جب ہیئتِ اولٰی پر نہ ہو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ، اور یہی صحیح ہے اور محراب سے اعراض کرلینے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے، بزازیہ میں یونہی ہے اھ اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ کے حوالے سے ہے کہ ہم اسی پر عامل ہیں (ت)

اسی میں ہے:

قد علمت ان الصحيح انه لايكره تكرار الجماعة اذا لم تكن علی الهيأة الاولٰی[3]۔

آپ جان چکے کہ صحیح یہی ہے کہ تکرارِ جماعت مکروہ نہیں جبکہ وہ ہیئتِ اولٰی پر نہ ہو۔ (ت)

بالجملہ جماعتِ ثانیہ جس طرح عامہ بلاد میں رائج و معمول در رو منبع و خزائن شروح معتمدہ کے طور پر تو بالاجماع اور عند التحقیق قولِ صحیح و مفتی بہ پر بلاکراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدیدِ اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پر لازم کہ ائمہ فتوٰی جس امر کی ترجیح و تصحیح فرماگئے اُس کا اتباع کریں۔

درمختار میں ہے:

امانحن فعلينا اتباع مارجحوه وماصححوه كمالوافتونا فی حياتهم[4]۔

رہا ہمارا معاملہ تو ہم پر اس قول کی اتباع لازم ہے جسے علماء نے ترجیح دی اور جس کی اُنھوں نے تصحیح فرمائی، جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹
[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱
[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲
[4] درمختار مقدمۂ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

پھر خلاف صحیح مذہب اختیار کرکے اسے ناجائز و ممنوع بتانا اور اُس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بیجا ہے۔

ثم اقول حالِ زمانہ کی رعایت اور مصلحتِ وقت کا لحاظ بھی مفتی پر واجب، علماء فرماتے ہیں:
من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔ جو شخص اپنے دَور کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وُہ جاہل ہے (ت)۔

اب دیکھئے کہ جماعت ثانیہ کی بندش میں کوشش و کاوش سے یہ تو نہ ہُوا کہ عوام جماعت اولیٰ کا التزام تام کرلیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جو رہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر ناحق روافض سے مشابہت پاتے ہیں حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکاتِ عالیہ ظاہریہ و باطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعت اولیٰ کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمام التزام معلوم، جماعت کی جو قدر و وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت و ندامت ہوتی ہے جب بفتوٰی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کئے تو ایک تو مرگ انبوہ جشنے دارد دوسرے شدہ شدہ عادت پڑجاتی ہے چند روز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گرجائے گی اور اُس کے ساتھ ہی سُستی و کاہلی اپنی نہایت پر آئے گی، اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی و ندامت کا صدمہ اُٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہوچکی اوّل ہوچکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمہ فتوٰی رحمہم اللہ تبارک و تعالیٰ کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح و تصحیح فرمایا کرتے ہیں من و تُو سے اُن کے علوم وسیعہ و عقولِ رفیعہ لاکھوں درجے بلند و بالا ہیں روایت و درایت و مصالح شریعت و زمانہ و حالت کو جیسا وُہ جانتے ہیں دُوسرا کیا جانے گا پھر اُن کے حضور دخل در معقولات کیسا فاللہ الھادی و ولی الایادی۔
اس مسئلہ میں کلام طویل ہے اور عبد ذلیل پر فیض مولیٰ عزیز و جلیل، اگر تفصیل کیجئے رسالہ مبسوط ہوتا ہے لیکن

ع درخانہ اگر کس است یکحرف بس است
(اگر خانۂ عقل میں کچھ ہے تو اس کے لئے ایک حرف بھی کافی ہے)

تنبیہ: مگر یہ اُن کے لئے ہے جو احیاناً کسی عذر کے باعث حاضریِ جماعتِ اولیٰ سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعتِ ثانیہ کے بھروسہ پر قصداً بلا عذر مقبولِ شرعی جماعتِ اولیٰ ترک کریں یہ بلاشبہہ ناجائز ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۹: از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی
۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دیں دریں مسئلہ کہ دو جماعت دریک مسجد دریک وقت بلا علمی پس نماز مصلین جماعت ثانیہ جائز است یا نہ؟ بینوا توجروا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بغیر علم ایک وقت میں ایک مسجد میں دو جماعت ہونا کیسا ہے؟ پھر دوسری جماعت کے نمازیوں کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

در جواز بمعنی صحت شک نیست اگرچہ با وصف علم باشد آرے بحال علم جواز بمعنی حل نیست مگر آنکہ امام اول ناشایانِ امامت باشد۔ واللہ تعالٰی اعلم

جواز بمعنی صحت میں کوئی شک نہیں (یعنی درست ہے) اگرچہ جماعتِ ثانیہ کا با وصف علم ہو البتہ با وصف علم جواز بمعنی حل لینا درست نہیں مگر اس صورت میں کہ امام اول امامت کے لائق نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۹ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ جماعت جو کراہتِ تحریمی پر مشتمل ہے جیسے پانچ چھ مقتدی امام کے برابر کھڑے ہیں یا امام کی آستین کہنیوں تک چڑھائی ہوئی ہیں یا وہ کلام مجید صحیح نہیں پڑھتا اُس میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

غلط خوانی امام اگر تاحدِ فساد ہے جب تو ظاہر کہ اُس جماعت میں شرکت نہ کی جائے کہ شرعاً وہ جماعت و نماز ہی نہیں اور اگر صرف اس قدر کہ مثلاً حرف صحیح تو خوب ادا کرلیتا ہے مگر پُورے اوصاف زائدہ مثل تفخیم و ترقیق لام و را وغیرہما نہیں ادا ہوتے یا اظہار و اخفا یا مدوقصر و تحقیق و تسہیل وغیرہا اُن قواعد تجوید کی رعایت نہیں کرتا جن کی مراعات اگرچہ تجویداً واجب ہے فقہاً صحتِ نماز کے لئے کچھ ضرور نہیں تو ضرور شریک ہو کہ جماعت کا ترک یا اُس سے اعراض صرف اتنی بات پر ہرگز روا نہیں، یونہی اگر جماعت کراہتِ تحریم پر مشتمل ہو تو شرکت نہ کرے فان سلب المفاسد اھم من جلب المصالح (کیونکہ مفسدات کو ختم کرنا مصلحات کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ت) اور اگر صرف کراہتِ تنزیہیہ ہو جیسے امامت فاسق غیر معلن میں تو اگر دوسری جماعت پاکیزہ ملے اس میں بھی شرکت نہ چاہئے ورنہ شریک ہوجائے کہ ترکِ جماعت کراہت تنزیہی سے اشد ہے بخلاف کراہتِ تحریم کہ اُس کا مرتبہ قول سنیت جماعت پر ترکِ جماعت سے بدتر، اور مسلک معتمد یعنی وجوب جماعت

پر ہمسر و برابر ہے،

فی حاشیۃ الحلبی ثم الشامی علی الدر الجماعۃ واجبۃ فتقدم علی ترك کراھۃ التنزیه[1] اھ وفیه فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانه فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ قال فی الفتح وعلیه فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد المفتی به لانه بسبیل الی التحول[2] اھ وفی الدر عن النھر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ[3] اھ فی رد المحتار افاد ان الصلاۃ خلفهما اولی من الانفراد[4] اھ وفیه لو انتظر امام مذھبه بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانه یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم

حاشیہ حلبی پھر شامی علی الدر میں ہے کہ جماعت واجب ہے پس یہ کراہت تنزیہی کے ترک پر مقدم ہوگی اھ اور اسی میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحابِ احناف نے فرمایا ہے کہ نمازِ جمعہ کے علاوہ کسی نماز میں فاسق کی اقتدا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ غیر نمازِ جمعہ میں دوسرے امام کو پایا جا سکتا ہے اھ فرمایا: فتح میں ہے کہ اس دلیل کی بناء پر امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ میں بھی فاسق کی اقتدا مکروہ ہوگی جبکہ شہر میں متعدد جگہ پر جمعہ قائم ہوتا ہو کیونکہ اس صورت میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کا میسر آنا ممکن ہے اھ اور در میں نہر اور اس میں محیط کے حوالے سے ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے اھ ردالمحتار میں ہے اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے اولٰی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص صفوں سے دُور کھڑے ہو کر اپنے ہم مذہب امام کا انتظار کرتا ہے تو یہ جماعت سے اعراض شمار نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ تو اس جماعت سے اعلٰی جماعت کے ارادے میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب فی الاقتداء بشافعی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۶
[2] ؍؍ ؍؍ فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ؍؍ ؍؍ ۱/۴۱۴
[3] درمختار ؍؍ باب الامامۃ ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳
[4] ردالمحتار ؍؍ مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۵
[5] ؍؍ ؍؍ مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ ؍؍ ؍؍ ۱/۴۱۷

مسئلہ ۶۱ از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ غلام قادر بیگ صاحب ۵ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی برابر کھڑا ہے دوسرا اور آیا نہ وہ مقتدی اول پیچھے ہٹا نہ امام آگے بڑھا تو یہ اُس مقتدی کو نیت باندھ کر کھینچے یا بے نیت باندھے؟ بینوا توجروا

الجواب

دونوں صورتیں جائز ہیں فتح القدیر سے مستفاد کہ نیت باندھ کر کھینچنا اولٰی ہے، اور خلاصہ میں تصریح فرمائی کہ پہلے کھینچ کر نیت باندھنی مناسب ہے، بہرحال دونوں طریقے روا ہیں، فتح کی عبارت یہ ہے:

لواقتدی واحد باخر فجاء ثالث یجذب المقتدی بعد التکبیر ولوجذبہ قبل التکبیر لایضرہ[1]۔

اگر ایک آدمی نے دوسرے کی اقتدا کی کہ تیسرا آگیا تو وہ مقتدی کو تکبیر کے بعد کھینچے، اگر اس نے تکبیر سے پہلے ہی کھینچ لیا تو بھی کوئی حرج نہیں (ت)

خلاصہ کا نص یہ ہے:

ینبغی ان یجذب احدا من الصف فی المسجد اوفی الصحراء اولا ثم یکبر[2]۔

مناسب یہی ہے کہ وہ کسی ایک نمازی کو صف سے پہلے کھینچ لے خواہ مسجد ہو یا صحرا پھر تکبیر کہے (ت)

مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات کہ کھینچنا اسی کو چاہئے جو ذی علم ہو یعنی اس مسئلہ کی نیت سے آگاہ ہو ورنہ نہ کھینچے کہ مبادا وہ بسبب ناواقفی اپنی نماز فاسد کرلے، تحقیق منقح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز میں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا دوسرے سے کلام کرنا مفسد ہے یونہی اللہ و رسول کے سوا کسی کا کہنا ماننا جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، پس اگر ایک شخص نے کسی نمازی کو پیچھے کھینچا یا آگے بڑھنے کو کہا اور وہ اُس کا حکم مان کر پیچھے ہٹا نماز جاتی رہی اگرچہ یہ حکم دینے والا نیت باندھ چکا ہو اور اگر اس کے حکم سے کام نہ رکھا بلکہ مسئلہ شرع کے لحاظ سے حرکت کی تو نماز میں کچھ خلل نہیں اگرچہ اس کہنے والے نے نیت نہ باندھی ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً حرکت نہ کرے بلکہ ایک ذرہ تامل کرلے تاکہ بظاہر غیر کے حکم ماننے کی صورت بھی نہ رہے جب فرق صرف نیت کا ہے اور زمانہ پر جہل غالب، تو عجب نہیں کہ عوام اس فرق سے غافل ہو کر بلاوجہ اپنی نماز خراب کرلیں، ولہذا علماء نے فرمایا: غیر ذی علم کو اصلاً نہ کھینچے اور یہاں ذی علم وہ جو اس مسئلہ اور نیت کے فرق سے آگاہ ہو، درمختار میں ہے:

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر ما یتصل بصحۃ الاقتداء الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۵۷

لو امتثل امرغیرہ فقیل له تقدم فتقدم فسدت بل یمکث ساعة ثم یتقدم برایه قہستانی معزیا للزاھدی[1] ملخصا۔

اگر نمازی کسی غیر کا حکم بجالایا مثلاً اسے کہا گیا آگے ہوجاؤ وہ آگے ہوگیا تو نماز فاسد ہوجائے گی بلکہ وہ ایک گھڑی ٹھہرے اور پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے قہستانی بحوالہ زاہدی ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح بعد ان ذکرلوجذبه اٰخرفتاخر الاصح لاتفسد صلاته وفی القنیة قیل لمصل منفرد تقدم فتقدم بامرہ فسدت وعلله فی شرح القدوری بانه امتثال لغیر امرالله تعالٰی اھ کلام المصنف وذکرالشرنبلالی ان امتثاله انما ھو لامر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلایضراھ قال ط لوقیل بالتفصیل بین کونه امتثل امر الشارع فلاتفسد وبین کونه امتثل امر الداخل مراعاة لخاطرہ من غیر نظر لامرالشارع فتفسد لکان حسنا[2] اھ مافی ردالمحتار ملتقطا اقول وھذا التفصیل کماتری من الحسن بمکان بل ھو المحل لکلمات العلماء وبه یحصل التوفیق وبالله التوفیق۔

منح میں اس کے بعد ہے کہ اگر اس کو کسی دوسرے نے کھینچا اور وہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور قنیہ میں ہے منفرد (تنہا) نمازی کو کہا گیا آگے ہو اور وہ اس کے حکم کی بنا پر آگے ہوا تو نماز فاسد ہوگی۔ شرح قدوری میں اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ غیر اللہ کا حکم بجالانا ہے اھ کلام مصنف ختم ہوا، شرنبلالی نے فرمایا یہ بجا آوری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر تھی لہذا نقصان دہ نہیں اھ طحطاوی نے فرمایا کہ اگر تفصیل بیان کی جائے درمیان اس کے کہ اگر شارع کا امر سمجھتے ہوئے بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور درمیان اس کے اگر داخل ہونے والے کے امر کی وجہ سے اس کے ارادے کی رعایت کرتے ہوئے بجالایا امر شارع کی طرف نظر کئے بغیر، تو نماز فاسد ہوگی، تو یہ (تفصیل بیان کرنا) بہتر ہوتا اھ یہ ردالمحتار کی گفتگو کا خلاصہ تھا،

اقول (میں کہتا ہوں) یہ تفصیل اس جگہ احسن ہی نہیں بلکہ کلماتِ علماء کا محل بھی ہے اور اس کے ساتھ ان کے کلام میں تطبیق بھی پیدا ہوجاتی ہے وباللہ التوفیق (ت)

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۲

درمختار میں ہے :

يجذب احدا لكن قالوا في زماننا تركه اولى[1] ملخصا۔

کسی کو کھینچ لے مگر ہمارے زمانے کے علماء نے فرمایا نہ کھینچنا ہی بہتر ہے ملخصاً (ت)

خزائن الاسرار میں ہے :

ينبغي التفويض الى رأى المبتلى فان رأى عالما جذبه[2]۔

اس معاملہ کو مبتلا ہونے والے شخص پر چھوڑ دیا جائے اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ آدمی مسئلہ جانتا ہے تو اسے کھینچ لے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

هو توفيق حسن اختاره ابن وهبان في شرح منظومته[3]۔

یہ بہت اچھی تطبیق ہے اسے ابن وہبان نے اپنی شرح منظومہ میں اختیار کیا ہے (ت)

رہا یہ کہ جب نہ مقتدی ہٹے نہ امام بڑھے نہ وہ ذی علم ہو کہ یہ کھینچ سکے یا مثلاً امام قعدۂ اخیرہ میں ہو جہاں ان باتوں کا محل ہی نہیں تو ایسی صورت میں اس آنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اُس کے بائیں ہاتھ پر یہ مل جائے کہ امام کے برابر دو مقتدیوں کا ہونا صرف خلافِ اولیٰ ہے۔

قال الشامي الظاهر ان هذا اذا لم يكن في القعدة الاخيرة والا اقتدى الثالث عن يسار الامام ولا تقدم ولا تاخر[4]۔

امام شامی نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ قعدہ اخیرہ میں نہ ہو ورنہ (یعنی اگر قعدہ اخیرہ میں ہو) تو تیسرا شخص امام کے بائیں جانب اقتدا کرے نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔ (ت)

اور اگر پہلے سے دو ہیں تو یہ پیچھے شامل ہو جائے کہ امام کے برابر تین مقتدیوں کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

في الدر لو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو اكثر[5]۔

در میں ہے اگر دو کے درمیان امام کھڑا ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[2] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار 〃 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۰
[3] ردالمحتار 〃 〃 〃 〃 〃 〃
[4] ردالمحتار باب الامامۃ 〃 〃 ۱/۴۲۰
[5] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

4/4

مراقی الفلاح میں ہے:

جذب عالما بالحکم لایتاذی به والاقام وحده[1] اھ

قلت فارشد الی القیام وحده صونا لصلوۃ غیرہ عن الفساد المحتمل فکیف اذا کان فیه صون صلاۃ نفسه وغیرہ جمیعا عن الخلل المتیقن الموجب للاعادۃ - واللّٰه تعالٰی اعلم۔

علم مسئلہ سے آگاہ نمازی کو کھینچ لے تاکہ اسے پریشانی نہ ہو اور اگر صاحبِ علم نہیں تو تنہا ہی کھڑا ہو جائے اھ

قلت (میں کہتا ہوں) جب اس کا تنہا کھڑا ہونا اس لئے بہتر ہے تاکہ فساد محتمل سے دوسرے کی نماز بچائی جاسکے تو اس وقت تنہا کھڑا ہونا کیوں نہ بہتر ہوگا جب اپنی اور دوسرے دونوں کی نماز ایسے خلل یقینی سے بچائی جارہی ہو جو اعادہ کا موجب ہو واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

القِلَادَۃُ المُرَصَّعَۃُ فِیْ نَحْرِ الاَجْوِبَۃِ الاَرْبَعَۃِ

(چار جوابوں کے مقابلہ میں پرویا ہُوا ہار)

(مولوی اشرفعلی تھانوی کے چار۴ فتووں کا ردِّ بلیغ)

مسئلہ ۶۶۲ تا ۶۶۵: از کانپور بازار میدہ دکان نور بخش و محمد سلیم مرسلہ مولوی محمد شفیع الدین صاحب نگینوی تلمیذ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

بخدمت مجمع کمالاتِ عقلیہ و نقلیہ جناب احمد رضا خاں صاحب دامت افضالہم السلام علیکم، ایک استفتا خدمت شریف میں ارسال ہے پہلا جواب مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا تھا دوسرا جواب مولوی قاسم علی مراد آبادی نے لکھا ہے چونکہ دونوں جوابوں میں تخالف ہے لہذا ارسال خدمت شریف میں کیا گیا ہے جو جواب صحیح ہو اُس کو مُہر و دستخط سے مزین فرمائیں، اگر دونوں جواب خلافِ تحقیق ہیں تو جناب علیحدہ جواب مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیں ماجوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء رحمکم اللہ تعالٰی! تمہارا جواب اس سلسلہ میں کیا ہے؟ ت) ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنے ایک پَیر سے معذور ہے چونکہ اس کو شب کو دوبارہ مسجد میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ شخص مسجد میں قبل اذان و جماعت کے اپنی نمازِ عشا ہمراہ ایک شخص کے اقامت کہہ کر پڑھ لیتا ہے پس شخص مذکور کو جماعت کا ثواب ہوگا یا نہ۔ اور جو جماعت مع اذان کے بعد کو ہوگی اُس میں کچھ کراہت ہوگی یا نہ؟

(۲) ہمراہ شخص مذکور کے جو نماز پڑھتا ہے تو بعد والی جماعت بسبب فوت ہونے تہجد کے ترک کرتا ہے جائز ہے یا نہ؟

(۳) ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اُس کی ظہر کی جماعت اولٰی ترک ہو جاتی ہے اور عذر اُس کا خوف فوت تہجد ہے جائز ہے یا نہ؟

(۴) چند شخصوں کو کوئی ضرورت درپیش ہے وُہ چند شخص قبل اذان وجماعت اپنی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھیں جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا

جوابِ کان پور

جوابِ سوالِ اوّل: نفسِ جماعت کا ثواب ملے گا مگر جماعتِ اولیٰ کی فضیلت سے محروم رہے گا، جماعتِ اولیٰ وہی ہوگی جو اذان واقامت سے اس کے بعد ہوگی اور اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

جوابِ سوالِ دوم: خوف فوتِ تہجد ترکِ جماعت اولیٰ میں عذر نہیں ہے۔

جوابِ سوالِ سوم: یہ عذر ترکِ جماعتِ ظہر نہیں ہوسکتا۔

جوابِ سوالِ چہارم: ضرورتِ شدیدہ میں ترک جماعتِ اولیٰ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ

اشرف علی ۱۳۰۰
از گروہ اولیا

جوابِ مراد آباد

جوابِ سوالِ اوّل کا یہ ہے کہ شخص مندرجہ سوال کا جماعت کرنا مکروہ تحریمہ ہے ثواب جماعت اصلاً نہ ہوگا اس لئے کہ اوّلاً تو معذور ہے جماعت ساقط ہے بلکہ بلا جماعت امید حصول ثواب بوجہ معذوری کے ہے

کما فی الھندیۃ وتسقط الجماعۃ بالاعذار حتی لاتجب علی المریض والمقعد والزمن ومقطوع الید والرجل من خلاف والمفلوج الذی لایستطیع المشی والشیخ الکبیر العاجز اوکان قیما لمریض اویخاف ضیاع مالہ[1] انتہی ملخصا۔

جیسا کہ ہندیہ میں ہے عذر کی وجہ سے جماعت ساقط ہوجاتی ہے حتی کہ مریض، بیٹھ کر چلنے والے، لُولے اور جس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت کٹے ہوئے ہوں، ایسا فالج زدہ جو چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، نہایت ہی عاجز بوڑھا یا وہ شخص کسی بیمار کا نگہبان ہو یا اسے اپنے مال کے ضیاع کا خطرہ ہو تو ان سب افراد پر جماعت واجب نہیں ہے انتہی ملخصا (ت)

ومعھذا (اور اس کے باوجود۔ ت) اُس شخص کا بغیر اذان واقامت کے جماعت کرنا علی الخصوص ایسے شخص کے ساتھ کہ وُہ شرعاً معذور نہیں ہے موجب کراہت تحریمہ کا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ　الفصل الاول فی الجماعۃ　مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور　۱/۸۳

لکھا ہے:

ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیر اذان واقامۃ[1]۔

مسجد میں فرض نماز بغیر اذان واقامت باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ (ت)

ونیز در انست (نیز اسی میں ہے۔ ت):

الاذان سنۃ لاداء المکتوبۃ بالجماعۃ وقیل انہ واجب الصحیح انہ سنۃ مؤکدۃ[2]۔

باجماعت فرض نماز کی ادائیگی کے لئے اذان سنت ہے اور بعض نے اسے واجب کہا ہے صحیح یہ ہے کہ یہ سنتِ مؤکدہ ہے (ت)

پس حصول ثواب نفس جماعت کہاں بلکہ بوجہ ترک سنتِ مؤکدہ کے موجب معصیت ہے۔

کما قال العلامۃ الشامی صرح العلامۃ ابن نجیم فی رسالتہ المؤلفۃ فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر[3] وصرح ایضا بانھم شرطوا لاسقاط العدالۃ بالصغیرۃ الادمان علیھا[4]۔

جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا علامہ ابن نجیم نے اپنے اس رسالہ میں جو انہوں نے بیانِ معاصی میں تحریر کیا ہے فرمایا: ہر مکروہ تحریمی صغائر میں سے ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ اہل علم نے صغیرہ کے سبب اسقاطِ عدالت کے لئے اُس پر ہمیشگی کو شرط قرار دیا ہے۔ (ت)

اور جو جماعت بعد کو مع اذان ہوگی وہ بلاکراہت ہوگی کما مر (جیسا کہ گزرا۔ ت) فقط

جواب سوالِ دوم کا یہ ہے کہ جواب سوال اوّل سے بخوبی مبرہن ہوگیا کہ شرعاً یہ جماعت مکروہِ تحریمہ ہے پس دوسرے شخص کا اُس معذور کے ساتھ قبل اذان کے بخوف فوت نماز تہجد کے نماز پڑھنا ترک کرنا جماعت کا ہے اور ترکِ جماعت کہ سنّتِ مؤکدہ قریب واجب کے ہے واسطے ادائے صلوٰۃ تہجد کے کہ مستحب ہے درست نہیں اس واسطے کہ ترکِ سنّت معصیت ہے برخلاف امر مندوب کہ وہ معصیت نہیں، درمختار میں لکھا ہے:

ومن المندوبات رکعتا السفر والقدوم منہ

سفر پر جانے اور اس سے واپسی پر دو رکعت اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۵۳

[3] ردالمحتار مطلب المکروہ تحریمی من الصغائر الخ 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۴۳۷

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃

وصلوة اللیل[1]۔ رات کی نماز مندوبات سے ہے۔ (ت)

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی البحر الذی یظھر من کلام اھل المذھب ان الاثم منوط بترك الواجب او السنة المؤکدۃ علی الصحیح لتصریحھم بان من ترك سنن الصلوات الخمس قیل لایأثم والصحیح انه یأثم وتصریحھم بالاثم لمن ترك الجماعة مع انھا سنة مؤکدۃ علی الصحیح[2]۔ فقط

بحر میں ہے کہ اہلِ مذہب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح مذہب پر گناہ تب ہوگا جب ترکِ واجب یا ترکِ سنّتِ مؤکدہ ہو کیونکہ علماء کی تصریح ہے جو شخص صلواتِ خمسہ کی سنن ترک کرے ایک قول کے مطابق گنہگار نہ ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ گنہگار ہوگا اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جماعت کا ترک گناہ ہے حالانکہ وہ صحیح قول کے مطابق سنّتِ مؤکدہ ہے۔ (ت)

جواب سوال سوم بہتر یہ ہے کہ بخوف فوت تہجد کے اس قدر قیلولہ نہ کرے کہ جو موجب ترک فضیلت جماعتِ اولیٰ کا ہووے ولہذا اگر کرے تو جائز ہے بشرطیکہ جماعت ترک نہ ہوجائے کہ جماعت ثانیہ ہووے اس لئے کہ ہمارے اساتذہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قولِ محقق یہی ہے کہ جماعتِ ثانیہ بلاکراہت درست ہے اور مساوی ہے ثواب میں نفسِ جماعتِ اولیٰ کے اور جماعتِ اُولیٰ اَولیٰ ہے، چنانچہ میرے استاد و کامل و محدث والد ماجد قدس سرہٗ کا اثبات جماعت ثانیہ کے بارہ میں ایک رسالہ مبسوط ہے من شاء فلیطلع علیھا (جو شخص تفصیل چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ ت) بناءً علیہ واسطے ادائے نماز تہجد کے کہ اعلیٰ درجہ کی مستحب ہے اس قدر قیلولہ کرنا کہ جس سے جماعت اولیٰ ترک ہوجائے نہ مطلق جماعت بلاشبہہ جائز ہے اس لئے کہ فضیلت جماعت کی مساوی فضیلت تہجد کے نہیں ہے بلکہ کمتر ہے من شاء فلیطالع الاحادیث المرویة فی ھذا الباب من الصحاح والحسان (جو شخص تفصیل چاہتا ہے وہ ان احادیث صحیحہ اور حسان کا مطالعہ کرے جو اس مسئلہ کے بارے میں مروی ہیں۔ ت) فقط۔

جواب سوال چہارم بحالت عذر شرعی کے بھی قبل اذان کے مسجد میں جماعت کرنا اشخاصِ مندرجہ سوال کا درست نہیں مکروہ ہے البتہ بعد اذان کے درست ہے

کما فی الھندیة ویکرہ اداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر اذان واقامة[3]۔

جیساکہ ہندیہ میں ہے مسجد میں اذان واقامت کے بغیر فرض نماز کی جماعت مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب الوتر والنوافل | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۹۶

[2] ردالمحتار | مطلب فی السنة وتعریفھا | " مصطفی البابی مصر | ۱/۷۷

[3] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الاول فی صفة واحوال المؤذن | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۵۴

یہی حکم صورِ مسئولہ کا کہ تحریر ہوا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب فقط حررہ العبد المفتقر الی اللہ الغنی محمد قاسم علی عفی عنہ

قاسم علی خلف ۱۲۹۶ مولنا محمد عالم علی

الجواب صحیح والمجیب نجیح

بینظیر سنہ ۱۳۰۰ھ شگفتہ محمد گل

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الحمد للہ الذی یدہ علی الجماعۃ والصلٰوۃ والسلام علی صاحب الشفاعۃ واٰلہ وصحبہ اولی البراعۃ وسائر اھل السنۃ والجماعۃ۔

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحمت والا اور مہربان ہے، تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس کا مبارک ہاتھ جماعت پر ہے اور صلٰوۃ وسلام اس ذاتِ اقدس پر جو صاحبِ شفاعت ہے اور آپ کی آل اور اصحاب پر جو صاحبِ فضیلت ہیں اور تمام اہلِ سنت وجماعت پر۔ (ت)

جوابِ سوالِ اوّل وچہارم: ہاں فعلِ مذکور مکروہ ومحظور ہے نہ اس وجہ سے کہ معذور سے جماعت ساقط یا اُسے بے جماعت ثواب ثابت کہ:

اوّلاً ساقط وجوب ہے نہ جواز بلکہ جماعت افضل وعزیمت۔

وفی ردالمحتار قولہ من غیر حرج قید لکونھا سنۃ مؤکدۃ او واجبۃ فبالحرج یرتفع الاثم ویرخص فی ترکھا ولکنہ یفوتہ الافضل[1] الخ۔

ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول من غیر حرج قید ہے اس بات کی کہ جماعت سنّتِ مؤکدہ یا واجب ہے اور حرج کی وجہ سے گناہ ختم، اور جماعت کے ترک میں رخصت ہوگی البتہ وہ افضل کو فوت کردے گا الخ (ت)

ثانیاً نہ بے جماعت ثوابِ جماعت، مانعِ جماعت فشتان ما بین الحکم والحقیقۃ (حکم اور حقیقت میں نہایت ہی فرق ہے۔ ت) سورۂ اخلاص ثلث قرآنِ عظیم کے برابر ہے کیا تین بار اسے پڑھنے والا ختمِ قرآن سے ممنوع ہوگا (نماز مع) جماعتِ عشا قیامِ نصف شب اور مع جماعتِ فجر قیامِ تمام لیل کے مساوی ہے کیا یہ نمازیں جماعت سے پڑھنے والا احیائے لیل سے باز رکھا جائے گا، شرع میں اس کی نظائر ہزار در ہزار ہیں۔

---

[1] ردالمحتار مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۱۰

فی الحدیث المتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القراٰن[1] اخرجہ مالك واحمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی سعید الخدری والبخاری عن قتادۃ بن النعمان واحمد ومسلم عن ابی الدرداء ومالك واحمد ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ واحمد والترمذی وحسنہ والنسائی عن ابی ایوب الانصاری واحمد والنسائی والضیاء فی المختارۃ عن ابی بن کعب والترمذی وحسنہ عن انس بن مالك واحمد وابن ماجۃ عن ابی مسعود البدری وفی الباب عن[1] عبد اللہ بن مسعود وعن[2] عبد اللہ بن عمرو ومعاذ[3] بن جبل وجابر[4] بن عبد اللہ وعن[5] عبد اللہ بن عباس وام[6] کلثوم بنت عقبۃ وغیرھم[7]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر روایت میں ہے سورہ اخلاص "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت قرآن کی تہائی کے برابر ہے اسے امام مالک، احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے؛ بخاری نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے؛ احمد و مسلم نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے؛ مالک، احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے؛ احمد و ترمذی اور انہوں نے اس روایت کو حسن قرار دیا؛ اور نسائی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے؛ احمد، نسائی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے؛ ترمذی نے اسے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو،

[1] رواہ عنہ الطبرانی فی الکبیر ۱۲ منہ (اس کو ان سے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ ت)

[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ ۱۲ منہ (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ ت)

[3] الطبرانی فی الکبیر ۱۲ منہ (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ ت)

[4] البزار ۱۲ منہ (اسکو بزار نے روایت کیا ہے۔ ت)

[5] ابوعبید ۱۲ منہ (اسکو ابوعبید نے روایت کیا ہے۔ ت)

[6] الامام احمد ۱۲ منہ (اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ت)

[7] رواہ البیہقی فی السنن عن رجاء الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ فہؤلاء خمسۃ عشر صحابیا ۱۲ منہ (اس کو بیہقی نے سنن کبرٰی میں رجاء غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہ پندرہ کے پندرہ صحابی ہیں (لہذا حدیث متواتر ہوئی) ۱۲ منہ غفرلہ)

[1] صحیح البخاری باب فضل قل ھو اللہ احد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۰

رضی اللہ تعالٰی عنھم، مالک و احمد و مسلم عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل و من صلی الصبح فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ[1]۔

معاذ بن جبل، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، ام کلثوم بنت عقبہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔ مالک، احمد اور مسلم نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نمازِ عشا جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز با جماعت پڑھی گویا اس نے تمام رات قیام کیا(ت)

ثالثاً نہ ایسی حالت میں بے ادائے جماعت ثواب جماعت ملنا ثابت۔

قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر و العلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ فی مسألۃ الاعمی وقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لہ ما اجدلک رخصۃ معناہ لا اجدلک رخصۃ تحصل لک فضیلۃ الجماعۃ من غیر حضورھا لا الایجاب علی الاعمی لانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام رخص لعتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ما فی الصحیحین[2]۔

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں مسئلہ اعمی کے تحت یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نابینا کو فرمانا کہ "میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا" اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے لئے جماعت کی فضیلت و ثواب بغیر حاضریِ جماعت کے نہیں پاتا اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے حاضریِ جماعت نابینا پر لازم فرمائی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے دوسرے صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کو اسی عذر کی بنا پر جماعت سے رخصت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں موجود ہے(ت)

تنبیہ اقول استشھادنا انما ھو بھما افادا من عدم حصول الفضیلۃ ولو للمعذور بدون الحضور وفیہ

تنبیہ اقول (میں کہتا ہوں) ہمارا استشہاد و دلیل ان دونوں بزرگوں کے اس افادہ سے ہے کہ فضیلتِ جماعت حاضری کے بغیر حاصل نہ ہوگی

---

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ 〃 سہیل اکیڈمی ص ۵۱۰

ایضا تفصیل یعلم بالرجوع الی المراقی وغیرھا اما کون معنی الحدیث ھذا فعندی محل نظر یعرفہ من جمع طرق الحدیث ففی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل اعمی فقال یا رسول اللہ انہ لیس لی قائد یقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یرخص لہ فیصلی فی بیتہ فرخص فلما ولی دعاہ فقال ھل تسمع النداء بالصلاۃ فقال نعم قال فاجب[1] واخرجہ السراج فی مسندہ مبینا فقال اتی ابن ام مکتوم الاعمی[2] الحدیث وعند الحاکم عن ابن ام مکتوم قلت یا رسول اللہ ان المدینۃ کثیرۃ الھوام والسباع قال اتسمع حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح قال نعم قال فحی ھلا[3] وعند احمد وابن خزیمۃ

خواہ وہ شخص معذور ہی کیوں نہ ہو، اور اس میں بھی تفصیل ہے جس کے جاننے کے لئے مراقی وغیرہ کی طرف رجوع ضروری ہے، باقی حدیث کا یہ معنی کرنا میرے نزدیک محلِ نظر ہے جس کی معرفت حدیث کے طُرق کو جمع کرنے سے ہو گی ——— تو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی مسجد میں لانے والا نہیں، اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہا کہ آپ اسے اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ گھر میں نماز ادا کرلے، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، جب وہ لَوٹے تو آپ نے دوبارہ بلایا اور پوچھا: کیا تم نماز کی اذان سُنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کا جواب دو (یعنی باجماعت نماز پڑھو) اور اسے سراج نے مسند میں تفصیلاً بیان کرتے ہُوئے اس صحابی کا نام لیا کہ آپ کی خدمت میں حضرت ابنِ امِ مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے الحدیث۔ حاکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مدینہ طیبہ میں بہت سے کاٹنے والے کیڑے اور درندے ہیں، فرمایا: تم حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح سنتے ہو؟ عرض کیا ہاں۔

---

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲
[2] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ السراج فی مسندہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۳
[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۷

والحاکم عنہ بسند جید ایسعنی
ان اصلی فی بیتی قال اتسمع الاقامۃ
قال نعم قال فأتہا[1] وفی اخری
قال فاحضرہا[2] ولم یرخص لہ و
للبیہقی عنہ سألہ ان یرخص
لہ فی صلاۃ العشاء و الفجر قال
ہل تسمع الاذان قال نعم
مرۃ او مرتین فلم یرخص
لہ فی ذلک[3] ولہ عن کعب بن عجرۃ
جاء رجل ضریر الی النبی صلی
اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ ایبلغک
النداء قال نعم قال فاذا سمعت
فاجب[4] ولاحمد وابی یعلی
والطبرانی فی الاوسط و
ابن حبان عن جابر
واللفظ لہ قال اتسمع الاذان
قال نعم قال فأتہا[5] ولو حبوا
فکان ذلک فیما نری و اللہ
تعالٰی اعلم انہ رضی

فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ مسند احمد، ابن خزیمہ اور حاکم
نے انھی سے سند جید کے ساتھ نقل کیا کہ میں نے
عرض کیا کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں گھر میں
نماز ادا کرلوں؟ فرمایا: کیا اقامت سنتے ہو؟ عرض
کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ دوسری روایت
میں ہے، اس میں حاضری دو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رخصت
نہ دی۔ بیہقی نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے ہی روایت کیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم سے اس بات کی رخصت چاہی کہ
انکو عشا اور فجر کی نمازیں جماعت سے رخصت
دے دیں۔ فرمایا: کیا تم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا:
ہاں۔ ایک یا دو دفعہ پوچھا آپ نے انھیں اس
بارے میں رخصت نہ دی۔ بیہقی میں حضرت کعب
بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ ایک نابینا شخص
رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس
میں آیا اسی میں ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تجھے اذان
کی آواز پہنچتی ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: جب تو
سنتا ہے تو جواب دے (یعنی جماعت میں حاضری
دے) مسند احمد، ابویعلی، طبرانی کی اوسط میں اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۳/ ۴۲۳
[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۷
[3] مجمع الزوائد باب فی ترک الجماعۃ " دار الکتاب بیروت ۲/ ۴۳
[4] " " " " ۲/ ۴۲
ف: یہ دونوں حوالے مجمع سے اس لئے نقل کئے کہ سنن بیہقی اور شعب الایمان للبیہقی سے نہیں ملے، ہوسکتا ہے یہ لفظ للبیہقی کی بجائے للطبرانی ہو کیونکہ مجمع نے طبرانی اوسط کے حوالے سے یہ دونوں حدیثیں نقل کی ہیں۔ نذیر احمد سعیدی
[5] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان باب فرض الجماعۃ والاعذار الخ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۲۵۲

اللہ تعالٰی عنہ لم یکن یشق علیہ المشی وکان یھتدی الی الطریق من دون حرج کما یشاھد الآن فی کثیر من العمیان ثم راجعت الزرقانی علی المؤطا فرأیتہ نص علی ذلک نقلا فقال وحملہ العلماء علی انہ کان لایشق علیہ المشی وحدہ ککثیر من العمیان[1] اھ وح یترجح بحث العلامۃ الشامی حیث بحث ایجاب الجمعۃ علی امثال ھؤلاء فقال بل یظھر لی وجوبھا علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلاقائد ولاکلفۃ ویعرف ای مسجد ارادہ بلا سؤال احد لانہ حینئذ کالمریض القادر علی الخروج بنفسہ بل ربما تلحقہ مشقۃ اکثر من ھذا تامل[2] اھ ثم رأیت الامام النووی نقل فی شرح مسلم ما ذکر المحققان من معنی الرخصۃ عن الجمھور فقال اجاب الجمھور عنہ بانہ سأل

ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روی الفاظ ابن حبان کے ہیں کیا تم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کی طرف آؤ خواہ گھٹنوں کے بل آنا پڑے، اس سلسلہ میں ہماری رائے یہی ہے، حقیقتِ حال سے اللہ ہی آگاہ ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چلنا دشوار نہ تھا اور وہ بغیر کسی حرج کے راستہ پالیتے تھے جیسا کہ اب بھی بہت سے نابینا لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے پھر میں نے زرقانی علی المؤطا کا مطالعہ کیا تو اس میں بعینہٖ یہی بات منقول تھی کہ تمام اہلِ علم کی یہی رائے ہے کہ ان پر تنہا چلنے میں دشواری نہ تھی جیسا کہ اب بھی بہت نابینا افراد پر تنہا چلنا دشوار نہیں ہے اھ اور اب علامہ شامی کی وہ بحث بھی ترجیح پائے گی جو انہوں نے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب قرار دیتے ہوئے کی ہے تو کہا بلکہ مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ایسے نابینا لوگوں پر جمعہ واجب ہوگا جو بغیر کسی قائد اور بلامشقت تنہا راستہ جان کر چل سکتے ہوں اور اس مسجد تک بغیر پوچھے پہنچ سکتے ہوں جہاں انہوں نے نماز ادا کرنی ہو کیونکہ یہ اس وقت اس مریض کی طرح ہوں گے جو خود بخود نکلنے پر قادر ہو بلکہ بعض اوقات مریض کو اس سے کہیں زیادہ مشقت اٹھانا ہوتی ہے تامل اھ پھر میں نے امام نووی کی شرح مسلم دیکھی اس میں انہوں نے دونوں محققین کا جمہور سے معنی رخصت ذکر کیا ہوا نقل کرکے فرمایا جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا — فصل صلوٰۃ الجماعۃ — مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر — ۱/۲۶۴

[2] ردالمحتار — باب الجمعۃ — مطبوعہ مصطفی البابی مصر — ۱/۶۰۲

ھل لہ رخصۃ ان یصلی فی بیتہ و تحصل لہ فضیلۃ الجماعۃ بسبب عذرہ فقیل لاقال ویؤید ھذا ان حضور الجماعۃ یسقط بالعذر باجماع المسلمین ودلیلہ من السنۃ حدیث عتبان بن مالک[1] الخ۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ مجھے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے اور عذر کی بنا پر حاضر نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو، تو اس کا جواب نفی میں آیا امام نووی نے فرمایا اس گفتگو سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عذر کی بنا پر حاضریِ جماعت کے سقوط پر تمام اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل سنّت سے وہ حدیث ہے جو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس بارے میں مروی ہے الخ (ت)

اقول وقد علمت ما فی ھذا التائید فان الشان فی ثبوت الحرج لہ رضی اللہ تعالٰی عنہ و لعل عتبان کان ممن یتحرج بالمشی وحدہ دون ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم ان الامام النووی استشعر ورود قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجب فاجاب باحتمال انہ بوحی نزل فی الحال و باحتمال تغییر اجتہادہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبان الترخیص کان بمعنی عدم الوجوب وقولہ فاجب ندب الی الافضل۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس تائید میں جو کچھ ہے وہ آپ جان چکے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ابن ام مکتوم کے لئے حرج ثابت ہو، شاید حضرت عتبان رضی اللہ تعالٰی عنہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن کو تنہا چلنا دشوار ہو بخلاف ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ان کے لئے ایسا معاملہ نہ تھا، پھر امام نووی نے حضور علیہ السلام کے ارشاد "فاجب" کے ورود سے یہ بات سمجھی تو جواب احتمال سے دیا کہ ممکن ہے یہ حکم اسی حال میں وحی نازل ہونے کے ساتھ دیا اور یہی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اجتہاد میں تبدیلی ہوئی ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رخصت بمعنی عدم وجوب ہو اور آپ کا ارشاد فاجب افضل کی طرف متوجہ کر رہا ہو۔

---

[1] شرح مسلم للنووی مع مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۲

اقول اما الاولان فتسلیم للقول واما حمل فاجب علی الندب فخلاف الظاھر لاسیما مع بنائه علی سماع الاذان فان الندب حاصل مطلقا فافھم واللہ تعالٰی اعلم

اقول (میں کہتا ہوں) پہلے دونوں احتمال قول کی وجہ سے تسلیم مگر فاجب کو ندب پر محمول کرنا خلافِ ظاہر ہے خصوصاً جب اس کی بنا اذان کے سماع پر ہو کیونکہ ندب تو ہر حال میں حاصل تھا، فافھم واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رابعاً سب سے قطع نظر کیجئے تو پاؤں کا عذر عذر فی الحضور ہے نہ عذر للحاضر کالمطر والطین و امثالھما بلکہ وجہ **اولاً** وہی اتیان جماعت بے اذان کہ درباب استنان موکد اذان اگرچہ مواہب الرحمان و مراقی الفلاح و ردالمحتار کے اطلاقات بہت وسیع ہیں

ویعارضھا کثیر من روایات المبسوط والمحیط والخانیۃ والخلاصۃ والبزازیۃ والھندیۃ وغیرھا من المعتبرات حتی نفس ردالمحتار و مشروحہ الدرالمختار کما بیناہ فیما علقناہ علی ھامشہ۔

مبسوط، محیط، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، ہندیہ اور دیگر معتبر کتب کی اکثر روایات اس کے معارض ہیں حتی کہ خود ردالمحتار اور اس کا متن درمختار میں بھی معارض ہیں جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ میں بیان کیا ہے (ت)

مگر اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نماز پنجگانہ[1] سے جو نماز وقتی رجال احرار غیر عُراۃ مسجد میں با جماعت ادا کریں اس کے لئے سوا بعض صورِ مستثناۃ[2] کے وقت میں اذان کا پہلے ہولینا سنتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے اور بے اُس کے

---

[1] دخلت الجمعۃ وخرجت صلٰوۃ العیدین والکسوف والجنازۃ والاستسقاء وغیرھا والفوائت وجماعۃ النساء والصبیان والعبید والعراۃ وجماعۃ البیوت والصحراء ومستند کل ذلک مذکور فیما علقناہ علی ردالمحتار ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اس میں جمعہ داخل اور عیدین، کسوف، جنازہ اور استسقاء وغیرہ اور قضا اور جماعتِ خواتین، بچوں، غلاموں، ننگوں اور گھریلو جماعت اور جنگل کی جماعت اس سے خارج ہے اور ہر ایک پر دلیل ہم نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[2] مثلاً جمعہ کے دن شہر یا قصبہ میں جو معذور ظہر پڑھیں اُنھیں اذان کی اجازت نہیں اگرچہ جماعت کریں کہ انھیں جماعت کرنا بھی جائز نہیں، موسم حج میں عصرِ عرفہ و عشائے مزدلفہ کے لئے صرف تکبیر ہوتی ہے نہ اذان۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

جماعت کرلینا مکروہ وگناہ یہاں تک کہ یہ جماعت شرعاً اصلاً معتبر نہیں اس کے بعد جو جماعت باذان واقامت ہوگی وہی پہلی جماعت ہوگی بلکہ علماء فرماتے ہیں اگر کچھ لوگوں نے آہستہ اذان دے کر جماعت کرلی کہ آوازِ اذان اوروں کو نہ پہنچی تو ایسی جماعت بھی داخل شمار واعتبار نہیں نہ کہ جب سرے سے اذان دی ہی نہ جائے، وجیز امام کردری میں ہے:

یکرہ للرجال اداء الصلٰوۃ بجماعۃ فی مسجد بلا اعلامین لا فی المفازۃ والکروم والبیوت[1] الخ

مردوں کے لئے مسجد میں فرائض کی جماعت اذان و اقامت کے بغیر مکروہ ہے، جنگل، گھنے باغوں اور گھروں میں مکروہ نہیں الخ (ت)

اقول قولہ بلا اعلامین ای بدون الجمع بینھما فنافی الکراھۃ ھو الایتان بھما لا باحدھما بدلیل قولہ لا فی المفازۃ الخ فان ترك اعلام الشروع مکروہ مطلقا ولو فی المفازۃ وقد نص علی الاساءۃ فی ترکھما۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس کا قول "بلا اعلامین" یعنی اذان واقامت کو جمع کئے بغیر لہٰذا منافیِ کراہۃ دونوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنا ہے نہ صرف ایک کے ساتھ، اس کا قول لا فی المفازۃ الخ اس پر دلیل ہے کیونکہ جماعت کے ساتھ اذان کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ جنگل میں ہو اور ان دونوں کے ترک پر اساءت کی تصریح ہے (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما فی الھندیۃ عن الخانیۃ ولا حاجۃ ھھنا الی استثناء فوائت تودی فی المسجد کما فعل الشامی ولا ماوراء اول فوائت ولو ادیت فی غیر المسجد کما زدناہ علیہ لان الکلام ھھنا فی الاداء ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہندیہ میں خانیہ کے حوالے سے یوں ہی ہے اور ان فوت شدہ نمازوں کے استثناء کی ضرورت نہیں جو مسجد میں ادا کی جائیں جیسا کہ شامی نے کیا ہے اور اور نہ ہی ماوراے اول کے فوت شدہ کا استثنا ضروری ہے اگرچہ وہ غیر مسجد میں ادا کی جائیں جیسا کہ ہم نے اس پر اضافہ کیا ہے کیونکہ یہاں گفتگو ادا میں ہو رہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ فصل الاول فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۴

دُرر وغُرر علّامہ مولٰی خسرو میں ہے:

(یأتی بھما) ای الاذان والاقامۃ (المسافر والمصلی فی المسجد جماعۃ وفی بیتہ بمصر وکرہ للاول) ای المسافر (ترکھما) ای الاقامۃ (وللثانی) ای المصلی فی المسجد (ترکہ) ای الاذان (ایضا) ای کالاقامۃ۔[1]

(ان دونوں کو بجالائے) یعنی اذان واقامت کے ساتھ (مسافر اور نمازی مسجد میں جماعت کے لئے اور شہر میں گھر پر نماز ادا کرنے والا' اور پہلے کے لئے مکروہ ہے) یعنی مسافر کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی تکبیر کا (اور دوسرے کے لئے) یعنی مسجد میں نماز ادا کرنے والے کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی اذان کا (بھی) یعنی اقامت کی طرح مکروہ ہے (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوصلی بعض اھل المسجد باقامۃ وجماعۃ ثم دخل المؤذن والامام وبقیۃ الجماعۃ فالجماعۃ المستحبۃ لھم والکراھۃ للاولی کذا فی المضمرات۔[2]

اگر کچھ اہلِ مسجد نے اقامت اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلی پھر مؤذن، امام اور باقی لوگ آئے تو ان کی جماعت مستحب ہے، پہلی جماعت مکروہ ہوگی، مضمرات میں اسی طرح ہے (ت)

یہ خاص جزئیہ مسئلہ مسئولہ ہے خلاصہ وخانیہ وہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للامام البخاری جماعۃ من اھل المسجد اذنوا فی المسجد علی وجہ المخافۃ بحیث لم یسمع غیرھم ثم حضر من اھل المسجد قوم وعلموا فلھم ان یصلوا بالجماعۃ علی وجھھا ولا عبرۃ للجماعۃ الاولی اھ[3]

الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ جماعت کیلئے اہلِ مسجد سے ایک گروہ نے مسجد میں اتنی آہستہ اذان دی کہ ان کے غیر نے نہ سُنی پھر دیگر لوگ آئے اور ان کو علم ہوا تو ان لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ سنّت طریقہ پر جماعت کروائیں پہلی جماعت کا کوئی اعتبار نہیں اھ (ت)

پس اُس معذور اور اُس کے شریک اور اُن ضرورت والوں کا یہ فعل جماعتِ مسنونہ معتبرۂ شرعیہ نہیں بلکہ

---

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الاذان مطبوعہ مطبع احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادت مصر ۱/۵۶
[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول من باب الاذان ” نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴
[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان ” مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۴۸

مکروہ ممنوع ہے اور جو جماعت باذان واقامت اس کے بعد ہوگی اس میں کچھ کراہت نہ ہوگی بلکہ وہی جماعت مسنونہ وجماعت اولٰی ہے۔

ثانیاً جب یہ جماعت جماعت نہیں تو دقیق نظر حاکم کہ ان کا یہ فعل بعد دخول وقت مسجد سے بے نیت شہود جماعت باہر جانا ہوا یہ بھی مکروہ اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد:

ابن ماجۃ[عہ] عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

ابن ماجہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ

عہ سندہ ضعیف واقتصرنا علیہ تبعا للبحر وغیرہ وقد ثبت بسند صحیح من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لکن فیہ تخصیص مسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایسمع النداء فی مسجدی ھذا ثم یخرج منہ الا لحاجۃ ثم لایرجع الیہ الامنافق[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط و لابی داؤد فی مراسیلہ عن سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لا یخرج من المسجد احد بعد النداء الامنافق الا احد اخرجتہ حاجۃ وھو یرید الرجوع[2] ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اس کی سند ضعیف ہے ہم نے بحر وغیرہ کی اتباع میں اسی پر اقتصار کیا ہے حالانکہ سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ثابت ہے لیکن اس میں مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تخصیص ہے، کہا رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں کوئی شخص اذان نہیں سنتا، پھر کسی ضرورت کے بغیر مسجد سے نکل جاتا ہے اور واپس مسجد کی طرف نہیں آتا مگر یہ کہ وہ منافق ہے اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں ذکر کیا اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذان کے بعد مسجد سے منافق کے علاوہ کوئی نہیں نکلتا مگر عذر کی وجہ سے جب کوئی حاجت و ضرورت اس شخص کو نکالے اور وہ شخص واپسی کا ارادہ رکھتا ہو تو منافق نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن خرج من المسجد بعد الاذان مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۵

[2] کتاب المراسیل باب ما جاء فی الاذان ؍؍ مطبع علمیہ لاہور ص ۳۴

عليه وسلم من ادركه الاذان فى المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لا يريد الرجعة فهو منافق[1]

تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے اذان کو مسجد میں پایا پھر وہاں سے نکل گیا حالانکہ اسے نکلنے کی کوئی حاجت بھی نہ تھی اور واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے :

كره تحريما للنهى خروج من لم يصل من مسجد اذن فيه جرى على الغالب والمراد دخول الوقت اذن فيه اولا[2]

مکروہ تحریمی ہے بسبب ممانعت کے نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہوگئی ہو، شارح نے کہا ماتن اکثر پر چلا ہے (یعنی اکثر یہی ہوتا ہے کہ اذان کا وقت ہونے پر اذان ہو جاتی ہے) اور مراد اذان ہونے سے وقت نماز کا آجانا ہے خواہ مسجد میں اذان ہوئی ہو یا نہ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

الظاهر من الخروج من غير صلاة عدم الصلٰوة مع الجماعة الخ[3]

نماز کے بغیر نکلنے سے ظاہر مراد یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی ہو الخ (ت)

اقول وظاهر ان المراد بالجماعة هى الجماعة المسنونة المشروعة دون المكروهة الممنوعة فان النهى عن الخروج انما هو لطلب الجماعة فلا يتناول الا الجماعة المطلوبة شرعا كيف وقد تقدم ان الجماعة بلا اذان كلا جماعة فلا يعتد بها اصلا والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم

اقول (میں کہتا ہوں) اس سے ظاہراً مراد وہ جماعت ہے جو مسنونہ مشروعہ ہو نہ کہ وہ جو مکروہ و ممنوع ہو کیونکہ نکلنے پر ممانعت وہ طلبِ جماعت کے واسطے ہے اور یہ حکم اسی جماعت کے لئے ہوگا جو شرعاً مطلوب ہے، یہ کیسے ہو حالانکہ پہلے گزر چکا ہے کہ بغیر اذان کے جماعت ایسے ہے جیسے جماعت ہوئی ہی نہیں، پس اس کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے گا، اللہ تعالٰی تمام نقائص وعیوب اور کمزوریوں سے پاک ہے، وہ سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس جل مجدہ

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الاذان وانت فی المسجد فلا تخرج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] درمختار باب ادراک الفریضہ " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

[3] بحرالرائق " " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷۰

واحکم۔ کا علم کامل اور اکمل ہے (ت)

جوابِ سوالِ دوم: خوفِ فوتِ تہجد نہ ترکِ جماعت مامور بہا کا مجوز ہوسکتا ہے نہ بعد دخول وقت بے شرکت جماعت شرعیہ مسجد سے نکل جانے کا مبیح نہ جماعت مکروہہ ممنوعہ کا داعی نہ خود اس عذر کا غالباً کوئی محصل صحیح کیا اذان موجب فوت تہجد ہے غرض یہ بہانہ مسموع نہیں اگرچہ تہجد سنّت ہی سہی کما ال الیہ کلام المحقق فی الفتح ومال الیہ تلمیذہ المحقق محمد الحلبی فی الحلیۃ قائلا انہ الاشبہ (جیسا کہ اس کی طرف فتح القدیر میں کلام محقق لوٹتا ہے اور ان کے شاگرد محمد حلبی نے حلیہ میں یہ کہتے ہوئے اسی طرف رجوع کیا کہ یہی اشبہ ہے۔ ت) کہ اوّلاً وہ بر تقدیر سنیت بھی معارضۂ جماعت کا صالح نہیں دربارۂ تہجد صرف ترغیبات ہیں اور ترکِ جماعت پر سخت ہولناک وعیدیں کہ حکمِ کفر تک وارد،

علی تاویلاتہ المعروفۃ فی امثال المقام وحدیثہ[عہ۱] عند احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسند حسن وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المتخلفین عن الجماعات لوترکتم سنۃ[عہ۲] نبیکم لکفرتم[۱]

اس طرح کے مقامات پر تاویلات معروفہ کے ساتھ، اور اس پر مسند احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں فرمایا اگر تم نے اپنے نبی کی سنّت ترک کردی تو تم نے کفر کیا (ت)

اور جماعت عشا[عہ۳] کے نہ حاضر ہونے پر گھر جلا دینے کا قصد فرمانا ثابت کما[۲] فی الصحیحین من

عہ۱: سیأتی نصہ فی جواب السؤال الثالث ۱۲ منہ (م)
اس حدیث کے الفاظ عنقریب تیسرے سوال کے جواب میں آرہے ہیں ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: ھذہ روایۃ ابی داؤد الحدیث بلفظ لضللتم عند مسلم وغیرہ ۱۲ منہ (م)
یہ ابوداؤد کی روایت ہے اور مسلم وغیرہ میں اس کے الفاظ "تم گمراہ ہوجاؤ گے" ہیں ۱۲ منہ (ت)

عہ۳: بعض احادیث میں عشا، بعض میں فجر، بعض میں جمعہ، بعض میں مطلق جماعت وارد ہے اور سب صحیح ہیں کما فی عمدۃ القاری للامام العینی (جیسا کہ امام بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری میں ہے۔ ت) یہاں ذکر عشا ہی تھا لہذا اس کی تخصیص کی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[۱] سنن ابی داؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱
[۲] صحیح البخاری باب فضل صلوۃ العشاء فی الجماعۃ 〃 قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۰

حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الباب غیرہ عله۱ (جیسا کہ بخاری ومسلم میں اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث موجود ہیں۔ت)

ثانیاً فوت سنت آئندہ کے خوف متیقن سے فی الحال اپنے ہاتھوں سنتِ جلیلہ چھوڑ دینے کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص مرگِ فردا کے اندیشہ سے آج خودکشی کرلے۔

ثالثاً یہ جاگتے ہیں قصداً مکروہات ومنہیاتِ شرعیہ کا ارتکاب ہوگا اور تہجد نہ بھی ملا تو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوم میں تفریط نہ رکھی۔

عله۲ احمد ومسلم وابوداود وابن حبان (احمد، مسلم، ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت

عله فانه حدیث مشهور ورد من حدیث عمرو بن ام مکتوم عند احمد وعن اسامة بن زید عند ابن ماجة وعن انس بسند جید وعن ابن مسعود کلیهما عند الطبرانی فی الاوسط وعن جابر بن عبد الله عند الطحاوی فی مشکل الاٰثار وقد ذکرنا احادیثهم فی رسالتنا حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة اما حدیث ابی هریرة فرواه من لایحصی من اصحاب الصحاح والسنن والمسانید والمعاجیم والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

کیونکہ مشہور حدیث ہے امام احمد نے حضرت عمرو ابن ام مکتوم سے، ابن ماجہ نے حضرت اسامہ بن زید سے، طبرانی نے اوسط میں حضرت انس سے سندِ جید کے ساتھ اور حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے ہم نے ان تمام احادیث کو اپنے رسالے "حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة" میں ذکر کیا ہے۔ رہی حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، تو اسے لاتعداد اصحابِ صحاح وسنن اور اصحابِ مسانید ومعاجیم نے روایت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

عله عزاه فی الجامع الصغیر لاحمد وابن حبان قال شارحه المناوی ورواه عنه ابوداود وغیره[۱] اھ ولاشك انه موجود فی صحیح مسلم ۱۲ منه (م)

جامع صغیر میں اس کی نسبت امام احمد اور ابن حبان کی طرف کی ہے اس کے شارح امام مناوی نے فرمایا اس کو ان سے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے[۱] اور بلاشک یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے ۱۲ منہ (ت)

؎۱ التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۳۲۶

عن ابی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة۔[1]

ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تفریط نیند میں نہیں بلکہ بیداری میں ہے۔ (ت)

بلکہ بہ نیت تہجد سونے والے کو اگرچہ تہجد نہ پائے ثوابِ تہجد کا وعدہ فرمایا اور اس کی نیند کو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے صدقہ بتایا۔

مالک فی الموطا وابوداؤد والنسائی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال مامن امرئ تکون لہ صلاة بلیل یغلبہ علیہا نوم الا کتب اللہ لہ اجر صلاتہ وکان نومہ علیہ صدقة[2] وھو عند ابن ابی الدنیا فی کتاب التہجد بسند جید، والنسائی وابن ماجة وخزیمة والبزار بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من اتی فراشہ وھو ینوی ان یقوم فیصلی من اللیل فغلبتہ عیناہ حتی یصبح کتب لہ ما نوی وکان نومہ صدقة علیہ من ربہ عزوجل[3] وھو بمعناہ عند ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ذر او

امام مالک نے مؤطا میں، ابوداؤد اور نسائی نے ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو رات کی نماز (تہجد) کی نیت رکھتا ہو اس پر نیند غالب آجائے تو اللہ تعالیٰ اسے نماز کا اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوگی، یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد میں سند جید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بستر پر اس نیت سے لیٹا کہ رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے گا مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی تو اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا اور اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر صدقہ ہوگی اور یہ حدیث معناً ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر یا حضرت

---

[1] سنن ابوداود باب فی من نام عن صلوٰۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۴

[2] مؤطا امام مالک ماجاء فی صلوٰۃ اللیل " میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۹۹

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فیمن نام عن حزبہ من اللیل " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہما ھکذا بالشك۔

ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح شک کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ت)

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابو حثمہ اور اُن کے صاحبزادہ سلیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کو جماعتِ صبح میں نہ دیکھا اُن کی زوجہ اور اُن کی والدہ شفا رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبب پوچھا، کہا نمازِ شب کے سبب نیند نے غلبہ کیا نمازِ صبح پڑھ کر سو رہے، فرمایا: مجھے جماعتِ صبح میں حاضر ہونا نمازِ تمام شب سے محبوب تر ہے۔

مالك عن ابن شهاب عن ابی بكر بن سليمٰن بن ابی حثمة ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه فقد سليمٰن ابن ابی حثمة فی صلاة الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الى السوق ومسكن سليمٰن بين السوق والمسجد (النبوی) فمر على الشفاء ام سليمٰن فقال لها لم ار سليمٰن فی صلاة الصبح فقالت انه بات يصلی فغلبته عيناه فقال عمر لان اشهد صلاة الصبح فی الجماعة احب الیّ من ان اقوم ليلة[1]۔ عبد الرزاق فی مصنفه عن معمر عن الزهری عن سليمٰن ابن ابی حثمة عن امه الشفاء بنت عبد اللہ قالت دخل علی عمر وعندی رجلان نائمان تعنی زوجها ابا حثمة وابنها سليمٰن فقال اما صليا الصبح قلت لم يزالا

مالک، ابن شہاب سے وہ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سلیمٰن ابن ابی حثمہ کو نمازِ صبح میں نہ پایا آپ صبح کو جب بازار کی طرف گئے اور سلیمٰن کا گھر بازار اور مسجدِ نبوی کے درمیان تھا تو آپ سلیمٰن کی والدہ شفاء کے پاس سے گزرے اور پوچھا میں نے سلیمٰن کو آج نمازِ صبح میں نہیں پایا تو انہوں نے عرض کیا وہ رات بیدار رہے نماز پڑھتے رہے صبح کو نیند غالب آگئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے نمازِ فجر میں حاضر ہونا اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ساری رات قیام کروں۔ امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سلیمان ابن ابی حثمہ سے انہوں نے اپنی والدہ شفاء بنت عبد اللہ سے بیان کیا کہ ان کی والدہ فرماتی ہیں حضرت عمر میرے پاس آئے تو میرے پاس دو آدمی سوئے ہوئے تھے، اس سے وہ اپنا خاوند ابو حثمہ اور اپنا بیٹا سلیمان مراد لیتی ہیں۔ آپ نے

---

[1] مؤطا امام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

یصلیان حتی اصبحا فصلیا الصبح وناما فقال لان اشھد الصبح فی جماعۃ احب الی من قیام لیلۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

فرمایا: انھوں نے نمازِ صبح کیوں پڑھی! میں نے عرض کیا یہ ساری رات نماز میں مشغول رہے حتی کہ صبح ہوگئی پھر انھوں نے نمازِ صبح ادا کی اور سوگئے۔ تو آپ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نمازِ فجر کی میری حاضری ساری رات قیام سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال سوم: اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) اس مسئلہ میں جواب حق و حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور فی السوال سرے سے بیہودہ و سراپا اہمال ہے وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ و پاس اُسے تفویتِ جماعت پر باعث ہوتا ہے اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وُہ خود فوتِ واجب سے اُس کی محافظت کرتا نہ کہ اُلٹا فوت کا سبب ہوتا،

قال عزوجل ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک نماز بےحیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصلحین قبلکم وقربۃ الی اللہ تعالٰی ومنھاۃ عن الاثم وتکفیر للسیئات ومطردۃ للداء عن الجسد[3]۔ رواہ الترمذی فی

تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ (رات کا قیام) اگلے نیکوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنیوالا اور گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دُور کرنے والا۔ اسے ترمذی نے اپنی جامع،

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب فضل الصلوٰۃ فی جماعۃ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱/۵۲۶
[2] القرآن ۲۹/۴۵
[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۴
صحیح ابن خزیمہ باب التحریض علی قیام اللیل الخ ؍؍ مکتب اسلامی بیروت ۲/۱۷۷

ف: حدیث مذکور کے الفاظ صفحہ مذکور پر مصنف میں یُوں ہیں: عن معمر عن الزھری عن سلیمٰن بن ابی حثمۃ عن الشفاء بنت عبد اللہ قالت دخل علیّ بیتی عمر بن الخطاب فوجد عندی رجلین نائمین فقال وما شان ھذین ما شھدا معی الصلوٰۃ؟ قلت یا امیر المؤمنین صلیا مع الناس وکان ذلک فی رمضان فلم یزالا یصلیان حتی اصبحا وصلیا الصبح وناما، فقال عمر لان اصلی الصبح فی جماعۃ احب الی من ان اصلی لیلۃ حتی اصبح۔ نذیر احمد

جامعه وابن ابی الدنیا فی التھجد و ابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک وصححہ والبیھقی فی سننہ عن ابی امامۃ الباھلی واحمد والترمذی وحسنہ والحاکم والبیھقی عن بلال والطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی وابن السنی عن جابر بن عبد اللہ وابن عساکر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک میں روایت کرکے صحیح کہا، اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوامامہ باہلی سے، اور احمد اور ترمذی نے صحیح قرار دیتے ہوئے روایت کیا، حاکم اور بیہقی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت سلمان فارسی سے۔ اور ابن سنی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور ابن عساکر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔

ترفوتِ جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اگر میزان شرع مطہر لے کر اپنے اقوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا بھلا یہ تہجد وقیلولہ وہ ہیں جو اس نے خود ایجاد کئے جب تو انھیں تفویت شعارِ عظیم اسلام کے لئے کیوں عذر بناتا ہے اور اگر وہ ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً منقول ہوئے تو بتائیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد وقیلولہ کی طرف بلایا جن سے جماعتِ فریضہ فوت ہو، کیا قرآن وحدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں، کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کئے ہیں! حاشا وکلا ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

(اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تُو کعبہ کو نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تُو چل رہا ہے وہ ترکستان کو جاتا ہے)

یا ہذا سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر، یہ کیا کہ سنت لیجئے اور واجب فوت کیجئے۔ ذرا بگوش ہوش سُن اگرچہ حق تلخ گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی طرف جائے تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے تجھے ترکِ تہجد کی مشورت دے کہ من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما (دو بلاؤں میں مبتلا شخص ان دو میں سے آسان کو اختیار کرے۔ ت) بہرحال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے مگر حاشا خدامِ فقہ وحدیث نہ تجھے تفویت واجب کا فتوٰی دیں گے نہ عادی تہجد کو ترکِ تہجد کی ہدایت

کرکے ارشادِ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

یاعبد اللہ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك قیام اللیل[1] رواہ الشیخان عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

اے عبد اللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو رات کا قیام کرتا تھا مگر اب اس نے ترک کردیا۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

کا خلاف کریں گے۔ یہ اس لئے کہ وُہ بتوفیقہٖ عزوجل حقیقتِ امر سے آگاہ ہیں اُن کے یہاں عقلِ سلیم ونظرِ قویم دُو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد وجماعت میں تعارض نہیں اُن میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفس شریر وسوئے طرز تدبیر سے ناشی ہوا یاھذا اگر تو وقتِ جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً آثم وتارک واجب اور اس عذر باطل میں مبطل وکاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلوٰۃ فلا یجیبہ[2] حدیث حسن قد ذکرنا تخریجہ ولفظ الطبرانی ینادی بالصلاۃ ویدعو الی الفلاح[3]

ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سُنے اور حاضر نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے اس کی تخریج کا ذکر ہم نے پیچھے کردیا ہے۔ طبرانی کے الفاظ یُوں ہیں: "نماز کی طرف بلانے والے اور فلاح کی دعوت دینے والے کو سُنے"۔

اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کہ یہ فتنہ خواب کیونکر جاگا اور یہ فساد عجاب کہاں سے پیدا ہوا اس کی تدبیر کر۔ کیا تُو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا، یوں ہے تو اول وقت خواب کر، اولیائے کرام قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم نے قیلولہ کے لئے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز وتلاوت نہیں یعنی ضحوۂ کبرٰی سے نصف النہار تک، وہ فرماتے ہیں چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہئے کہ پیش از زوال

---

[1] صحیح البخاری باب مایکرہ من ترک قیام اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن انس رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/۴۳۹

[3] المعجم الکبیر از معاذ بن انس حدیث ۳۹۴ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/۱۸۳

وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقتِ زوال کہ ابتدائے ظُہر ہے ذکر و تلاوت میں مشغول ہو۔ امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سُہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوارف شریف میں فرماتے ہیں:

النوم بعد الفراغ من صلاۃ الضحٰی و بعد الفراغ من اعداد اخر من الرکعات حسن قال سفیٰن کان یعجبھم اذ افرغوا ان ینامو اطلبا للسلامۃ وھذا النوم فیہ فوائد منھا انہ یعین علی قیام اللیل (الی قولہ قدس سرہ) وینبغی ان یکون انتباھہ من نوم النہار قبل الزوال بساعۃ حتی یتمکن من الوضوء والطہارۃ قبل الاستواء بحیث یکون وقت الاستواء مستقبل قبلۃ ذاکرا او مسبحا او تالیا الخ[1]

نمازِ چاشت سے فراغت کے بعد اور اس کے بعد کی مقررہ تعداد کی رکعتیں ادا کرکے سونا اچھا اور مناسب ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ صوفیہ کرام جب نماز و اوراد سے فارغ ہوجاتے تو سلامتی اور عافیت کے لئے سونے کو پسند کرتے تھے اور اس (دوپہر سے قبل) سونے میں متعدد فوائد ہیں ان میں سے ایک رات کے قیام (شب بیداری) میں مدد ملتی ہے۔ (آگے چل کر شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: طالبِ حقیقت کو چاہئے کہ زوال سے کچھ وقت پہلے نیند سے بیدار ہوجائے تاکہ استواء سے پہلے وضو اور طہارت سے فارغ ہوکر استواء کے وقت (جو ابتدائے ظہر ہے) قبلہ رُخ ہوکر ذکر یا تسبیح یا تلاوت میں مصروف ہوجائے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوتِ جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے، اچھا ٹھیک دوپہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقتِ جماعت آجائے، ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے، اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے تکیہ نہ رکھ بچھونا نہ بچھا کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے، سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی، کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقتِ نوم تک بخاراتِ طعام فرو ہولیں اور طولِ منام کے باعث نہ ہوں، سب سے بہتر علاج تقلیلِ غذا ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما ملأ اٰدمی وعاءً شرا من بطنہ بحسب ابن اٰدم اکلاتٌ یقمن صلبہ فان کان لامحالۃ فثلث لطعامہ وثلث

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لئے تہائی

---

[1] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب الخمسون فی ذکر العمل فی جمیع النہار مطبوعہ مطبع المشہد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۹۵

لشرابه وثلث لنفسه[1] رواه الترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان عن المقدام بن معد یکرب رضی الله تعالٰی عنه۔

پانی تہائی سانس کو رکھے۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

پیٹ بھر کر قیامِ لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے، جو بہت کھائے گا بہت پئے گا، جو بہت پئے گا بہت سوئے گا، جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات و برکات کھوئے گا ؎

استغفر الله من قول بلا عمل

لقد نسبت به نسلا لذی عقم

(میں اللہ تعالٰی سے بلا عمل قول سے توبہ کرتا ہوں، تحقیق بانجھ عورت کو بچے کے ساتھ نسل کے اعتبار سے منسوب کیا گیا ہے)

ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کثرة الاکل شؤم[2] رواه البیهقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها۔

بیشک بہت کھانا منحوس ہے۔ اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

یُوں بھی نہ گزرے تو قیامِ لیل میں تخفیف کرے دو رکعتیں خفیف و تام بعد نمازِ عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں، مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا دس بجے اُٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تہجد ہوگیا، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحسب احدکم اذا قام من اللیل یصلی حتی یصبح انه قد تهجد انما التهجد المرء یصلی الصلوٰة بعد رقدة[3] رواه الطبرانی عن الحجاج بن عمرو رضی الله تعالٰی

تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اُٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔ اس کو طبرانی نے حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن ان شاء اللہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ کثرۃ الاکل مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۰

[2] شعب الایمان الفصل الثانی فی کثرۃ الاکل حدیث ۵۶۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۲

[3] المعجم الکبیر مروی از حجاج بن عمرو حدیث ۳۲۱۶ 〃 مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۲۲۵

عنہ بسند حسن ان شاء اللہ تعالٰی۔ [ع] تعالٰی سے روایت کیا ہے۔

سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل مولٰی تبارک وتعالٰی جب تیرا حسن نیت وصدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[1] (جو اللہ تعالٰی پر توکل وبھروسہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ ت) عوارف شریف میں ہے:

لتغییر العادۃ فی الوسادۃ والغطاء والوطاء تاثیر فی ذلک ومن ترک شیئا من ذلک واللہ عالم بنیتہ وعزیمتہ یثیبہ علی ذلک بتیسیر ما رامہ[2]۔

کیونکہ تکیہ، بچھونے اور لحاف وغیرہ میں عادت کو بدل دینا یعنی ان کو ترک کردینا اس سلسلہ میں بہت مؤثر ہے اور جو ان اشیاء میں سے کسی کو ترک کرے تو اللہ تعالٰی اس کی نیت وارادہ کو دیکھتے ہوئے اس کے مقصد میں سہولت پیدا فرمادیتا ہے یعنی کم خوابی کے آداب اس کو میسر آجاتے ہیں (ت)

اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کرکے وقت جماعت سے پہلے جگادے

کما وکل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلالا رضی اللہ تعالٰی عنہ لیلۃ التعریس۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی (ت)

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالٰی فوت جماعت سے محفوظ ہوگا اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا یا سو رہا کما وقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی

ع علق بالمشیۃ لان فیہ ابن لھیعۃ والکلام فیہ معروف والاصوب فیہ عندی ان حدیثہ حسن ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ (م)

مشیت باری تعالٰی کے ساتھ معلق کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان میں کلام معروف ہے اور اس کے بارے میں میری رائے میں یوں کہنا چاہئے اس کی حدیث ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن ۶۵/ ۳

[2] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب السادس والاربعون الخ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۸۴

عنہ (جیسا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ واقعہ ہوا۔ ت) تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا اور امید ہے کہ صدقِ نیت وحُسنِ تدبیر پر ثوابِ جماعت پائے گا و باللہ التوفیق۔

کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اُس تک سونے کا وقفہ نہیں جب تو سب وقتوں سے چھوٹ گیا سو کر پڑھی یا پڑھ کر سوتے بات تو ایک ہی ہے جماعت پڑھ ہی کر سوئے کہ خوف فوت اصلاً نہ رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم روزِ جمعہ کیا کرتے تھے

الشیخان عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ماکنا نقیل ولا نتغذی الا بعد الجمعۃ[1]، وفی لفظ للبخاری کنا نصلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ ثم تکون القائلۃ[2] وعندہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کنا نبکر الی الجمعۃ ثم نقیل[3]۔

بخاری ومسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے دوسری حدیث میں الفاظِ بخاری یہ ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرتے پھر قیلولہ ہوتا تھا، اور بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ہم نمازِ جمعہ کی طرف جلدی جاتے تھے پھر قیلولہ کرتے تھے (ت)

غرض یہ تین صورتیں ہیں پیش از زوال سونا اُٹھنا بعد جماعت سونا ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں، اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں رب عزوجل سے ڈرے اور بصدقِ عزیمت ان پر عمل کرے پھر دیکھیں کیونکر تہجد تفویتِ جماعت کا موجب ہوتا ہے، بالجملہ نہ ماہِ نیم ماہ کہ مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یکسر مدفوع و محض نامسموع۔ جماعت و تہجد میں اصلاً تعارض نہیں کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجئے اور بوجہ تعذرِ جمع راہ ترجیح لیجئے ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب (اور یہی حق جواب ہے اور اللہ تعالٰی ہی راہِ صواب کی طرف ہادی ہے۔ ت)

با اینہمہ اگر اس تقدیرِ ضائع و فرضِ خلافِ واقع کا مان لینا ہی ضرور تو جماعتِ اولٰی پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور اگر حسبِ تصریح عامہ کتب تہجد مستحب وحسبِ اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانئے جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برابری، نہ کہ اس کو اُس پر تفضیل و برتری، اور اگر تہجد میں اعلی الاقوال کی طرف ترقی

---

[1] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸
[2] " " القائلۃ بعد الجمعہ " " " " "
[3] " " قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ " " " " "

اور جماعت میں ادنی الاحوال کی جانب تنزل کرکے دونوں کو سنّت ہی مانئے تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں جماعت بر تقدیر سنّیت بھی تمام سنن حتی کہ سنّت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ولہذا اگر امام کو نمازِ فجر میں پائے اور سمجھے کہ سُنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا تو بالاجماع سنتیں ترک کرکے جماعت میں مل جائے والمسئلۃ منصوص علیہا فی کتب المذھب کافۃ (اس مسئلہ پر تمام کتبِ مذہب میں نص موجود ہے۔ ت)

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں زیرِ قول مصنف الجماعۃ سنۃ فی الاصح (اصح قول کے مطابق جماعت سنّت ہے۔ ت) فرمایا:

وفی البدائع عامۃ المشائخ علی الوجوب وبہ جزم فی التحفۃ وغیرھا وفی جامع الفقہ اعدل الاقوال واقواھا الوجوب (الی ان قال) وعلی القول بانہا سنۃ ھی اٰکد من سنۃ الفجر[1]۔

بدائع میں ہے کہ عامہ مشائخ کے نزدیک جماعت واجب ہے۔ اسی پر تحفہ وغیرہا میں جزم ہے اور جامع الفقہ میں ہے سب سے معتدل اور مضبوط قول وجوب کا ہے (آگے چل کر کہا) جن کے قول پر جماعت سنت ہے ان کے نزدیک یہ سنتِ فجر سے زیادہ مؤکد ہے۔ (ت)

ردالمحتار باب النوافل میں ہے:

لیس لہ ترک صلاۃ الجماعۃ لانہا من الشعائر فھی اٰکد من سنۃ الفجر ولذا یترکہا لوخاف فوت الجماعۃ[2]۔

عالمِ دین کےلئے باجماعت نماز کا ترک جائز نہیں کیونکہ یہ شعائرِ اسلام میں سے ہے اور اس میں فجر کی سنتوں سے زیادہ تاکید ہے یہی وجہ ہے کہ جماعت کے نہ ملنے کا خوف ہو تو سُننِ فجر کو ترک کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

اور سنّتِ فجر بالاتفاق بقیہ تمام سُنن سے افضل، ولہذا بصورتِ فوت مع الفریضہ بعد وقت قبل زوال اُن کی قضا کا حکم ہے بخلاف سائر سُنن کہ وقت کے بعد کسی کی قضا نہیں، ولہذا بلاعذر بیٹھ کر سنّتِ فجر کو بیٹھ کر پڑھنا ناجائز بخلاف دیگر سنن کہ بے عذر بھی روا اگرچہ ثواب آدھا، ولہذا صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کہ قائل سنّیتِ وتر ہوئے سنّتِ فجر کو اُس سے آکد ماننے کی طرف گئے، درمختار میں ہے:

السنن اٰکدھا سنۃ الفجر اتفاقا وقیل بوجوبھا فلا تجوز صلاتھا

وہ سنن جن پر سب سے زیادہ تاکید ہے وہ بالاتفاق فجر کی سنتیں ہیں، بعض نے انھیں واجب

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۵۶

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۹

قاعدا بلاعذر علی الاصح ولایجوز ترکہا لعالم صار مرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن و تقضی اذا فاتت معہ بخلاف الباقی[1] اھ ملخصا

قرار دیا ہے لہذا اصح قول کے مطابق بغیر عذر کے ان کو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہ ہوگا اور اس عالم کے لئے بھی ان کا ترک جائز نہیں جو فتوٰی جات کے لئے مرجع بن چکا ہو یعنی فتوی نویسی سے فراغت نہ ملتی ہو بخلاف باقی سنن کے، یعنی باقی سنن کو لوگوں کی حاجت فتوٰی کے پیشِ نظر چھوڑ سکتا ہے اور یہ سنن فرائض کے ساتھ اگر فوت ہوجائیں تو انکی قضا ہے جبکہ باقی سنن کی قضا نہیں اھ تلخیصاً (ت)

بحرالرائق میں ہے:

سنۃ الفجر اقوی السنن باتفاق الروایات لما فی الصحیحین عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا قالت لم یکن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم علی شیئ من النوافل اشد تعاھدا منہ علی رکعتی الفجر[2]

فجر کی سنتیں بالاتفاق باقی تمام سنن سے اقوٰی ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نوافل میں سب سے زیادہ حفاظت فجر کی سنتوں کی فرماتے تھے (ت)

اُسی میں خلاصہ سے ہے:

اجمعوا علی ان رکعتی الفجر قاعدا من غیر عذر لاتجوز کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ[3]

تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے فجر کی سنتیں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے (ت)

اُسی میں قنیہ سے ہے:

اذا لم یسع وقت الفجر الا الوتر والفجر، او السنۃ والفجر فانہ یوتر و یترك السنۃ عند ابی حنیفۃ وعندھما السنۃ اولی من الوتر[4]

جب وقت فجر میں وتر و فجر یا سنن و فجر کی ادائیگی کے سوا گنجائش نہ رہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر ادا کرلئے جائیں اور سنتیں ترک کردی جائیں اور صاحبین کے ہاں سنتوں کی ادائیگی وتر کی ادائیگی سے افضل ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵
[2] بحرالرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷
[3] " " " " " ۲/ ۴۷
[4] " " " " " ۲/ ۴۸

پھر مذہب اصح پر سنت قبلیہ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں

صححه المحسن واستحسنه المحقق فی الفتح فقال وقد احسن لان نقل المواظبة الصریحة علیها اقوی من نقل مواظبته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی غیرها من غیر رکعتی الفجر[1] اھ وکذا صححه فی الدرایة والعنایة والنھایة وکذا ذکر تصحیحه العلامة نوح کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح وکذا صححه فی البحر عن القنیة وعلله بورود الوعید وتبعه فی الدر۔

محسن نے اس کو صحیح اور محقق نے فتح میں اس کو مستحسن قرار دیا اور کہا انھوں نے اچھا کیا کیونکہ فجر کی سنتوں کے علاوہ سننِ ظہر پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جو مواظبتِ صریحہ منقول ہے وہ دیگر نوافل کی مواظبت منقولہ سے زیادہ اقوی ہے اھ اور اسی طرح اسے درایہ، عنایہ اور نہایہ میں صحیح کہا اور اسی طرح علامہ نوح نے اس کی تصحیح ذکر کی جیسا کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے۔ بحر میں قنیہ کے حوالے سے صحیح کہا اور اس کی علت یہ بیان کی کہ ان کے ترک پر وعید وارد ہے اور اس کی اتباع درمختار نے کی ہے۔ (ت)

اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنتِ فجر کے بعد افضل و آکد رکعتیں مغرب ہیں پھر رکعتیں ظہر پھر رکعتیں عشا پھر قبلیہ ظہر کما فی الفتح وغیرہ۔

قلت وعلیه مشی فی الھندیة عن تبیین الحقائق الامام الزیلعی فقال اقوی السنن رکعتا الفجر ثم سنة المغرب ثم التی بعد الظھر ثم التی بعد العشاء ثم التی قبل الظھر[2] (ملخصا)

قلت (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین الحقائق کے حوالے سے یہی بات بیان کرتے ہوئے کہا سب سے قوی اور مؤکد فجر کی سنتیں پھر سنتِ مغرب پھر بعدیہ ظہر پھر بعدیہ عشاء پھر قبلیہ ظہر (ملخصاً)(ت)

پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب تہجد سے اہم و آکد ہیں۔

اقول وکیف لا وقد ثبت استنانها مؤکدا من دون تردد بخلاف التھجد فان

اقول (میں کہتا ہوں) یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ان سنن رواتب کا مؤکد ہونا بغیر کسی تردد کے ثابت ہے

---

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۳

[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۱۷۲

جمھور العلماء یعدونه من المندوبات حتی جاء المحقق ابن الھمام فبحث بحثا ولم یقطع قولا فتردد فی ندبه و استنانه مع التنصیص بان الادلة القولیة انما تفید الندب، ثم بحث تلمیذہ المحقق ابن امیر الحاج اشبھیة سنیته علی مافیه من نزاع طویل ولولا غرابة المقام و مخافة الطویل لاتینا بما فیه من قال وقیل۔

بخلاف تہجد کے کیونکہ جمہور علماء اسے (یعنی تہجد کو) مندوبات میں شمار کرتے ہیں حتی کہ محقق ابن ہمام جب اس مسئلہ پر پہنچے تو انہوں نے خوب بحث کی لیکن وہ بھی اس بارے میں کوئی قطعی قول نہ کرسکے اور اس کے مندوب و مسنون ہونے میں متردد ہوئے، باوجود اس تنصیص کے کہ ادلہ قولیہ اس کے مندوب ہونے کو ظاہر کرتی ہیں، پھر ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج نے اس کے سنّت ہونے کو اشبہ و مختار کیا۔ علاوہ ازیں اس میں طویل نزاع کو ذکر کیا ہے اگر غرابتِ مقام اور طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم وہ تمام گفتگو یہاں ذکر کر دیتے۔ (ت)

ولہٰذا ہمارے علماء سنن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں:

انھا لتاکدھا اشبھت الفریضة کما فی الدر۔[1]

یہ سنن رواتب تاکید کی بنا پر فرائض کے مشابہ ہیں جیسا کہ دُر میں ہے۔ (ت)

اور یہی مذہب جمہور و مشرب منصور ہے

وان خالفھم الامام ابو اسحاق المروزی من الشافعیة فقال بتفضیل التھجد مطلقا وتبعه الامام الاجل ابو زکریا النووی الشافعی فی المنھاج مستدلا بما لاحجة له فیه عند التدقیق کما بیناہ فی

اگرچہ امام ابواسحاق شافعی مروزی نے ہمارے اصحاب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ تہجد ہر حال میں سنن رواتب سے افضل ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے منہاج میں اسی دلیل دیتے ہوئے ان کی اتباع کی کہ جو تحقیق و تدقیق کے بعد حجت نہیں بن سکتی جیسا کہ ہم نے

عه اخرجه الائمة احمد و مسلم و للاربعة عن ابی ھریرة و محمد بن ھارون الرویانی فی مسندہ والطبرانی

عه اسے امام احمد، امام مسلم اور دیگر چاروں محدثین ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور شیخ محمد بن ہارون رویانی نے اپنی مسند اور

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۹۵

بعض تعلیقاتنا وقد علمت مذھب اصحابنا

اپنے بعض حواشی میں اسے بیان کیا ہے اور آپ جانتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی الکبیر عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الصلٰوۃ بعد المکتوبات صلاۃ فی جوف اللیل[1] فحملہ ابو اسحٰق المروزی ومن وافقہ علی ظاھرہ فقالوا ان صلٰوۃ اللیل افضل من السنن الراتبۃ قال الامام النووی وقال اکثر اصحابنا الرواتب افضل لانھا تشبہ الفرائض قال والاول اقوی واوفق للحدیث[2] اھ وتبعہ العلامۃ میرك فقال فیہ حجۃ لابی اسحٰق المروزی من شافعیۃ علی ان صلاۃ اللیل افضل من الرواتب وقال اکثر العلماء ان الرواتب افضل و الاول اقوی لنص ھذا الحدیث قال وقد یجاب بان معناہ من افضل الصلاۃ وھو خلاف سیاق الحدیث[3] اھ اما موافقوا الجمہور فاولوہ بان المراد الفرائض وتوابعھا ای کان الرواتب لشدۃ التصاقھا بالمکتوبات وشبھھا بھا دخلت فی قولہ صلی اللہ

طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، دونوں صحابی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کے درمیانی حصہ کی نماز ہے۔ امام ابواسحاق مروزی اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والے علماء نے اسے اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہے۔ امام نووی نے کہا کہ ہمارے اکثر علماء نے فرمایا کہ سنن راتبہ افضل ہیں کیونکہ وہ فرائض کے مشابہ ہیں اور فرمایا پہلا قول اقوی اور حدیث کے زیادہ موافق ہے اھ علامہ میرک نے اسی کا اتباع کرتے ہوئے کہا کہ یہ حدیث امام ابواسحاق مروزی شافعی کی اس بات پر دلیل ہے کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہے اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ سنن مؤکدہ افضل ہیں۔ مگر پہلا قول اس نص حدیث کی وجہ سے قوی ہے، اور کہا کہ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رات کی نماز افضل نمازوں میں سے ہے، اور یہ سیاق حدیث کے خلاف ہے اھ بہرحال جو جمہور کی موافقت کرنے والے ہیں وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد فرائض اور ان کے توابع دونوں ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] صحیح مسلم، کتاب الصوم ۱/۳۶۸ [2] شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۳۶۹ [3] مرقات المفاتیح بحوالہ علامہ میرک ۳/۳۱۱

واجماعهم على ان الاقوى

ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب اور اجماع اس بات پر ہے کہ

7

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علیہ وسلم بعد المکتوبۃ قال المولٰی علی القاری فی المرقاۃ افضل الصلٰوۃ بعد المفروضۃ ای توابعها من السنن المؤکدۃ[1] اھ وقال المناوی فی تیسیرای ولواحقها من الرواتب ونحوها من کل نفل یسن جماعۃ اذھی افضل من مطلق النفل علی الاصح[2] اھ ومثلها فی السراج المنیر للعزیزی وقال محمد الحفنی فی تعلیقاتہ علی الجامع الصغیر ای النفل المطلق فی اللیل افضل منہ فی النہار والا فالراتبۃ فی النہار افضل من التہجد[3] اھ وابدی القاری جوابین اخرین، فقال وقد یقال التہجد افضل من حیث زیادۃ مشقتہ علی النفس وبعدہ عن الریاء والرواتب افضل من حیث الاکدیۃ فی المتابعۃ للمفروضۃ فلامنافاۃ[4] ای ان التہجد لہ ھذا الفضل الجزئی علی الرواتب فلا ینافی فضلها الکلی قال او یقال صلاۃ اللیل افضل لاشتمالها

کے ارشادِ گرامی "فرائض کے بعد" کے تحت سنن راتبہ بھی داخل ہیں کیونکہ سنن مؤکدہ کا فرائض کے ساتھ شدید اتصال اور مشابہت ہے۔ ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں افضل الصلاۃ بعد المفروضۃ یعنی بعد سنن مؤکدہ کے اھ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں اور یعنی فرائض سے ان کے لواحق (سنن مؤکدہ) اور وہ نوافل جن کی جماعت سنت ہے تمام مراد ہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق وہ مطلق نفل سے افضل ہیں اھ یہی بات عزیزی کی سراج منیر میں ہے۔ محمد حفنی اپنی تعلیقات علی الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں رات کے نوافل مطلقاً دن کے نوافل سے افضل ہیں ورنہ سنن راتبہ جو دن میں ہیں وہ تہجد سے افضل ہیں اھ اور ملا علی قاری نے دو جواب اور دئے اور کہا کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ تہجد نفس پر زیادہ مشقت اور ریا سے دوری کی وجہ سے افضل ہے اور سنن جو فرائض کے ساتھ ہیں وہ فرائض کی متابعت میں زیادہ مؤکد ہیں وہ اس اعتبار سے افضل ہیں لہٰذا ان میں کوئی منافات نہیں ہے اھ یعنی اگر تہجد کو سننِ مؤکدہ پر یہ فضیلت جزئی حاصل ہے تو یہ ان کی فضیلتِ کلی کے منافی نہیں ہے۔ فرمایا یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز (تہجد) افضل اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۲۰۳۶ ۳/ ۳۱۱ [2] التیسیر مطبوعہ الریاض ۱/ ۱۸۵ [3]، [4] تعلیقات الحفنی علی السراج المنیر مصر ۱/ ۲۴۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علی الوتر الذی ھو من الواجبات[1] اھ **اقول** ھذا لایصلح بیانا لمعنی کلام الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ لا واجب عندہ انما ثمہ طلب جازم فافتراض او غیر جازم فندب کما حققہ المحقق حیث اطلق فی الفتح فان کان الوتر عندہ واجبا لدخل فی ثنیا المکتوبۃ ولو ترک قولہ الذی ھو من الواجبات وھی الکلام علی استثناء الوتر کما ھو مذھب الصاحبین لم یتجہ ایضا لان سنۃ الفجر افضل من الوتر علی قولھما کما سمعت **اقول** و ظھر للعبد الضعیف جواب حسن احسن من کل ماسبق وھو ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقل ان التھجد افضل الصلوۃ بعد المکتوبات حتی یکون دلیلا لمن شذ انما قال صلوۃ اللیل فان ثبت ان صلاۃ اللیل تشتمل علی نافلۃ غیر التھجد ھی افضل النوافل مطلقا حتی رواتب سقط

لئے ہے کہ وہ وتر پر مشتمل ہے جو کہ واجبات سے ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ بیان کلام شارع کے معنی کا بیان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے ہاں کوئی واجب نہیں ہے وہاں تو طلب جازم ہو تو افتراض ہے اگر جازم نہ ہو تو ندب ہے جیسا کہ فتح میں محقق نے تحقیق کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے۔ اگر شارع کے ہاں وتر واجب ہوتا تو وہ فرض میں شامل ہوتا اور اگر ملا علی قاری کے قول الذی ھو من الواجبات کو چھوڑ دیا جائے یعنی ان کے کلام میں وتر کو استثناء پر محمول کیا جائے جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ آپ سُن چکے کہ ان کے قول کے مطابق فجر کی سنتیں وتر سے افضل ہیں **اقول** (میں کہتا ہوں) اس عبد ضعیف کے لئے ایک ایسا جواب ظاہر ہوا ہے جو مذکورہ تمام جوابات سے احسن ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تہجد فرائض کے بعد افضل صلوٰۃ ہے، حتی کہ یہ مخالفین جمہور کی دلیل بنے بلکہ آپ نے صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) فرمایا ہے اب اگر یہ ثابت ہوجائے کہ رات کی نماز تہجد کے علاوہ دیگر نوافل پر بھی مشتمل ہے جو کہ مطلق نوافل حتی کہ سنن مؤکدہ سے بھی افضل ہو تو پھر اس حدیث سے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۳۱۲

فلا علیك من جنوح الفاضل میرك وباللّٰه التوفیق تعالٰی وتبارك۔

ہیں اور فاضل میرک کی بحث وگفتگو قابل توجہ نہیں وباللہ التوفیق تعالٰی وتبارک۔ (ت)

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر پانچویں درجہ میں واقع ہے سب سے آکد جماعت[۱] پھر سنّتِ فجر پھر قبلیۂ ظہر پھر باقی رواتب[۲] پھر تہجد وغیرہ سنن ونوافل، اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت[۱] پھر سنّتِ فجر پھر سنت مغرب[۲] پھر بعدیۂ ظہر پھر بعدیۂ عشا پھر قبلیۂ ظہر پھر تہجد وغیرہا۔ پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں، نہ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الاحتجاج به وهو ثابت بحمد اللّٰه تعالٰی بحدیث الصحیحین عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت كان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرة ركعة منها الوتر وركعتا الفجر[۱] فهذه ام المؤمنین وامام الفقهاء والمحدثین وغرة العرب العرباء الافصحین رضی اللّٰه تعالٰی عنها قد عدت سنة الفجر من صلاة اللیل فهذه هی النافلة التی تفوق الصلوات كلها بعد المكتوبة فبالاشتمال علیها فضلت صلٰوة اللیل علی صلاة النهار بالاطلاق فهذا الجواب القاطع بحمد اللّٰه تعالٰی ثم لاغرو من الامام الاجل النووی انما العجب من العلامة میرك كیف تبعه وخالف اجماع ائمة مذهبه علی ان سنة الفجر اكد النوافل مطلقا وباللّٰه التوفیق ۱۲ منه (م)

استدلال ساقط ہو جائیگا اور یہ بات بحمد اللہ تعالٰی بخاری ومسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو تیرہ[۱] رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی سنتیں بھی ہوتی تھیں۔ یاد رہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا ام المومنین، امام الفقہاء والمحدثین اور سرتاجِ فصحاء وبلغاء ہیں انھوں نے سننِ فجر کو رات کی نمازمیں شمار فرمایا ہے پس یہ نوافل فرائض کے بعد تمام نمازوں پر افضل ٹھہرے، چونکہ یہ نوافل صلٰوۃ اللیل پر بھی مشتمل ہیں اس لئے رات کی نماز دن کی ہر نماز سے افضل قرار پائی۔ بحمد اللہ تعالٰی یہ قاطع جواب ہے۔ پھر امام نووی پر تو کوئی افسوس نہیں تعجب تو علامہ میرک پر ہے کہ انھوں نے امام نووی کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ائمہ مذہب کے خلاف بات کیوں کہی حالانکہ ائمہ مذہب کا اتفاق ہے کہ سننِ فجر مطلقاً نوافل سے مؤکد ہیں خواہ رات کے ہوں یا دن کے، وباللہ التوفیق ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] صحیح البخاری کتاب التہجد باب کیف صلوٰۃ اللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۳

مستحب مان کر، اگر کہئے یہاں کلام جماعتِ اولٰی میں ہے کہ سوال میں اُس کی تصریح موجود اور وہ واجب یا اُس اعلٰی درجہ کی مؤکد مطلق جماعت ہے نہ خاص جماعتِ اولٰی بلکہ وہ صرف افضل واولٰی اور فضل تہجد اُس سے اعظم و اعلٰی تو حفظ تہجد کے لئے ترک اولٰی جائز و روا اگرچہ افضل اتیان و ادا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) قطع نظر اس سے کہ جب تعارض مسلّم اور فضلِ تہجد آکد و اعظم تو حفظِ تہجد کو ترک اُولٰی نہ ترک اَولٰی، بلکہ ترک ہی اَولٰی کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہ تاصیل و تفریع سراسر بے اصل و احداث شنیع کہ نہ احادیث حضور پُرنور سید الانام علیہ و علٰی آلہ الصلاۃ والسلام اُس کے مساعد، نہ کلمات و روایاتِ علمائے کرام و فقہائے عظام مؤید و شاہد، اگر ایسا ہو تو بے عذر فوت تہجد وغیرہ بھلے چنگے بیٹھے بٹھائے بھی جماعتِ اولٰی قصداً فوت کردینا جائز و روا ہو جبکہ ایک آدمی اپنے ساتھ جماعت کے لئے حاضر و مہیا ہو کہ آخر کچھ گناہ نہ کیا صرف ایک اولویت ترک کی جس میں حکم کراہت بھی نہیں، معاذاللہ مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو امر جماعت میں کس قدر تفرقہ شنیعہ واقع ہوتا ہے وجوب جان کر ترک پر سخت سخت وعیدیں سُن کر تو بہت لوگ کسل و کاہلی کرجاتے ہیں کاش یہ سُن پائیں کہ جماعتِ اولٰی کی حاضری شرعاً کچھ ضرور نہیں ایک بہتر بات ہے کی کی نہ کی نہ کی، تو ابھی جو رہا سہا انتظام ہے سب درہم برہم ہوا جاتا ہے، لوگ مزے سے اذان سُنیں اور اپنے لہو و لعب میں مشغول رہیں کہ جلدی کیا ہے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنالیں گے، کیا ایسی ہی متفرق بے نظم جماعتوں کی طرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلایا، کیا انھیں کے ترک پر سخت سخت جگر شگاف وعیدوں کا حکم سنایا! حاش للہ ثم حاش للہ! ذرا نگاہِ انصاف درکار کہ یہ قصداً تفریق جماعت و تقلیلِ حضار کس قدر مقاصدِ شرع سے دُور اور نورانیتِ حق و صواب سے بعید و مہجور ہے نہیں نہیں بلکہ یقیناً وجوب و تاکد مذکور، خاص جماعتِ اولٰی کے لئے منظور اور وہی صدرِ اول سے معہود، اور وہی احادیث وعید علی الترک میں مقصود، اور زنہار زنہار ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی جماعتِ ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولٰی قصداً چھوڑ دیجئے اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجئے، جماعتِ ثانیہ کی تشریع اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح مثل مدافعتِ اخبثین یا حاجت طعام وغیرہا کے باعث جماعت اُولٰے سے رہ جائیں وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں بے اعلان عہ و تداعی محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں نہ کہ اذان ہوتی رہے داعی الٰہی پکارا کرے جماعتِ اُولٰی ہوا کرے (یہ) مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے ہم اور کرلیں گے یہ قطعاً یقیناً بدعتِ سیئہ شنیعہ ہے۔

عہ اعلان و تداعی معروف شرعی کہ نماز کے لئے مقرر ہے یعنی اذان ۱۲ منہ (م)

هذا مما لایشك فیه من دخل بستان الفقه فشم عرفا لانوارہ الفائحة اوفتح اجفان الفکر نشامر برقا من انوارہ اللائحة ومالنا نسترسل فی سوق البراهین علی مثل هذا الواضح المبین ولکن لاباس ان نذکر شیئا من التنبیه لیستظهر الفقیه ویتذکر النبیه۔

اس بارے میں اس شخص کو ہرگز شک نہیں ہوسکتا جس نے گلستانِ فقہ کے مہکتے ہوئے پھولوں سے کچھ خوشبو پائی ہو یا اسکے روشن انوار سے مشامِ جان کو معطر کیا ہو اور ہم اس معاملہ کو ترک نہیں کرسکتے باوجودیکہ اس پر واضح دلائل موجود ہیں کوئی حرج نہیں کہ ہم تنبیہ ذکر کردیں تاکہ صاحبِ فقہ پر استحضار ہوجائے اور صاحبِ فہم محفوظ کرے۔ (ت)

فاقول وبه نستعین (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) **اولاً فقیر غفراللہ تعالٰی** لہ کا ایک موجز وجامع رسالہ مسمّٰی بنامِ تاریخی حسن البراعة فی تنفیذ حکم الجماعة ہے جس میں بفضلہٖ سبحٰنہ وتعالٰی حکم جماعت کی تحقیق حدیثی وفقہی اعلٰی درجۂ کمال وجمال پر موفق ہوئی ہمارے علماء سے دربابِ جماعت شاذ ومشہور ومقبول ومہجور چھ قول ماثور:

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ

(۳) واجب عین (۴) واجب کفایہ

(۵) سنّتِ مؤکدہ (۶) مستحب

اس نفیس مبارک رسالہ نے بعونہٖ تعالٰی ثابت کر دکھایا کہ ان اقوال میں اصلاً تدافع وتمانع نہیں سب حق وصحیح اور اپنے اپنے معنی پر ترجیح وتصحیح ہیں، یہ جلیل تحقیق جمیل توفیق وللہ الحمد والمنة عجب نادر وعنقائے مغرب ہے جس کا نام سُن کر ناظر متحیرانہ کہے هذا لایکون وکیف یکون (یہ نہیں ہوسکتا اور کیسے ہوسکتا ہے۔ت) اور جب اس کی زاہر تحریر باہر تقریر پر اطلاع پائے متعجبانہ اعتراف کرے کہ لمثل هذا فلیعمل العاملون (کام کرنے والوں کو ایسا ہی کام کرنا چاہئے۔ت)

اس رسالہ میں ہم نے احادیث عبداللہ بن عباس وابوہریرہ وبریدہ وکعب بن عجرہ وانس بن مالک وعثمان غنی وعمرو بن ام مکتوم وابوامامہ وجابر بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کیا کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان سُن کر حاضری واجب فرمائی، اداشناس سخن انہی احادیث سے جان سکتا ہے کہ اذان کس جماعت کے لئے بلاتی اور شرع اُس کی اجابت کیوں واجب فرماتی ہے مگر میں یہاں اصرح واوضح ذکر کروں حدیث حسن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اُوپر گزری جس میں ندا

سُن کر نہ حاضر ہونے پر حکم جفا و کفر و نفاق فرمایا گیا، طبرانی کے یہاں بطریق آخر یوں آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

حسب المومن من الشقاء والخیبۃ ان یسمع المؤذن یثوب بالصلاۃ فلا یجیبہ[1]۔

مومن کو یہ بدبختی و نامرادی بہت ہے کہ مؤذن کو تکبیر کہتے سُنے اور اُس کا بلانا قبول نہ کرے۔ (ت)

اس روایت نے روایت سابقہ کی تفسیر کردی کہ وہاں بھی ندا سے یہی تکبیر مراد تھی فان الاحادیث یفسر بعضھا بعضا وخیر تفسیر للحدیث مایستبین بجمع طرقہ (احادیث ایک دوسرے کی تفسیر ہیں اور حدیث کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے پر ہو۔ ت) بلکہ عند التحقیق احادیث ایجاب اجابت فعلیہ عندالاذان کا مرجع بھی اسی طرف کہ ہم نے رسالہ مذکورہ میں احادیث و آثار ابوقتادہ و جابر بن عبداللہ و ام المومنین و ابوہریرہ و جابر بن سمرہ و امیر المومنین فاروق اعظم و عبداللہ بن عمر و ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت کیا کہ یہ وجوب تا وقت اقامت موسع ہے اگرچہ قنیہ و مجتبی میں صراحۃً تضییق کی کہ جو اذان سُن کر تکبیر کے انتظار میں بیٹھا رہے بدکار و مردود الشہادۃ ہے۔ بحرالرائق میں ہے :

فی القنیۃ لو انتظر الاقامۃ لدخول المسجد فھو مسیئ[2]۔

قنیہ میں ہے اگر اذان سن کر دخولِ مسجد کیلئے اقامت کا انتظار کرتا رہا تو وہ گنہگار ہوگا (ت)

اُسی میں ہے :

فی المجتبی من کتاب الشہادۃ من سمع الاذان وانتظر الاقامۃ فی بیتہ لا تقبل شہادتہ[3]۔

مجتبی کی کتاب الشہادۃ سے ہے جو شخص اذان سن کر گھر میں اقامت کا انتظار کرتا ہے اس کی شہادت قبول نہیں۔ (ت)

غرض حدیث سے ثابت کہ جو تکبیر سُن کر حاضرِ جماعت نہ ہو اُسے بدبخت، نامراد، ظالم، اظلم، کافر، منافق فرمایا گیا۔ للہ انصاف! کیا تکبیر کسی مطلق جماعت کی طرف بلاتی ہے، کیا اس جماعت میں ملو نہ ملو ہر دعوت تکبیر کی اجابت ہو جاتی ہے، کیا اس میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے یہ معنی ہیں کہ چاہے اس

---

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذ بن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/۱۸۳
[2] بحرالرائق بحوالہ القنیہ باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۵
[3] " باب الاذان " " " ۱/۲۶۰

نماز و فلاح میں حاضر ہو چکا ہے نہ آؤ اپنی الگ کرلیا شاید قد قامت الصلوٰۃ کا یہی مطلب ہوگا کہ یہ نماز تو کھڑی ہو ہی گئی اب اس میں آکر کیا کرو گے تم اور کوئی بیٹھی ہوئی اٹھانا حاشا و کلا بلکہ تکبیر اسی جماعت کی طرف بلاتی اور اسی کی عدم حاضری پر وہ حکم ظلم و کفر و نفاق و شقاوت و خیبت ہے تو قطعاً حکم وجوب و تاکد کی مصداق یہی تو معہود جماعت ہے۔

ثانیاً یہ توسیع تو ہمارے طور پر تھی اگر تصریح قنیہ و مجتبیٰ و تقریر بحر پر نظر کیجئے تو امر اظہر کہاں وہ تضییق کہ اذان کے بعد تکبیر کا انتظار بھی جائز نہیں، کہاں یہ توسیع شنیع کہ سرے سے جماعت اولیٰ میں حاضر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں۔

ثالثاً روشن تر نص قاطع لیجئے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شانۂ اطہر سے مسجد انور میں قریب امامت جلوہ فرما ہوتے، ایک دن نماز عشاء کو تشریف لائے جماعت میں قلت دیکھی کچھ لوگ حاضر نہ پائے نہایت

عہ ھذا ثابت فی غیر ھذا الحدیث من عدۃ احادیث صحاح اوردناھا فی حسن البراعۃ ۱۲ منہ رحمہ اللہ (م)

یہ بات اس حدیث کے علاوہ متعدد احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے جنہیں ہم نے حسن البراعۃ فی تنفید حکم الجماعۃ میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ (ت)

عہ۲ ھذا منصوص علیہ فی ھذا الحدیث عند مسلم فی صحیحہ وعند غیرہ ۱۲ منہ رحمہ اللہ

امام مسلم نے اپنی صحیح اور دیگر محدثین نے اسی حدیث میں اس بات پر تصریح کی ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ (ت)

عہ۳ ھذا عند احمد وغیرہ من حدیث کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعند سراج فی مسندہ فی ھذا الحدیث۔ (م)

یہ حدیث امام احمد وغیرہ محدثین کے ہاں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور سراج کے ہاں مسند سراج میں بھی اسی حدیث کے تحت مذکور ہے۔ (ت)

عہ۴ ھذا فی روایۃ السراج قال ثم خرج الی المسجد فاذا الناس عزون واذا ھم قلیلون فغضب غضبا شدیدا لا اعلم انہ رأیتہ غضب غضبا اشد منہ ثم قال لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم اتتبع ھذہ الدور التی تخلف اھلوھا عن ھذہ الصلاۃ فاضرمھا علیھم بالنیران[1] (م)

یہ روایت سراج میں ہے، کہا: پھر آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو جو لوگ حاضر تھے وہ تھوڑے تھے آپ سخت غضب میں ہو گئے، میں نے آج تک آپ کو اتنا غضبناک کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر فرمایا: میں ارادہ کرتا ہوں میں کسی آدمی کو حکم دوں جو جماعت کروائے پھر میں اُن گھروں کی طرف جاؤں جن کے اہل اس نماز میں حاضر نہیں ہوئے اور ان کو آگ سے جلادوں۔ (ت)

---

[1] عمدۃ القاری بحوالہ مسند سراج باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۰

شدید غضب وجلال محبوبِ ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے ظاہر ہوا ارشاد فرمایا: خدا کی قسم میرے جی میں آتا ہے کہ موذن کو تکبیر کا حکم دوں پھر کسی کو امامت کے لئے فرماؤں پھر بھڑکتی ہوئی مشعلیں لے جاؤں اور اُن لوگوں پر اُن لوگوں کے گھر پھونک دوں جنھیں یہ اذان سُنے یہ وقت ہوگیا اب تک گھروں سے نماز کو

عـه فان قلت الیس فی نفس الحدیث ما یدل ان الاولی لاتجب عینا والا لما ھم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یقیم الصلٰوۃ ثم ینصرف الیھم لاحراق بیوتھم۔

اگر آپ کہیں کہ کیا نفسِ حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کررہی ہو کہ پہلی (جماعت) واجب عینی نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو جماعت قائم کرنے کا حکم دے کر اس (جماعت میں نہ حاضر ہونے والوں) کے گھروں کو جلانے کا ارادہ نہ کرتے۔

قلت ھذا السؤال قد اورد قبل علی الاحتجاج بالحدیث لوجوب الجماعۃ وقد تصدی العلماء لجوابہ قال العلامۃ البدر محمود العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الثالث (ای من وجوہ الجواب عن حدیث الباب) ما قالہ ابن بزیزۃ عن بعضھم انہ استنبط من نفس الحدیث عدم الوجوب لکونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھم بالتوجہ الی المتخلفین فلو کانت الجماعۃ فرض عین ماھم بترکھا اذا توجہ قال العینی ثم نظر فیہ ابن بزیزۃ بان الواجب یجوز ترکہ لما ھو اوجب منہ[1] اھ کلام العمدۃ۔

قلت (میں کہتا ہوں) پہلے یہی سوال اس حدیث سے وجوبِ جماعت پر استدلال کرنے پر وارد ہوا اور علماء اس کے جواب کے درپے ہوئے ہیں چنانچہ علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا تیسرا (یعنی حدیث باب پر اعتراض کے جوابات میں سے) جواب وُہ ہے جو ابن بزیزہ نے بعض محدثین کے حوالے سے ذکر کیا وہ یہ ہے کہ نفسِ حدیث سے عدمِ وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضر نہ ہونے والوں کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ اسے چھوڑ کر وہاں جانے کا ارادہ نہ کرتے۔ امام عینی کہتے ہیں پھر ابن بزیزہ نے اس کو یہ کہتے ہوئے محلِ نظر قرار دیا کہ بعض اوقات اہم واجب کی وجہ سے دوسرے کم درجہ واجب کو ترک کیا جاسکتا ہے[1] (عمدۃ القاری کی عبارت ختم ہوئی) (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] عمدۃ القاری باب وجوب صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۶۴

نہیں نکلتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول فلقد صح مثل ذلك عنه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الجمعۃ اخرج مسلم فی صحیحه عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد هممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتهم۔[1]

اقول (میں کہتا ہوں) یہی بات صحت کے ساتھ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نمازِ جمعہ کے بارے میں بھی ثابت ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ سے غیر حاضر لوگوں کے بارے میں فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی آدمی کو جماعت کا حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے گھر جلادوں جو جمعہ سے غیر حاضر رہتے ہیں۔

اقول علا ان عبد اللہ بن وهب روی الحدیث فی مسندہ فقال حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا عجلان عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فذکر الحدیث وفیه لینتهین رجال من حول المسجد لایشهدون العشاء اولاحرقن بیوتهم[2] وقد قال فی حدیث سقناہ عن الجامع الصحیح ثم اخذ شعلا من نار ولا نسلم ان بلك ان یذهب بعد الاقامۃ بشعل قد اوقدت الی بیوت حول المسجد فیضرمها علیهم و بین الرجوع الی المسجد ما یوجب

اقول (میں کہتا ہوں) اس کے علاوہ عبد اللہ بن وہب نے اپنی مسند میں ذکر کیا کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے انھیں عجلان نے انھیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث بیان کی پھر حدیث ذکر کی اس کے الفاظ یوں ہیں: مسجد کے پڑوسی ضرور باز آجائیں جو نمازِ عشا میں حاضر نہیں ہوتے، ورنہ میں ان کے گھر جلادوں گا۔ اور اس حدیث میں جسے ہم نے جامع صحیح کے حوالے سے لکھا یہ بھی ہے، فرمایا پھر میں آگ کی مشعل لوں، اور ہم نہیں مانتے کہ درمیان اس کے کہ اقامت کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مسجد کے اردگرد لوگوں کے گھروں کو جلانے کیلئے مشعل لے کر جانا اور درمیان اس کے کہ مسجد کی طرف لوٹ آنا کوئی

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] عمدۃ القاری بحوالہ مسند عبد اللہ بن وہب مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۵/۱۶۰

البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین من الفجر و العشاء ولو یعلمون ما فیھما لاتوھما ولو حَبوًا لقد ھممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلا یؤم الناس ثم اٰخذ شعلا من نار فاحرق علٰی من لایخرج الی الصلاۃ

البخاری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافقین پر فجر وعشا کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز بھاری نہیں۔ اگر انھیں ان کے درجہ وفضیلت کا علم ہوجائے تو وہ گھٹنوں کے بل ان کی ادائیگی کے لئے آئیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں مؤذن کو تکبیر کا کہوں اور کسی دوسرے کو جماعت کا حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں آگ کی مشعل لے کر ان پر پھینکوں جو نماز کے لئے ابھی تک گھروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تفویت الجماعۃ حتی یلزم الترک نعم یفوت الادراک من اول الصلاۃ وھو لیس الا فضیلۃ ربما یترک لاقل من ھذا اعنی السکینۃ فی المشی لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا سمعتم الاقامۃ فامشوا الی الصلاۃ وعلیکم بالسکینۃ و الوقار فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا[1] رواہ الشیخان وغیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فسقط الاشکال راسا وللہ الحمد و اللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

زیادہ وقت لگتا ہے جو جماعت کو فوت کردیتا ہے حتی کہ ترکِ جماعت لازم آئے، ہاں اول نماز کا فوت ہونا لازم آتا ہے اور وہ فضیلت کے سوا کچھ بھی نہیں، بعض اوقات اس سے بھی کم درجہ شَی کی بنا پر اعلٰی کو ترک کیا جاسکتا ہے، مثلاً جماعت کے لئے دوڑنے کی بجائے سکون سے چلنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو دراں حال تم پر سکون ووقار لازم ہے جو حصہ نماز پالو اسے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔ اسے بخاری ومسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، تو اب اشکال سرے سے ختم ہوگیا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب ما ادرکتم فصلوا الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۸/۱

بعدہ۔ عہ
سے نہیں نکلے۔ (ت)

یہ حدیث صحیح نص صریح ہے کہ وقت اقامت تک مسجد میں حاضر نہ ہونا وُہ جرم قبیح ہے جس پر حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ الکرام نے ان لوگوں کے جلا دینے کا قصد فرمایا، علماء فرماتے ہیں یہ ارشاد کہ تکبیر کہلوا کر نماز شروع کراؤں اُس کے بعد تشریف لے جاؤں اسی بنا پر تھا کہ اُن کی عدم حاضری ثابت اور الزام تخلف قائم ہولے اس کا منشا وہی تحقیق ہے جو ہم نے ذکر کی کہ ایجاب اجابت تا وقت اقامت موسع ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

انما ھم باتیانھم بعد اقامۃ الصلاۃ لان بذلک یتحقق مخالفتھم وتخلفھم

اقامت نماز کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کی طرف جانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ یہ وہی

عہ قولہ بعد نقیض قبل مبنی علی الضم فلما حذف منہ المضاف الیہ بنی علی الضم وسمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا والمعنی بعد ان یسمع النداء الی الصلاۃ[2] اھ عمدۃ القاری قلت والنفی اذا لاقی زمانا استغرق جمیع اجزائہ فیمتد من بدء وقت المضاف الیہ الی اٰن التکلم ولذا یرجع حاصلہ فی امثال المقام الی قولک الی الاٰن تقول ما جاء فی بعد ای بعد ان ذھب الی ھذا الحین وھذا معنی قولہ سمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

قولہ "بعد" یہ "قبل" کی نقیض ہے یہ مبنی علی الضم ہے۔ کیونکہ جب اس کا مضاف الیہ محذوف ہو تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ کلام اس پر ختم ہونے کی وجہ سے اسے غایت بھی کہا جاتا ہے۔ الفاظ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو نماز کی اذان سُن کر نماز کے لئے نہیں آتے اھ عمدۃ القاری **قلت** (میں کہتا ہوں) جب نفی کسی زمانے پر آتی ہو تو تمام اجزاء کو محیط ہوگی تو اس کا احاطہ وقتِ مضاف الیہ کی ابتداء سے لے کر وقتِ تکلم تک ہوتا ہے اسی لئے ایسی عبارت کا معنی ایسے مقامات پر مثلاً "اب تک" ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے ما جاء فی بعد یعنی وہ جانے کے بعد اس وقت تک نہیں آیا، اور جو انہوں نے کہا کہ اس پر انتہاءِ کلام کی وجہ سے اسے غایت کہا جاتا ہے اس کا معنی ومفہوم بھی یہی ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰
[2] عمدۃ القاری " " " " مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۳

فلیتوجہ اللوم علیھم[1] الخ
وقت ہے جب نہ آنے والوں کی عدم حاضری اور الزام تخلف ثابت ہوچکا جس کی وجہ سے وہ ملامت کے مستحق قرار پائے ہیں الخ (ت)

اقول یہاں سے واضح ہوگیا کہ ظاہر حدیث میں جو کلام قنیہ ومجتبٰی کی تائید نکلتی تھی ممنوع وساقط ہے معہذا شک نہیں کہ حضور مسجد بنفسہٖ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ غرض شہود جماعت ہے اور قبل از اقامت فوتِ جماعت غیر معقول تو اقامت تک وجوب موسع ماننے سے چارہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ اقامت تک تاخیر یا تو امام معین کو میسر جس کے بن آئے جماعت قائم ہی نہ ہوگی یا اُسے جس کا مکان مسجد سے ایسا ملاصق کہ تکبیر کی آواز اُس پر مخفی نہ رہے گی ان کے سوا اور نمازیوں کو انتظار اقامت کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں کہ جب نہ تکبیر اُن پر موقوف نہ اُنھیں اس کی آواز آئے گی تو کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں ایسوں کو اُسی وقت تک تاخیر روا جب تک تفویت کا خوف نہ ہو حدیث ایسے ہی لوگوں پر محمول اور ممکن کہ کلام قنیہ ومجتبٰی بھی اسی معنی پر حمل کریں فیحصل التوفیق وباللہ التوفیق۔

رابعاً اگر بفرض باطل یہ احکام مطلق جماعت کے ہوتے کہ اولٰی وثانیہ دونوں جس کے فرد کو ذاہب تھا کہ بعد فوت اولٰی ثانیہ بالتعیین واجب ومؤکد ہوتی کہ اب برات ذمہ اسی فرد میں منحصر ہوگئی حالانکہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بعد فوت اولٰی وجوب درکنار نفس جواز ثانیہ میں نزاع عظیم ہے ظاہر الروایہ منع وکراہت ہے[عہ] اگرچہ ماخوذ ومختار جواز ہے جبکہ بے اعادہ اذان ہیأۃ اولٰی بدل کر ہو کما بیناہ فی فتاونا بما یقبل المنصف وان کابر المتعسف (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے جسے منصف قبول اور متعسف مخالفت کریگا۔ت) امام اجل ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالٰی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

لودخل جماعۃ المسجد بعد ما یصلی فیہ اھلہ یصلون وحدانا وھو ظاھر الروایۃ۔[2]
اگر کچھ آدمی کسی ایسی مسجد میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ باجماعت نماز ادا کر چکے تھے تو اب تنہا تنہا پڑھیں اور یہی ظاہر روایت ہے۔(ت)

عہ یہاں کلام علی ماھو المشہور بین کثیر من الناس ہے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ پر کراس کی تحقیق جمیل توفیق وجلیل تطبیق فائض ہوئی خاص اسباب میں تحریر فقیر سے دیدنی ۱۲ منہ رحمہ اللہ (م)

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ زیر حدیث مذکور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی ظہیریہ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

وبعبارۃ اخریٰ جس جماعت کو علماء واجب یا سنّتِ مؤکدہ کہتے ہیں اُس کا تاکد متفق علیہ ہے اور ثانیہ کا بعد فوت اولیٰ بھی نفس جواز مختلف فیہ تو ثانیہ کسی وقت اُس جماعت سے نہیں جس کا حکم وجوب تاکد ہے لیکن ثانیہ دائما مطلق جماعت کی فرد ہے تو لاجرم یہ احکام مطلق اصولی کے نہیں بلکہ خاص اولیٰ کے ہیں وھو المطلوب (اور مطلوب یہی تھا۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

قد علمت ان تکرارھا مکروہ فی ظاھر الروایۃ الا فی روایۃ عن الامام وروایۃ عن ابی یوسف[عہ] کما قد مناہ قریبا وسیأتی ان الراجح عند اھل المذھب وجوب الجماعۃ وانہ یاثم بتفویتھا اتفاقا[1]۔

آپ نے جانا کہ جماعت کا تکرار ظاہر روایت میں مکروہ ہے مگر امام صاحب سے ایک روایت اور امام ابویوسف سے ایک روایت میں مکروہ نہیں جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے بیان کیا اور عنقریب آرہا ہے کہ اہل مذہب کے ہاں راجح وجوب جماعت ہے اور جماعت کو فوت کرنے والا بالاتفاق گنہگار ہے (ت)

بھلا وہ کیا چیز ہے جس کی تفویت بالاتفاق گناہ ہے، ثانیہ کو تو اسی عبارت میں روایت مشہورہ پر مکروہ بتارہے ہیں لاجرم وہ اولیٰ ہی ہے تو ثانیہ کے اعتماد پر اسے فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہے اور گناہ کی اجازت دینی اُس سے بھی بدتر۔

وبعبارۃ ثالثۃ وہی علما کہ جماعتِ ثانیہ کو مکروہ بتاتے ہیں وجوب و تاکد جماعت کی تصریح فرماتے ہیں کما لایخفی علی من تتبع کلمات القوم وقد علمت الخلف والوفاق (جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو فقہاء کی عبارات سے آگاہ ہے اور تو اس میں اختلاف و اتفاق کو جانتا ہے۔ ت) اور وجوب و تاکد کا کراہت سے اجتماع بمعنی نہی عن الفعل یا ندب ترک بعد حصول المتاکد یقیناً محال اگرچہ بمعنی المطلوب المطلوب الدفع قبل الحصول ومطلوب الفعل بعد الحصول ممکن اور شک نہیں کہ یہاں اجتماع ہوگا تو بمعنی اول فاعرف وافھم ان کنت تفھم بالیقین (اسے پہچان کر اچھی طرح سمجھ لے اگر توفیق کو پانے والا ہے۔ ت) وہ حکم اجماعی الیسی ہی جماعت کا ہے جو ثانیہ کو شامل نہیں ورنہ قول مشہور نہ صرف مہجور بلکہ قول بالمحال اور معاذ اللہ

عہ قلت وروایۃ عن محمد کما فی البحر والمجتبی والحلیۃ وغیرھا ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جیسا کہ بحر، مجتبیٰ، حلیہ اور دیگر کتب میں ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۱

قانونِ عقل وتمیز سے دُور ہوگا وای شناعة اشنع من ذلك (یعنی اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی۔ت)

خامساً ایک بدیہی بات، سنیت کا ہے سے ثابت ہوتی ہے مواظبت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مطلقاً یا مع الترک احیاناً اور وجوب کو کیا چاہئے انکار اعلی الترک بھی یا صرف مواظبت دائمہ، اب دیکھ لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس جماعت پر مواظبت فرمائی اور کس کے ترک پر نکیر آئی، ظاہر ہے کہ وُہ جماعت اُولٰی ہی تھی تو وجوب یا استنان موکد اُسی کا حکم ہے نہ مطلق ثانیہ کا۔

تنبیہ احکام افراد جانب مطلق سرایت کرتے شبہہ نہیں مگر وہ مطلق مطلق منطقی ہے جس کے تحقق کو تحقق فرد واحد اور اس پر صدق حکم کو صدق علی فرد ولو علی خلاف سائر الافراد کافی، لہذا بتضاد احکام افراد مورد احکام متضاد ہوتا ہے بایں معنی مطلق جماعت بیشک فرض واجب سنّت مستحب مباح مکروہ حرام سب کچھ ہے کہ جماعتِ جمعہ وجماعتِ پنجگانہ وجماعتِ کسوف وجماعتِ وتر رمضان وجماعتِ نوافل بلا تداعی و بتداعی وجماعت ظہر فی المصر یوم الجمعہ وغیرہ سب کو شامل، اس معنی پر حکم فرد کی مطلق سے نفی دو بار قول بالمتناقضین ہے لثبوتہ ونفیہ کلیھما[عہ] والمطلق کلیھما (ثبوت ونفی دونوں میں اور دونوں کے دونوں مطلق ہیں۔ت) کلام اس میں نہیں مطلق اصولی یعنی فرد شائع یا ماہیت متقررہ فی ای فرد کان میں کلام ہے اس کی طرف احکام خاصہ فرد دون فرد ہر گز ساری نہیں ہوسکتے اور جو حکم اس کے لئے ثابت وُہ ہر فرد کو ثابت مالم یمنع مانع (جب تک کوئی مانع نہ پایا جائے۔ت) یہ نکتہ ضروری الحفظ ہے کہ اس سے غفلت باعث غلط وشطط ہوتی ہے

وقد حققه تاج المحققین خاتمة المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی کتابه المسماۃ "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" والله الهادی الی سبیل السداد۔

تاج المحققین خاتم المدققین ہمارے سردار والد گرامی قدس سرہٗ نے اس کی تحقیق اپنی کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں کی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے (ت)

[عہ] لانه ان اثبت للفرد فقد اثبت للمطلق بحکم السرایة لکنه اثبت للفرد فاثبت للمطلق وقد نفی عنه لکنه لم یثبت للمطلق فلم یثبت للفرد وقد اثبت له ۱۲ منه (م)

اس لئے کہ اگر کسی فرد کے لئے ثابت کیا تو وہ حکم سرایت کی وجہ سے مطلق کے لئے بھی ثابت ہوجاتا ہے لیکن جب اس نے فرد کے لئے ثابت کیا تو گویا مطلق کیلئے بھی ثابت کر دیا حالانکہ اس نے اس سے نفی کردی لیکن جب مطلق کے لئے ثبوت نہیں تو فرد کے لئے بھی ثابت نہیں حالانکہ اس نے مطلق کے لئے ثابت کیا ہے (ت)

بالجملہ نہ جماعت اُولیٰ پر ترجیح تجدد وجہ صحت رکھتی ہے نہ حکمِ وجوب و تاکد جماعت اولیٰ سے متعدی ہے نہ باعتماد ثانیہ ترک اولیٰ کی اجازت ہوسکتی ہے نہ ہرگز اولیٰ و ثانیہ کا ثواب مساوی ہے بلکہ باعتماد ثانیہ تفویت اولیٰ گناہ قطعی اجماعی ہے، ہاں مسجد اگر مسجدِ شارع ہو یعنی اُس کے لئے کوئی جماعت معلوم معین نہیں جیسے بازاروں کی مسجدیں کہ کسی خاص محلہ وگروہ سے مختص نہیں کچھ راہ گیر آئے پڑھ گئے کچھ پھر آئے وہ پڑھ گئے، یوں ہی متفرق گروہ آتے اور پڑھتے جاتے ہیں تو وہاں اس قول کی گنجائش ہے کہ ایسی مساجد کی ہر جماعت جماعت اولیٰ ہے،

فان الاولی الناھیة عن الثانیة مطلقا او بشرطه ھی ما فعلها اھل المسجد باذان جھرا واقامة حتی لو ان مسجدا من مساجد الحی اتاہ قوم من غیر اھله فاذنوا واقاموا وصلوا جماعة کان لاھله ان یصلوا جماعة من دون حاجة الی العدول عن المحراب لان الحق لھم فلا یبطل بفعل غیرھم کما نصوا علیه، ومساجد الشوارع لا اھل لھا معینا فلا یتحقق فیھا الاولی بالمعنی المذکور بل الکل اولی اذ لیس بعض من بعض باولی۔

کیونکہ پہلی جماعت دوسری سے ہر حال میں روکنے والی ہے یا اس شرط کے ساتھ کہ پہلی جماعت اہلِ محلہ نے بلند اذان واقامت کے ساتھ ادا کی ہو حتی کہ اگر غیر محلہ کے لوگ کسی محلہ کی مسجد میں آئے اور انھوں نے اذان دی اقامت کہی اور جماعت کرائی تو اب اہلِ محلہ محراب تبدیل کئے بغیر جماعت کروانے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ جماعت کرنے کا حق ان کا ہے تو غیر کی جماعت کی وجہ سے ان کا حق باطل نہیں ہوسکتا جیسا فقہانے اس کی تصریح کی ہے، اور راستے کی مساجد میں کوئی اہل جماعت متعین نہیں ہوتی لہذا باعتبار معنی مذکور کے ایسی مساجد کی کوئی ایک جماعت اُولے نہ ہوگی بلکہ ہر ایک اُولیٰ ہوگی کیونکہ وہاں بعض بعض سے اُولیٰ نہیں ہوتے۔ (ت)

ولہذا ہر گروہ کو آتا جائے اپنی اپنی جدا اذان واقامت سے جماعت کرے

کما فی رد المحتار عن خزائن الاسرار عن امالی الامام قاضیخان وفی خانیته مسجد لیس له مؤذن وامام معلوم ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة

جیسا کہ ردالمحتار میں خزائن الاسرار سے امالی قاضیخان سے اور انھی کے فتاوی خانیہ کے حوالے سے ہے ہر وہ مسجد جہاں کوئی مؤذن وامام مقرر نہ ہو وہاں لوگ مسجد میں گروہ در گروہ نماز ادا کریں کیونکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ اذان واقامت کے ساتھ

علی حدة اھ[1] وفی الشامیة عن المنبع اما مسجد الشارع فالناس فیه سواء لا اختصاص له بفریق دون فریق اھ[2]

الگ الگ نماز پڑھے اھ اور فتاوٰی شامی میں منبع سے ہے رہا معاملہ مسجدِ شارع کا تو اس میں تمام لوگ برابر ہوتے ہیں اس میں کسی ایک فریق کو تخصیص حاصل نہیں ہے اھ (ت)

الحمدللہ کلام اپنے ذروۂ اقصٰی کو پہنچا اور حکم مسائل نے غایت انجلا پایا ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق کا تقاضا یہی تھا اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) روشن رہے کہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کو کسی کے کلام پر اخذ مقصود نہیں بلکہ صرف اظہارِ حق وادائے واجب اکدواحق کہ بعد سوال اعانت جواب و ابانت صواب اہم واجبات شرعیہ سے ہے جس پر ہم سے حضور پُرنور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عہد واثق لیا۔

اللھم اجعلنا من المفلحین و بعھد نبیك من الموفین علیه وعلٰی اٰله الصلٰوة و التسلیم ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔

اے اللہ! ہمیں کامیاب ہونے والوں میں سے کردے اور اپنے نبی علیہ وعلٰی آلہ الصلٰوۃ والتسلیم کے ساتھ عہد ایفاء کرنے والا بنادے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے (ت)

الحمدللہ کہ یہ ضروری وموجز جواب کاشف صواب فرصت اختلاسی کے چند متفرق جلسوں میں ۲۴ صفر ۱۳۱۲ ہجریہ روز جان افروز دوشنبہ کو وقت اشراق مہر مشرق سمائے ختام و بلحاظ تاریخ بدر ختم القلادة المرصعة فی نحر الاجوبة الاربعة اس کا پورا نام ہوا واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوة والسلام علٰی سید المرسلین محمد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ احکم۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۶/۳۲
[2] ردالمحتار باب الامامۃ " مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

۱۳ ھ ۱۳

اَلقُطُوفُ الدَّانِیَۃ لِمَنْ اَحْسَنَ الْجَمَاعَۃَ الثَّانِیَۃ

(جماعتِ ثانیہ کو مستحسن قرار دینے والے کے لئے جھکے ہوئے خوشے)

(جماعتِ ثانیہ کے ثبوت میں)

مسئلہ ۸۶۶ از مراد آباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی سید محمد حبیب الرحمٰن صاحب سلہٹی

۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ جماعتِ ثانیہ بغیر اذان واقامت درصورت بدل دینے ہیأت جماعتِ اولیٰ کی ازروئے شرع شریف بلاکراہت جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورت مستفسرہ میں جماعتِ ثانیہ بلاکراہت مطلقہ مطلقاً جائز ومباح عنداہل التحقیق ہے جس کی تنقیح بالغ وتوضیح بازغ مع ردِ اوہام نابالغ بعض ابنائے زمان بعونہٖ تعالٰی رسائل فقیر سے ظاہر وعیاں، یہاں نفسِ مسئلہ کے اجمالی احکام اور اُن کے متعلق نقول ونصوص علمائے کرام پر اقتصار کیجئے کہ شانِ فتوٰی اسی کے شایاں۔

فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ت)

اوّلاً تکرارِ جماعت کے جواز وافضلیت کی وہ صورتیں سُنئے جن میں اصلاً نزاع کو گنجائش نہیں:

(۱) جو مسجد شارعِ عام یا بازار یا اسٹیشن یا سرائی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں، وقت پر جو لوگ گزرے یا اُترے یا آئے یا پڑھ گئے غرض کسی محلہ خاص سے خصوصیت نہیں رکھتی کہ وہاں کی معمولی جماعت

وہی ہے اوروں کا آنا اتفاقی و عارضی ہے ایسی مسجد میں بالاجماع تکرار جماعت باذانِ جدید و تکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بنوبت جو لوگ آئیں نئی اذان و اقامت سے جماعت کرتے جائیں اگرچہ (ایک نماز کے) وقت میں دس بیس جماعتیں ہو جائیں۔

(۲) مسجد محلہ کہ ایک محلہ خاص سے اختصاص رکھتی ہے اُس میں اقامتِ جماعت اُنھیں کا حق ہے اگر اُن کے غیر جماعت کر گئے تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلاشبہہ جائز ہے جیسے کہ نمازِ جنازہ، حالانکہ اُس کی تکرار اصلاً مشروع نہیں پھر بھی اگر غیرِ ولی بے اذنِ ولی پڑھا جائے اب ولی آئے اعادہ کا مجاز ہے کہ حق اُس کا تھا۔

(۳) بعض اہل ہی جماعت کر گئے مگر بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) اذان بھی دی تھی مگر آہستہ، ان صورتوں میں بھی بعد کو آنے والے باذانِ جدید بروجہ سنّت اعادۂ جماعت کریں کہ جماعت معتبرہ وہی ہے جو اذان سے ہو اور اذان وہ جو اعلان سے ہو۔

(۵) محلے میں حنفی و غیر حنفی دونوں رہتے ہیں پہلے غیر حنفی امام نے جماعت کر لی اور حنفیہ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں اس نے مذہب حنفی کے کسی فرض طہارت یا فرض صلوٰۃ یا شرطِ امامت کو ترک کیا ہے مثلاً چہارم سر سے کم کا مسح یا آبِ قلیل نجاست افتادہ سے وضو یا جسم یا کپڑے قدرِ درہم سے زیادہ منی یا صاحبِ ترتیب کا باوصف یاد و وسعت وقت بے ادائے فائتہ وقتیہ پڑھنا یا نماز وقت تنہا پڑھ کر پھر اُسی نماز میں امامت کرنا تو ایسی حالت میں حنفیہ بلاشبہہ اپنی جماعت جداگانہ کریں کہ اگرچہ شرع اُن جماعت کرنے والوں کے لئے اسے جماعتِ اولیٰ مانے مگر حنفی تو اُس میں اقتدا نہیں کر سکتا اگر کرے تو نماز ہی نہ ہو۔

(۶) اس خاص نماز کا تو حال معلوم نہیں مگر اس امام کی بے احتیاطی اور فرائض میں ترک لحاظ مذہب حنفی ثابت ہے جیسے عامۂ غیر مقلدین کہ خواہی نخواہی اہلِ حق سے مخالفت اور مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب مہذب حنفیہ کی مضادت پر حریص ہوتے ہیں جب بھی حنفیہ کو اُن کی اقتدا گناہ و ممنوع ہے اپنی جماعت جُدا کریں۔

(۷) اُس کی نسبت امورِ مذکورہ کی مراعات کا عادی ہونا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں جیسے کوئی نامعلوم الحال شافعی مالکی حنبلی اس صورت میں بھی اُن کی اقتدا خالی از کراہت نہیں تو جماعت ثانیہ کا فضل مبین۔

(۸) عادت مراعات بھی معلوم ہی سہی تاہم بتصریح ائمہ امام موافق المذہب کے پیچھے جماعت ثانیہ ہی افضل و اکمل اور اسی پر حرمین محترمین و مصر و شام وغیرہا بلاد دار الاسلام میں جمہور مسلمین کا عمل۔

(۹) جس نے جماعت اولیٰ کی فاسد العقیدہ بدمذہب بدعتی تھا مثلاً وہابی یا تفضیلی یا معاذ اللہ امکان کذبِ الٰہی تعالیٰ شانہ ماننے والا یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کسی کو بُرا جاننے والا کہ عند التحقیق

ایسوں کی اقتدا بکراہت شدیدہ سخت مکروہ ہے۔

(۱۰) فاسق تھا جیسے شرابی، زناکار یا داڑھی منڈا سود خوار کہ یہ لوگ ان وہابیوں کذابیوں وغیرہم بدمذہبوں کے مولویوں متقیوں سے بھی اگرچہ لاکھ درجہ بہتر حال میں ہیں پھر بھی اُن کی اقتدا شرعاً بہت ناپسند۔

(۱۱) امام اولیٰ نرا بے علم جاہل نماز و طہارت کے مسائل سے غافل تھا جیسے اکثر گنوار غلام وغیرہم عوام کہ ایسے کی امامت بھی کراہت انضمام۔

(۱۲) قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے معنی فاسد ہوں مثلاً ا، ع یا ت، ط یا ث، س، ص یا ح، ہ یا ذ، ز، ظ میں تمیز نہ کرنے والے کہ آج کل اس دار الفتن ہند میں اکثر بلکہ عام عوام بلکہ بہت بلکہ اکثر پڑھے لکھے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وانا للہ وانا الیہ راجعون پھر خواہ بے خیالی بے احتیاطی یا سیکھنے میں بے پروائی یا زبان کی نادرستی کوئی سبب ہو مذہب معتمد پر صحیح خواں کی نماز اس کے پیچھے مطلقاً فاسد ہے اگرچہ ان میں بعض صور میں مذہب متاخرین خود اُس کی اپنی نماز کے لئے بہت وسعتیں دے عند التحقیق بھی بشرائط معلومہ مضبوطہ کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں اگر قادر نا قادر کا امام ہو سکے تو اگر یہی صورت صحت واقع ہو کر وہ جماعت اولیٰ ٹھہرے لاجرم صحیح خوانوں کو جماعت ثانیہ ہی کا حکم ملے یہ صورت صورتِ اولیٰ کی مانند ہے اول یا تقریباً وارد، غرض ایسی صورتیں جماعتِ ثانیہ کی خاص تاکید یا فضل مزید کی ہیں جن میں بالاجماع یا علی الاصح اصلا کلام کی گنجائش نہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب جماعتِ اولیٰ اہل مسجد[ع] یا اہل مذہب کی نہ ہو یا اپنے مذہب میں فاسدہ یا مکروہ ہو تو ہمیں جماعتِ ثانیہ کی مطلقاً اجازت بلکہ در صورت کراہت قصداً تفویت اولیٰ کی رخصت جبکہ ثانیہ نظیفہ مل سکتی ہو اور در صورت فساد تو اُس میں شرکت ہی سے صاف ممانعت اگرچہ ثانیہ بھی میسر نہ ہو، اب ان تمام مطالب پر نصوصِ علماء سُنیے فقیر نے ان سب مسائل میں بتوفیقہٖ تعالیٰ قولِ منقح اختیار کیا ہے اسی کے متعلق عباراتِ کتب بایجاز و اختصار نقل کروں کہ ذکر اقاویل و تطبیق و توفیق و ترجیح و تحقیق و تنقیح و تدقیق محتاج تطویل معہذا بعونہٖ تعالیٰ ان مباحث میں یہ سب مدارج فتاوٰی ورسائل و تعالیق فقیر میں طے ہو چکے ہیں و باللہ التوفیق۔ متنِ غرر میں ہے:

لاتکرر فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ	مسجدِ محلہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت

ع صادق بان لا اھل لہ او صلی من لیس من اھلہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ بایں طور صادق ہے کہ اس مسجد کا کوئی اہل معین نہ ہو یا جس نے نماز پڑھائی وہ مسجد کے اہل میں سے نہ ہو (یعنی اہلِ محلہ نہ ہو) ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

الااذا صلی بھما فیه اولاغیر اھله او صلی اھله بمخافتة الاذان[1]

جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ غیر محلہ والوں نے وہاں اذان واقامت کے ساتھ اولاً جماعت کرائی ہو یا اہلِ محلہ نے آہستہ اذان دے کر جماعت کروائی ہو۔ (ت)

خزائن الاسرار شرح تنویر الابصار میں ہے:

لوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامة علی حدة کما فی امالی قاضی خان[2]

اگر مسجد شارع ہے تو بالاتفاق تکرارِ جماعت جائز جیسا کہ اس مسجد کا حکم ہے جس کا امام و مؤذن مقرر نہ ہو اور لوگ اس میں گروہ در گروہ نماز ادا کرتے ہوں تو وہاں افضل یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی اذان و اقامت کے ساتھ الگ الگ نماز پڑھے جیسا کہ امالی قاضی خاں میں ہے۔ (ت)

دُرِمختار میں ہے:

تکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی وتر البحران تیقن المراعاة لم یکرہ اوعدمها لم یصح وان شك کرہ[3]

مخالف کے پیچھے نماز مکروہ ہے مثلاً شافعی المسلک کے پیچھے، لیکن بحر میں وتر کی بحث میں ہے کہ اگر اس کا مذہب حنفی کی رعایت کرنا یقینی ہو تو پھر مکروہ نہیں، اگر مذہب حنفی کی رعایت نہ کرنا یقینی ہو تو صحیح نہ ہوگی، اور اس کے بارے میں شک ہو تو نماز مکروہ ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

حاصله ان صاحب الهدایة جوز الاقتداء بالشافعی بشرط ان لایعلم المقتدی منه

حاصل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شافعی کی اقتداء کو اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ جب مقتدی اس امام کے کسی ایسے عمل کو نہ جانتا ہو جو مقتدی کی

---

[1] کتاب درر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الامامة مطبوعہ مطبع احمد کامل الکائنۃ فی دار سعادت مصر ۱/۸۵
[2] رد المحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[3] در مختار " " مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

مایمنع صحۃ صلاتہ فی رأی المقتدی کالفصد ونحوہ وعدد مواضع عدم صحۃ الاقتداء بہ فی العنایۃ وغایۃ البیان بقولہ کما اذالم یتوضأ من الفصد والخارج من غیر السبیلین اوکان شاکا فی ایمانہ بقولہ انا مومن ان شاء اللہ او متوضأ من القلتین اویرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الراس من الرکوع اولم یغسل ثوبہ من المنی ولم یفرکہ اوانحرف عن القبلۃ الی الیسار اوصلی الوتر بتسلیمتین اواقتصر علی رکعۃ اولم یوتر اصلا اوقہقہ فی الصلاۃ ولم یتوضأ اوصلی فرض الوقت مرۃ ثم ام القوم فیہ زاد فی النہایۃ وان لایراعی الترتیب فی الفوائت وان لایمسح ربع راسہ وزاد قاضی خاں وان یکون متعصبا والکل ظاہر ماعدا خمسۃ اشیاء[1]

الاول مسئلۃ التوضؤ من القلتین فانہ صحیح عندنا اذالم یقع فی الماء نجاسۃ ولم یختلط بمستعمل

رائے کے مطابق صحتِ نماز کے منافی ہے، مثلاً رگ کٹوانا وغیرہ، عدمِ صحتِ اقتداء کے چند مواضع عنایہ اور غایۃ البیان سے ان الفاظ سے بیان کئے کہ مثلاً جب اس امام نے رگ کٹوانے یا غیر سبیلین سے کسی شئے کے خارج ہونے پر وضو نہ کیا ہو یا اس امام کے ایمان میں شک ہے، مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ "ان شاء اللہ میں مومن ہوں" یا وہ قلتین پانی سے وضو کرتا ہے یا رکوع جاتے وقت اور اُٹھتے وقت رفع یدین کرتا ہے یا وہ منی لگ جانے کی وجہ سے کپڑے کو نہیں دھوتا اور نہ ہی اسے کھرچتا ہے (گاڑھی ہونے کی صورت میں) یا وہ قبلہ سے بائیں جانب پھرتا ہے یا وہ دو سلاموں سے وتر ادا کرتا ہے یا ایک رکعت وتر پڑھتا ہے یا بالکل پڑھتا ہی نہیں یا نماز میں قہقہہ سے ہنستا ہے اور وضو نہیں کرتا یا ایک دفعہ وقتی نماز پڑھ چکا ہے پھر اسی نماز کا امام بن جاتا ہے۔ اس پر نہایہ میں اضافہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کی رعایت نہ رکھتا ہو حالانکہ وہ صاحبِ ترتیب ہو، سر کے چوتھائی حصّہ کا مسح کرے، قاضی خاں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ متعصب ہو، ان پانچ کے علاوہ باقی تمام واضح ہیں۔

اوّل قلتین سے وضو کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے جبکہ اس میں نجاست نہ گری ہو، اور اس کے مساوی یا زائد اس میں مستعمل پانی نہ ملا ہو

---

[1] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

مساولداواکثرفلابد ان یقید قولهم بالقلتین المتنجس ما ؤهما والمستعمل بالشرط المذکور لامطلقا۔

لہذا قلتین کے ساتھ یہ شرط لگانا بھی ضروری ہے کہ قلتین کا پانی ناپاک ہو یا اس میں مستعمل پانی برابر یا زائد ملا ہو ورنہ مطلقاً حکم لگانا درست نہیں۔

الثانی مسئلة رفع الیدین من وجهین الاول ان الفساد روایته شاذة لیست بصحیحة روایة ولادرایة الثانی ان الفساد عند الرکوع لایقتضی عدم صحة الاقتداء من الابتداء مع ان عروض البطلان غیرمقطوع به حتی یجعل کالمتحقق عند الشروع لان الرفع جائزالترك عندهم لسنیته۔

دوم رفع یدین کی دو صورتیں ہیں ایک تو فساد والی روایت شاذہ ہے نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ دوسری یہ کہ رکوع کے موقعہ پر فساد کا عارض ہونا ابتداءً اقتداء کے منافی نہیں، باوجود اس کے بطلان کا عارض ہونا بھی یقینی نہیں حتی کہ اسے بوقت شروع ہی متحقق قرار دے دیا جائے کیونکہ رفع یدین کا چھوڑنا بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سنت ہی ہے (تو ممکن ہے وہ اس کو ترک کردے)

الثالث مسئلة الانحراف عن القبلة الی الیسار لان المانع عندنا ان یجاوزالمشارق الی المغارب والشافعیة لاینحرفون هذا الانحراف۔

سوم قبلہ سے بائیں طرف انحراف کا معاملہ، تو اس معاملہ میں ہمارے نزدیک مانع وہ انحراف ہے جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو اور شوافع ایسے انحراف کے قائل نہیں۔

الرابع مسئلة التعصب لان التعصب علی تقدیر وجوده منهم انما یوجب الفسق والفسق لایمنع صحة الاقتداء

چہارم رہا تعصب کا معاملہ، تو اگر ان سے تعصب ثابت ہو تو یہ فسق کا موجب ہے اور فسق صحتِ اقتداء سے مانع نہیں ہوتا۔

الخامس مسئلة الاستثناء فی الایمان فان التکفیر غلط و الاستثناء قول اکثرالسلف[1] اھ ملتقطا یہ کلام بحر فی البحر تھا۔

پنجم باقی ایمان کا ان شاء اللہ کے ساتھ معلق کرنے والا مسئلہ، تو اس میں فتوٰی کفر غلط ہے کیونکہ معلق کرنا بہت سے اسلاف کا قول ہے[1] اھ تلخیصاً کت

---

[1] بحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵و۴۶

اقول وقد كانت ظهرت لی بحمد الله الخمسة المذكورة اول ما نظرت الكلام مع زيادة فلنذكر ما بقى من الابحاث تتميما للافادة الاوّل قولهم لم يوتر اصلا لا يظهر له وجه فانه بتركه لا يفسق فضلا عما يوجب بطلان الاقتداء فان الوتر وان وجب عندنا فهو مجتهد فيه ولا تفسيق بالاجتهاديات وان حمل على انه ان لم يصله لم يصح الاقتداء به فى الفجر لشرطه لفوات الترتيب نافاه قوله زاد فى النهاية وان لا يراعى الترتيب ثم رأيت العلامة الشامى علله فى منحة الخالق بهذا ثم اعله بالتكرار قال فليتأمل ما المراد[1] **اقول** بل هو اشد من التكرار فان قوله زاد لا يحتمله كما علمت الثانى **اقول** وينبغى اسقاط صلاته الوتر بتسليمتين فان طريان المبطل غير البطلان من رأس كما افاده البحر ثم على ما ذهب اليه الامام ابوبكر الرازى

اقول (میں کہتا ہوں) بحمد اللہ سرسری نظر میں یہ پانچ ہی تھے، کچھ اور بحثیں بھی ہیں ہم ان باقی کو افادہ کے لئے یہاں ذکر کردیتے ہیں،

اوّل: اصلاً وہ وتر نہ پڑھتا ہو ان کا یہ قول درست نہیں کیونکہ وتر کے ترک سے وہ فاسق نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کی اقتداء کو باطل قرار دیا جائے کیونکہ وتر ہمارے ہاں اگرچہ واجب ہیں لیکن یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اجتہادی مسائل میں کسی کو فاسق قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر اس عبارت کو اس پر محمول کیا جائے کہ اگر وتر ادا نہیں کرتا تو اس کی فجر میں اقتداء جائز نہ ہوگی کیونکہ ترتیب فوت ہوگئی ہے، تو اب اس کے قول کہ نہایہ میں اضافہ ہے کہ اگر وہ ترتیب کی رعایت نہیں تو اقتداء جائز نہیں، یہ منافی قرار پائے گا، پھر میں نے علامہ شامی کو دیکھا تو انہوں نے منحۃ الخالق میں یہی علت بیان کی اور اس پر تکرار کا اعتراض کیا اور کہا اس سے مراد پر غور کرنا چاہئے **اقول** (میں کہتا ہوں) بلکہ یہ تکرار سے اشد ہے کیونکہ اس کا لفظ "زاد" اس کا احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ جان لیا ہے۔ دوسرا یہ کہ **اقول** (میں کہتا ہوں) وتر کو دو سلاموں کے ساتھ ادا کرنے والے احتمال کو ساقط کردینا چاہئے تھا کیونکہ عارضی مبطل کا لاحق ہونا دُوسرا اس بطلان کا غیر ہوتا ہے جو ابتداءً ہو جیسا کہ بحر میں ہے۔ پھر امام ابوبکر رازی

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

لا یفسد بالمآل ایضاً ان امامہ لم یخرج عندہ نفسہ بالسلام فانہ یحسب مابعدہ من الوتر وھو مجتھد فیہ نعم الاصح الفساد کما جزم بہ فی متن التنویر وھو المؤید بقول الجمھور الصحیح المشھور من ان العبرۃ لرأی المقتدی، الثالث مثلہ الکلام فی اقتصارہ علی رکعۃ الرابع افاد الشامی، قال افاد شیخنا حفظہ اللہ تعالٰی ان المراد انحرافہم اذا اجتھدوا فی القبلۃ مع وجود المحاریب القدیمۃ فانہ یجوز عندھم لاعندنا فلو انحرف عن المحراب القدیم (ای انحرافا جاوز المشارق الی المغارب) لایصح الاقتداء بہ[1] اھ **اقول** وھو وجیہ مسقط لوجہ اسقاط عند الانحراف نعم لابد من التقیید وھو غیر بعید فان عدم رعایۃ الترتیب وعدم غسل المنی اوفرکہ کل مقید کما نبھنا علیہ ولم یوجب اسقاطھما فکذا ھذا وبہ ظھر الخامس وھو عدم اسقاط التوضؤ من القلتین وان کان الوجہ ھو التقیید الا ان

جس طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ مآلاً بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک سلام کے ساتھ امام نماز سے خارج نہیں ہو رہا بلکہ وہ مابعد کو وتر سمجھتا ہے لہذا وہ معاملہ اجتہادی ٹھہرا، ہاں اصح فساد ہے جیسا کہ اس پر متنِ تنویر میں جزم کیا گیا ہے اور اس کی تائید جمہور کے اس صحیح مشہور قول سے ہوتی ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے۔ تیسرا یہ کہ وتر کا ایک رکعت پڑھنا اس پر بھی سابقہ گفتگو ہی ہے۔ چوتھا امام شامی نے فرمایا ہمارے شیخ حفظہ اللہ نے فرمایا انحراف سے مراد یہ ہے کہ قدیم محراب ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہوئے وہ انحراف کریں تو ان کے ہاں جائز ہے ہمارے ہاں جائز نہیں، تو اگر امام محراب قدیم سے منحرف ہوگیا (یعنی ایسا انحراف جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو) تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ توجیہ اس توجیہ کی ساقط ہوگی جو انحراف کے وقت اسقاطاً کی گئی ہے، ہاں اسے مقید کرنا ضروری ہے اور وہ بعید نہیں کیونکہ عدم رعایت ترتیب یا عدم غسل منی یا اس کا کھرچنا تمام مقید ہیں جیسا کہ ہم نے اس پر تنبیہ کردی ہے تو یہ بات ان کے اسقاط کا سبب نہیں ہوسکتی تو یہاں (انحراف) میں بھی یہی معاملہ ہے اور اسی سے پانچویں بحث ظاہر ہے اور وہ قلتین پانی سے وضو کا عدم اسقاط ہے اگرچہ یہاں

---

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

يفرق بالغالب والنادر والخفى والمتبادر ولنرجع الى ماكنا فيه من الكلام فما كان الامن تجاذب القلم عنان الرقم لمناسبة المقام۔

مناسب اس کا مقید کرنا ہے مگر غالب و نادر اور خفی و متبادر میں فرق کیا جاتا ہے اب ہم سابقہ گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں یہ تو مناسبت مقام کی وجہ سے قلم سے مجبوراً تحریر صادر ہو گئی (ت)

نیز بحر میں ہے:

فصار الحاصل ان الاقتداء بالشافعى على ثلثة اقسام الاول ان يعلم منه الاحتياط فى مذهب الحنفى فلا كراهة فى الاقتداء به الثانى ان يعلم منه عدمه فلا صحة لكن اختلفوا هل يشترط ان يعلم منه عدمه فى خصوص مايقتدى به او فى الجملة صحح فى النهاية الاول وغيره اختار الثانى وفى فتاوى الزاهدى الاصح انه يصح وحسن الظن به اولى الثالث ان لا يعلم شيئا فالكراهة[1] (ملخصا)۔

حاصل یہ ہے کہ شافعی کی اقتداء تین طرح کی ہے، اول یہ کہ اس امام کا مسلک حنفی کی احتیاط و رعایت کرنا معلوم ہو تو اب اس کی اقتداء میں کراہت نہ ہوگی۔ ثانی یہ کہ اس امام کا رعایت نہ کرنا معلوم ہو تو اب اقتداء صحیح نہ ہوگی لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیا بالخصوص اسی نماز میں جس میں اقتداء مطلوب ہے عدم احتیاط کا علم ضروری ہے یا فی الجملہ عدم احتیاط کا علم ضروری ہے۔ نہایہ میں پہلے کو صحیح کہا اور دوسرے لوگوں نے دوسرے کو مختار قرار دیا۔ فتاوی زاہدی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہے اور اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا اولٰی ہے۔ ثالث یہ کہ اسکے بارے میں علم نہیں کہ وہ رعایت کرتا ہے یا نہیں (یعنی مشکوک صورت ہے)، تو اب اقتداء مکروہ ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

نقل الشيخ خيرالدين عن الرملى الشافعى انه مشى على كراهة الاقتداء

شیخ خیرالدین نے رملی الشافعی سے نقل کیا ہے کہ وہ مخالف کی اقتداء کو اس وقت مکروہ جانتے جب

[1] البحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶، ۴۷

بالمخالف حیث امکنه غیرہ ومع ذلك ھی افضل من الانفراد و یحصل له فضل الجماعة وبه افتی الرملی الکبیر واعتمدہ السبکی والاسنوی وغیرھما قال والحاصل ان عندھم فی ذلك اختلافا وقد سمعت ما اعتمدہ الرملی وافتی به والفقیر اقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیه المنصف یسلم ذلك ؎ وانا رملی فقه الحنفی ؛ لا مرا بعد اتفاق العالمین ؛ اھ ملخصا یعنی به نفسه ورملی الشافعیة رحمهما اللّٰه تعالٰی فتحصل ان الاقتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض افضل من الافراد اذا لم یجد غیرہ والا فالاقتداء بالموافق افضل[1]

غیر کی اقتداء ممکن ہو، اور اس کے باوجود اقتداء تنہا نماز سے افضل ہے اور ایسی صورت میں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ اسی پر رملی کبیر نے فتوٰی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہما نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے کہا حاصل یہ ہے کہ ان (فقہاء) کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور میں نے وہ سن رکھا ہے جس پر رملی نے اعتماد کرتے ہوئے فتوٰی دیا اور فقیر انہی کے مطابق کہتا ہے اس اقتداء میں جو حنفی کی شافعی کے ساتھ ہو اور منصف فقیہ اسے تسلیم کرے گا ؎ میں رملی ہوں فقہ حنفی رکھتا ہوں دو عالموں کے اتفاق کے بعد کوئی شک نہیں ہے تلخیصاً یہاں انہوں نے انا سے اپنی ذات اور رملی سے شافعی مراد لیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اس مخالف کی اقتداء جو رعایت کرتا ہو فرائض میں، تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے جبکہ اس کے علاوہ کوئی امام موجود نہ ہو ورنہ موافق ملنے کی صورت میں اس کی اقتداء افضل ہوگی۔ (ت)

اُسی میں مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری سے ہے:

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی مااستحسنه عامة المسلمین وعمل به جمھور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصر و

اگر ہر مذہب کا امام ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو موافق کی اقتداء افضل ہوگی خواہ وہ پہلے امامت کرے یا بعد میں، اسے ہی عامۃ المسلمین نے مستحسن جانا ہے اور اہل حرمین، بیت المقدس، مصر اور شام کے جمہور مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں ان

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۶

الشام ولاعبرة بمن شذ منهم[1] اھ

سے جو کوئی اکا دکا اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں (ت)

پھر خود فرمایا:

والذی یمیل الیہ القلب عدم کراھۃ الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیر مراع فی الفرائض وانہ لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[2]۔

جس بات کی طرف دل مائل ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ جو مخالف فرائض میں رعایت کرنے والا ہو اس مخالف کی اقتداء مکروہ نہ ہوگی، اور اگر کوئی شخص جماعت کی صفوں سے دور اپنے مذہب کے امام کا انتظار کرتا ہے تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ وہ یقینی طور پر اس جماعت سے اکمل جماعت کے انتظار میں ہے (ت)

اسی میں زیر مسئلہ امامت عبد و اعرابی وغیرہما تبعا للبحر (بحر کی اتباع میں) ہے:

یکرہ الاقتداء بھم تنزیھا فان امکن الصلاۃ خلف غیرھم فھو افضل والا فالاقتداء اولی من الانفراد[3]۔

ان کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ کوئی امام میسر ہو تو اس کی اقتداء افضل ہے ورنہ تنہا ادا کرنے سے ان کی اقتدا بہتر ہوگی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ[4]۔

معراج میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ میں فاسق کی اقتداء جائز نہیں کیونکہ جمعہ کے علاوہ نمازوں میں دوسرے امام کی اقتدا ممکن ہوتی ہے (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

---

[1] رد المحتار	باب الامامۃ	مطبوعہ مصطفی البابی مصر	۱/ ۴۱۷
[2] " "	"	" " "	"
[3] " "	"	" " "	۱/ ۴۱۳
[4] " "	"	" " "	۱/ ۴۱۴

بقی لوکان مقتدیا بمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھر ان الاول لوفاسقا لایقطع ولومخالفا وشك فی مراعاۃ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی کراھتہ تنزیھیۃ کالاعمٰی والاعرابی بخلاف الفاسق فانہ استظھر فی شرح المنیۃ انہا تحریمیۃ لقولھم ان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علینا اھانتہ[1] الخ

باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کوئی شخص ایسے امام کی اقتدا میں ہے جس کی اقتدا مکروہ تھی، ساتھ ہی ایسا امام جماعت کروائے جس میں کراہت نہیں، تو آیا اب وہ نماز توڑ کر اس کی اقتدا کرے یا نہ، ط نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگر پہلا امام فاسق ہے تو نماز نہ توڑے اور اگر وہ مخالف ہے اور اس کی رعایت میں شک ہو تو نماز توڑ دے۔ میں کہتا ہوں اس کا عکس اظہر و مختار ہے کیونکہ ثانی میں کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ اعرابی اور نابینا میں ہے بخلاف فاسق کے، اس کی اقتداء کے بارے میں شرح منیہ میں کہا کہ اس کا مکروہ تحریمی ہونا ظاہر ہے کیونکہ فقہا کہتے ہیں کہ فاسق کو امام بنانے میں فاسق کی تعظیم ہوتی ہے حالانکہ ہم پر اس کی اہانت لازم ہے الخ (ت)

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی للعلامۃ ابراہیم الحلبی میں ہے:

یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع[2]

بدعتی کی اقتدا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقاداً فاسق ہے اور عقیدۃً فاسق عملاً فاسق سے بدتر ہے، کیونکہ فاسق عملی اعتراف کرتا کہ وہ فاسق ہے وُہ ڈرتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے بخلاف بدعتی کے کہ وُہ ایسا نہیں کرتا۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء غیر الالثغ بالالثغ علی الاصح کما فی البحر وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ

اصح قول کے مطابق غیر توتلے کا توتلے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر میں ہے، حلبی اور ابن شحنہ نے کہا جب توتلا دائمی کوشش کرتا ہے تو وُہ امّی کی طرح ہے اور صرف توتلے کی اقتدا کر سکتا ہے اور جب

---

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اذا مکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لالثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف[1]

اسے کسی عمدہ پڑھنے والے کی اقتدار ممکن ہو تو اب تنہا نماز نہ ہوگی، اسی طرح حکم ہے جب اس نے کوشش ترک کردی یا وہ مقدار فرض کی قرأت پر قادر ہوگیا جس میں توتلاپن پیدا نہیں ہوتا توتلے کے حکم میں یہی صحیح و مختار ہے اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو حروف میں سے کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وذلک کالرحمن الرھیم والشیتان الرجیم والألمین وایاک نابد وایاک نستئین السرات انأمت فکل ذلک حکمہ مامر[2]۔

جیسے کوئی رحمن، رھیم، شیستان الرجیم، آلمین، ایاک نابد و ایاک نستئین، السرات، انأمت پڑھتا ہے ان صورتوں کا حکم پیچھے گزر چکا ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

امامۃ الالثغ للفصیح فاسدۃ فی الراجح الصحیح[3]

(راجح اور صحیح قول کے مطابق فصیح کے لئے توتلے کی اقتدار فاسدِ نماز ہے۔ ت)

اب محلِ نظر صرف ایک صورت رہی کہ مسجد محلہ میں اہلِ محلہ نے باذان و اقامت بروجہ سنت امام موافق المذہب سالم العقیدہ متقی مسائل داں صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولٰی خالیہ عن الکراہۃ ادا کر لی پھر باقی ماندہ لوگ آئے اُنھیں دوبارہ اس مسجد میں جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اور ہے تو بکراہت یا بے کراہت، اس بارے میں عین تحقیق وحق وثیق و حاصل انیق و نظر دقیق واثر توفیق یہ ہے کہ اس صورت میں تکرار جماعت باعادہ اذان ہمارے نزدیک ممنوع و بدعت ہے، یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مہذب و ظاہر الروایہ ہے، متن متین مجمع البحرین و بحرالرائق علامہ زین میں ہے:

ولاتکررھا فی مسجد محلۃ باذان ثان[4]۔

مسجد محلہ میں دوسری اذان کے ساتھ تکرارِ جماعت جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵
[2] ردالمحتار " مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۳۱
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ " دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۰
[4] بحرالرائق باب الامامۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶

درمختار و خزائن الاسرار میں ہے :

والنظم للدر یکرہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن[1]۔

الفاظ در کے ہیں محلہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت مکروہ ہے، راستہ کی مسجد یا ایسی مسجد جس کا کوئی امام ومؤذن مقرر نہ ہو اس میں تکرارِ جماعت مکروہ نہیں۔ (ت)

غرر الاحکام اور اُس کی شرح درر الحکام میں ہے :

لا تکرر الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ یعنی اذا کان لمسجد امام و جماعۃ معلومان فصلی بعضھم باذان واقامۃ لایباح لباقیھم تکرارھا بھما[2]۔

اذان واقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار محلہ کی مسجد میں درست نہیں یعنی جب مسجد کے لئے امام اور جماعت متعین ہو پس بعض نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اب دوسرے لوگوں کے لئے اذان اقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت مباح نہیں ہے۔ (ت)

شرح المجمع للمصنف الامام العلامۃ ابن الساعاتی و فتاوٰی ہندیہ میں ہے :

المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثان[3]۔

جب مسجد محلہ کا امام اور جماعت مقرر ہو اور اہلِ محلہ نے اس مسجد میں نماز ادا کرلی ہو تو اب دوسری اذان کے ساتھ تکرارِ جماعت مباح نہیں (ت)

وجیز کردری وغنیہ علامہ حلبی میں ہے :

لوکان لہ امام ومؤذن معلوم فیکرہ تکرار الجماعۃ فیہ باذان واقامۃ عندنا[4]۔

اگر مسجد کے لئے امام اور مؤذن مقرر ہو تو ایسی مسجد میں ہمارے نزدیک اذان واقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت مکروہ ہوگا۔ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی میں ہے :

---

[1] درمختار — باب الامامۃ — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۸۲
[2] درر الحکام شرح غرر الاحکام — فصل فی الامامۃ — " مطبع احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر — ۱/۸۵
[3] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الاول فی الجماعۃ — " نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۸۳
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی — فصل فی احکام المسجد — مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور — ص ۶۱۴

8/8

ان کان للمسجد امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فصلوافیہ بجماعۃ باذان واقامۃ لایباح تکرارھا بھما۔[1]

اگر مسجد کا امام اور جماعت معین ہے اور اس میں لوگوں نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اب اذان واقامت کے ساتھ تکرارِ جماعت مباح نہیں۔(ت)

جس کا حاصل عندالتحقیق کراہت اذان جدید کی طرف راجع نہ نفس جماعت کی طرف ولہذا اسی مذہب کو امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی نے حلیہ میں اس عبارت سے ارشاد فرمایا:

المسجد اذا کان لہ اھل معلوم فصلوا فیہ اوبعضھم باذان واقامۃ کرہ لغیر اھلہ وللباقین من اھلہ اعادۃ الاذان والاقامۃ۔[2]

اگر مسجد کے لئے اہل معین ہوں اور اس میں وہ تمام یا بعض اہل اذان اقامت کے ساتھ نماز ادا کرلیں تو غیر اہلِ محلہ اور باقی ماندہ اہلِ محلہ کے لئے اذان و اقامت کا اعادہ مکروہ۔(ت)

اور اگر بغیر اس کے تکرار جماعت کریں تو قطعاً جائز وروا ہے اسی پر ہمارے علماء کا اجماع ہوا ہے، خزائن میں ہے:

لوکرر اھلہ بدونھما جاز اجماعاً۔[3]

اگر اہل محلہ نے بغیر اذان واقامت کے تکرارِ جماعت کیا تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔(ت)

درر میں ہے:

لوکان مسجد الطریق یباح تکرارھا بھما ولوکرر اھلہ بدونھما جاز۔[4]

اگر راستہ کی مسجد ہو تو اذان واقامت دونوں کے ساتھ تکرارِ جماعت مباح ہے اور اگر اہلِ محلہ ان دونوں کے بغیر تکرار کریں تو جماعت جائز ہے۔(ت)

شرح المجمع للمصنف وعلمگیریہ میں ہے:

امااذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا

اگر بغیر اذان کے پڑھیں تو بالاجماع مباح ہے اسی طرح

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور انڈیا ۱/ ۷۷
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] رد المحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۸
[4] درر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت مصر ۱/ ۸۵

وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق۔[1] حکم ہے اگر مسجد راستہ پر واقع ہو۔ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی و شرح المجمع للعلامۃ میں ہے:

لوصلوا فیہ بلا اذان یباح اتفاقا۔[2] اگر بغیر اذان کے نماز پڑھی تو بالاتفاق تکرار جماعت مباح ہے۔ (ت)

عباب وملتقط و شرح درر البحار ورسالہ علامہ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الہمام و حاشیۃ البحر للعلامۃ خیر الدین الرملی استاذ صاحب الدر المختار میں ہے:

یجوز تکرار الجماعۃ بلا اذان و بلا اقامۃ ثانیۃ اتفاقا قال وفی بعضھا اجماعا۔[3] تکرار جماعت اذان واقامت کے بغیر بالاتفاق جائز ہے کہا بعض کتب میں اجماع کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ (ت)

پھر یہ جواز مطلق محض و خالص ہے یا کہیں کراہت سے بھی مجامع اس میں صحیح یہ ہے کہ اگر محراب میں جماعت ثانیہ کریں تو مکروہ، اور محراب سے ہٹ کر تو اصلاً کراہت نہیں، خالص مباح و ماذون فیہ ہے۔ بزازیہ و شرح منیہ و رد المحتار میں ہے:

عن ابی یوسف انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الھیئۃ الاولٰی لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیأۃ۔[4] امام ابو یوسف سے مروی ہے جب جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کر ادا کرنا ہیئت کی تبدیلی ہے (ت)

ولوالجیہ و تاتارخانیہ و شامیہ میں ہے: بہ ناخذ[5] (اسی کو ہم لیتے ہیں۔ ت) اُسی میں ہے:

قلت ان الصحیح تکرار الجماعۃ اذا لم تکن علی الھیأۃ الاولٰی۔[6] میں کہتا ہوں کہ تکرار جماعت اس وقت صحیح ہے جب وہ جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الاول فی الجماعۃ — مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۸۳
[2] ذخیرۃ العقبٰی — کتاب الصلوٰۃ — ″ منشی نولکشور کانپور انڈیا — ۱/۷۷
[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق بحوالہ حاشیۃ البحر للعلامۃ خیر الدین الرملی — باب الامامۃ — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۳۴۶
[4] رد المحتار — باب الامامۃ — مطبوعہ مصطفی البابی مصر — ۱/۴۰۹
[5] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″
[6] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

یہ ان احکام میں اجمالی کلام تھا،

وللتفصیل محل اٰخر الحمد للّٰہ العلی الاکبر والصلٰوۃ والسلام علی الحبیب الازھر وآلہ واصحابہ الاطائب الغرر۔

تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو بلند وبرتر ہے۔ صلٰوۃ وسلام ہو حبیب خوب پر، ان کی آل واصحاب پر جو پاکیزہ ہیں (ت)

واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۸۶۲: زید نے وقتِ مغرب ایک مسجد میں داخل ہو کر دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے اور امام قرأت بجہر پڑھ رہا ہے زید نے اس امام کی اقتدا نہ کی اور اُس آنِ واحد میں علیحدہ اپنی قرأت بجہر شروع کر دی اور دوسری جماعت قائم کی پس زید کا کیا حکم ہے اور اس جماعت ثانی کا جو بحالتِ موجودگی جماعت اول قائم ہوئی ہے کیا حکم ہے اور دو شخص ایک آن میں قرأت بجہر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تفریق جماعت حاضرین حضرت حق سبحٰنہ وتعالٰی کو نہایت ناپسند ہے حتی کہ انتہا درجہ کی ضرورت میں یعنی جب عساکر مسلمین ولشکر کفار میں صف آرائی ہو مورچہ بندی کر چکے ہوں اور وقتِ نماز آجائے اُس وقت بھی نمازِ خوف کی وہ صورت قرآن مجید میں تعلیم فرمائی جس سے تفریق جماعت نہ ہونے پائے اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز ہو ورنہ ممکن تھا کہ نصف برسرِ معرکہ رہیں اور نصف باقی اپنی جماعت کرلیں پھر یہ نصف مقابلہ پر چلے جائیں اور وہ آکر اپنی نماز پڑھ لیں اتحادِ جماعت کی عنداللہ ایسی ہی تو کچھ سخت ضرورت ہے جس کے لئے عین نماز میں مشی کثیر جو مفسد صلٰوۃ ہے روا رکھی گئی۔ علاوہ بریں صدہا آیات واحادیث اس فعل کی مذمت پر دال ہیں اور حکمت ایک جماعت کی مشروعیت کہ ایتلاف مسلمین ہے کہ نہایت محبوبِ الٰہی ہے یہ فعل بالکلیہ اُس کے مناقض ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) جس زمانے میں نظم خلافت حقہ صحیحہ اور بنائے امامت راشدہ ازہم ریختہ ہو گئی تھی اور سلطنت فساق وفجار بلکہ بدمذہبان فاسد العقیدہ کو پہنچی تھی وہ لوگ امامت کرتے اور صحابہ وتابعین وکافہ مسلمین بمجبوری ان کے پیچھے نماز پڑھتے اُس وقت بھی ان اکابر دین نے تفریق جماعت گوارا نہ کی پس اس دوسری جماعت کی شناعت میں کوئی شبہہ نہیں اور فاعل اُس کا عوض ثواب کے مستوجب طعن وملام ہوا خصوصاً جبکہ وہ اس تفریق کا سبب کسی بغض دنیاوی کے جو اسے امام اوّل سے تھا مرتکب ہوا یا بوجہ اپنے فاسد العقیدہ ہونے کے عناداً امام اول کو بدمذہب ومبتدع ٹھہرا کر اُس کی اقتدا سے استنکاف کیا کہ ان صورتوں میں تشنیع اس پر اشد واکد ہے مگر یہ کہ درحقیقت امام اول سے بدعت تا بحدِ کفر وارتداد مرتقی ہو گئی ہو مثلاً سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عیاذاً باللہ توہین کرتا ہو، حضور کے ختمِ نبوت میں کلام رکھتا ہو

حضور والا کے بعد کسی کے حصول نبوت میں حرج نہ جانتا ہو حضور اقدس کی تعظیم جو بعد تعظیم الٰہی کے تمام معظمین کی تعظیم سے اعلیٰ واقدم ہے مثل اپنے بڑے بھائی کی تعظیم کے جانتا ہو وعلیٰ ہذا القیاس دیگر عقائد زائغہ مکفرہ رکھتا ہو اس تقدیر پر تو البتہ یہ فعل زید کا نہایت محمود ہوگا اور وہ اس پر اجر جزیل پائے گا کہ صورت مذکورہ میں وہ جماعت عنداللہ جماعت ہی نہ تھی کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز راساً باطل ہے۔

فی التنویر ویکرہ امامۃ المبتدع لایکفر بھا وان کفر بھا فلا یصح الاقتداء بہ اصلاً[1] اھ ملخصا۔

تنویر میں ہے اس بدعتی کی امامت مکروہ ہے جس کی بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے اور اگر حدِ کفر تک پہنچ جائے تو اس کی اقتدار بالکل درست نہ ہوگی اھ تلخیصاً (ت)

اور اگر صورتِ مرقومہ میں امام ثانی مقتدا و متبوع حضار کا ہو اور جس وقت وہ شخص امامت کر رہا ہے عین اُسی حالت میں اس کا دوسری جماعت قائم کردینا اور اس کے پیچھے نماز سے احتراز مجمع میں ظاہر کرنا باعث اُس کے زجر و توبیخ یا حاضرین کی نگاہ سے اس کے گرجانے کا ہو تو اب یہ فعل اور بھی موکد و ضروری ہوجائیگا اسی طرح اگر کفر و ارتداد کے سوا اور کوئی وجہ ایسی ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز باتفاق روایات باطل محض ہوتی ہو تو جب بھی یہ جماعت ثانیہ قطعاً جائز ہوگی لما ذکرنا ان الجماعۃ الاولی لیست بجماعۃ فی الحقیقۃ لبطلان الصلٰوۃ بالاقتداء بالامام الاول (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ پہلی جماعت درحقیقت جماعت ہی نہیں کیونکہ امام اول کی اقتدار میں نماز ہی باطل ہے۔ ت)

لیکن اس فعل میں اگر کوئی غرض صحیح شرعی نہ ہو تو اس تقدیر پر اُس سے احتراز اولیٰ ہے ختم جماعت کا انتظار کرکے اپنی جماعت کرلے وھذا کلہ ظاھر جد الاخفاء فیہ عند عقل سلیم وراء نبیہ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم (یہ تمام کا تمام خوب واضح ہے ہر صاحبِ عقل سلیم اور سمجھدار پر کچھ مخفی نہیں واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ ت)

مسئلہ ۸۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں ایک شخص واسطے امامت کے مقرر ہے اگر وہ امام قبل از نمازِ عشا یا کسی اور وقت میں کسی مقتدی سے یہ کہہ جائے کہ میں کسی کام کو جاتا ہوں میرا انتظار کرنا یعنی بعد پورا ہونے وقتِ معینہ کے میرا انتظار کرنا، بعدہ سب مصلی اپنے وقتِ معینہ پر جمع ہوگئے اور اس کے بعد اُنھوں نے پاؤ گھنٹا وقتِ معمول سے دیر کی واسطے تعمیل حکم امام صاحب

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

کے، پھر انہوں نے ایک شخص کو امام بنا کر نماز پڑھ لی، آیا اُن سب کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر امام صاحب پھر آکر لوگوں سے کہیں کہ تم لوگوں کی نماز نہیں ہوئی، تو یہ قول امام صاحب کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور امام صاحب کوئی فتوٰی اپنی رائے سے واسطے خواہشِ نفس کے دیں تو شرعاً کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

مقتدیوں کے ذمہ امامِ معین ہی کے انتظار میں بیٹھا رہنا اور جب تک وہ نہ آئے جماعت نہ کرنا ہرگز ضرور نہیں، بعض اوقات حضورِ اقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں کسی اور محلہ میں تشریف لے گئے ہیں اور واپس تشریف لانے میں دیر ہوئی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جماعت ادا کرلی ہے ایک بار صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو امام کیا، ایک بار عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کو، اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا کما ھو مصرح بہ فی الاحادیث (جیسا کہ اس پر احادیث میں تصریح موجود ہے۔ ت)

امام کا کہنا کہ تمہاری نماز نہ ہوئی اگر صرف اسی بنا پر ہے کہ میرا انتظار نہ کرنے اور دوسرے کو امام بنالینے سے تمہاری نماز نہ ہوئی تو محض باطل اور شریعتِ مطہرہ پر صریح افترا ہے اپنی خواہشِ نفسانی کے لئے اپنی رائے سے فتوٰی دینے والا لائقِ امامت نہیں، ہاں جس شخص کو اس کی غیبت میں مقتدیوں نے امام بنایا وہ اگر قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے فسادِ نماز ہو یا معاذ اللہ اس کے مذہب میں ایسا فساد تھا جس سے اس کی امامت صحیح نہ ہو تو اس بنا پر امام کا قول درست ہے کہ تمہاری نماز نہ ہوئی۔ اس تقدیر پر مقتدیوں نے سخت خطا کی انھیں توبہ چاہئے اور اس نماز کی قضا پڑھیں واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶۹: از جامع مسجد ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الجماعت کس کو کہتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

تارکِ جماعت وہ کہ بے کسی عذرِ شرعی قابلِ قبول کے قصداً جماعت میں حاضر نہ ہو مذہب صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کیا گنہگار ہوا تارکِ واجب ہوا مستحقِ عذاب ہوا والعیاذ باللہ تعالٰی اور اگر عادی ہو کہ بار بار حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بار با حاضر بھی ہوتا ہو تو بلاشبہہ فاسق فاجر مردود الشہادۃ ہے فان الصغیرۃ بعد الاصرار تصیر کبیرۃ (صغیرہ اصرار کی بنا پر کبیرہ ہوجاتا ہے۔ ت)، درمختار میں ہے:

(الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال) قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب (وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ) ای عامۃ

(جماعت مردوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے) زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے مراد وجوب ہے (بعض نے کہا ہے کہ جماعت واجب ہے اور اکثر علماء کی

مشائخنا وبه جزم فی التحفة وغیرھا قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب (فتسن او تجب) ثمرته تظھر فی الاثم بترکھا مرة اھ[1] مختصرًا۔

رائے یہی ہے) یعنی ہمارے اکثر مشائخ کی رائے یہی ہے اسی پر تحفہ وغیرہ میں جزم کیا ہے، بحر میں ہے کہ اہلِ مذہب کے ہاں یہی راجح ہے (پس سنت ہو یا واجب) اس کا ثمرہ اختلاف ایک بار ترک کرنے پر گناہ کی صورت میں سامنے آئے گا اھ مختصرًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله، قال فی البحر وقال فی النھر ھو اعدل الاقوال واقواھا ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شھادته اذا ترکھا استخفافا ومجانة اما سھوا او بتاویل ککون الامام من اھل الاھواء اولا یراعی مذھب المقتدی فتقبل اھ[2]

اس کا قول، کہا بحر میں ہے اور کہا نہر میں ہے کہ یہی معتدل اور قوی قول ہے اور اسی لئے اجناس میں ہے جب کسی نے سستی اور ہلکا سمجھتے ہوئے جماعت کو ترک کیا تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، ہاں اگر سہوًا ترک ہو یا تاویلًا جیسے امام کا اہلِ ہوا میں سے ہونا یا مذہب مقتدی کی رعایت نہ کرنے والا ہو تو پھر شہادت قبول ہوجائے گی اھ ط (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: از بلڈانہ ملک برار مرسلہ شیخ فتح محمد صاحب حلال خور ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں مسلمان حلال خور جو پنجوقتہ نماز پڑھتا ہو اس طرح پر کہ اپنے پیشہ سے فارغ ہو کر غسل کرکے طاہر کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریکِ جماعت ہوسکتا ہے یا نہیں، اور اگر جماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو یا جہاں اس کو جگہ ملے یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے اور اس طرف بعد نمازِ صبح وبعد نمازِ جمعہ نمازی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو کیا وہ بھی مسلمانوں سے مصافحہ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کرسکتا ہے اور جو حلال خور اپنا پیشہ نہ کرتا ہو صرف جاروب کشی بازار وغیرہ کی کرتا ہو اس کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے، ہر دو صورتوں میں جو حکم شرع شریف کا ہو اس سے اطلاع بخشئے۔ بینوا توجروا

الجواب

بیشک شریکِ جماعت ہوسکتا ہے اور بیشک سب سے مل کر کھڑا ہوگا اور بے شک صفِ اوّل یا ثانی میں

[1] درمختار | باب الامامۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۸۲/۱

[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۴۱۰/۱

جہاں جگہ پائے گا قیام کرے گا، کوئی شخص بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہرگز نہیں روک سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان المسٰجد للّٰہ[1] بیشک مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العباد عباد اللّٰہ[2] بندے سب اللہ کے بندے ہیں۔

جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی کسی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے حکم الٰہی کیونکر روک سکتا ہے۔ اللہ عزوجل نے کہ ارشاد فرمایا:

من اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ[3] اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے اُن میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ بادشاہ حقیقی عز جلالہ کا یہ عام دربار خاں صاحب، شیخ صاحب، مغل صاحب یا تجار زمیندار معافی دار ہی کے لئے ہے کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں، علماء جو ترتیب صفوف لکھتے ہیں اُس میں کہیں قوم یا پیشہ کی بھی خصوصیت ہے ہرگز نہیں، وہ مطلقاً فرماتے ہیں:

یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخنثی ثم النساء[4] یعنی صف باندھیں مرد پھر لڑکے پھر خنثی پھر عورتیں۔

بیشک زبّال یعنی پاخانہ کمانے والا یا کناس یعنی جاروب کش مسلمان پاک بدن پاک لباس جبکہ مرد بالغ ہو تو وہ اگلی صف میں کھڑا جائے گا اور خان صاحب اور شیخ صاحب مغل صاحب کے لڑکے پچھلی صف میں جو اس کا خلاف کرے گا حکم شرع کا عکس کرے گا شخص مذکور جس صف میں کھڑا ہو اگر کوئی صاحب اسے ذلیل سمجھ کر اُس سے بچ کر کھڑے ہوں گے کہ بیچ میں فاصلہ رہے وہ گنہگار ہوں گے اور اس وعید شدید کے مستحق کہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من قطع صفا قطعہ اللّٰہ[5] جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اُسے کاٹ دے گا۔

---

[1] القرآن ۷۲/۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند الزبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۶۶

[3] القرآن ۲/۱۱۴

[4] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[5] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف ؍؍ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

اور جو متواضع مسلمان صادق الایمان اپنے رب اکرم و نبی اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم بجالانے کو اُس سے شانہ بشانہ خوب مل کر کھڑا ہوگا اللہ عزوجل اس کا رتبہ بلند کرے گا اور وہ اس وعدۂ جمیلہ کا مستحق ہوگا کہ حضور انور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من وصل صفا وصلہ اللہ[1] جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل فرمائے گا۔

دوسری جگہ ہمارے نبی کریم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

الناس بنو اٰدم و اٰدم من تراب[2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والبیہقی بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

لوگ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اسے ابوداؤد و ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا اور بیہقی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[3]۔ رواہ البیہقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔

اے لوگو! بیشک تم سب کا رب ایک اور بیشک تم سب کا باپ ایک، سُن لو کچھ بزرگی نہیں عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر مگر پرہیزگاری سے، بیشک تم میں بڑے رُتبے والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسے بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ زبالی شرعاً مکروہ پیشہ ہے جبکہ ضرورت اس پر باعث نہ ہو مثلاً جہاں نہ کافر بھنگی پائے جاتے ہوں جو اس پیشہ کے واقعی قابل ہیں نہ وہاں زمین مثل زمینِ عرب ہو کہ رطوبات جذب کرلے ایسی جگہ اگر بعض مسلمین مسلمانوں پر سے دفع اذیت و تنظیف بیوت و حفظ صحت کی نیت

---

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷
[2] جامع الترمذی سورہ الحجرات ر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۵۹
[3] شعب الایمان فصل فی حفظ اللسان عن الفخر بالاباء حدیث ۵۱۳۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۹

سے اسے اختیار کریں تو مجبوری ہے اور جہاں ایسا نہ ہو تو بیشک کراہت ہے لتعاطی النجاسات من دون ضرورۃ (کیونکہ یُوں بغیر ضرورت کے نجاسات کو لینا لازم آتا ہے۔ت) وہ بھی ہرگز حدِ فسق تک منتہی نہیں فتح القدیر و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اما شہادۃ اھل الصناعات الدنیۃ کالکساح والزبال والحائك والحجام فالاصح انہا تقبل لانہا قد تولاھا قوم صالحون فمالم یعلم القادح لایبنی علی ظاھر الصناعۃ[1]

رہا معاملہ دنیوی پیشہ والوں کی شہادت کا، جن کو معاشرہ ہیچ تصور کرتا ہے مثلاً کوڑا کرکٹ اٹھانے والا، ٹٹی وغیرہ اٹھانے والا، جولاہا، حجام، تو اصح یہ ہے کہ ان کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ متعدد صالح لوگوں نے انھیں اپنایا ہے، جب تک واضح قباحت معلوم نہ ہو تو بظاہر کسی پیشہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا (ت)

مگر ان قوم دار حضرات کا اس سے تنفر ہرگز اس بنا پر نہیں کہ یہ ایک امرِ مکروہ کا مرتکب ہے وہ تنفر کرنے والے حضرات خود صدہا امورِ محرمات و گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اگر اس وجہ سے نفرت ہو تو وہ زیادہ لائق تنفر ہیں ان صاحبوں کی صفوں میں کوئی شرابی یا قمار باز یا سود خوار شیخ صاحب تجار یا رشوت ستان مرزا صاحب عہدہ دار آکر کھڑے ہوں تو ہرگز نفرت نہ کریں گے اور اگر کوئی کپتان یا کلکٹر صاحب یا جنٹ مجسٹریٹ صاحب یا اسسٹنٹ کمشنر صاحب یا جج ماتحت صاحب آکر شامل ہوں تو اُن کے برابر کھڑے ہونے کو تو فخر سمجھیں گے حالانکہ اللہ و رسول کے نزدیک یہ افعال اور پیشے کسی فعل مکروہ سے بدرجہا بدتر ہیں واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل[2] (اور اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

درمختار وغیرہ میں ذلیل پیشہ کا ذکر کرکے فرمایا:

واما اتباع الظلمۃ فاخس من الکل[3] ظالم حکام کے خدام تو سب پیشہ وروں سے خسیس تر ہیں۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ ان کی نفرت خدا کے لئے نہیں بلکہ محض نفسانی آن بان اور رسمی تکبر کی شان ہے، تکبر ہر نجاست سے بدتر نجاست ہے اور دل ہر عضو سے شریف تر عضو افسوس کہ ہمارے دل میں تو یہ نجاست بھری ہو اور ہم اُس مسلمان سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادتہ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۹

[2] القرآن ۳۳/۴

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

نفرت کریں جو اس وقت پاک صاف بدن دھوئے پاک کپڑے پہنے ہے، غرض جو حضرات اس بیہودہ وجہ کے باعث اس مسلمان کو مسجد سے روکیں گے وہ اس بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے جو آیت کریمہ میں گزری کہ اُس سے زیادہ ظالم کون ہے۔ اور جو حضرات خود اس وجہ سے مسجد و جماعت ترک کریں گے وہ ان سخت سخت ہولناک وعیدوں کے مستحق ہوں گے جو ان کے ترک پر وارد ہیں، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی ویدعوا الی الفلاح فلا یجیبہ۔[1] رواہ الامام احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی مؤذن کو سُنے کہ نماز کے لئے بلاتا ہے اور حاضر نہ ہو۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور جو بندۂ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت و نفرت سے بچے گا مجاہدہ نفس و تواضع کا اُسے ثواب جلیل پائے گا بھلا فرض کیجئے کہ ان مساجد سے تو اُن مسلمانوں کو روک دیا وہ مظلوم بیچارے گھروں پر پڑھ لیں گے، سب میں افضل و اعلٰی مسجد الحرام شریف سے انھیں کون روکے گا، اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے یا مسجد الحرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اُسے بنادیں گے کہ اُس کا طواف کرے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔ اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے لوٹے جو عام مسلمانوں پر وقف ہیں اُن سے وضو کو بھی اسے کوئی منع نہیں کرسکتا جبکہ اس کے ہاتھ پاک ہیں۔ رہا مصافحہ خود ابتدا کرنے کا اختیار ہے کیجئے یا نہ کیجئے،

فان المصافحۃ بعد الصلوات علی الاصح من المباحات والمباح لایلام علی فعلہ ولا ترکہ۔

اصح قول کے مطابق نمازوں کے بعد مصافحہ مباح ہے اور مباح کے کرنے یا نہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر جب وہ مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آپ اپنے اس خیال بے معنی پر ہاتھ کھینچ لیجئے تو بیشک بلاوجہ شرعی اس کی دل شکنی اور بیشک بلاوجہ شرعی مسلمان کی دل شکنی حرام قطعی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے بیشک مجھے

---

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/۱۸۳

ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

ایذادی اورجس نے مجھے ایذادی اس نے بیشک اللہ عزوجل کو ایذادی۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶۱ ازشہر کہنہ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر جماعت نماز کی ہوتی ہے اور زید بھی نماز پڑھتا ہے اور جماعت کے وقت حاضر بھی رہتا ہے جماعت ترک کرکے اول جماعت سے یا بعد جماعت کے نماز پڑھتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر امام میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز فاسد یا مکروہ تحریمی ہو مثلاً قرآن عظیم غلط پڑھنا جس سے نماز میں فساد آئے یا وہابی رافضی یا غیر مقلد ہو یا کم از کم تفضیلیہ یا فاسق ہونا، تو زید پر الزام نہیں، اور اگر بلاوجہ شرعی جماعت ترک کرتا ہے تو سخت گنہگار فاسق ہے، اُس پر توبہ واجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدٰی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ چلے، اسے ہم اُسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرا اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں جو نہایت بُرا ٹھکانا ہے (ت)

بحکم قرآن ایسا معلن شخص کہ بلاعذر شرعی جماعت ترک کرے مستحق جہنم ہے خصوصاً ترک بھی ایسا کہ جماعت ہوتی رہے اور یہ بیٹھا رہے۔

مسئلہ ۸۶۲ از بنگالہ ضلع ڈھاکہ موضع چیتارچر مرسلہ نواب عبدالواحد صاحب ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے مع ایک مقتدی کے نماز شروع کی، بعد ایک

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۱۷۹
الترغیب والترہیب الترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعہ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰۴

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

رکعت کے دوسرا اور ایک شخص آیا تو اس صورت میں امام سامنے بڑھے گا یا وہ شخص مقتدی کو پیچھے کی طرف کھینچے گا، اگر امام سامنے بڑھے تو قبل اشارہ کے یا بعد اشارہ کے، اگر بعد اشارہ کے تو قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ کرے گا یا بعد، اگر قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ سے امام بڑھے گا یا مقتدی کو قبل تحریمہ کے وہ شخص اپنی جانب کھینچے گا تو اس صورت میں نماز فاسد ہو گی یا نہیں ؟

الجواب

جب امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو افضل یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹے ، ہاں اگر مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو یا پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو ایسی صورت میں امام کو بڑھنا چاہئے کہ ایک کا بڑھنا دو کے ہٹنے سے آسان ہے پھر اگر (مقتدی) مسئلہ جانتا ہو تو جب کوئی دوسرا ملا چاہتا ہے تو خود ہی پیچھے ہٹنا چاہئے خواہ امام خود ہی آگے بڑھ جائے ورنہ اس آنے والے شخص کو چاہئے کہ مقتدی کو اور وہ مسئلہ نہ جانتا ہو تو امام کو اشارہ کرے ، انھیں مناسب ہے کہ معاً اشارہ کے ساتھ ہی حرکت نہ کریں کہ امتثال امر غیر کا شبہہ نہ ہو بلکہ ایک تامل خفیف کے بعد اپنی رائے سے اتباع حکم شرع و ادائے سنّت کے لئے نہ اُس کا اشارہ ماننے کی نیت سے حرکت کریں ، اس صورت میں برابر ہے کہ یہ آنے والا مقتدی نیت باندھ کر اشارہ کرے خواہ بلا نیت کے بہرحال وہ اطاعتِ حکمِ شرع کریں گے ، نہ اس کے حکم کی اطاعت ، اور جو جاہل اس کا حکم ماننے کی نیت کرے گا تو اس کا تکبیر تحریمہ کے بعد اشارہ کرنا کیا نفع دے گا کہ امام یا مقتدی کو دوسرے مقتدی کا حکم ماننا کب جائز ہے ، لقمہ قرأت میں یا افعال میں لینا کہ امام کو جائز ہے وہ بھی بحکمِ شرع ہے نہ کہ اطاعتِ حکمِ مقتدی جو اس کی نیت کرے گا اُس کی نماز خود ہی فاسد ہوجائے گی اور جب وہ امام ہے تو اُس کے ساتھ سب کی جائے گی۔

فی الدر المختار لو امتثل امر غیرہ فقیل له تقدم فتقدم او دخل فرجة الصف احد فوسع له فسدت بل یمکث ساعة ثم یتقدم برأیه قہستانی معزیا للزاهدی[1] وفی رد المحتار عن المنح لو جذبه آخر فتأخر الاصح لاتفسد صلاته اھ

درمختار میں ہے اگر نمازی نے کسی غیر نمازی کا حکم مان لیا مثلاً کہا گیا آگے ہو، وہ آگے ہوگیا یا کوئی صف کے اندر داخل ہوا اور نمازی نے اس کے لئے جگہ کشادہ کی تو نماز فاسد ہوجائے گی بلکہ وہ ایک ساعت ٹھہرا رہے پھر اپنی رائے سے آگے ہوجائے، قہستانی نے زاہدی کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے، ردالمحتار میں منح کے حوالے سے ہے اگر نمازی کو دوسرے نے

[1] درمختار باب ما یفسد الصلاۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۹

وعن الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد ان امتثاله انما هو لامر رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فلا یضر[1] اھ وعن الطحطاوی لو قیل بالتفصیل بین کونه امتثل امر الشارع فلا تفسد وبین کونه امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا[2] اھ ورأیتنی کتبت علیه مانصه **اقول** وھو من الحسن بمکان بل ھو المحمل لکلمات العلماء وبه یحصل التوفیق وباللّٰه التوفیق۔ وفی الھندیة رجلان صلیا فی الصحراء وائتم احدھما بالاٰخر وقام عن یمین الامام فجاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسه قبل ان یکبر للافتتاح حکی عن الشیخ الامام ابی بکر طرخان انه لاتفسد صلاۃ المؤتم جذبه الثالث الی نفسه قبل التکبیر او بعدہ کذا فی المحیط وفی الفتاوی العتابیة ھو الصحیح کذا فی التاتارخانیة[3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

کھینچا اور وُہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب پر اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اھ شرنبلالی سے ہے تیسیر المقاصد کے حوالے سے ہے کہ اس کا امتثال (حکم بجالانا) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر ہے لہذا فساد کا سبب نہیں اھ اور طحطاوی سے ہے کہ اگر تفصیل کرتے ہوئے کہا جائے کہ شارع کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کسی کا حکم بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر وہ بغیر رعایت امر شارع کے فقط آنے والے نمازی کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے تو نماز فاسد ہوجائیگی تو یہ تفصیل کرنا نہایت ہی اچھا تھا اھ مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے یہاں یہ لکھا ہے **اقول** (میں کہتا ہُوں) یہ صرف حسن ہی نہیں بلکہ کلماتِ علماء کا محمل بھی ہے اور اسی کے ساتھ ان میں موافقت بھی پیدا ہوجائیگی اور اللہ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے دو آدمیوں نے صحرا میں نماز ادا کی ایک نے دوسرے کی اقتدا کی اور امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگیا اب تیسرا آیا تو اس نے مقتدی کو تکبیر افتتاح سے پہلے اپنی طرف کھینچ لیا، تو امام ابوبکر طرخان سے منقول ہے کہ اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی خواہ اسے تیسرا شخص تکبیر سے پہلے کھینچے یا بعد میں، اسی طرح محیط میں ہے۔ فتاوٰی عتابیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور تاتارخانیہ میں بھی اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ ۱/۴۲۲
[2] جدالممتار علی ردالمحتار ۱/۲۷۳
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۸

مسئلہ ۸۷۳ تا ۸۷۵ از فیض آباد مرسلہ احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجنیئر ریلوے

۲ جمادی الآخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل میں کہ:

(۱) مسجد یا خلاف مسجد امام کا مصلی مقتدیوں کی صف سے ملا رہے یا علیحدہ، اگر علیحدہ ہو تو کس قدر فاصلہ پر، امام مصلے کے کنارے پر کھڑا ہو یا کچھ آگے بڑھ کر تاکہ مقتدیوں کو کافی جگہ ملے۔ فرمائیے اللہ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

(۲) زید مسجد یا خلاف آں نمازِ فرض پڑھ رہا ہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یا کوئی اور رکعت، اور بکر تنہا یا دو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہوجانے کے تنہا بکر یا دونوں شخصوں نے اُسی مقام پر اور اُسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیا حکم ہے ان کی نماز کا۔ یا پہلے اُن کو اطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رابع نے باآوازِ بلند کہہ دیا، اب کیا حکم ہے بکر کی نماز کا؟ آیا وہ درست ہوئی، اگر نہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہو چکی ہے وہیں سے ترک کر دے یا پوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمائیے۔ بیّنوا توجروا

(۳) اگر بکر یا عورت یا نابالغ یا شخص جس کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نماز فرض پڑھ رہا ہے مسجد میں یا باہر، اور زید بھی نماز فرض پڑھنا چاہتا ہے، آیا اس مصلے پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہ، کیا اُس شخص کے نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) فصل بقدرِ کفایت وحاجت ہو جس میں مقتدی بخوبی سجدہ کرلیں اور اس سے زائد فصل کثیر مکروہ و خلافِ سنّت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر زید قابلِ امامت تھا اور انھیں معلوم تھا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور انھوں نے اقتدا نہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تو اگر جماعت اولٰی ہو چکی ہے جب تو فصل سے محروم رہے اور اگر یہی جماعت اولٰی ہوئی تو گنہگار ہوئے، اور اگر زید قابلِ امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابلِ امامت تھا تو اب بھی وہی احکام ہیں، اور اگر ان میں بھی کوئی قابلِ امامت نہیں تو اصلاً حرج نہ ہوا اور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہو جائے گی اور نیت توڑ دینا صرف جماعت قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کے فرض شروع کئے ایک رکعت یا اس سے کم پڑھنے پایا تھا کہ جماعت قائم ہوئی تو نیت توڑ دے باقی جماعتِ معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) پڑھ سکتا ہے اور ختمِ نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۶: از شہر فیروزپور محلہ پیراں والا مرسلہ منشی عنایت اللہ شاہ قادری

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت اولیٰ پڑھی نہیں گئی اور امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے وہ اپنے کام کے واسطے امام معین کا انتظار نہیں کرتے حاضرین میں سے کسی کو بغیر اجازت امام کے امام بنا دیتے ہیں اور نماز بجماعت ادا کرلیتے ہیں یا اگر جماعت ہوچکی ہے اور آنے والا شاملِ جماعت نہیں ہوا تو پھر دیکھا کہ ایک دو اور آدمی موجود ہیں جو شاملِ جماعت نہیں ہوئے ان کو ہمراہ لے کر جماعت پڑھائی یا اُن میں سے کسی اور کو امام بنا دیا اور امام سے نہیں پوچھا بعض کی یہ عادت ہے کہ مسجد میں آئے اور امام کا مصلّی لیا اور بچھایا اور اس پر نماز پڑھی یا یونہی بیٹھ گئے، کیا اُن کا ایسا کرنا اور بغیر امام کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ جزیل عطا فرمائے گا۔ت)

الجواب

جو لوگ جماعتِ معینہ سے پہلے جماعت کرکے چلے جائیں اُس میں چند صورتیں ہیں اگر امام معین محلہ میں واقعی کوئی معذورِ شرعی ہے مثلاً وضو طہارت ٹھیک نہ ہونا یا تجوید و قرأت میں ایسی غلطی کہ مورث فسادِ نماز ہو یا معاذ اللہ بدمذہبی مثل وہابیت وغیر مقلدی وغیرہما یا فسق بالاعلان مثلاً داڑھی حدِ شرع سے کم رکھنا توان تین صورتوں میں ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں بلکہ اُسی جماعت محلہ پر الزام ہوگا جو ایسے امام ناقابل امامت یا ممنوع التقدیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں یونہی اگر وہ مسجد کسی خاص جماعت کی مسجد نہ ہو جیسے مسجد شارع و سرا و اسٹیشن، جب بھی کوئی الزام نہیں کہ وہاں امام معین ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو جماعت آئے جدا اذان کہے اور جدا اقامت کرے اور اپنے سے ایک شخص صالح امامت کو امام بناکر جماعت پڑھے یہ سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہوں گی ان میں سے کسی دوسرے پر ترجیح نہیں، اور اگر مسجد محلہ ہے جس کے لئے امام وجماعت معین ہے اور امام میں کوئی معذورِ شرعی نہیں اور چند لوگ اپنی کسی ضرورتِ خاصہ شرعیہ سے پیش از جماعت نماز پڑھ کر جانا چاہتے ہیں مثلاً کہیں انھیں جانے کی ضرورتِ جائزہ ہے اور جماعت کا انتظار کریں تو ریل کا وقت جاتا رہے گا ایسی صورت میں بھی اُن کو اجازت ہوگی کہ باہم جماعت کرکے چلے جائیں کہ شرع نہ اُن کو یہ حکم دے گی کہ جماعت کا انتظار کرو اور ریل نکل جانے دو نہ یہ حکم دے گی کہ جبکہ تم جماعت کا انتظار نہیں کرسکتے الگ الگ پڑھو اور جماعت نہ کرو نہ اس جماعت میں منصب امام معین سے کوئی منازعت ہوگی کہ وہ محلہ کی جماعتِ اولیٰ

کا امام معین ہے ، اہلِ محلہ کے لئے جماعتِ اولٰی وہی ہوگی جو وہ اپنے امام کے ساتھ اپنے وقتِ معین پر پڑھیں گے ، ان چند آدمیوں کا بضرورت پہلے جماعت کرجانا اُن کے ثوابِ جماعت میں کچھ کمی نہ کرے گا اور جب منازعت نہیں تو استیذانِ امام کی بھی حاجت نہیں ، پھر بھی احسن یہ ہے کہ محراب سے ہٹ کر جماعت کریں تاکہ صورتِ معارضہ سے بچیں اور باعثِ تنفیر و وحشت امام معین نہ ہو اور اگر اُن کی کوئی ضرورت شرعیہ نہیں تو ضرور موردِ الزام شرعی ہیں کہ مرتکب تفریقِ جماعت ہوئے پھر نیت کے اختلاف سے حکم اشد ہوتا جائے گا مثلاً اپنے کسی لہو ولعب مباح کی جلدی کے باعث جماعت کرگئے تو صرف تفریقِ جماعت کا الزام ہے اور اگر کسی لہو ولعب ناجائز کی جلدی تھی یا کسی ناجائز جگہ جانے والے تھے اور وقتِ ریل کے سبب جلدی کی تو الزام دوچند ہے اور اگر اپنی بدمذہبی کے باعث امام سنّی صحیح العقیدہ صالح امامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہی تو الزام سب میں سخت تر ہے والکل ظاھر عند من لہ ادنی مسکۃ فی العلم (یہ تمام اس شخص پر ظاہر ہے جسے اس علم سے ادنٰی تمسک ہے ۔ ت)

یہ صورت تقدیم کا جواب ہوا ، رہی صورتِ تاخیر اس میں بھی اگر وہ مسجد مسجدِ محلہ نہیں تو ہم اوپر کہہ چکے کہ یہاں نہ تقدیم ہے نہ تاخیر ہے نہ معین امام کے کوئی معنی ، سب جماعت اولٰی ہیں اور سب یکساں ، اور اگر مسجد مسجدِ محلہ ہے اور امام معین میں کوئی معذورِ شرعی تھا جس کے سبب انھوں نے قصداً تاخیر کی جب بھی ان پر کچھ الزام نہیں کہ مقصود اصلاحِ جماعت سے اشارت فقہ ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر یکساں ، اور اگر امام میں کوئی معذورِ شرعی بھی نہیں مگر جماعت اولٰی بے اذان یا اذان خفی ناکافی اعلان کے ساتھ کی گئی جب بھی ان کو باعلانِ اذان اعادۂ جماعت کی اجازت بلکہ حکم ہے کہ پہلی جماعت جماعتِ مسنونہ نہ ہوئی جماعتِ مکروہہ ہوئی اور اگر یہ بھی نہیں مگر امام معین مذہب فقہی میں اس جماعت باقیہ کا مخالف ہے مثلاً وہ شافعی المذہب ہے یہ حنفیہ ہیں اپنی جماعت جُدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی بھی الزام نہیں کہ افضل یہی ہے کہ امام موافق المذہب کے پیچھے نماز پڑھی جائے ، اگر مخالف المذہب حتی الامکان مراعاتِ مذاہبِ اربع رکھتا ہو ، ان سب صورتوں میں اس جماعت ثانیہ کو نہ اذنِ امامِ اول کی حاجت نہ تبدیلِ محراب ومصلے کی ضرورت ، اور اگر ان سب وجوہ سے جدا ہو تو پھر تاخیر میں بنظر باعث وہی شقوق عود کریں گے جو تقدم میں تھیں ، اگر باعثِ تاخیر کوئی ضرورتِ شرعیہ تھی مثلاً بھوکا ہونا یا استنجے کی ضرورت ہونا وغیر ذلک جو اعذار فقہانے تحریر فرمائے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں مگر اعادۂ اذان کی اجازت نہ ہوگی اور محراب نہ بدلنا مکروہ ، اور بعد تبدیل محراب شرعی اجازت ہے اذنِ امام کی حاجت نہیں ، نہ اُس کے منصب میں منازعت نہ اس میں اُس کے لئے تنفیر و وحشت ، اور اگر ہو بھی اور وہ کہے کہ اگرچہ جماعتِ اولٰی میں نے ہی کی اور میرے حق میں کوئی دست اندازی نہ ہوئی پھر بھی تم نے میری مسجد میں بے میرے اذن کے کیسے جماعت ثانیہ کرلی تو اس وحشیانہ وحشت کا الزام خود اُس پر ہے نہ ان پر ۔ اور اگر بے ضرورت شرعیہ کسی امر مباح کے سبب

تاخیر کی تو تفریق جماعت و ترکِ جماعتِ اولیٰ کا اُن پر وبال ہے اور اگر کسی امر ناجائز کے سبب تو وبال دوچند اور اپنی بد مذہبی کے باعث امام سُنّی صالح الامامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہی تو وبال سب میں سخت تر ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزرا ۔ت) اور مصلائے امام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ خاص اس کی مِلک ہو کہ اس نے اپنے لئے مسجد میں بچھا رکھا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بے اس کے اذن کے کسی کام میں استعمال نہیں ہوسکتا جو استعمال کرے گا گنہگار ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مصلّی وقف ہو۔ اس میں پھر تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ واقف نے صرف امام کے لئے وقف کیا تو اُسے کوئی نمازی منفرد یا مقتدی بھی نہیں لے سکتا چہ جائیکہ غیر۔ بلکہ اگر خاص امامِ جماعتِ اولیٰ کے لئے وقف کیا ہو تو امامِ جماعتِ ثانیہ بھی نہ لے سکے گا۔ دوسرے یہ کہ واقف نے نماز کے لئے وقف کیا تو ہر نمازی لے سکتا ہے اگرچہ منفرد ہو، سوائے نماز اور جلوس کے لئے نہیں لے سکتے جبکہ واقف نے اسے جائز نہ رکھا ہو۔ تیسرے یہ کہ مسجد کے لئے وقف کیا اور صراحۃً یا دلالۃً حاضرانِ مسجد کے لئے اُس کا استعمال مطلق ہے جس طرح چٹائیوں میں معروف ہے تو اُسے نماز کے لئے بھی لے سکتے ہیں اور غیر وقتِ نماز میں کسی ایسے جلوس کے لئے بھی کہ شرعاً مسجد میں جائز ہو، پھر اتنا لحاظ رہے کہ بحالِ اطلاق بھی جس طرح صفیں جماعت کے لئے ہوتی ہیں مصلّے میں حقِ امام زیادہ ملحوظ ہوتا ہے تو عین وقتِ امامت امام کو اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا، ہاں خالی وقت میں لے لینا اور وقتِ امامت کے لئے مقامِ امام پر پھر بچھا دینا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از کھریا پوٹہ کلاں ضلع پیلی بھیت مرسلہ شرف الدین صاحب زمیندار ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہر کی نماز دو بج کر پچیس منٹ پر تین شخص جماعت کرلیں وہ بہتر ہے یا دو بج کر پینتیس منٹ پر پچیس آدمیوں کی جماعت ہو یہ بہتر ہے ان دونوں جماعتوں میں کون سی جماعت اولیٰ ہے، فقط۔

الجواب

جماعت جتنی کثیر ہوگی ثواب عظیم ہوگا اور اس دس منٹ میں کچھ وقت تنگ نہیں ہوتا کثرتِ جماعت ہی کے لئے شرع مطہر نے نمازِ فجر کو آخر وقت میں پڑھنے پر ثواب زیادہ رکھا ہے اصل حکم یہ ہے اور اگر کسی جگہ کوئی خاص صورت باعثِ فتنہ ہو تو فتنہ سے بچنا لازم ہے اور وبال فتنہ کرنے والے پر، اور مسجدِ محلہ میں امام معین اکثر اہلِ محلہ کے ساتھ جو جماعت بروجہ سنت ادا کرے وہ جماعت اولیٰ ہے اُس سے پہلے دو چار بلا وجہ یا

اپنے کسی کام کے سبب جماعت کرجائیں تو وہ ان اکثرین کی جماعت کا ثواب کم نہ کرے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ بتوسط جناب مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۷ صفر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت ابھی تک نہیں پڑھی گئی امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے امام معین کی انتظاری نہیں کرتے، اپنے میں سے ایک کو امام بنایا اور نماز با جماعت ادا کی اور چل دیئے امام سے بھی امامت کا اذن نہیں لیا علٰی ہذا اگر جماعت ہوچکی اور دیکھا کہ دو چار آدمی اور بھی جمع ہیں جو جماعت میں شامل نہیں ہوئے ایک کو امام بنایا اور جماعت کرائی اسی طرح پر اور آئے اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا بعض کی عادت ہے کہ امام کا مصلی جو اس کے نام سے نامزد ہے اور وہ اُس پر ہمیشہ کھڑا ہو کر امامت کرتا ہے جیسا کہ دستور ہے اٹھایا اور اس پر نماز ادا کی یا بیٹھ گئے امام سے پُوچھا بھی نہیں، لوگوں کو اگر منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ نیک کام ہے اس سے روکنا نہ چاہئے سابقوا الخیرات (خیرات میں سبقت حاصل کرو۔ ت) حکم ہے ضرورت کے وقت چونکہ شمولیت جماعت مقررہ سے شریعت کی جانب سے رخصت ہے اور انفرادی حالت میں بہ نسبت جماعت کے ثواب کم ہے اس واسطے شریعت کی جانب سے ایسی امامت کی نہی نہیں معلوم ہوتی اور مضمرات کی عبارت:

ولو صلی بعض اھل المسجد باقامۃ وجماعۃ ثم دخل المؤذن والامام وبقیۃ الجماعۃ فالجماعۃ المستحبۃ لھم والکراھۃ للاولی[1] (عالمگیریۃ)

اگر اقامت و جماعت کے ساتھ بعض اہل محلہ نے نماز ادا کی پھر مؤذن، امام اور بقیہ لوگ آئے تو ان کے لئے جماعت مستحب اور پہلی مکروہ ہوگی (ت)

کو بلا ضرورت اقامت جماعت للاعراض عن المقررۃ یا احداث فتنہ پر محمول رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مساجد کی وضع عبادت کے لئے ہے صفیں جیسے مقتدیوں کی نماز کے لئے ہیں ایسے مصلی امام کے لئے، امام صف پر نماز پڑھا سکتا ہے ایسا ہی اگر مصلے پر کوئی غیر امام نماز پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں۔ بعض کا قول ہے مصلٰی امام کی ملک نہیں، فقہ کی متداولہ کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معین امام کی انتظاری لازم ہے اور بغیر اجازت امام معین کے امامت نہ کرائیں اگر انتظار میں وقت مکروہ ہوتا ہو یا کسی ضروری کام کے لئے جانا چاہتا ہو مثلاً ریل کا وقت جاتا رہے گا تو الگ الگ نماز پڑھ کر چلے جائیں ترک جماعت میں اُن کے حق میں امام کا اذن دینا اسی قبیل سے ہوگا جو اس حدیث میں ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفتہ و احوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

10

حدیث لایؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ ولایقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الا باذنہ[1] رواہ مسلم

ایک آدمی دوسرے آدمی کی سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر جماعت نہ کروائے اور نہ ہی اس کے گھر میں بغیر اجازت اعلٰی مقام پر بیٹھے اسے مسلم نے روایت کیا۔

معناہ ماذکرہ اصحابنا وغیرھم ان صاحب البیت والمجلس وامام المسجد احق من غیرہ وان کان ذلك الغیر افقہ واقرء واورع وافضل منہ[2] الخ نووی شرح مسلم۔

معنی یہ ہے ہمارے ائمہ نے یُوں بیان کیا کہ صاحبِ خانہ، صاحبِ مجلس اور امام مسجد غیر سے امامت کے زیادہ مستحق ہوتا ہے اگرچہ وُہ غیر اس سے زیادہ فقیہ، قاری، صاحبِ تقوٰی وفضیلت ہو الخ نووی شرح مسلم (ت)

قولہ فی سلطانہ ای موضع یملکہ او یتسلط علیہ بالتصرف کصاحب المجلس وامام المسجد[3]۔ مجمع بحار الانوار

قولہ فی سلطانہ اس سے مراد اس کا ملک اور زیر تصرف ہونا ہے جیسا کہ صدر مجلس اور امام مسجد۔ مجمع بحارالانوار (ت)

لیس للقاضی ان یصلی بھم اذالم یؤمر بہ صریحا او دلالۃ[4]۔ (کبیری)

قاضی کے لئے نماز پڑھانا جائز نہیں جب تک اس کو صراحۃً یا اشارۃً حکم نہ ہو۔ کبیری (ت)

علت نہی کی یہ ہے:

وھذا لئلا یؤدی الی تھوین امر سلطنتہ وخلع ربقۃ الطاعۃ والی التباغض والخلاف التی شرع الاجتماع لرفعہ[5]۔ مجمع بحار الانوار۔

یہ اس لئے ہے تاکہ امر سلطنت کو ہلکا جان کر لاپرواہی نہ ہو اور طاعت امیر سے بغاوت اور بغض نہ ہو اور ایسا اختلاف نہ ہو جس کے رفع کے لئے اجتماع مشروع ہوا، مجمع بحارالانوار (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[2] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم " " " " "

[3] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن " نولکشور لکھنؤ ۲/۱۳۰

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ " سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[5] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن " المطبع العالی نولکشور لکھنؤ ۲/[illegible]

ان منقولات سے پایا جاتا ہے کہ امام کہیں ہو جہاں تک ممکن ہو امام سے اجازت لے کر امامت کرائیں کہ امامت بلا اذن منع ہے امام کا جماعت میں بالفعل موجود ہونا شرط نہیں اور عموم حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے مرض الامیر فصلی الشرطی لم یجز الا باذنہ[1] (امیر بیمار ہو گیا کسی لشکری نے نماز پڑھائی تو اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگی۔ ت) عالمگیریہ کی عبارت کا بھی یہی مقصود ہے بعض کا خیال ہے کہ حدیث مذکورۂ بالا سے یہ امر ثابت ہے کہ منع امامت امام دیگر بوقت حضور امام المحلہ ہے نہ بوقت عدم حضور کیونکہ مراد رجل اولی سے امام دیگر ہے اور رجل ثانی سے امام محلہ یا صاحب البیت ہے اور کہا رجل اول رجل ثانی کی امامت نہ کرے، اگر رجل ثانی حاضر ہوگا تو اس کی امامت ممکن ہے اور نہی امور ممکنہ سے متعلق ہوا کرتی ہے، جماعت ثانیہ اگر تحت عدم حدیث کے ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہی علت ہے اگر خارج ہے تو بھی فقہا نے اسے مکروہ تحریمہ لکھا ہے اور بعض کہتے ہیں اگر ہیئت اولی کے خلاف ہے تو مکروہ نہیں جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نفی جو امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مذکور ہے مراد اس سے کراہت تحریمہ کی نفی ہے نہ مطلق، بہرحال کراہت سے خالی نہیں، مصلی پر امام کے نماز پڑھنا یا بیٹھنا بلا اس کے اذن کے اس کی ممانعت بھی مذکورہ بالا کے آخری فقرہ میں ولا یقعد فی بیتہ علی تکرمتہ الا باذنہ[2] سے پائی جاتی ہے

قولہ علی تکرمتہ ھو موضع خاص لجلوسہ من فراش او سریر مما یعد لاکرامہ ھی بفتح تاء وکسر ھا ط کفراش وسجادۃ ونحوھما، مجمع بحار الانوار[3]

قولہ تکرمتہ سے مراد وہ جگہ ہے جو بیٹھنے کے لئے ہو یا وہ چارپائی جو اکرام کے لئے رکھی گئی ہوتی ہے اس کی تاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں آسکتے ہیں ط مثلاً فراش اور سجادہ وغیرہ، مجمع بحار الانوار۔ (ت)

چونکہ ہر سہ سوالات کی نسبت اقوال علماء وعبارات کتب مختلف ہیں اس واسطے بہت تردد رہتا ہے اور تسکین نہیں ہوتی ہے بظاہر عبارات کتب سے تو نہی راجح معلوم ہوتی ہے اور اقوال علمائے مخالف، اس لئے ادب سے التماس ہے کہ حقیقت امر سے مفصل اور مدلل طور پر بحوالہ کتب اور عبارات سے آگاہ فرمائیں تاکہ شق راجح پر عملدرآمد ہو۔ بینوا توجروا

الجواب

مسجد اگر جامع یا سرا یا بازار یا اسٹیشن کی، غرض مسجد عام ہے کہ ایک جماعت خاصہ سے مخصوص نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ　الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ　نورانی کتب خانہ پشاور　۱/ ۱۴۵

[2] صحیح مسلم　باب من احق بالامامۃ　مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی　۱/ ۲۳۶

[3] مجمع بحار الانوار　زیر لفظ کرم　المطبع العالی نولکشور لکھنؤ　۴/ ۲۰۹

جب تو اس میں ان سوالات کا محل ہی نہیں اس کی سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہیں جو گروہ آئے اپنی جماعت کرے اور محراب ہی میں امامت کرے، اور افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جُدا جُدا اذان واقامت کرے کما نص علیہ فی فتاوٰی قاضی خاں وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) ہاں مسجد محلہ جس کے لئے جماعت معین امام معین ہے اُس میں ضرور امام مقرر کا حق مقدم ہے جبکہ اس کی طہارت، قرأت، عقیدے، عمل میں خلل نہ ہو کما فی الدرالمختار وردالمحتار وغیرھما من الاسفار (جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار اور دیگر کتب میں ہے۔ت) اور قصداً بلا وجہ شرعی تفریق جماعت ضرور موجب ذم و شناعت، خواہ یُوں ہو کہ امام معین سے پہلے پڑھ جائیں یا جماعت اولیٰ فوت کرکے اپنی جماعت الگ بنائیں۔ رہے اہلِ ضرورت وہ مستثنیٰ ہیں اور اُن کی جماعت اگرچہ پہلے ہو (مثلاً جماعت معینہ کا ابھی وقت نہ آیا اور انتظار میں ریل کا وقت نہ رہے گا پڑھ کر چلے گئے) امام اور اہل محلہ کے حق میں جماعتِ اولیٰ نہ ہوگی تو اس سے حق امامت میں مزاحمت نہ ہوگی الالایؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ (آدمی کو دوسرے کی حکومت میں جماعت نہیں کروانی چاہئے۔ت) کا کچھ خلاف نہ ہوا کہ نہ امام معین کی امامت کی نہ اس کی امامت میں مزاحمت کی اور ہرگز شرع مطہر سے کوئی دلیل نہیں کہ ایسے لوگ بے اذن امام جماعت سے ممنوع ہیں نہ اصلاً کہیں اُن پر یہ حکم ملے گا کہ مجتمع ہوتے ہوئے الگ الگ پڑھیں اور روافض سے تشبہ کریں یوں ہی جو اتفاقاً بلا تقصیر جماعت سے رہ گئے وہ شرعاً انفراد پر مجبور نہیں، نہ شرع سے کوئی دلیل کہ جماعت میں اذن امام کے محتاج ہیں کہ یہاں بھی اس کے حق میں مزاحمت نہیں البتہ تمیز جماعت اولیٰ وابانت فرق واحتراز صورت مزاحمت کے لئے محراب سے الگ ہونا چاہئے،

وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ ھوالصحیح وبہ ناخذ[1] کما اثرہ فی ردالمحتار۔

محراب سے ہٹ کر نماز ادا کرنے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے یہی صحیح ہے اور ہم اس پر عمل پیرا ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں منقول ہے (ت)

عبارت مضمرات کا محل وہی صورت تفریق بلا ضرورت ہے یونہی حکم انتظار محل عدم ضرورت میں ہے ماجعل علیکم فی الدین من حرج[2]

تم پر دین میں اس نے تنگی نہیں کی (ت)

بصورت ضرورت بروجہ مذکور جماعت میں نہ امام معینہ کی تہوین نہ کوئی وجہ تباغض نہ تحزین عبارت عالمگیری وعبارت کبیری دونوں دربارہ جمعہ ہیں اور جماعات کا اُس پر قیاس باطل کہ جمعہ میں شرط ہے کہ امام خود سلطان ہو

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

[2] القرآن ۲۲/۷۸

یا اُس کا ماذون، اسی کی تفریع میں دونوں کتابوں کی وہ عبارات ہیں کبیری میں فرمایا:

الشرط الثانی کون الامام فیھا سلطانا او من اذن له السلطان (الی ان قال) المتغلب الذی لا منشور له اذا کان سیرته فی الرعیة سیرة الامراء یجوز له اقامتھا لان بذٰلك تثبت السلطنة فیتحقق الشرط ولیس للقاضی ان یصلی بھم[1] الخ

دوسری شرط یہ ہے کہ امام سلطان ہو یا جسے سلطان نے حکم دیا ہو (آگے کہا) اقتدار پر غلبہ پانے والا وہ شخص جس کو اجازت نامہ حاصل نہیں، اگر رعیت میں وہ امیر جیسی صورت و مقبولیت حاصل کرلے تو جمعہ کا قیام جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اقتدار قائم ہونے سے جمعہ کی شرط پائی گئی ہے (سلطان یا نائب) کی موجودگی میں قاضی کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں الخ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

منھا السلطان حتی لا تجوز اقامتھا بغیر امر السلطان او امر نائبه مرض الامیر[2] الخ

ان میں سے سلطان ہے حتی کہ اقامتِ جماعت امرِ سلطان یا اس کے نائب کے حکم کے بغیر جائز نہیں امیر بیمار ہوگیا الخ (ت)

حدیث کی عبارة النص اگرچہ صورت امامت للامام میں ہے مگر بلاوجہ شرعی اُس کی امامت فوت کرکے خود امام بن جانے کو بھی دلالۃً شامل،

لقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بشروا ولا تنفروا[3]

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے لوگوں کو خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ (ت)

اور جو صورتیں اُوپر گزریں نہ اُن میں عبارۃً منصوص نہ دلالۃً داخل، جماعت ثانیہ کی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے جس کا مجمل یہ ہے کہ مسجد عام میں ہر جماعت اولٰی ہے اور مسجد محلہ میں قصداً تفریق یا اولٰی کی تفویت بلا عذر صحیح شرعی ناجائز ورنہ باعادہ اذان ہو تو مکروہ تحریمی، اور محراب نہ بدلیں تو خلافِ اولٰی ورنہ اصلاً کراہت نہیں ھو الصحیح وبه ناخذ (یہی صحیح ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) تاتارخانیہ مصلّٰی اگر ملکِ امام ہے جب تو ظاہر کہ اُس کے بے اذن اُس میں تصرف حرام اور اگر واقف نے خاص جماعت اولٰی کے لئے وقف کیا جب بھی اور لوگ استعمال کریں لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵
[3] صحیح بخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

نصِ شارع کی طرح ہے۔ت) ورنہ اُس پر نماز میں اصلاً حرج نہیں جبکہ بلا وجہ امام سے مزاحمت یا تنفر ناحق یا اثارتِ فتنہ نہ ہو۔ احکام کہ فقہ میں مذکور ہوئے آپ پر واضح ہیں اور بعض کی استبانت کے لئے یہ عبارت بحرالرائق پیشِ نظر ہونا نافع:

قال رحمہ اللہ تعالٰی من ھنا یعلم جھل بعض مدرسی زماننا من منعھم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسہ اوکراھتھم لذلک زاعمین الاختصاص بھا دون غیرھم حتی سمعت من بعضھم انہ یضیفھا الی نفسہ ویقول ھذہ مدرستی اولا تدرس فی مدرستی وھذا کلہ جھل عظیم فقد قال اللہ تعالٰی وان المسٰجد للہ فلا یتعین مکان مخصوص لاحد حتی لوکان للمدرس موضع من المسجد یدرس فیہ فسبقہ غیرہ الیہ لیس لہ ازعاجہ و اقامتہ منہ[1] اھ مختصرا واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

صاحب بحرالرائق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہاں سے ہمارے دَور کے بعض مدرسین کی جہالت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اس شخص کو اس مسجد میں تدریس کرنے سے منع کرتے ہیں جس تدریس کے لئے ان کا تقرر ہو یا اسے مکروہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان مدارس کو دوسروں کے علاوہ اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حتی کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا وہ اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ میرا مدرسہ ہے، یا تو میرے مدرسے میں تدریس نہ کر، یہ تمام بہت بڑی جہالت ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بیشک مساجد اللہ کی ہیں پس کوئی جگہ کسی کے لئے مخصوص نہیں لہذا اگر ایک مدرس مسجد کے کسی مقام پر بیٹھ کر درس دیتا تھا پھر کوئی دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھا تو پہلے مدرّس کو جائز نہیں کہ دوسرے کو وہاں سے ہٹا کر خود وہاں بیٹھے، اھ مختصراً واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۷۹: از شہر محلہ مسجد جامع مسئولہ مولوی محمد احسان صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب بہ ہنگام ضرورت محرابِ مسجد میں یعنی آثار دیوار چھپت مسجد کے اندر کھڑا ہے اور اپنے دائیں وبائیں برابر ایک ایک یا زیادہ مقتدی کھڑے کرلئے باقی اور صفیں عقب حدود مسجد میں ہوں تو ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] بحرالرائق فصل کرہ استقبال القبلۃ بالفرج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴

الجواب

وقتِ ضرورت امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں اور اپنے برابر کسی مقتدی کے لینے کی حاجت نہیں بلکہ دو مقتدیوں کا امام کے برابر ہونا خود مکروہ ہے، امام کا محراب میں ہونا بضرورت تھا کہ مکروہ نہ رہا کیس ضرورت سے ہوا اور اگر تین یا زیادہ مقتدی امام کے برابر ہوجائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوجائے گی، محراب میں بلاضرورت کھڑا ہونا بھی ایسا ہی مکروہ بلکہ یہ سخت و شدید مکروہ و ممنوع ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸ از عبدالغفور صاحب میونسپل کمشنر کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۵ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مذہب حنفی امامت کر رہا ہے اور اس کے مقتدی کل حنفی ہیں اور اُن میں چند اشخاص غیر مقلد شریک ہو کر آمین بالجہر و رفع یدین کریں تو اس صورت میں ادائے نماز حنفی میں نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں کہ جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا فاسد۔

الجواب

غیر مقلدین زمانہ بحکم فقہا و تصریحات عامہ کتب فقہ کافر تھے ہی، جس کا روشن بیان رسالہ الکوکبۃ الشہابیۃ و رسالہ السیوف و رسالہ النہی الاکید وغیرہا میں ہے اور تجربہ نے ثابت کر دیا کہ وہ ضرور منکران ضروریات دین ہیں اور اُن کے منکروں کے حامی و ہمراہ، تو یقیناً قطعاً اجماعاً ان کے کفر و ارتداد میں شک نہیں، اور کافر کی نماز باطل، تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اُتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[1]

جو صف کو ملائے اللہ اپنی رحمت سے اُسے ملائے اور جو صف قطع کرے اللہ اپنی رحمت سے اُسے جدا کرے۔

تو جتنے اہلسنت اُن کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے اور نماز میں بھی نقص آئے گا کہ قطع صف مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف ایک ہی صف ہو اور اس کے کنارہ پر غیر مقلد کھڑا ہو تو اس صورت میں اگرچہ فی الحال قطع صف نہیں مگر اس کا احتمال و اندیشہ ہے کہ ممکن کہ کوئی مسلمان بعد کو آئے اور اُس غیر مقلد کے برابر یا دوسری صف میں کھڑا ہو تو قطع ہوجائیگا

---

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

اور جس طرح فعل حرام حرام ہے یُونہی وُہ کام کرنا جس سے فعل حرام کا سامان مہیا اور اُس کا اندیشہ حاصل ہو وہ بھی ممنوع ہے ولہذا حدود اللہ میں فقط وقوع کو منع نہ فرمایا بلکہ اُن کے قُرب سے بھی ممانعت ہُوئی کہ تلک حدود اللہ فلا تقربوھا[1] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اس کے باوجود۔ت) معہذا ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصلوا علیھم و لا تصلوا معھم[2]۔ نہ اُن کے جنازہ کی نماز پڑھو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔

بدمذہبوں کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۸ ازنجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ احمد حسین خاں صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بار دوم از قصبہ سرواڑ علاقہ کشن گڑھ متصل اجمیر شریف ہوشیاروں کی مسجد مسئولہ قاضی اکبر صاحب ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا کسی امام کے مذہب میں آمین بآواز بلند کہنا جائز ہے، اگر کوئی جماعت میں آمین زور سے کہتا ہو حنفی سنیوں کی جماعت میں شریک کرنے سے نماز میں تو کچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔

الجواب

آمین بالجہر امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ہے اگر کوئی سُنّی شافعی مذہب آمین بآواز کہے وہ بلا تکلف حنفیوں کی جماعت میں شریک ہو بلکہ بشرائط مذکورہ کتب فقہ وہ امامت کرے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے کہ ہم اور وہ سب حقیقی بھائی ہیں ہمارا باپ اسلام، ہماری ماں سنّتِ سیّد الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ مگر یہاں جو آمین بالجہر والے ہیں یہ غیر مقلد وہابی ہیں یہ اللہ و رسول کی توہین کرنے والے ہیں یہ ہمارے ائمہ کرام کو گالیاں دینے والے ہم کو مشرک کہنے والے ہیں ان کی شرکت جماعت حنفی سے ضرور ضرر ہے کہ ان کے عقائدِ باطلہ تکذیبِ خدا و توہینِ رسول کے باعث ان کی نماز ہی نہیں تو جماعت میں ان کا کھڑا ہونا بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص بے نماز بیچ میں داخل ہے اس سے صف قطع ہوگی اور صف کا قطع کرنا حرام۔ حدیث میں فرمایا:

من وصل صفا وصلہ اللہ و من قطع صفا قطعہ اللہ[3]۔ جو صف کو ملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائیگا اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کر دے گا (ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

[2] کنز العمال الفصل الاول فی فضائل الصحابہ اجمالا مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

[3] سنن ابوداود باب تسویۃ الصفوف " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

حدیث میں حکم فرمایا کہ نماز میں خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیچ میں شیطان نہ داخل ہو۔ یہاں آنکھوں دیکھا شیطان صف میں داخل ہے یہ جائز نہیں تو بشرطِ قدرت اُسے ہر گز اپنی جماعت میں نہ شامل ہونے دیں اور جو مجبور ہے معذور ہے۔

مسئلہ ۸۸۲ از ریاست الور راجپوتانہ محلہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۴ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاطع بدعت وضلالت جامع معقول ومنقول جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب ادام فیوضہم وبرکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر حقیر مسکین محمد رکن الدین حنفی نقشبندی مجددی نادیدہ مشتاق زیارت دو مسئلے[عہ] خدمت شریف میں پیش کرکے امیدوار ہے کہ جناب اپنی تحقیق سے اس عاجز کو ممنون فرمائیں اللہ تعالٰی اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا، ایک مسئلہ تو جماعت ثانی کا ہے اس میں گزارش یہ ہے کہ ردالمحتار میں جو اقوال کراہت وعدمِ کراہت کے نقل کئے ہیں اُن میں سے کراہت کا قول اُس محلہ کی مسجد کی نسبت کہ جس میں امام اور مؤذن اور نمازی معین ہوں ظاہر الروایۃ بیان کیا ہے اور اس کو مدلل بھی کردیا ہے اور عدم کراہت کے قول کی صحت بھی منقول ہے کہ جو منسوب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے وُہ بھی اس میں موجود ہے اب یہ فرمائیے کہ ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں جبکہ وہ مدلل بھی ہو دوسرے قولِ بلا دلیل کی ترجیح کس طرح ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

بملاحظہ مولانا المبجل المکرم المکین جعلہ اللہ تعالٰی ممن شید بہم رکن الدین۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہمارے امام ہمام سراج الامہ امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مہذب وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مسجد محلہ جس کے لئے اہل معین ہوں جب اُس میں اہلِ محلہ باعلانِ اذان واقامت امام موافق المذہب صالح امامت کے ساتھ جماعت صحیحہ مسنونہ بلاکراہت ادا کرچکے ہوں تو غیر اہل محلہ یا باقی ماندگان اہل محلہ کو اذان جدید کے ساتھ اس میں اعادہ جماعت مکروہ وممنوع وبدعت ہے۔ مجمع البحرین وبحرالرائق میں ہے:

لاتکررھا فی مسجد محلۃ باذان | محلہ کی مسجد میں دوسری اذان کے ساتھ تکرارِ جماعت

عہ اول یہ ہے دوسرا نوافل میں مسطور ہے ۱۲ (م)

ثانٍ[1] — جائز نہیں۔ (ت)

شرح المجمع للمصنف و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثانٍ[2]۔ جب مسجد کا امام اور جماعت محلہ میں متعین ہو اور اہل محلہ نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلی تو دوسری اذان کے ساتھ اس میں تکرارِ جماعت مباح نہ ہوگی (ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ و شرح کبیر منیہ و غرر و درر و خزائن الاسرار و در مختار و ذخیرۃ العقبٰی وغیرہا میں ہے اور اُس کا حاصل حقیقۃً کراہت اعادۂ اذان ہے

فان الحکم المنصب علی مقید انما ینصب علی القید کما قد عرف فی محلہ ولھذا۔ وہ حکم جو کسی مقید پر ہو وہ قید پر وارد ہوتا ہے جیسا کہ یہ ضابطہ اپنے مقام و محل پر معروف ہے (ت)

امام محقق ابن امیر الحاج حلبی ارشد تلامذہ ابن الہمام نے حلیہ میں اسی مذہب مہذب کو اس عبارت سے ادا فرمایا:

المسجد اذا کان لہ اھل معلوم فصلوا فیہ اوبعضھم باذان واقامۃ کرہ لغیر اھلہ والباقین من اھلہ اعادۃ الاذان والاقامۃ[3]۔ جب مسجد کے اہل معلوم ہوں اور ان تمام یا بعض نے اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کرلی تو اب غیر اہل اور بقیہ لوگوں کے لئے اذان و اقامت کا اعادہ جائز نہیں (ت)

ولہذا کتب مذہب طافحہ ہیں کہ بے اعادۂ اذان مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ بالاتفاق مباح ہے اس کے جواز و اباحت پر ہمارے جمیع ائمہ کا اجماع ہے عباب و ملتقط و منبع و شرح درر البحار و شرح مجمع البحرین للمصنف و شرح المجمع ابن ملک و رسالہ علامہ رحمت اللہ تلمیذ امام ابن الہمام و ذخیرۃ العقبٰی و خزائن الاسرار شرح تنویر الابصار و حاشیۃ البحر للعلامۃ خیر الدین رملی و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں اس پر اتفاق و اجماع نقل فرمایا، خزائن میں ہے:

لوکرر اھلہ بدونھما اوکان مسجد — اگر اذان و اقامت کے بغیر اہلِ محلہ تکرارِ جماعت

---

[1] بحر الرائق — باب الامامۃ — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۳۴۵-۳۴۶
[2] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الاول فی الجماعۃ — ” نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۸۳
[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

طریق جائز اجماعاً۔

کریں یا وہ مسجد راستہ کی ہو تو یہ تکرار جماعت بالاجماع جائز ہے (ت)

علمگیریہ و شرح المجمع للمصنف میں ہے:
اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعاً۔[2]

ہاں اگر انھوں نے نماز بغیر اذان کے ادا کی تو یہ بالاجماع جائز ہے (ت)

ردالمحتار میں منبع سے ہے:
التقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز عن الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعاً۔[3]

مسجد کو محلہ کے ساتھ مختص کرنے سے مسجدِ شارع اس سے خارج ہوگئی اور اذانِ ثانی کی قید سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے، جب اہلِ محلہ نے اذانِ ثانی کے بغیر جماعت کروائی ہو کیونکہ اس صورت میں تکرارِ جماعت بالاجماع مباح ہے (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:
www.alahazratnetwork.org
اما اذا کررت بغیر اذان فلا کراھۃ مطلقاً وعلیہ المسلمون۔[4]

جب بغیر اذان کے تکرارِ جماعت ہو تو اب بہرحال کراہت نہیں اور تمام مسلمان اسی پر ہیں (ت)

یہ عبارت تو نہ صرف ہمارے ائمہ کا اتفاق بلکہ جملہ مسلمانوں کا اسی پر عمل بتاتی ہے اور خود لفظ اجماع کہ عامۂ کتب میں واقع اسی طرف ناظر تو کیونکر ممکن کہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہو، ظہیریہ میں کہ تنہا پڑھنا لکھ کر اُسے ظاہر الروایۃ بتایا **اقول** واجب کہ اُس سے مراد نفی وجوب جماعت ہو نہ وجوب نفی جماعت کہ اجماع کے خلاف پڑے اور یہ ضرور حق ہے اُس کا حاصل اس قدر کہ جس طرح جماعتِ اولٰی چھوڑ کر تنہا پڑھنا ناجائز و گناہ تھا یہاں ایسا نہیں یہ الگ الگ پڑھ لیں وہ نہیں پڑھ سکتے تھے عقل و نقل کے قاعدۂ متفق علیہا سے واجب ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف رد کریں نہ کہ محکم کو محتمل سے رد کریں تو عبارت ظہیریہ سے ردِ نقول متظافرۂ اجماع

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الخزائن للاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳
[3] ردالمحتار باب الامامۃ " مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " " دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴۰

— ناممکن ہے بلکہ اگر وہ دوسرے معنی صحیح نہ رکھتی نہ اصلاً محتمل بلکہ خلاف اجماع میں نص مفسر ہوتی تو حسب قاعدہ قاطعیہ لقول عامہ کے خلاف خود ہی بوجہ غرابت نامقبول ٹھہرتی نہ کہ بالعکس، ردالمحتار باب سجود التلاوۃ میں ہے:

هذا اعزاه فی البحر الی المضمرات و قال ان الثانی غریب اھ وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا اعزاه من بعده الیها فقط۔[1]

اس کی نسبت بحر میں المضمرات کی طرف کی ہے اور کہا دوسرا نادر ہے اھ نادر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف صاحبِ ظہیریہ ہی نے ذکر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد والوں نے اس کی نسبت صرف ان کی طرف ہی کی ہے اھ (ت)

اُسی کے باب المیاہ مسئلہ اعتبار عمق میں ہے:

قوله فی الاصح ذکره فی المجتبی والتمرتاشی والایضاح والمبتغی وعزاه فی القنیة الی شرح صدر القضاة وجمع التفاریق وهو متوغل فی الاغراب مخالف لما اطلقه جمهور الاصحاب کما فی شرح الوهبانیة۔[2]

قوله فی الاصح اسے مجتبٰی، تمرتاشی، ایضاح اور مبتغٰی نے ذکر کیا، قنیہ میں اس کی نسبت شرح صدر القضاۃ اور جمع التفاریق کی طرف کی ہے، شرح الوہبانیہ کے مطابق جمہور کے اطلاق کی مخالفت کی وجہ سے یہ اغراب میں ڈوبا ہوا ہے (ت)

پھر جبکہ بحال اعادہ اذان اصل مذہب و ظاہر الروایۃ کراہت تحریم تھی،

لما فی رد المحتار قوله ویکره ای تحریما لقول الکافی لایجوز والمجمع لایباح۔[3]

ردالمحتار میں ہے وقولہ ویکرہ یعنی تحریمی مراد ہے کیونکہ صاحبِ کافی نے کہا یہ جائز نہیں، اور مجمع میں ہے یہ مباح نہیں (ت)

اور بے اذان ثانی جواز و عدمِ کراہت پر اجماع تو اب اس میں اختلاف ہوا کہ آیا یہ جواز و اباحت محض خالص ہے یا کہیں کراہت تنزیہ سے بھی مجامع، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۷
[2] " " " " " "
[3] " " " " " "

محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے :

فان المکروہ تنزیہا من قسم المباح کما فی ردالمحتار وحققناہ فی جمل مجلیۃ۔

کیونکہ مکروہ تنزیہی قسم مباح ہی سے ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اس کی تحقیق "جمل مجلیہ" میں کی ہے (ت)

اس باب میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے اور اس سے ہٹ کر اصلاً کراہت نہیں، ائمہ ترجیح نے اسی کی تصحیح کی ولوالجیہ و وجیز کردری و تاتارخانیہ و غنیہ وغیرہا میں اسی کو ھوالصحیح وبہ ناخذ (صحیح یہی ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ت) فرمایا، بحمداللہ تعالٰی اس تقریر منیر و توفیق و تحقیق سے واضح ہوا کہ نہ یہ تصحیحیں ظاہر الروایہ کے خلاف ہیں نہ ظاہر الروایہ کی حکایت اجماع کے خلاف، اور مسئلے میں قول منقح یہ نکلا کہ مسجد محلہ میں بشرائط مذکورہ (جن کے محترزات کی تفصیل جمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور ہے) باعادہ اذان جماعت ثانیہ ناجائز و مکروہ تحریمی ہے یہی ظاہر الروایہ و مذہب امام ہے اور بے اذان ثانی بلاشبہہ جائز اس پر خود اتفاق و اجماع ائمہ ہے مگر محراب میں بکراہت اور اس سے ہٹ کر خالص مباح بلاکراہت، یہی صحیح و ماخوذ و معتمد ہے اب شبہہ اصل سے منقطع ہو گیا اور بالفرض اگر براہِ تنزل مان بھی لیں کہ ائمہ نے خلاف ظاہر الروایہ کی تصحیحیں فرمائیں تو ہم پر لازم کہ انھیں کا اتباع کریں، ظاہر الروایہ کی ترجیح اسی وقت ہے کہ اُس کے خلاف پر تصحیح صریح نہ ہو چکی ہو ورنہ ترجیح ضمنی تصریح تصحیح کے معارض نہ ہو سکے گی اور اسی تصحیح تصریح کا اتباع ہوگا۔ درمختار میں ہے :

امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لوافتوا فی حیاتھم[1]۔

ہمارے لئے اس قول کی اتباع و پیروی لازم ہے جسے فقہا نے ترجیح دی اور تصحیح کی جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانے میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ترجیح ضمنی لکل ماکان ظاھرالروایۃ فلایعدل عنہ بلاترجیح صریح لمقابلہ[2]۔

ہر ظاہر روایت کو ترجیح ضمنی حاصل ہوتی ہے پھر جب تک اس کے مقابل صریح ترجیح نہ ہو اس سے عدول نہیں کیا جا سکتا۔ (ت)

---

[1] درمختار | خطبۃ الکتاب | مطبوعہ مجتبائی دہلی | ۱/۱۵

[2] ردالمحتار | " | " مصطفی البابی مصر | ۱/۵۸

درمختار میں ہے :

اذا ذیلت روایة بالصحیح او الماخوذ به لم یفت بمخالفه[1] اھ مختصرا۔

جب روایت کے بعد صحیح یا ماخوذ بہ لکھا ہوا ہو تو اس کے مخالف فتوٰی نہیں دیا جاسکتا اھ مختصرا (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اذا کان التصحیح بصیغة تقتضی قصر الصحة علی تلك الروایة فقط کالصحیح والماخوذ به ونحوهما مما یفید ضعف الروایة المخالفة لم یجز الافتاء بمخالفها لما سیأتی ان الفتیا بالمرجوح جهل[2]۔

جب تصحیح ایسے صیغہ کے ساتھ ہو جو صرف اسی روایت کی صحت کا تقاضا کر رہا ہو مثلاً لفظ صحیح یا ماخوذ بہ وغیرہما جو مخالف روایت کے ضعف پر دال ہو تو اب اس کے مخالف پر فتوٰی دینا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ عنقریب آرہا ہے کہ مرجوح پر فتوٰی جہالت ہوتی ہے (ت)

اُسی میں ہے :

لو ذکرت مسئلة فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحها بل صرحوا بتصحیح مقابلها فقد افاد العلامة قاسم ترجیح الثانی لانه تصحیح صریح وما فی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی ای التزام المتون ذکر ما هو الصحیح فی المذهب[3]۔

اگر کسی مسئلہ کا ذکر متون میں ہوا اور اس کی تصحیح کی تصریح فقہاء نے نہ کی ہو بلکہ اس کے مقابل کی تصحیح کی ہو تو ایسی صورت میں علامہ قاسم کے نزدیک دوسرے کو ترجیح ہوگی کیونکہ تصحیح پر تصریح ہے اور متون میں تصحیح الزامی ہو اور تصحیح صریح تصحیح الزامی پر مقدم ہوتی ہے، یہاں تصحیح التزامی سے مراد یہ ہے کہ متون نے یہ الزام کیا ہوتا ہے کہ ہم وہی ذکر کریں گے جو مذہب میں صحیح قول ہوگا۔ (ت)

اب رہیں بعض تعلیلات اول تو بعد تصحیح ائمہ ترجیح ہمیں نظر فی الدلیل کی حاجت نہیں، نہ وہ ہمارا منصب، پھر بعونہٖ تعالٰی اس کا حال ملاحظہ تعلیقات سے واضح ہوگا جو فقیر نے کتاب مستطاب ردالمحتار پر لکھیں اسعاف اللدام اس

---

[1] درمختار | خطبۃ الکتاب | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵
[2] ردالمحتار | 〃 | 〃 مصطفی البابی مصر | ۱/ ۵۴-۵۵
[3] 〃 | 〃 | 〃 〃 〃 | ۱/ ۵۳

مقام سے اُس کی نقل مسطور،

قولہ ولنا انہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اھل المسجد فرجع الی منزلہ فجمع اھلہ وصلی ولو جاز ذلک لما اختار الصلاۃ فی بیتہ علی الجماعۃ فی المسجد[1]۔

قولہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام بعض لوگوں کے درمیان صلح کے لئے تشریف لے گئے جب آپ مسجد میں واپس آئے تو اہل مسجد نے نماز ادا کرلی تھی تو آپ گھر تشریف لائے آپ نے اپنے اہل کو جمع کیا اور نماز ادا کی اگر تکرار جماعت جائز ہوتا تو آپ مسجد میں جماعت پر گھر کی جماعت کو اختیار نہ فرماتے (ت)

اقول اولاً لایتعین ھذا سببا لذلک فان فی اعادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجماعۃ فی المسجد کان ایھام انہ لم یرض بجماعۃ القوم فلعلہ اراد دفع ذلک الوھم وتاکید تقریرھم علی ما فعلوا۔

اقول (میں کہتا ہوں) (۱) تکرارِ جماعت کے ناجائز ہونے کے لئے اس کو سبب قرار دینا متعین نہیں بلکہ اس کی وجہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ آپ مسجد میں جماعت کا اعادہ فرماتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ نے لوگوں کی جماعت کو پسند نہیں کیا، تو ممکن ہے آپ نے اس وہم کے ازالے اور لوگوں کی جماعت کو صحیح قرار دینے کے لئے ایسا کیا ہو۔

وثانیاً لعل الباقی من اھلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للجماعۃ النساء الطاھرات وحدھن فاحب الجماعۃ ولم یحب ان یخرجھن وحدھن للجماعۃ للمسجد وعسی ان یراہ الناس ممن قد صلوا فیحبوا اعادۃ الصلوۃ خلفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او یجیئ بعض من لم یصل بعد فیقفوا خلفھن فتفسد صلاتھم۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی صرف ازواجِ مطہرات ہی جماعت سے باقی رہ گئی ہوں آپ نے گھر میں ہی جماعت کو پسند فرمایا اور مسجد میں صرف ان کی جماعت کے لئے ان کو نکالنا پسند نہ فرمایا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز ادا کرلینے والے آپ کو دیکھ کر آپ کے پیچھے نماز کا اعادہ پسند کریں یا بعض لوگ پہلی جماعت میں شرکت نہ کرسکے تھے اب آئے تو ان خواتین کے پیچھے کھڑے ہوگئے تو اس صورت میں ان کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

وثالثاً من فاتته الجماعة وحده فهو مخير فى الانفراد واتباع الجماعات وان ياتى اهله فيجمع بهم كما نص عليه فى الخانية والبزازية وغيرهما وقد نصوا كما فى ردالمحتار وغيره ان الاصح انه لوجمع باهله لايكره وينال فضيلة الجماعة لكن جماعة المسجد افضل[1] اھ وقد كان صلى الله تعالٰى عليه وسلم ربما يترك الافضل لبيان الجواز وكان حينئذ هو الافضل فى حقه صلى الله تعالٰى عليه وسلم لما فيه من التبليغ المبعوث له من عند ربه عزوجل فكيف يسلم قوله ولوجاز ذلك لما اختار۔

(۳) جب تنہا آدمی جماعت سے رہ جائے تو اب اسے اختیار ہے کہ وہ تنہا نماز ادا کرے یا جماعت کے ساتھ کہ وُہ گھر چلا جائے اور اپنے اہل کو اکٹھا کرکے نماز پڑھے، اس پر خانیہ، بزازیہ وغیرہا میں تصریح ہے، ردالمحتار وغیرہ میں یہ تصریح ہے اگر اس نے اپنے اہل کو جمع کرکے نماز ادا کی تو کراہت نہیں بلکہ جماعت کا ثواب پائے گا، البتہ مسجد کی جماعت افضل ہے اھ، اور بعض اوقات سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیانِ جواز کے لئے افضل کو ترک فرما دیتے تھے اور اس صورت میں آپ کے حق میں وہ بیانِ جواز ہی افضل ہوگا کیونکہ اس میں احکامِ خداوندی کی تبلیغ (جس کے لئے اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں) ہے، ان کا یہ قول "ولوجاز ذلک لما اختار" کیسے درست ہوگا۔

وفيه رابعاً مايفيده العلامة المحشى ان قد انعقد الاجماع بلانزاع على جواز اعادة الجماعة فى المسجد العام بل صرحوا قاطبة انه الافضل ومعلوم قطعا ان مسجده صلى الله تعالٰى عليه وسلم ليس مسجد محلة فلوتم هذا الاستدلال لهادم الاجماع واتى بتحريم ماليس فى حله بل ولا فضله محل نزاع۔

(۴) جو علامہ محشی نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع کے انعقاد میں کوئی نزاع نہیں کہ مسجد عام میں اعادۂ جماعت جائز ہے بلکہ واضح تصریح کی ہے کہ یہ افضل عمل ہے اور یہ بھی قطعاً معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک مسجد محلہ نہیں، اگر معترض کا یہ استدلال درست ہو تو یہ اجماع سے ٹکرائے گا اور ایسی چیز کو حرام قرار دینا ہوگا جس کے حلال بلکہ اس کے افضل ہونے میں کوئی محلِ نزاع نہیں۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲

اقول ومثلہ فی الضعیف بل اضعف ما قدمر فی الاذان من الاستدلال بما روی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانوا اذا فاتتھم الجماعۃ فی المسجد صلوا فی المسجد فرادٰی[1] فانہ لیس فیہ ان الجماعۃ کانت تفوت جماعۃ منھم معا فکانوا یصلون فی المسجد فرادی مجتمعین وحاش للہ متی عھد ھذا من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وانما کانت تفوت نادرا واحدا بعد واحد منھم ولا دلالۃ بصیغۃ الجمع علی القران فی الفعل فان معناہ انھم کانوا کل من فاتتہ الجماعۃ صلی فی المسجد منفردا ولم یکونوا یتتبعون المساجد نفیا للحرج فکان کقول انس ایضا صلیت خلف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یستفتحون القرأۃ بالحمد للہ رب العٰلمین[2] رواہ احمد و مسلم

اقول (میں کہتا ہوں) اس کی طرح ضعیف بلکہ اضعف ہے وہ استدلال جو اذان کی بحث میں اس حدیث کے حوالے سے گزرا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب اصحابِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد میں جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز ادا کرتے تھے کیونکہ اس میں یہ ہرگز نہیں کہ اگر صحابہ کے ایک گروہ کی معاً جماعت فوت ہوجاتی تو وہ سب مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے حاش للہ ایسی بات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہیں البتہ نادراً کسی ایک صحابی کی کسی وقت کی جماعت رہ جاتی تھی گروہ کی نہیں، اور جمع کے صیغہ کی قران فی الفعل پر کوئی دلالت نہیں کہ ایک سے زیادہ افراد مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگران میں سے کسی کی جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز ادا کرلیتا اور نفی حرج کی وجہ سے دیگر مساجد کی طرف نہ جاتے تھے یہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کی طرح بھی ہے جس میں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے تو وہ الحمد للہ رب العالمین سے قرأت کی ابتداء کرتے تھے، اسے احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۲۳

هل لقائل ان یقول ان فی نفس الحدیث دلیلا علی ھذا المعنی وذلك انا لانسلم ان المراد بالجماعۃ الجماعۃ الاولی عینا بل نجریھا ھی علی ارسالھا والجماعۃ لاتفوت الجماعۃ الا ان یمنعوا عن تکرارھا، فیتوقف الاستدلال بہ علی اثبات ممانعۃ التکرار فیعود مصادرۃ علی المطلوب وقد ذکر البخاری فی صحیحہ عن انس نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ جاء الی مسجد قد صلی فاذن واقام وصلی جماعۃ[1] اھ فلم تفتہ الجماعۃ اذ لم یکن وحدہ و صح ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ[2] رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابوبکر بن ابی شیبۃ والدارمی وابویعلی وابن خزیمۃ وابن حبان وسعید بن منصور والحاکم کلھم عن

کیا کوئی قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے مضمون میں اس مفہوم پر دلیل ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں جماعت سے مراد جماعت اولٰی عینی ہے بلکہ ہم اسے مطلق "جماعت" پر محمول کرتے ہیں اور ایک گروہ سے جماعت تب فوت ہوگی جب انہیں تکرارِ جماعت سے منع کیا ہو، لہذا اس سے استدلال ممانعتِ تکرار کے اثبات پر موقوف ہوگا، تو یہاں مصادرت علی المطلوب عود کرے گی، اور بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی سے روایت کی ہے کہ وہ مسجد میں آئے حالانکہ جماعت ہوچکی تھی تو انہوں نے اذان دی تکبیر کہی اور جماعت کرائی اھ تو تنہا نہ ہونے کی صورت میں ان کی جماعت فوت نہ ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا حالانکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو جماعت کرادی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کون صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے گا؟ تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز ادا کی، اس کو مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابوبکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابویعلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، سعید بن منصور اور حاکم ان سب نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،

---

[1] صحیح البخاری باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۹

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۴۵

ابی سعید الخدری والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة وعن عصمة بن مالك و ابن ابی شیبة عن الحسن البصری مرسلا وعبد الرزاق فی مصنفه وسعید بن منصور فی سننه عن ابی عثمٰن النهدی مرسلا ایضا وفی الباب عن ابی موسی الاشعری والحکم بن عمیر کما فی الترمذی رضی اللّٰه تعالٰی عنهم اجمعین وفی بعضها ان ذلك المتصدق علی الرجل ابوبکر الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنهما **قوله** ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لا یجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم[1]

اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اور حضرت عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے، عبدالرزاق نے مصنف اور سعید بن منصور نے سنن میں ابوعثمان النہدی سے بھی مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوموسٰی اشعری اور حکم بن عمیر سے بھی روایت ہے جیسا کہ ترمذی میں ہے رضی اللہ عنہم اور بعض روایات میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے **قول** کیونکہ ایسے اطلاق سے تقلیل جماعت کا معنٰی پایا جاتا ہے اس لئے کہ وہ جب جان لیں کہ جماعت فوت نہ ہوگی تو جمع نہ ہونگے

اقول لسنا نبیح تعمد ترك الجماعة الاولی اتکالا علی الاخری فمن سمع منادی اللّٰه ینادی ولم یجب بلا عذر اثم وعزر فاین الاطلاق وانما نقول فیمن غابوا فحضروا او کانوا مشتغلین بنحو الاکل تاقت الیه انفسهم او التخلی وغیر ذلك من الاعذار فتخلفهم عن الاولی قد کان باذن الشرع فعلی ما یعاقبون بحرمان الجماعة وفیم تؤدی الی التقلیل وقد اثبتنا فی رسالتنا

اقول (میں کہتا ہوں) ہم جماعت اولٰی کے عمداً ترک کو دوسری جماعت پر بھروسا کی بنا پر مباح نہیں رکھتے اور جس شخص نے بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے بلاوا سُنا اور اس نے اسے قبول نہ کیا وہ گنہگار ہوگا اور وہ قابلِ تعزیر ہے تو یہاں اطلاق کہاں ہے، ہم تو ان لوگوں کی بات کر رہے ہیں جو موجود نہ تھے اب آئے یا وہ کسی معاملہ میں مشغول تھے مثلاً سخت بھوک کی وجہ سے کھانا کھا رہے تھے یا رفع حاجت کے لئے گئے تھے یا اس جیسے دوسرے اعذار ہوں تو اب ایسے لوگوں کا پہلی جماعت سے رہ جانا باجازت شرع ہوگا، اب ان پر جماعت سے

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

"حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة" ان الواجب هی الجماعة الاولی عیناً فاذا علموا انهم لو لم یحضروا فاتهم الواجب فکیف لا یجتمعون اما الکسالی وقلیل المبالاة فلا یجتمعون وان علموا انهم تفوتهم الاولی والاخری جمیعا الاتری ان بعض العصریین عه ممن یدعی العلم والدین قد شدد فی ذلک تشدیدا بلیغا وزعم ان تکرار الجماعة معصیة مطلقا فتبعه بعض عوام تلک البلاد فی ترک تکرار الجماعة ولم یتبعوه فی اتیان الاولی فتری فوجا من الاحابیش یاتون بعد الجماعة فیصلون معا فرادی فیزیدون مشابهة بالروافض والله المستعان **قوله** ویؤیده ما فی الظهیریة لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه اهله یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة اھ وهذا مخالف لحکایة الاجماع السابقة[له]

محروم ہونے کی وجہ سے کیونکر ملامت کی جاسکتی ہے اور انھیں تقلیل جماعت کا سبب کیوں قرار دیا جائے ؟

ہم نے اپنے رسالے "حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة" میں ثابت کیا ہے کہ واجب عینی جماعت اولٰی ہی ہے پس جب انہوں نے جانا اگر وہ حاضر نہ ہوئے تو واجب فوت ہوجائے گا تو وہ جمع کیسے نہ ہوں گے ؛ رہا معاملہ سستی اور لاپرواہی کرنے والوں کا، وہ جمع نہیں ہوں گے خواہ انھیں علم ہو کر ہماری پہلی اور دوسری جماعت فوت ہوجائے گی کیا آپ کے علم میں نہیں کہ بعض معاصرین جو علم و دین کا دعوٰی کرتے ہیں انہوں نے اس میں بہت زیادہ تشدید کی اور کہا کہ تکرار جماعت ہر حال میں معصیت وگناہ ہے اور ان کے علاقے میں کچھ عام لوگوں نے تکرار جماعت کے ترک میں اس کا اتباع کیا حالانکہ وہ پہلی جماعت کے درپے نہیں ہوئے آپ متعدد گروپوں کو ملاحظہ کرینگے کہ وہ جماعت کے بعد آتے ہیں وہ ایک ہی مقام پر تنہا تنہا نماز ادا کرتے ہیں تو اس عمل سے روافض کے ساتھ مشابہت میں اضافہ کرتے ہیں اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے **قوله** اور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت کرتی ہے اگر کوئی جماعت مسجد میں داخل ہوئی حالانکہ اہل محلہ نے جماعت کرالی تھی تو وہ تنہا نماز ادا کرلیں، اور یہ ظاہر روایت ہے اھ اور یہ بات سابقہ منقول اجماع کے خلاف ہے

عه وهو رشید احمد الگنگوهی (م)

له رد المحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ١/ ٤٠٩

اقول لاتائید ولاخلاف فان یصلون لیس نصا فی الایجاب ومن تتبع ابواب صفۃ الصلاۃ والحج من ای کتاب شاء وجد قناطیر مقنطرۃ من صیغ الاخبار واردۃ فیما لیس بواجب بل ولاسنۃ انما اقصاہ الندب، وقد قال فی البحر الرائق والطحطاوی فی حاشیۃ الدر ان ذلک ای دلالۃ الاخبار علی الوجوب فیما اذا صدر من الشارع اما من الفقہاء فلا یدل ھو ولا الامر منھم علی الوجوب کما وقع لمحمد حیث قال فی صفۃ الصلاۃ افترش رجلہ الیسری ووضع یدہ وامثال ذلک کثیرۃ اھ ولست انکر انہ کثیرا مایجیئ للوجوب کما بیناہ فی کتابنا "فصل القضاء فی رسم الافتاء" وانما ارید ان المحتمل لایقضی علی المفسر فکیف یرد بہ الاجماع المتظافر علی نقلہ المعتمدات بل کیف یصح ان یحمل علی مایصیر بہ مخالفا للاجماع ولوکان کذا لکان ھو احق بالرد من الاجماع اذ الحاکی الواحد عن

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں نہ تائید ہے نہ ہی مخالفت، کیونکہ لفظ "یصلون" سے صراحۃً ایجاب ثابت نہیں ہوتا اور جس نے بھی کسی کتاب کے ابواب صفۃ صلوٰۃ و حج کا مطالعہ کیا ہے وہ بہت سے الفاظ خبر کا ذخیرہ پائے گا جو ایسی جگہ وارد ہیں جو واجب بلکہ سنت بھی نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ مستحب کے درجہ میں ہوتے ہیں، بحرالرائق میں ہے اور طحطاوی نے حاشیہ در میں کہا ہے جملہ خبریہ کی دلالت وجوب پر اس وقت ہوتی ہے جب وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہو، اور اگر وہ فقہاء کرام سے منقول ہو تو اس جملہ خبریہ بلکہ فقہاء کے امر کی بھی وجوب پر دلالۃ نہیں ہوتی جیسا کہ امام محمد سے واقع ہے انہوں نے صفۃ صلوٰۃ میں فرمایا نمازی بایاں پاؤں بچھائے اور ہاتھ رکھ دے اور اس پر متعدد مثالیں شاہد ہیں اھ اور میں اس بات کا منکر نہیں کہ بہت سے مقامات پر مفید وجوب بھی ہیں جس طرح ہم نے اس کی تفصیلی گفتگو "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں کی ہے، مراد یہاں یہ ہے کہ محتمل کو مفسر پر ترجیح حاصل نہیں، اور معتمدات کی منقولات کے باوجود اس کے ساتھ اجماع متظافر کو کیسے رد کیا جائے بلکہ ان عبارات کو اس پر کیسے محمول کیا جائے جو اجماع کے خلاف ہو، اگر معاملہ یہی ہے تو ایسی ظاہر الروایۃ

ظاہر الرواية اقرب الى السهو من
الجماعة بل لقائل ان يقول لا يمكن
الحمل ههنا على الوجوب اصلا وان
قلنا بكراهة تكرار الجماعة فى مسجد
الحى مطلقا و ذلك كما نصوا عليه فى
الوجيز و التبيين و الهندية وغيرها
وسيأتى شرحا وحاشية ان من
فاتته فى مسجده ندب له طلبها فى
مسجد اخر الا المسجدين المكى والمدنى
كما فى القنية و مختصر البحر و بحث
فى الغنية الحاق الاقصى، و ذكر
القدورى يجمع باهله ويصلى بهم
اى وينال ثواب الجماعة كما فى
الفتح فاذا الجماعة معهم لا يحتاجون
الى التفتيش عنها فمن ذا الذى
حرم عليهم ان يذهبوا الى بعض
البيوت مثلا و يجمعوا وينالوا الفضل
فان قلت عاقهم عن الخروج
الدخول **قلت** كلامهم المذكور
مطلق فيمن دخل و من لم
يدخل الخروج لادراك الجماعة
لا يمنعه الدخول الا ترى ان
مقيم الجماعة يخرج تكبير الجماعة
الاولى باذنيه فلان يجوز
لهؤلاء الخروج ولا تكبير ولا اولى

کو رَد کر دینا اجماع کے رد سے بہتر ہے کیونکہ اکیلا
ظاہر روایت نقل کرنے والے کا بھول جانا جماعت
کے بھول جانے سے زیادہ قریب ہے بلکہ کوئی
قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں وجوب پر محمول کرنا بالکل ممکن ہی
نہیں اگرچہ ہم یہ کہیں کہ مسجد محلہ میں تکرارِ جماعت ہر
حال میں مکروہ ہے وہ اس لئے کہ وجیز، تبیین، ہندیہ
وغیرہ میں اس پر تصریح موجود ہے اور عنقریب تفصیلاً
آئے گا کہ جس نے نماز مسجد میں فوت کر دی اس
کے لئے دوسری مسجد میں تلاشِ جماعت مستحب ہے
مگر دو مساجد حرم مکی اور حرم مدنی میں جیسا کہ قنیہ
اور مختصر البحر میں ہے، قنیہ میں مسجد اقصٰی کو بھی
شامل کیا گیا ہے، قدوری نے ذکر کیا کہ وہ اپنے
گھر والوں کو جمع کرے اور جماعت کرائے، یعنی وہ
جماعت کا ثواب پالے گا۔ فتح میں اس طرح ہے
اہل کے ساتھ جماعت اس کی تلاش کی محتاج نہیں ہے
تو ان پر کس نے حرام کیا ہے اس بات کو مثلاً وہ گھر
کی طرف جائیں اور انہیں جمع کریں اور ثوابِ جماعت پائیں۔

فان قلت (اگر کوئی کہے کہ)

مسجد میں داخلہ دوسری جگہ جانے کو مانع ہے
میں کہتا ہوں ان کا مذکورہ کلام مطلق ہے خواہ وہ
شخص داخل ہے یا داخل نہیں اور ادراکِ جماعت
کے لئے خروج اس کو دخول سے مانع نہیں، کیا آپ
نہیں جانتے کہ دوسری جگہ جماعت کا منتظم پہلی
جماعت کی تکبیر کے وقت مسجد سے نکل سکتا ہے
تو ان کے لئے خروج بہر طور جائز ہوگا نہ تکبیر ہے

لاولی وبالجملة لا محل ھھنا للایجاب وعلیہ کان یتوقف التائید والخلاف **فان قلتَ** فاذلا وجوب فما منزع الکلام **قلتُ** افادة جوازا لانفراد لھم بلا حظر ولا حجر بخلاف ما لولم تقم الجماعة بعد حیث لا یجوز الصلاة منفردا الا بعذر لما فیہ من تفویت الجماعة الواجبة علی المعتمد او القریبة من الوجوب علی المشھور فاذن کان علی وزان ما قال العینی فی عمدة القاری قال ابوحنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ سھا او نام او شغلہ عن الجماعة شغل جمع باھلہ فی منزلہ وان صلی وحدہ یجوز[1] اھ وھذا معنی لا غبار علیہ ان شاء اللہ تعالٰی وبہ یزول کل اشکال وللہ الحمد **قولہ** وعن ھذا ذکر العلامة الشیخ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الھمام فی رسالتہ ان ما یفعلہ اھل الحرمین من الصلاة بائمة متعددة وجماعات مترتبة مکروہ اتفاقا الٰی

اور نہ جماعت اولی، الغرض یہاں ایجاب کا محل نہیں اور اسی پر تائید اور خلاف موقوف تھا، اگر اے معترض تُو یہ کہے کہ جب وجوب ہی نہیں تو کلام کا منشا کیا ہوگا؟ تو میں اس کا جواب دیتا ہُوں کہ ان کے لئے بلا خوف وخطر تنہا نماز ادا کرنے کا جواز بیان کرنا مقصود ہے، بخلاف اس صورت کے جب ابھی جماعت نہ ہوئی ہو کہ اب عذر کے بغیر تنہا نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اب اس جماعت کا فوت کرنا لازم آئے گا جو مختار قول کے مطابق واجب اور مشہور قول کے مطابق قریب واجب ہے اور یہ بات اس طریقہ پر ہوگی جو امام عینی نے عمدۃ القاری میں بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی بھول گیا یا سو گیا یا کسی اہم مصروفیت کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کرسکا تو وہ اپنے گھر والوں کو جمع کرے اور با جماعت نماز ادا کرے اور اگر اس نے تنہا نماز ادا کر لی تب بھی جائز ہے اھ یہ معنی نہایت ہی واضح ہے اس میں کوئی غبار نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اور اس کے ساتھ ہر اشکال بھی زائل ہوجاتا ہے **قولہ** اس بارے میں علامہ شیخ رحمہ اللہ السندی جو شیخ ہمام کے شاگرد ہیں نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ اہلِ حرمین جو متعدد ائمہ اور مترتب جماعات کی صورت میں نماز ادا کرتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے، اس کے

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب وجوب صلوۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۱۶۲

قولہ واقرہ الرملی فی حاشیۃ البحر[1]
اقول یاسبحٰن اللہ ای مساس لھذا
بما نحن فیہ فان انکارھم علی
التفریق العمدی کما ھو الواقع فی
الحرمین المکرمین فانھم جزّؤا
الجماعۃ اجزاء وعینوا لکل جزء اماما
والتفریق بالقصد حیث لا باعث
علیہ شرعا لا یجوز اجماعا والا
لما سن اللہ تعالٰی صلاۃ الخوف
وھذا تستوی فیہ مساجد الاحیاء
والقوارع والجوامع والبراری
جمیعا قولا فصلا من دون فصل
ثم وقع الخلاف فی الاقتداء بالمخالف
علی وجوہ فصلھا فی البحر و
ردالمحتار وغیرھما واتینا علی
لبابہ فی فتاوٰنا فمن لا کراھۃ
عندہ اصلا ای اذا لم یعلم ان
الامام لا یراع مذھب غیرہ بناء
علی اعتبار رأی المقتدی کما ھو
الاصح او علم انہ غیر مراع
عند من یقول العبرۃ
برأی الامام فھذا التفریق
عندہ من دون باعث شرعی

اس قول تک ذکر ہے کہ اسے رملی نے حاشیہ بحر
میں ثابت رکھا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں)
اے اللہ! تو پاک ہے، اس عبارت کو ہمارے
زیربحث مسئلہ کے ساتھ کیا واسطہ ہے؟ ان کی
انکاری گفتگو اس تفریق پر ہے جو دانستہ ہو،
جیساکہ حرمین شریفین میں واقع ہے کیونکہ وہ جماعت
کو مختلف حصص میں بانٹ کر ہر ایک حصہ کے لئے
الگ الگ امام مقرر کرتے ہیں اور تفریق قصدی کا شرعاً
کوئی باعث نہیں اور وہ بالاتفاق جائز نہیں ورنہ
اللہ تعالٰی صلٰوۃ خوف کا طریقہ یوں جاری
نہ فرماتا، اور اس میں تمام مساجد برابر ہیں خواہ
وہ محلہ کی ہیں یا شوارع یا شہر کی جامع یا دیہات
و جنگل کی، ان میں کوئی تفریق نہیں، پھر مخالف
مذہب کی اقتدا میں متعدد وجوہ پر اختلاف واقع ہوا
ہے اس کی تفصیل بحر، ردالمحتار وغیرہ میں موجود
ہے ہم نے اس کا خلاصہ اپنے فتاوی میں ذکر کردیا ہے
اور جس کے نزدیک بالکل کراہت نہیں یعنی جب
مقتدی کو علم نہ ہو کہ امام دوسرے مذہب کی رعایت
نہیں کرتا تو یہ حکم مقتدی کی رائے کے اعتبار پر
مبنی ہے اور یہی صحیح ہے یا مقتدی کو معلوم ہو کہ
امام رعایت نہیں کرتا تو اس صورت میں عدم کراہت
کا حکم امام کی رائے کے اعتبار پر مبنی ہے تو (عدم کراہت
کے قائل) کے نزدیک ان متفرق جماعتوں کے لئے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

وهؤلاء هم الذين حضروا الموسم تلك السنة وانكروا و من حكم بالكراهة عند الشك في المراعات او اعتقد ان الافضل الاقتداء بالموافق مهما امكن وان تحققت المراعاة فهو عنده بوجه شرعي وهم الجمهور وعليه العمل فلا انكار على اهل الحرمين و ليس في فعلهم خلل ولا زلل والعلامة السيد المحشي هو الناقل فيما سياتي عن الملا علي القاري انه قال لو كان لكل مذهب امام كما في زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم او تاخر على ما استحسنه عامة المسلمين وعمل به جمهور المؤمنين من اهل الحرمين والقدس ومصر والشام ولا عبرة بمن شذ منهم[1] اهـ وعلى كل فهذا الكلام من واد اٰخر لا تعلق له بجواز التكرار وعدمه **قوله** لكن يشكل عليه ان نحو المسجد المكي والمدني ليس له جماعة معلومون فلا يصدق عليه انه مسجد محلة بل هو كمسجد شارع و قد مر انه لا كراهة في تكرار الجماعة

شرعی جواز نہیں اور یہی عدمِ کراہت کے قائل لوگ اس سال حاضر ہوئے اور انھوں نے انکار کیا ، اور وہ شخص جس نے رعایت میں شک کی صورت میں کراہت کا حکم لگایا ہے یا وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ افضل موافق کی اقتدا ہی ہے جیسے بھی ممکن ہو تو اب اگرچہ رعایت متحقق ہو جائے تو یہ اس کے نزدیک وجہ شرعی کی بنا پر ہوگا اور یہی جمہور کی رائے ہے اور اسی پر عمل ہے لہذا اہلِ حرمین پر کوئی انکار و اعتراض نہیں اور نہ ہی ان کے عمل میں کوئی خلل و نقص ہے اور علامہ سید محشی نے آگے چل کر ملّا علی قاری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ہر مذہب کا امام ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو اقتدا موافق امام کی افضل ہے خواہ وہ جماعت پہلے ہو یا بعد میں، اسے عامۃ المسلمین نے مستحسن جانا اور جمہور مسلمان مثلاً اہلِ حرمین، قدس، مصر و شام کا عمل اسی پر ہے اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے کا کوئی اعتبار نہیں اھ ہر حال میں اس کلام کا تعلق کسی اور معاملے سے ہے اس کا تعلق تکرارِ جماعت کے جواز اور عدمِ جواز سے نہیں۔

قولہ لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ مثلاً مسجد مکی اور مسجد مدنی جن کی جماعت معین و معلوم نہیں تو انہیں مسجدِ محلہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ مسجد شارع کی طرح ہوں گی' اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسجد شارع میں بالاتفاق تکرارِ جماعت میں کراہت نہیں اس

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

فیه اجماعا[1] فلیتامل **اقول** انما نشأ الاشکال من حمله علی مسئلة التکرار وقد علمت انه لم یقصدوها وانما انکروا تعمد التفریق وھو محظور قطعا ولو فی مسجد شارع فالعجب من السید العلامة المحقق المحشی یورد علی مسئلة التکرار مالا ورود له علیها ثم یستشکل ھذا الوارد بما لااشکال به اصلا ولکن لکل جواد کبوة نسأل اللّٰه سبحٰنه عفوه **ثم اقول** واشد العجب من العلامة الشیخ رحمة اللّٰه رحمه اللّٰه تعالٰی حیث قال الاحتیاط فی عدم الاقتداء به" ای بالمخالف ولو مراعیا[2] کما سینقله المحشی عنه ثم قال ھھنا بکراھة ترتیب الجماعة وادعی الاتفاق علی خلاف ما علیه الجمہور ولیت شعری اذا کان ھذا مکروھا وفاقا فکیف یعمل بالاحتیاط الذی اعترفتم به ایجعل الناس کلھم علی مذھب واحد ام یسکن مقلدوا کل امام فی بلدة علیحدة او یجعل لکل منھم مسجد بحیاله ویمنع

میں مزید غور کرنا چاہئے **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ اشکال تب ہے جب اس کو مسئلہ تکرار پر محمول کیا جائے حالانکہ آپ جان چکے وہ ان کے یہاں مقصود نہیں، انہوں نے دانستہ تفریق سے انکار کیا ہے اور وہ یقیناً ممنوع ہے اگرچہ مسجد شارع ہی کیوں نہ ہو تو تعجب ہے علامہ محقق محشی پر کہ انہوں نے اسے مسئلہ تکرار پر محمول کیا حالانکہ اس کا یہ محل نہیں ہے پھر اس حمل پر مبنی ایسا اشکال بنا لیا جس سے کوئی اشکال پیدا ہی نہ ہو سکتا تھا لیکن ہر شاہسوار کے لئے ٹھوکر ہوتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے اس پر ان کے لئے معافی کے طلبگار ہیں **ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) سب سے زیادہ تعجب علامہ شیخ سندی رحمہ اللہ پر کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے مخالف کی اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے اگرچہ وہ رعایت کرتا ہو جیسا کہ محشی عنقریب اس کو ان سے نقل کرے گا، پھر یہاں کہا کہ ترتیب جماعت مکروہ ہے اور جمہور کے موقف کے خلاف اتفاق کا دعوٰی کیا، افسوس صد افسوس اگر یہ عمل بالاتفاق مکروہ ہے تو اس احتیاط پر عمل کیسے ہوگا جس کا تم نے خود اعتراف کیا ہے کیا تمام لوگ ایک مذہب کے ہو جائیں گے یا ہر شہر میں ہر مذہب کے مقلدین الگ الگ آباد ہوں گے، یا ہر مذہب کی الگ الگ مسجد بنائی جائے گی، اور ان

---

[1] رد المحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

[2] " " " " " ۱/۴۱۷

اهل ثلثة مذاهب عن الصلاۃ فی المسجدین الکریمین او تجعل الجماعۃ لمذهب واحد ویؤمر الباقون بالصلاۃ فرادی؛ ثم اقول ویرد مثله علی تقریر العلامۃ خیر الملۃ والدین الرملی رحمه الله تعالٰی لما مر وهو الناقل کما سیأتی حاشیۃ عن العلامۃ الرملی الشافعی انه مشی علی کراهۃ الاقتداء بالمخالف حیث امکنه غیرہ وبه افتی الرملی الکبیر واعتمدہ السبکی والاسنوی وغیرهما قال والحاصل ان عندهم فی ذلك اختلافا وکل ما کان لهم علۃ فی الاقتداء بنا صحۃ و فسادا وافضلیۃ کان لنا مثله علیهم و قد سمعت ما اعتمدہ الرملی و افتی به والفقیر اقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیه المنصف یسلم ذلك ؎

وانا رملی فقه الحنفی
لامراء بعد اتفاق عالمین[1] اھ

فاذا کان الفقه والانصاف هو کراهۃ الاقتداء بالمخالف فکیف ینکر علی ما فعله اهل الحرمین لاجرم رجع العلامۃ

دو مبارک مساجد سے بقیہ تین مذاہب کے لوگوں کو نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے گا یا ایک مذہب والوں کی جماعت ہوگی اور دوسرے لوگوں کو تنہا نماز ادا کرنے کو کہا جائیگا؛ ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) اسی طرح کا اعتراض علامہ خیر الملت و الدین رملی رحمہ اللہ پر بھی وارد ہوتا ہے جیسا کہ گزرا وہی ناقل ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا حاشیہ علامہ رملی شافعی سے ہے کہ جب مخالف کے علاوہ کسی امام کا پانا ممکن ہو تو مخالف کی اقتداء مکروہ ہے اسی پر رملی کبیر نے فتوٰی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا ہے کہا الحاصل ان کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے اور ہر وہ علت جس کی بنا پر ہماری اقتداء ان کے لئے صحیح، فاسد یا افضل ہے ایسا ہی معاملہ ہمارا ان کے ساتھ ہے اور آپ نے وہ سُن ہی لیا ہے جس پر رملی نے اعتماد کیا اور فتوی دیا ہے، میں فقیر انہی کی مثل کہتا ہوں اس مسئلہ میں جہاں حنفی کسی شافعی کی اقتداء کرے انصاف پسند فقیہ اسے تسلیم کرے گا ؎

اور میں فقہ حنفی کا رملی ہوں (رملی شافعی اور رملی حنفی) دونوں عالموں کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

پس جب دانش وانصاف کا فیصلہ مخالف کی اقتداء کا مکروہ ہونا ہے تو اہل حرمین کے عمل پر انکار کیسے کیا جاسکتا ہے یقیناً علامہ خیر الدین رملی نے شرح

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

نفسه فی حاشیتہ علی شرح زاد الفقیر للعلامة الغزی والمتن للامام ابن الھمام الی موافقة الجمھور فقال کما نقلہ فی منحة الخالق علی البحر الرائق[1] بقی الکلام فی الافضل ماھو الاقتداء بہ اوالانفراد لم ار من صرح بہ من علمائنا وظاھر کلامھم الثانی، والذی یظھر ویحسن عندی الاول لان فی الثانی ترك الجماعة حیث لاتحصل الا بہ ولولم یکن بان کان ھناك حنفی یقتدی بہ الافضل الاقتداء بہ الخ فقد اعترف ان الافضل الاقتداء بالحنفی اذا وجد وان کان الشافعی الذی یؤم صالحا عالما تقیا نقیا یراعی الخلاف کما وصفہ فی تلك الحاشیة۔

زاد الفقیر علامہ غزی جس کا متن امام ابن ہمام کا ہے کے حاشیہ میں رجوع کرکے جمہور کے ساتھ موافقت کی اور کہا جیسا کہ اسے منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں نقل کیا ہے، باقی رہا معاملہ اس بات کا کہ مخالف کی اقتدا افضل ہے یا انفراد، تو اس بارے میں ہمارے علماء میں سے کسی کی تصریح میری نظر سے نہیں گزری، بظاہر ان کی عبارات سے دوسری بات (انفراد کا افضل ہونا) ہی سمجھ آتی ہے اور جو میرے نزدیک واضح واحسن ہے وہ پہلی بات (اقتدائے مخالف) ہے کیونکہ دوسری صورت میں ایسی جگہ ترکِ جماعت لازم آئے گا جہاں اس کے بغیر جماعت حاصل نہیں ہوتی اور اگر ایسی صورت نہ ہو مثلاً وہاں کسی حنفی کی اقتداء کی جاسکتی ہے تو اقتدائے حنفی ہی افضل ہوگی الخ تو یہاں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ اگر حنفی امام موجود ہو تو اسی کی اقتداء افضل ہے اگرچہ شافعی امام صالح، متقی، صاحبِ ورع اور اختلافی صورت میں حنفی مذہب کی رعایت کرنے والا موجود ہو جیسا کہ اسی حاشیہ میں اس کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ (ت)

یہ تمام عبارت تعلیقاتِ فقیر علی ردالمحتار کی ہے اور بحمد اللہ تعالٰی اُس سے حق واضح وجلی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق۔ باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶

مسئلہ ۴۸۳ از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ از سید محمد علی مدرس فارسی مدرسہ چارج مسلم اسکول

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ مسجد کے فرش پر محراب کے محاذ میں جماعت ہونا افضل ہے خواہ نمازی کم ہوں خواہ کسی درخت وغیرہ کے ہونے کی وجہ سے نمازیوں کی طبیعت پر بار ہو اور دلیل اس کی یہ ہے کہ شامی کے اندر یہ مضمون ظاہر کرتا ہے کہ محراب میں امام کا کھڑا ہونا افضل ہے اسی پر قیاس کر لیا جائے، عمرو یہ کہتا ہے کہ تمام فرش مسجد کا ایک حکم میں ہے کسی جگہ کے واسطے فضیلت نہیں ہو سکتی، اگر اس قدر نمازی ہوں کہ محراب سے راست وچپ میں جماعت ممکن ہو اور نمازیوں کو بھی وہاں آسائش ہو تو ضرور جماعت کرلی جائے دوسرے یہ کہ ائمۂ مجتہدین کے قیاسات کا اختتام ہوگیا، علمائے حال کا قیاس کیا ہو سکتا ہے جبکہ علمائے حال کی یہ کیفیت ہے کہ لفظ کے لغوی معنی غلطی سے کچھ سے کچھ خیال کرتے ہیں لہٰذا مکلف خدمت ہوں کہ جواب مع دلیل تحریر فرمائیں۔ مکرر یہ کہ زید محراب کے محاذ میں جماعت ہونے کی فضیلت میں کوئی قول منقول پیش نہیں کرتا محض قیاس سے کام لینا چاہتا ہے عمرو قیاس کو رد کرکے منقول دلیل مانگتا ہے۔

الجواب

فی الواقع سنت متوارثہ یہی ہے کہ امام وسط مسجد میں کھڑا ہو اور صف اس طرح ہو کہ امام وسط صف میں رہے محراب کا نشان اسی غرض کے لئے وسط مسجد میں بنایا جاتا ہے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر امام ایک کنارے کی طرف جھکا ہوا کھڑا ہو تو اگر جماعت زائد ہے فی الحال امام وسط صف میں نہ ہوگا اور ارشادِ حدیث توسطوا الامام (امام کو درمیان میں کھڑا کرو۔ ت) کا خلاف ہوگا اور اگر ابھی جماعت قلیل ہے تو آئندہ ایسا ہونے کا اندیشہ ہے لاجرم خود امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص ہے کہ گوشہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کنارۂ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ حدیث کا ارشاد ہے امام کو وسط میں رکھو یہ طاق جسے اب عرف میں محراب کہتے ہیں حادث ہے زمانۂ اقدس و زمانۂ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں نہ تھا محراب حقیقی وہی صدر مقام اس کا مسجد میں قریب حد قبلہ ہے یہ محراب صوری اُس کی علامت ہے جس مسجد کے دو حصے ہوں ایک مسقف دوسرا صحن، جیسا کہ اب اکثر مساجد یوں ہی ہیں وہ دو مسجدیں ہیں مسقف مسجد شتوی ہے یعنی جاڑوں کی مسجد اور صحن مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد، ہر مسجد کے لئے وہ محراب حقیقی موجود ہے، اگرچہ محراب صوری صرف مسجد شتوی میں ہوتی ہے اعتبار اسی محراب حقیقی کا ہے یہاں تک کہ اگر محراب صوری وسط میں نہ ہو یا جانب مسجد بنا دینے سے اب وسط میں نہ رہے تو امام اُس میں نہ کھڑا ہو بلکہ محراب حقیقی میں کہ وسط مسجد ہے، اور جب یہ حکم عام ہے جملہ مساجد کو شامل، اور صحن مسجد بھی ایک مسجد ہے تو وہ بھی یقیناً اس حکم منصوص میں خود داخل ہے نہ کہ یہاں کسی قیاس کی حاجت ہے، صحن مسجد میں جو جگہ

قریب حد قبلہ وسط میں ہے وہ خود محراب حقیقی ہے خواہ محراب صوری کے محاذی ہو یا نہ ہو یا سرے سے اُس مسجد میں محراب صوری نہ بنی ہو اس محراب حقیقی میں امام کا کھڑا ہونا سنّت ہے بشرط جماعت اولٰی، لیکن جماعت ثانیہ کے لئے اسی مقام سے دہنے یا بائیں ہٹ کر امامت کرنا نفی کراہت ہے، معراج الدرایہ شرح ہدایہ میں ہے:

فی مبسوط بکر السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه والاصح ماروی عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه انه قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویة اوفی ناحیة المسجد اوالی ساریة لانه خلاف عمل الامة قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم توسطوا الامام وسدوا الخلل[1]

مبسوط بکر میں ہے امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہو، اگر وہ صف کی کسی جانب میں کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا، اگر مسجد صیفی جانب شتوی میں ہو اور مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی طرف کھڑا ہو تاکہ قوم دونوں اطراف میں برابر ہوجائے، اصح طور پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں امام کے دستونوں کے درمیان یا گوشۂ مسجد یا کنارۂ مسجد یا ستون کی طرف کھڑے ہونے کو مکروہ جانتا ہوں کیونکہ یہ عمل اُمت کے مخالف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، امام کو درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے خلا کو پُر کرو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

المحاریب ما نصبت الا اوسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام[2]

محراب نہیں بنائے جاتے مگر درمیان مسجد میں اور وہ مقامِ امام کو متعین کرتے ہیں۔ (ت)

واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸۴: از کان پور نئی سڑک مسئولہ حاجی فہیم بخش صاحب عرف چھُٹن ۱۳ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید اور عمرو کے بارے میں، دونوں حنفیت کا دعوٰی کرتے ہیں اور ترجمہ حدیث یزید بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب من صلی الصلاۃ مرتین (جس نے نماز دو بار پڑھی۔ ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

[2] " " " " " " "

میں ہے حسب ذیل کرتے ہیں زید آخری حصہ حدیث،

اذاجئت الصلوٰۃ فوجدت الناس فصل معھم وان کنت قد صلیت تکن لك نافلۃ وھذہ مکتوبۃ۔

جب تُو نماز کے لئے آیا تو لوگوں کو نماز ادا کرتے پایا تو ان کے ساتھ نماز میں شامل ہوجا اگر تو نماز پڑھ چکا تھا تو وہ نفلی ہوگی اور یہ فرضی ہوگی (ت)

کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ پہلی نماز جو گھر میں پڑھی گئی ہو نفل ہوگی اور جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے وہ فرض ہوجائے گی دلیل یہ ہے:

وان کنت قد صلیت تکن لك نافلۃ میں ان شرطیہ ہے اور تکن جزا ہے ان وصلیہ اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ وصلیہ آخر کلام میں آیا کرتا ہے اُس کے بعد مستقل جملہ اور کلام مستانف ہوا کرتا ہے یہاں ایسا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ زید کا یہ ترجمہ مذہب حنفی کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، عمرو آخری حصہ حدیث مندرجہ بالا کا ترجمہ یُوں کرتا ہے کہ گھر والی نماز جو پہلے پڑھی ہے وہ فرض ہوگی اور جو بعد میں جماعت سے پڑھی ہے وہ نفل ہوگی اس وجہ سے کہ اِن وصلیہ ہے، دلیل یہ ہے کہ وان کنت قد صلیت میں اوّل واوٗ داخل ہے دوسرے کنت موجود ہے جو ماضی کے لئے مخصوص ہے اور قد تحقیق ماضی کیلئے نیز ھٰذہ اسم اشارہ قریب ذکری کے لئے ہے پس قد صلیت سے جو صلٰوۃ مدلول ہے وہ مشارٌ الیہ ہے اور یہ پہلی ہی ہوگی وہی فرض ہوگی اور جو صلٰوۃ فصل معھم سے مدلول وہ بعید ذکراً ہے وہ مشارٌ الیہ نہیں اگر خود کنت ماضی کو شرط بنایا جائے تو تکن جزا مرتب کن مخاطب نہیں ہے نیز فصل معھم امر بھی جواب کو چاہتا ہے اور شرط بھی جزا کو علی سبیل التسلیم تب بھی تکن لك نافلۃ جواب امر کا ہے جزا نہیں بوجہ مقدم ہونے امر کے جیسے جملہ قسمیہ جب مقدم ہو شرط پر تو جزا نہیں ہوتی بلکہ جواب قسم سے استغنا ہوجاتا ہے ان دونوں قائلوں میں کون سا قائل راستی پر ہے نیز اوپر بیان کی ہوئی دلیلیں قابل قبول ہیں یا نہیں؟ زید و عمرو کی دلیلوں میں سے کس کی دلیلیں زیادہ صحت کے ساتھ مانی جاسکتی ہیں اور قبول کی جاسکتی ہیں؟ دیگر جو نماز رکوع وسجود والی علاوہ مجرد عصر و مغرب جماعت سے پڑھی یا پڑھائی ہو عام ہے کہ نمازِ عید و جمعہ ہی کیوں نہ ہو دوبارہ جماعت ملنے پر نفلاً تکرارِ نماز کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اوپر بیان کی ہُوئی حدیث سے تکرار نماز پر اس طور سے کہ پہلے پڑھی ہوئی نماز فرض یا واجب اقتدا یا امامت کرکے دوسری جماعت دُوسرے روز ملنے پر تکرار نماز کرسکتا ہے اور وہ نفل ہوگی استدلال لایا جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب

زید کا قول غلط اور دلیل باطل۔

اولاً ان وصلیہ کا آخر کلام ہی میں آنا اور اس کے بعد جملہ اور وہ بھی کلام مستانف ہی ہونا

ل سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

سب باطل و بے اصل ہے وُہ کلام واحد کے وسط اجزا میں آتا ہے جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔

قولہ تعالٰی وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین[1]

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگرچہ آپ (ایمان پر) حریص ہیں مگر اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے (ت)

رضی میں ہے:

قد تدخل الواو علی ان المدلول علی جوابھا بما تقدم ولا تدخل الا اذا کان ضد الشرط اولی بذلك المقدم والظاھر ان الواو فی مثلہ اعتراضیۃ ونعنی بالجملۃ الاعتراضیۃ ما یتوسط بین اجزاء الکلام متعلقا بمعنی مستانفا لفظا کقولہ ع:

یری کل من فیھا وحاشاك فانیا

وقد یجیئ بعد تمام الکلام کقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "انا سید ولد اٰدم ولا فخر" فتقول فی الاول زید وان کان غنیا بخیل وفی الثانی زید بخیل وان کان غنیا والاعتراضیۃ تفصل بین ای جزئین من الکلام کانا بلا تفصیل اذا لم یکن احدھما حرفا اھ[2] مختصرا

کبھی واؤ اس لئے آتا ہے کہ اس جواب کا مدلول سابق ہے اور یہ وہیں ہوگا جہاں ضدِ شرط اس مقدم کے زیادہ مناسب ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسے مقام پر واؤ اعتراضی ہوتی ہے اور جملہ معترضہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ اجزائے کلام کے درمیان ایسے کلمات آجائیں جو معنی ومفہوم کے اعتبار سے اس سے متعلق ہوں اور لفظاً اس سے جُدا ہوں جیسے شاعر کا یہ مصرعہ ہے:

وہ دنیا میں ہر چیز کو فانی جانتا ہے
اور تو محفوظ رہے۔

بعض اوقات تمام کلام کے بعد واؤ آتی ہے، مثلاً حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں۔ پہلے کی مثال "زید وان کان غنیا بخیل" اور دوسرے کی مثال "زید بخیل وان کان غنیا" ہے، جملہ معترضہ بلا تفصیل کسی بھی کلام کے دو جزوں میں فصل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ دونوں میں سے کوئی جزء حرف نہ ہو اھ مختصراً (ت)

---

[1] القرآن ۱۲/۱۰۳

[2] شرح رضی مع الکافیۃ بیان المضارع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸-۲۵۷

لاجرم صحیحین میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنۃ وان زنی وان سرق وان زنی وان سرق وان زنی و ان سرق علی رغم انف ابی ذر[1]

جس بندے نے بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا پھر اسی پر فوت ہوا وُہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ اس نے زنا وچوری کی، اگرچہ اس نے زنا و چوری کی، اگرچہ اس نے زنا وچوری کی۔ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ (ت)

ثانیاً حدیث کی بہتر تفسیر حدیث ہے امام مالک واحمد ونسائی نے محجن بن ادرع دیلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جئت المسجد وکنت قد صلیت فاقیمت الصلٰوۃ فصل مع الناس و ان کنت قد صلیت[2]

جب تو مسجد میں آئے اور نماز پڑھ چکا تھا اور جماعت کھڑی ہوئی تو تُو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تُو نماز پڑھ چکا تھا۔ (ت)

یہاں یقیناً وصلیہ ہے، مرقاۃ میں ہے:

(فصل) ای نافلۃ لا قضاء ولا اعادۃ (مع الناس وان) وصلیۃ ای ولو (کنت قد صلیت)[3]۔

(تو نماز پڑھ) یعنی نفل نماز نہ قضاء اور نہ اعادہ (لوگوں کے ساتھ اگرچہ) "ان" وصلیہ ہے یعنی اگرچہ (تُو نماز پڑھ چکا تھا)۔ (ت)

ثالثاً صرف "ان" کا وصلیہ یا شرطیہ ہونا یہاں احد المعنیین کی تعیین نہیں کرتا تو اس میں بحث فضول اور اس سے استناد نامقبول مدار ضمیر تکن کے مرجع اور ھذہ کے مشار الیہ پر ہے اگر ضمیر ثانیہ کے لئے ہے اور اشارہ اولٰی کی طرف کہ وہی اقرب ذکراً ہے کما قالہ عمرو (جیسا کہ عمرو نے کہا۔ت) تو اولٰی فرض اور ثانیہ نفل ہوگی اگرچہ "اِن" شرطیہ ہو اور عکس ہے تو عکس اگرچہ "اِن" وصلیہ ہو وھذا ظاھر

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الثیاب البیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۶۷

[2] موطا امام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام " میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۳۴

سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ " مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۹

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلٰوۃ مرتین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۰۶

جدا (اور یہ بہت واضح ہے۔ ت)۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

(وان کنت قد صلیت) واگرچہ ہستی تو کہ بتحقیق نماز گزاردہ (تکن لك نافلۃ) باشد نمازیکہ دوم بار میکنی بامردم نفل مرترا (وھذہ مکتوبۃ) وباشد ایں نماز کہ نخست گزاردہ فرض وایں معنی موافق است بظاہر احادیث کہ دلالت دارد بر بودن نماز دوم نفل از جہت سقوط ذمہ باداے اولی۔[1]

(وان کنت قد صلیت) اگرچہ تُونے نماز ادا کرلی ہو (تکن لك نافلۃ) دوسری دفعہ لوگوں کے ساتھ جو تو نے نماز پڑھی وہ تیری نفل نماز ہوگی (وھذہ مکتوبۃ) اور جو تو نے پہلے پڑھی وہ فرض نماز ہوگی اور یہ معنی ومفہوم ان ظاہر احادیث کے موافق ہے جو اس بات پر دال ہے کہ دوسری نماز نفل ہوگی کیونکہ فرضی نماز پہلی نماز ادا کرنے سے ساقط ہوگئی۔ (ت)

پھر طیبی شافعی سے دوسرے معنے نقل کئے، دیکھو اِنْ شرطیہ لیا اور نماز دوم کو نافلہ قرار دیا، مرقاۃ میں ہے:

(فصل معھم وان کنت قد صلیت لیحصل لك ثواب الجماعۃ وزیادۃ النافلۃ (تکن) ای صلاتك الاولی (لك نافلۃ وھذہ) ای التی صلیتھا الأن قیل ویحتمل العکس (مکتوبۃ)[2]

(لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو) تاکہ تجھے جماعت کا ثواب اور نوافل میں اضافہ حاصل ہوجائے؛ یعنی تیری پہلی نماز (تیرے لئے نفل اور یہ) یعنی وہ نماز جو تو نے ابھی پڑھی، بعض محدثین نے فرمایا کہ معاملہ میں اس کے عکس کا احتمال ہے (تیرے لئے فرض)۔ (ت)

شرح میں وان کنت قد صلیت کے بعد لیحصل لك الخ لانے سے ظاہر ہے کہ ان وصلیہ لیا ورنہ شرط وجزا کے بیچ میں اس کے لانے کا کوئی محل نہ تھا فصل معھم کے بعد لکھتے اور نماز دوم کو فریضہ بتایا

اقول ولایبعد ان یکون القدح فی ذھنہ اولا ما ھو الاوفق بالاحادیث والالصق بالقواعد فجعل ان وصلیۃ ویؤیدہ

اقول ممکن ہے ان کے ذہن میں پہلے ہی وہ کھٹکا موجود ہو جو احادیث وقواعد کے موافق ہے تو انھوں نے اِنْ کو وصلیہ بنایا اس کی تائید ان کا

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلوٰۃ مرتین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۹۵ ۔ ۴
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ " " " " " " " " مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۷۰۱

قولہ وزیادۃ النافلۃ وان امکن تاویلہ بان المراد بالنافلۃ ھی الاولی و ترتبیھا علی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل معھم مع وقوعھا سابقا باعتبار وصف نافلیۃ فانہ انما یظھر بصلاتہ معھم فافھم ثم اذا اتی علی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکن حاد النظر الی حاشیۃ الطیبی فنقل ما فیھا واللہ تعالٰی اعلم۔

قول "وزیادۃ النافلۃ" کررہا ہے اگرچہ اس کی تاویل یُوں بھی ممکن ہے کہ نافلہ سے مراد پہلی نماز ہے اور انھوں نے حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی فصل معھم (ان کے ساتھ نماز پڑھ) پر اسے مرتب کیا ہو اگرچہ اس کا وقوع باعتبار وصفِ نفل کے سابق ہے کیونکہ اس نفل نماز کا ظہور جماعت کے ساتھ ہوگا اسے یاد رکھو، پھر جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی تکن پر آئے تو نظر حاشیہ طیبی کی طرف گئی تو جو کچھ وہاں تھا اسے نقل کردیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عمرو کا قول صحیح اور دلائل زائل اوّلاً ہم بیان کرچکے کہ اِن کا وصلیہ ہونا کچھ مفید نہ شرطیہ ہونا مضر۔

ثانیاً دخول واوِ وصلیہ ہونے پر کیا دلیل شرطیہ پر بھی عاطفہ آتا ہے۔

ثالثاً کنت اور قد بھی منافی شرطیہ نہیں قد کا دخول تو فعل شرط پر ممنوع ہے فعلی ھذا لا تقول ان قد فعلت وان قد تفعل[1] اھ "رضی"

یہاں فعل شرط کنت ہے جسے ابقائے معنی ماضی ہی کے لئے شرط کرتے ہیں

کقولہ تعالٰی عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام ان کنت قلتہ فقد علمتہ[2] وقولہ تعالٰی عن شاھد یوسف علیہ الصلاۃ والسلام وان کان قمیصہ قد من دبر[3]۔

جس طرح اللہ تعالٰی نے اپنے بندے حضرت عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ قول ذکر کیا "اگر میں نے یہ کہا ہے تو تو جانتا ہے" اللہ تعالٰی نے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے گواہ کے حوالے سے فرمایا اگر ان کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے (ت)

یعنی وہ فعل ماضی جسے شرط کرنا اور معنی ماضی پر باقی رکھنا منظور ہو، اگر اس پر ان داخل کرتے مستقبل کر دیتا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۲
[2] القرآن ۵/۱۱۶
[3] القرآن ۱۲/۲۷

لہذا اسے خبر کان اور کان کو شرط کرتے ہیں اب وہ فعل اپنے معنی ماضی پر باقی رہتا ہے، رضی میں ہے:

اعلم ان یکون شرطها فی الاغلب مستقبل المعنی فان اردت معنی الماضی جعلت الشرط لفظ کان کقولہ تعالٰی ان کنت قلتہ، وان کان قمیصہ وانما اختص ذٰلک بکان لان الفائدۃ التی تستفاد منہ فی الکلام الذی ھو فیہ الزمن الماضی فقط ومع النص علی المضی لایمکن استفادۃ الاستقبال۔[1]

پھر جان لے کہ (اِن) کے لئے اغلب طور پر یہ شرط ہے کہ وہ معنی کے اعتبار سے مستقبل پر دلالت کرتا ہے اگر تو معنی ماضی کا ارادہ کرے تو تو لفظ کان کو شرط کردے جیسے فرمانِ الٰہی ہے "ان کنت قلتہ وان کان قمیصہ" اسے کان کے ساتھ اس لئے مختص کیا ہے کہ وہ فائدہ جو اس میں مقصود ہے وہ فقط ماضی والی کلام کا حاصل ہے اور ماضی پر نص کے باوجود استقبال کا استفادہ ممکن نہیں رہتا۔ (ت)

اور جب وہ فعل معنی ماضی پر بحالہ ہے تو ماضی کے لئے قد کا آنا کیا محال ہے۔

رابعًا نماز اول اگر قریب ذکراً ہے دوم قریب وقوعاً ہے اور شک نہیں کہ جدید متاخر الوقوع قدیم متاخر الذکر سے اقرب ہے۔

خامسًا ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قد صلیت متصل ہے تو ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قد صلیت متصل ہے تو ضمیر صلاۃ سابقہ کی طرف اور اس کا تقاضا اقتضائے ھذہ سے پہلے ہولیا۔

سادسًا شرط بلاشبہہ کنت ہے مگر معنی سببیت کہ شرط میں نفس فعل شرط میں نہیں ہوتے بلکہ مع جمیع متعلقات ان تلوتم یٰسٓ فی بیتی عند رأسی ثلاث لیال مستقبلی القبلۃ متوضئین فانتم احرار (اگر تم میرے گھر میں، میرے سر کے قریب تین راتیں باوضو قبلہ رُو ہو کر یٰسٓ پڑھو تو تم آزاد ہو۔ت) ان ساتوں قیود کے جمع ہونے سے آزاد ہوں گے مجرد تلاوت سے نہیں ہوتے خصوصاً کان جس کی دلالت حدث مطلق و زمانہ ماضی کے سوا کسی چیز پر نہیں کما قد منا انفا عن الرضی (جیسا کہ ہم نے رضی کے حوالے سے ابھی ذکر کیا۔ت) تو سبب کَونِ مخاطب نہیں بلکہ کونہ قد صلی یعنی تقدم ایقاع صلاۃ کہ اُس کا نافلہ ہونا اُس کے وقوع پر موقوف۔

سابعًا امر کے لئے جواب لاسکتے ہیں نہ یہ کہ امر طالب جواب ہے بخلاف قسم تو نا مستدعی جواب کا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۳

تقدمِ شرط مستدعی جزا کے اقتضا پر مرجح نہیں ہوسکتا۔

ثامناً اگر تکن جواب امر ہی ہو تو یہ بھی تعیین احد المعنیین سے عاری ہے جزائے ان کنت نہ سہی اُس سے پہلے قد صلیت کلام میں تو واقع ہے رجوع ضمیر کو اتنا ہی درکار ہے۔

بالجملہ دلائل طرفین کچھ نہیں ہمیں اس تمام بیان کی حاجت نہ تھی اگر سوال میں نہ ہوتا کہ کس کی دلیلیں قبول کی جاسکتی ہیں اور طریق صحیح یہ ہے کہ

اولاً کلام اس میں ہے کہ پہلے فرض بہ نیت فرض وقت میں باستجماع شرائط ادا کرچکا ہو ورنہ بداہۃً پہلی نماز نماز ہی نہ تھی یا کوئی نفل تھی اگر دوسری میں شامل نہ ہوتا جب بھی وہ نفل یا باطل ہی رہتی اور جب صورت یہ ہے تو قطعاً اس وقت پڑھنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا اب نہ وہ وقت میں عود کرسکتا ہے نہ وقت میں دو فرض ہوسکتے ہیں تو یقیناً یہ دُوسری نہ ہوگی مگر نفل۔ ہاں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ برکت و ثواب جماعت میں حصّہ ملے گا۔

كما فی حدیث مالك وابی داؤد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فذلك له سهم جمع[1]

جیسا کہ امام مالک اور ابوداؤد نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے لئے جماعت کے ثواب کا حصّہ ہے (ت)

واقول ثانیاً اگر ثانی فرض ہو تو طلب جماعت فرض ہو حالانکہ اس حکم کو حدیث نے مصلی کے آنے پر محمول فرمایا ہے کہ

اذا جئت الی الصلاة فوجدت الناس فصل معهم وان کنت قد صلیت[2]۔

جب تو نماز کے لئے اور لوگوں کو نماز میں پائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تُو نماز پڑھ چکا ہو (ت)

یہ نہیں فرمایا:

اذا صلیت فی رحلك افترض علیك ان تأتی الجماعة فتصلی معهم۔

جب تُو نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تو تجھ پر فرض ہے کہ تُو جماعت کی طرف آئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵
موطا الامام مالک اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام 〃 میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۶

[2] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ 〃 آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

ابوداؤد و ترمذی ونسائی کی حدیث میں یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھا لکما نافلۃ۔[1]

جب تم دونوں اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرچکو پھر تم مسجد کی طرف آؤ تو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھو کہ (جماعت والی نماز) تمہارے لئے نفل ہوگی (ت)

بلکہ حدیث میں تخییر کی تصریح ہے کہ جی میں آئے تو شامل ہوجاؤ، سنن ابی داؤد میں عبادہ ابن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال سیکون علیکم بعدی امراء تشتغلھم اشیاء عن الصلوۃ لوقتھا حتی یذھب وقتھا فصلوا الصلوۃ لوقتھا فقال رجل یارسول اللہ اصلی معھم قال نعم ان شئت۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد تم پر ایسے امراء آئیں گے جنہیں بعض اشیاء کی مشغولیت نماز بروقت سے غافل رکھے گی یہاں تک کہ وقت چلا جائے گا، تو تم نماز بروقت ادا کرو، ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان کے ساتھ نماز پڑھوں؟ فرمایا: ہاں اگر تو چاہے تو پڑھ۔ (ت)

فرض میں اختیار کیسا!

اقول والمراد بالوقت المستحب ای یؤخرون الی وقت الکراھۃ اذھو المعھود من اولئك الامراء لا ان یصلوا العصر جماعۃ بعد الغروب والعشاء بعد الطلوع۔

میں کہتا ہوں یہاں وقت سے مراد وقت مستحب ہے یعنی وہ مکروہ وقت تک نماز کو مؤخر کرینگے یہی بات ان امراء سے معروف ہے یہ نہیں کہ وہ نمازِ عصر کی جماعت غروب کے بعد اور نمازِ عشاء کی جماعت طلوع کے بعد کرینگے (ت)

---

[1] سنن النسائی اعادۃ الفجر مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۹
جامع الترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ الخ " امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰
[2] سنن ابوداؤد باب اذا اخر الامام الصلوۃ عن الوقت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۲

وثالثاً دارقطنی بسند صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیت فی اهلك ثم ادركت فصلها الا الفجر والمغرب[1]۔

جب تُو نے اپنے اہل میں نماز ادا کرلی پھر تُو نے جماعت کو پالیا تو اسے دوبارہ پڑھ سوائے فجر و مغرب کے۔ (ت)

فجر و مغرب کا استثنا اسی بنا پر ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری نفل ہوکر نہ فجر میں تنفل ہے نہ نفل میں ایتار، اگر یہ فرض ہوتی تو فجر و مغرب میں ادائے فرض سے کون مانع ہے۔

ورابعاً حدیث بتارہی ہے کہ ان میں ایک کا نفل ہونا اس کے شریک جماعت ہونے پر مرتب ہے "تکن" اگر جواب امر ہے جب تو ظاہر اور جزائے ان کنت قد صلیت ہے جب بھی مطلب یہی ہے یہ ہرگز مراد نہیں کہ جس وقت فرض پہلے پڑھے تھے اُسی وقت وہ نفل ہوئے تھے چاہے بعد کو جماعت ملتی یا نہیں، شریک ہوتا یا نہیں، اور جب ترتب نفلیت شرکت پر ہے اب اگر اس ایک سے نماز دوم مراد لو تو بے تکلف مستقیم ہے کہ یہ نفل اُسے شرکت ہی سے ملیں گے، اور اگر اول مراد لو تو معنی یہ ہوں گے کہ اب تک اُس سے فرض ادا ہوتے تھے اس جماعت کی شرکت ان فرضوں کو نفل کی طرف منقلب کردے گی اور یہ کہ حتماً مطلوب نہ تھی فرض واقع ہوگی، ان دونوں باتوں کے لئے شرع میں نظیر نہیں۔

وخامساً مسند احمد و صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم كيف اذا كانت عليك امراء يميتون الصلاة اوقال يؤخرون الصلاة عن وقتها قال قلت فما تأمرنی قال صل الصلوٰة لوقتها فانها لك نافلة[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تم پر ایسے امرا مسلط ہوں گے جو نماز کو فوت کریں گے، یا فرمایا: وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرینگے۔ کہا میں نے عرض کیا، حضور! آپ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم نماز اپنے وقت پر پڑھو، پھر اگر ان کے ساتھ جماعت پالے تو نماز پڑھ لے کہ یہ تیرے لئے نفل ہوجائیگی (ت)

---

[1] المصنف لعبد الرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ ثم یدرک الجماعۃ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۲
کنز العمال اعادۃ الصلوٰۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/ ۲۶۲

[2] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۰

اس میں ضمیر انہا صاف نماز ثانی کی طرف راجع ہے اولی کی طرف ارجاع بعید عن الفہم ہونے کے علاوہ ارشاد اقدس صل الصلٰوۃ لوقتہا (نماز کو اس کے وقت پر پڑھو ۔ ت) کے منافی ہے کہ پہلی کو اس کے وقت میں پڑھ کر اوقات فرائض کے لئے ہیں نہ کہ نفل کے واسطے۔

وسادسًا حدیث مذکور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسند احمد رحمہ اللہ تعالٰی میں یوں ہے کہ فرمایا: واجعلوا صلاتکم معھم تطوعًا[1] (تم اپنی نماز کو ان کے ساتھ نفل بنالو ۔ ت) اس میں صاف تصریح ہے کہ یہ دوسری نفل ہوگی۔

سابعًا اگر یہی مانا جائے کہ نافلہ پہلی اور مکتوبہ دوسری کو فرمایا تو فقیر کے ذہن میں یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے ظاہر ہے کہ نماز تنہا ناقص اور جماعت میں کامل ہے، جس نے فرض اکیلے پڑھ لئے پھر نادم ہو کر جماعت میں ملا تو قضیۂ اصل وحکم عدل یہ ہے کہ اس کے فرض ناقص اور نفل کامل ہوئے مگر اس کی ندامت اور جماعت کی برکت نے یہ کیا کہ سرکار فضل نے اس کامل کو اس کی فہرست فرائض میں داخل فرمالیا اور ناقص کو نفل کی طرف پھیر دیا تو یہ نفل کامل فرض لکھے گئے اور وہ فرض ناقص نفل میں محسوب ہوئے کہ کمال فرض کا جمال فضل پائے اور یہ اس کی رحمت سے بعید نہیں جو فرماتا ہے:

اولٰئك یبدل اللہ سیاٰتھم حسنٰت[2]۔ اللہ تعالٰی لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے (ت)

جب اس کا کرم گناہوں کو نیکیوں سے بدل لیتا ہے نفل کو فرض میں گن لینا کیا دشوار ہے۔ اب حاصل یہ رہا کہ ہے تو پہلی ہی فرض اور دوسری نفل مگر رحمت الٰہی اس نفل کو فرض میں شمار فرمائے گی اسی طرف مشیر ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ارشاد جب ان سے پوچھا گیا میں ان دونوں میں کس کو اپنی نماز یعنی فرض تصور کروں؟ فرمایا:

وذلك الیك انما ذلك الی اللہ عزوجل یجعل ایتھما شاء[3]۔ رواہ الامام مالك ھذا ما عندی، والعلم بالحق

یہ کیا تیرے ہاتھ ہے، یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، ان میں جسے چاہے (فرض) شمار فرمائے گا۔ اسے امام مالک نے روایت کیا، یہ میری تحقیق ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ابن امراۃ عبادہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۷

[2] القرآن ۲۵/ ۷۰

[3] مؤطا امام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۶

عند ربی۔ حق کا علم میرے رب کے ہاں ہے (ت)

ظہر وجمعہ وعشا نفلاً دوبارہ پڑھ سکتا ہے نمازِ عید کے ساتھ تنفل شرع سے ثابت نہیں۔ حدیث دوسرے روز ملنے پر کسی طرح دلیل نہیں کہ وہ اُس صورت میں ہے کہ یہ نماز تنہا پڑھ چکا اب اُس کی جماعت قائم ہوئی، حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا:

کنت قد صلیت فاقیمت الصلٰوۃ۔[1] تُونے نماز پڑھ لی پھر نماز کے لئے تکبیر کہی گئی (ت)

حدیث ابوایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

یصلی احدنا فی منزلہ الصلاۃ ثم یاتی المسجد فتقام الصلاۃ۔[2] جب کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے پھر مسجد کی طرف آتا ہے پھر نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے (ت)

حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا: فان ادرکتھا معھم[3] (پس اگر تُو ان کے ساتھ نماز کو پالے۔ ت) سنن ابی داؤد میں حدیث یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک لفظ یہ ہیں:

اذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الصلٰوۃ مع الامام فلیصلہا معہ فانہا لہ نافلۃ۔[4] جب کسی نے گھر پر نماز پڑھ لی پھر امام کے ساتھ نماز پالی تو اس کے ساتھ بھی نماز پڑھے کہ یہ اس کے لئے نفل ہوجائے گی (ت)

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تھا اذا صلیت فی اھلک ثم ادرکت[5] (جب تُونے اپنے اہل میں نماز پڑھ لی پھر تُونے جماعت کو پایا۔ ت) حدیث اخیر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے: اصلی فی بیتی ثم ادرک الصلاۃ فی المسجد مع الامام[6] (میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں پھر میں امام

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵
سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۹
مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مجتبائی دہلی ص ۱۰۳

[2] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[3] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلٰوۃ عن وقتہا الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۰

[4] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[5] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۲

[6] مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

کے ساتھ مسجد میں نماز کو پالیتا ہُوں ۔ ت) دوسرے روز اس نماز کی جماعت نہیں ہوسکتی آج کی ظہر، ظہر دیروزہ کی غیر ہے ولہذا امام ومقتدی کا قضا وادا میں اختلاف مبطل اقتدا ہے اور دوسرے دن اگر لوگ کل کی قضا بجماعت پڑھتے ہوں تو اسے اور اک نہ کہیں گے اور واجب ہے تو اسے علاقہ ہی نہیں کہ وہ یا وتر ہے یا نماز عیدین اول میں تنفل گناہ اور ثانی میں شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۸۵ تا ۸۹۰ از کانپور محلہ بوچڑ خانہ مولوی نثار احمد صاحب ۲۰ صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حامدا و مصلیا و مسلما (اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں صلاۃ وسلام عرض کرتے ہوئے ۔ ت) ۔ حضرات علمائے کرام ادام اللہ بقاءہم علٰی رؤس المسلمین وحماہم ۔ ان چند سوالوں کا جواب مرحمت فرمائیں :

(۱) یہ کہ اختلاف علماء ہو یوم النحر میں، تو قربانی کو احتیاطاً ایک روز مؤخر کرانے والا اختلافِ علماء سے بچنے کے لئے مجرم ہے یا نہیں ۔

(۲) سہ شنبہ ۱۰ ذی الحجہ کو عید الاضحٰی کی نماز واجب کی نیت سے پڑھانے والا امامت سے بوجہ ثبوت شرعی ماننے کے اور چہار شنبہ کو اُس جگہ حاضر ہو کر جہاں عید الاضحٰی بوجہ ثبوت کامل نہ ہونے کے عید سہ شنبہ کو نہیں ہوئی تھی بلکہ آج چہار شنبہ کو عید الاضحٰی تھی اور جماعت میں شریک ہو گیا نفل نیت سے مجرم ہُوا یا نہیں ۔

(۳) سہ شنبہ کو امامت و خطبہ کے بعد احتیاطی جملہ کا تلفظ اور دوسرے روز اُسی کا جماعت میں بہ نیت نفل شریک ہونا لوگوں کو شبہہ دلاتا ہے کہ اس نے اپنی نماز دُہرالی اور ہم لوگوں کی نمازیں خوب خراب کیں مگر امام کو دوشنبہ کو اعلان وقت نماز کے یقین تھا عید کا، اور راضی تھا، اور خود سہ شنبہ کو وہ ایک اعلان دینے پر راضی تھا کہ میں نے ثبوت کو یقین جان کر بہ نیت واجب پڑھی اور امام ہو کر اقرار کرتا ہے اصرار سے کہ واجب یقینی جان کر پڑھائی اور احتیاطی جملہ میں بھی یہ عرض کیا کہ دینی بھائیو ! آج عید ہے اور اکثر جگہ ہے، نماز بھی عید کی پڑھی گئی مگر قربانی کل کرنے میں احتیاط ہے ۔ ایسی اختلافی حالت میں کس کے قول کو مانا جائے امام کے قول کو یا مقتدیوں کے ۔

(۴) پڑھی ہُوئی نماز نفل کی نیت سے پھر پڑھنا حنفیوں کے نزدیک حدیث یزید ابن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ جو باب " من صلی الصلاۃ مرتین " میں ہے، سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں ۔

(۵) اس حدیث میں وان کنت قد صلیت (اگرچہ تُو نے نماز پڑھ لی ہو ۔ ت) میں ان وصلیہ ہے یا شرطیہ، اولٰی وصلیہ ہوتا ہے یا شرطیہ ۔

(۶) آیہ کریمہ ومن تطوع خیرا فھو خیرلہ (اور جو کوئی اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کیلئے بہتر ہے۔ ت) اور من تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم (جو کوئی اپنی طرف سے اچھائی کرے تو اللہ تعالٰی نیکی کا صلہ دینے والا اور جاننے والا ہے۔ ت) کہ عبادات مالیہ اور بدنیہ جس میں نفلی نماز بھی داخل ہے کوئی ثابت کرے تو استدلال درست ہے یا نہیں اور معطوف علیہ نہ ہونے کی وجہ سے تحریر میں بغیر واؤ کے لکھنے والا اور آیہ ثانیہ میں بغیر ف ترتیبیہ کے لکھنے والا غلطی کرنے والا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب

(۱) محل اختلاف علماء میں مراعات خلاف جہاں تک ارتکاب مکروہ کو مستلزم نہ ہو بالاجماع مستحب ہے مستحب جرم نہیں ہوتا بلکہ اسے جرم کہنا جرم ہے، درمختار میں ہے:

یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم ارتکاب مکروہ مذھبہ[1]۔

اختلاف سے نکلنا مستحب ہے خصوصاً امام کے لئے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب میں مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے (ت)

(۲) جبکہ اس نے ثبوت شرعی پایا اور روز سہ شنبہ کو روز عید جان کر بہ نیت واجب نماز عید ادا کی اور دوسرے جن کو ثبوت نہ پہنچنے کے باعث اُن پر شرعاً آج عید واجب تھی اُن کی جماعت جماعت روزِ اول تھی اور سہ شنبہ کے دن پڑھنے والے کے نزدیک اگرچہ جماعت روزِ دوم تھی مگر امام صالح امامت عید اور اُس کے مقتدیوں نے کل ادا نہ کی تھی اور یہاں تاخیر بالعذر بالاجماع بلاکراہت جائز ہے اور عدم تحقیق ثبوت عندہم سے بڑھ کر اور کیا عذر ہوسکتا ہے بہرحال یہ نماز امام وقوم اور اس کل پڑھنے والے سب کے نزدیک جماعت واجبہ تھی تو اس کا بہ نیت نفل اُس میں مل جانا ہرگز جرم نہیں ہوسکتا جرم نہیں مگر مخالفت امر اللہ یہاں کون سے امر اللہ کا خلاف ہوا ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون[2] (کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جسے تم نہیں جانتے۔ ت) ہاں اگر ایک دن نماز عید ہوکر دوسرے دن مطلقاً ناجائز ہوتی حتی کہ اس امام صالح امامت عید وقوم کو بھی جس نے کل بعذر نہ پڑھی تو البتہ اسے شریک ہونا جرم ہوتا اگرچہ اُن پر جرم کیسا، وہ اپنا ادائے واجب کررہے تھے کہ اُن کو کل کا ثبوت نہ پہنچا تھا مگر اس کے اعتقاد میں تو عید کل ہوچکی تھی آج

---

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷

[2] القرآن ۲/۸۰

دوسرا دن تھا جس میں نماز ناجائز تھی تو یہ اپنے اعتقاد کی رُو سے ایک ناجائز فعل میں شرکت کرتا اور مجرم ہوتا فان المرء مواخذ بزعمہ (ہر آدمی کا مواخذہ اس کے زعم و اعتقاد پر ہوگا۔ ت) مگر ایسا ہرگز نہیں بلکہ قطعاً جواز ہے کما نصوا علیہ قاطبۃ (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) تو ایک جماعت جنازہ میں متنفلاً شریک ہونا کس نے منع کیا نمازِ عید نمازِ جنازہ نہیں جس سے تنفل میں شرعاً عدمِ جواز کا حکم ثابت ہے، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

لایصلی علی میت الامرۃ واحدۃ لاجماعۃ ولاوحدانا عندنا لنا ماروی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فلما فرغ جاء عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ومعہ قوم فارادان یصلی ثانیا فقال لہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ علی الجنازۃ لاتعاد ولکن ادع للمیّت واستغفر لہ وھذا نص فی الباب (الٰی قولہ) دلیل علی عدم جواز التکرار[1]

ہمارے نزدیک میت پر فقط ایک دفعہ نماز ادا کی جائے گی دوبارہ نہیں، نہ تنہا نہ جماعت کے ساتھ، کیونکہ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا، جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ آئے اور انھوں نے دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازہ کی نماز لوٹائی نہیں جاسکتی البتہ میت کے لئے دعا اور استغفار کرو، یہ اس باب میں نص ہے (یہاں تک) یہ تکرار کے عدمِ جواز پر دلیل ہے۔ (ت)

صلاۃِ عید میں نہی کہاں، ہاں ثبوت بھی نہیں، پھر عدمِ ثبوت کو ثبوتِ عدم سے کیا علاقہ وھذا بحث لقد فرغنا عنہ فی الرد علی الوھابیۃ مرارًا (یہ وہ بحث ہے جس کو ہم وہابیوں کے رد میں بارہا تفصیلاً بیان کرچکے ہیں)، غایت یہ کہ بے طلب شرع بے وجہ ہے جبکہ کوئی عارض خاص نہ ہو مثلاً مرید یا تلمیذ یا ابن کے نزدیک کل ثبوت شرعی ہوگیا تھا پڑھ لی شیخ یا استاذ یا اب کے یہاں آج ملنے کو حاضر ہُوا اُن کے نزدیک آج عید ہے یا نماز کو کھڑے ہُوئے اب اُن کی مخالفت اس امر میں کہ شرعاً ممنوع و حرام نہیں معیوب و قبیح ہے لہذا متنفلاً شریک ہوگیا تو یہ صورت بے وجہ بھی نہیں بلکہ بوجہ وجیہ ہے، امام مجتہد مطلق عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو جب مزار مبارک امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور نمازِ صبح پڑھائی دعائے قنوت نہ پڑھی نہ بسم اللہ و آمین جہر سے کہی نہ غیر تحریمہ میں رفع یدین فرمایا علی مافی الروایات (جیسا کہ روایات میں ہے)

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۱

خود اپنا مذہب مجتہد نے ترک کیا اور عذر بھی بیان فرمایا کہ مجھے ان امام اجل سے شرم آئی کہ ان کے سامنے ان کا خلاف کروں کما بیناہ فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات (جیسا کہ ہم نے "حیات الموات فی بیان سماع الموات" میں بیان کیا ہے۔ت)

(۳) امام اپنے قلب سے نیت کرتا ہے اور قلب غیب ہے اور زبان اُس کا ذریعہ بیان۔ ہر مسلم اپنے مافی الضمیر پر امین ہے جب تک ظاہر اس کا مکذب نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا۔[1] رواہ مسلم۔

کیا تُو نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے حتی کہ تُو نے جان لیا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا (ت)

مقتدیوں کا یہ وسوسہ بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام،

قال تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔[3]

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اے ایمان والو! بہت زیادہ ظن سے بچا کرو کیونکہ بعض ظن گناہ ہو جاتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے (ت)

(۴) ہاں ثابت ہے کما فصلناہ فی الفتوی السابقۃ بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے سابقہ فتوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) فجر و مغرب کا حدیث میں استثناء فرمایا۔[4] رواہ الدارقطنی بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ت) تعلیل حکم نے فجر سے عصر مغرب سے وتر کا

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم قتل الکافر بعد قول لا الٰہ الا اللہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۶۸

[2] القرآن ۴۹/۱۲

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۴۲۲

کنز العمال اعادۃ الصلٰوۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/۲۶۲

الحاق بتایا اور یہی مذہب حنفیہ ہے۔

(۵) وصلیہ اولٰی ہے بدلیل حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جئت المسجد وکنت قد صلیت فاقیمت الصلٰوۃ فصل مع الناس وان کنت قد صلیت[1]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو مسجد میں آئے جبکہ تو نماز ادا کرچکا تھا پس جماعت کھڑی ہوگئی تو تو لوگوں کے ساتھ نماز ادا کر اگرچہ تو نے نماز پڑھلی تھی (ت)

یہ وہی مضمون وحکم ہے اور اس میں وصلیہ متعین والحدیث خیر تفسیر للحدیث (ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے سب سے بہتر تفسیر ہوتی ہے۔ت)

(۶) ہاں درست ہے جہاں شرع مطہر سے ممانعت ثابت نہ ہو اور یہ عموم آیۂ کریمہ کی تخصیص نہیں بلکہ وُہ (ممنوع) عموم میں داخل ہی نہیں کہ من تطوع خیرا فرمایا ہے اور ممنوع خیر نہیں کہ خیر ممنوع نہیں۔ **اقول** تحقیق مقام یہ ہے کہ شئے مطلوب الفعل او الترک باحد الطلبین الجازم وغیرہ ہوگی یا لا ولا یہیں سے احکامِ خمسہ پیدا ہُوئے اُن کا خامس مباح وتمام الکلام فیہ بحیث لا یوجد فی شیئ من الکتب فی رسالتنا الجود الحلو فی ارکان الوضوء (اس سے متعلق تحقیق ہمارے رسالے "الجود الحلو فی ارکان الوضو" میں ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی۔ت) اربع اول کو ثبوت درکار اور عدمِ ثبوت طرفین کا نتیجہ خامس مگر یہ خامس کسی مستحسن کے نیچے اندراج اور نیت حسنہ کے اندراج سے مستحسن ہوجاتا ہے جیسے نیت قبیحہ سے مستقبح فعل لوح سادہ ہے اور نیت نقش صورت اخیرہ میں وہ مکروہ حرام اور اس سے بدتر ہوسکتا اور اولٰی میں تطوع ہوکر دونوں آیۂ کریمہ کے عموم میں آئے گا۔ اشباہ و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

المباحات تختلف صفتہا باعتبار ما قصدت لاجلہ فاذا قصد بہا التقوی علی الطاعات او التوصل الیہا کانت عبادۃ کالاکل والنوم واکتساب المال والوطئ[2] انتہی

مباحات کا مختلف نیات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوجاتا ہے پس جب اس سے طاعات پر قوت یا طاعات کی طرف ایصال منصور ہو تو یہ عبادات ہوں گی مثلاً کھانا پینا، سونا، حصولِ مال اور وطی کرنا انتہی (ت)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۳
مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵
مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی 〃 دار الفکر بیروت ۴/۳۴
[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول البیت فی العبادات 〃 ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۴

لہذا مسئلہ دائرہ میں یہ حکم نہ دیں گے کہ نماز عید دوبارہ پڑھنا مستحب ہے کہ یہ طلب شرعی سے خبر دے گا یعنی شرعاً مطلوب ہے کہ دوبارہ پڑھے اور یہ باطل ہے کہ اس کو ثبوت درکار اور ثبوت نہیں ولہذا اس کا فعل بے وجہ ہوگا کہ سبب نہیں یہ اس کا فی نفسہٖ حکم ہے پھر اگر خارج سے وجہ پیدا ہو مثلاً یہ امام متبرک بہ ہے یا اس جماعت میں وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ پڑھنے میں امید رحمت ہے کہ ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم[1] (وہ ایسی قوم ہیں جن کا ساتھی اور ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ ت) یا وہ وجہ جو ہم نے نمبر دوم میں بیان کی کہ معظم دینی سے موافقت و محو صورت مخالفت، تو یہ سب نیت محمودہ ہیں اور مباح نیت محمودہ سے محمود اور محمود کا ادنٰی درجہ نفل خصوصاً نماز کہ

الصلوۃ خیر موضوع فمن استطاع ان یستکثر منھا فلیستکثر[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نماز سب سے بہترین عمل ہے اس میں جتنا بھی کوئی اضافہ کرسکتا ہے کرے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے (ت)

یوں تحت کریمتین داخل ہوگا، کشف الغمہ میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ہے:

فکان رضی اللہ تعالٰی عنہ لاینھی احدا تطوع لبتنیۃ زائدا علی السنۃ ویقول فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ[3]۔

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی کو بھی سنت سے زائد نوافل سے نہ روکتے اور فرماتے جو نیکی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ بہتر عمل ہے۔ (ت)

رہا کریمتین میں ترک واو وفا یہ لکھنا تلاوت قرآن کا وقت نہ تھا بلکہ استدلال کا اور ترک کسی ایسے حرف کا نہ کیا جس پر نظماً یا معنیً صحت کو توقف یا موجب تغیر ہو تو اسے کسی طرح غلطی نہیں کہہ سکتے۔ ابن ابی حاتم وبیہقی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی:

ان رجلا سأل علیا عن الھدی مما ھو فقال من الثمانیۃ الازواج فکان الرجل شک فقال ھل تقرأ القراٰن قال نعم قال فسمعت اللہ یقول لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم

ایک آدمی نے حضرت علی سے ہدی (قربانی) کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا آٹھ جوڑوں میں سے۔ اس آدمی کو شک گزرا فرمایا کیا تو نے قرآن حکیم پڑھا ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا کیا تو نے یہ سنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح مسلم باب فضل مجالس الذکر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی اوسط باب فضل الصلوۃ " دار الکتاب بیروت ۲/۲۴۹

[3] کشف الغمہ عن جمیع الامۃ باب صلوۃ العیدین " دار الفکر بیروت ۱/۱۹۱

من بھیمۃ الانعام و من الانعام حمولۃ وفرشا قال نعم فسمعتہ یقول من الضأن اثنین ومن المعز اثنین ومن الابل اثنین و من البقر اثنین قال نعم[1]

فرماتا ہے "چاہیے کہ وہ اللہ کا نام ذکر کریں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، اور چوپایوں میں سے بعض وہ ہیں جو بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے"، میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا تُو نے یہ بھی سُنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ایک جوڑا بھیڑ کا، ایک جوڑا بکری کا، ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا۔ فرمایا: ہاں۔ (ت)

امیر المومنین نے ایک آیت سترھویں پارے کی لی ایک آٹھویں کی اور اُن کو سیاق واحد میں ذکر فرمایا دوبارہ سورۂ انعام کی آیتوں میں خاص وسط میں سے اتنے جملے چھوڑ دئے:

قل ءآلذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صٰدقین۔

تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ، یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ (ت)

اب یہاں کیا حکم ہوگا نبئونی بعلم ان کنتم صٰدقین ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹۱: از شہر کہنہ بریلی محلہ کانکر ٹولہ مسئولہ محمد ظہور خاں صاحب ۱۳ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز امام پڑھا رہا ہے اب دوسرا نمازی آیا تو شامل جماعت ہوجائے یا اول سنّت ادا کرے، اگر مسجد چھوٹی ہے یا صحن مسجد قلیل ہے اور کانوں میں امام کی آواز آرہی ہے ایسی صورت میں ادائیگی سنّت کس صورت سے ہونا چاہیے، یا بلا ادائگی سنّت شامل ہوجائے اور سنّت بعد طلوع آفتاب ہونا بہتر ہے یا اوّل یعنی جماعت میں جو شامل ہوگیا تھا اس کے بعد؟

الجواب

اگر جانتا ہے کہ سنّتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکے گا اور صف سے دُور سُنّتیں پڑھنے کو جگہ ہے تو پڑھ کر ملے ورنہ بے پڑھے، پھر بعد بلندیٔ آفتاب پڑھے، اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے، کان میں آواز آنے کا اعتبار نہیں، امام اندر پڑھ رہا ہو باہر پڑھے، باہر پڑھتا ہو اندر پڑھے، حدِ مسجد کے باہر پاک جگہ پڑھنے کو ہو تو سب سے بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض نمازیوں کی کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الھدایا من الابل والبقر والغنم مطبوعہ دار صادر بیروت ۵/ ۲۲۹

مثلاً بازار کو خرید و فروخت کے لئے جانا ہوتا ہے تو اس کے لئے ان کی رعایت سے وقت مستحبہ پر نماز کو ترک کرنا اور اول وقت پڑھنے میں کچھ قباحت تو نہیں ہے یا امام کو وقت مستحبہ پر پڑھنا چاہئے مثلاً عصر کے وقت کہ بعد گزرنے دو مثل سایہ کے پندرہ بیس منٹ کا وقفہ اذان وصلوٰۃ کے لئے دے کر جماعت کرنے میں افضلیت تو ترک نہ ہوگی ۔

الجواب

عام جماعت کو ضرورت ہو تو حرج نہیں ایک کے لئے جماعت منتشر کرنا یا سب کو ترک وقت مستحبہ کی طرف بلانا بے جا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۹۳ سیکریٹری انجمن مشفق المسلمین محلہ ابراہیم پورہ بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مبتلائے جذام کو جس سے طبا اجتناب واجب ہے اور مسلمانان محلہ اس کے دخول مسجد و استعمال ظروف سے حذر کرتے ہیں مسجد میں بغرض شرکت جماعت وغیرہ آنے سے شرعاً بغرض فائدہ عوام روکا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب

ہاں جبکہ اس کے آنے سے مسجد میں نجاست کا ظن غالب ہو تو وجوباً اور ایسا نہ ہو صرف نفرت عوام و احتمال تقلیل جماعت ہو تو استحباباً ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۹۴، ۸۹۵ حافظ نجم الدین گندہ نالہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے اگر وہ غسل کرتا ہے تو فجر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہئے ۔

(۲) جبکہ امام رکوع میں ہے اور ایک شخص ایک تکبیر کہہ کر شامل جماعت ہو گیا تو یہ تکبیر تحریمہ ہوئی یا مسنونہ، اس صورت میں نماز اس مقتدی کی ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

(۱) تیمم کرکے نماز پڑھ لے اور غسل کرکے پھر اعادہ کرے ۔

(۲) اگر اس نے تکبیر تحریمہ کہی یعنی سیدھے کھڑے ہوئے تکبیر کہی کہ ہاتھ پھیلائے تو زانو تک نہ جائے تو نماز ہوگئی اور اگر تکبیر انتقال کہی یعنی جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز نہ ہوگی اسے دو تکبیر کہنے کا حکم ہے تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال، پہلی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں اور دوسری تکبیر انتقال رکوع کو جاتے ہوئے ۔ درمختار

میں ہے :

لووجد الامام راکعا فکبر منحنیا ان الی القیام اقرب صح ولغت فیہ تکبیرۃ الرکوع[1] واللہ تعالٰی اعلم

اگر کسی نے امام کو حالتِ رکوع میں پایا تو اس نے جھکتے ہوئے تکبیر کہی اگر یہ مقتدی قیام کے زیادہ قریب ہو تو درست ہے اور اس کی تکبیرِ رکوع لغو ہو جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹۶ دو شخص ایک چٹائی ایک مصلے پر جدا جدا برابر کھڑا ہو کر ایک ہی نماز فریضہ قبل جماعت یا بعد جماعت پڑھ رہے ہیں اُن کی نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب

نماز تو ہر طرح ہو جائے گی لیکن قبل جماعت الگ الگ پڑھیں اور ایک کا حال دوسرے کو معلوم ہو اور اُن میں ایک قابلِ امامت ہے اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ان پر ترک جماعت کا الزام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹۷ از شہر بریلی محلہ باغ احمد خاں ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

جماعتِ جمعہ کے اندر پہلی صف میں دو یا تین شخص جن کی داڑھی مُنڈی ہوئی اور ایک شخص کی کتری ہوئی اس نے یہ لفظ کہا کہ بزرگ لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں وہ اگلی صف میں آجائیں اور مُنڈی اور کتری ہوئی پیچھے چلے جائیں، لہٰذا اس نے گناہ کیا یا نہیں، اور اگلی صف میں مُنڈی ہوئی ہیں اور پیچھے صف میں پرہیزگار اور متقی ہیں ان کو پہلی صف میں لے جائیں اور منڈی ہوئی کو پیچھے ہٹایا جائے یا نہیں، اور وہ لوگ جن کی داڑھی منڈی ہوئی ہے اُس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کو نماز پڑھنے کو جاتے ہیں، اور ایک کے ساتھ ایک یا دو داڑھی والے بھی جاتے ہیں اس بات کو ان لوگوں نے نہایت ناگوار معلوم کیا۔

الجواب

داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے اور اس کے مرتکب فاسق ان کو تفہیم ہدایت کی جائے، بہتر یہ ہے کہ امام کے قریب دانشور لوگ ہوں، حدیث میں فرمایا :

لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی[2]

تم میں سے دانشور اور عقلمند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہئے۔ (ت)

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۴

[2] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱

اور وہی دانشور ہے جو متقی ہو، متقیوں کو چاہئے تھا کہ یہی پہلے آتے کہ سب سے اول میں جگہ پاتے اب کہ وہ دوسری قسم کے لوگ پہلے آگئے تو انھیں مناسب ہے کہ متقیوں کے لئے جگہ خالی کردیں ورنہ انھیں ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ سببِ فتنہ ہو اعمال میں ہدایت نرمی سے چاہئے کہ سختی سے ضد نہ بڑھے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۹۸ از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد جان بیگ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے اور صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند ہے مگر مسجد میں صرف تین وقت کی نمازیں ظہر و عصر و مغرب باقی عشاء و فجر کی اپنے مکان پر تنہا پڑھتا ہے اور وجہ تنہائی میں پڑھنے کی یہ ہے کہ بعد نمازِ عشاء و فجر کے وظیفہ میں زیادہ وقت لگتا ہے اور قرآن عظیم کی تلاوت بھی کرتا ہے تنہا پڑھنے میں علیحدہ کوئی حرج تو نہیں ؟

الجواب

پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ واجب ہے ایک وقت کا بھی بلا عذر ترک گناہ ہے وظیفہ وتلاوت باعث ترک نہیں ہوسکتے فرض مسجد میں با جماعت پڑھ کر وظیفہ وتلاوت مکان پر کرے ورنہ صورت مذکورہ فسق وکبیرہ ہے فان کل صغیرۃ بالاعتیاد کبیرۃ وکل کبیرۃ فسق (ہر صغیرہ گناہ کا معمول اسے کبیرہ بنا دیتا ہے اور ہر کبیرہ گناہ فسق ہے ۔ت) حدیث میں ہے ظلم اور کفر ونفاق سے ہے ۔ یہ بات کہ آدمی اللہ کے منادی یعنی مؤذن کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو وہ وظیفہ وتلاوت کہ جماعت ومسجد سے روکیں وظیفہ وتلاوت نہیں بلکہ ناجائز ومعصیت ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۹۹ از اسیریاں محلہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعتِ ثانیہ میں اقامت کہی جائے یا نہیں اور جماعت ثانیہ میں امام کو زور سے جہری نماز میں قرأت کرنی چاہئے یا جماعت اولیٰ کے لوگ جو سنتیں پڑھ رہے ہوں اُن کے خیال سے برائے نام آواز سے پڑھے تاکہ دوسروں کی نماز میں ذہن نہ منتقل ہو جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمائیں ؟

الجواب

جماعت ثانیہ کے لئے اعادۂ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں اور اُس کا امام نمازِ جہری میں بقدرِ حاجت جماعت جہر کرے گا اگرچہ اور لوگ سنتیں پڑھتے ہوں واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ ۹۰۰ ، ۹۰۱ شہر کہنہ محلہ لودھی ٹولہ مسئولہ حبیب اللہ خاں صاحب ۲۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر باہم رشتہ دار ہیں دونوں میں خانگی معاملات میں مع دیگر رشتہ داران زید وبکر عرصہ سے نا اتفاقی ہے اور زید وبکر دونوں شریک ہوکر ایک جماعت میں ہمیشہ

نماز پڑھتے ہیں، امام صاحب سے کسی کو کچھ کدورت نہیں ہے اب اہلِ محلہ زید و بکر سے کہیں کہ تم دونوں باہم میل کرلو، بکر یہ جواب دے کہ ہم باہم رشتہ دار ہیں ہمیں میل کرنے میں کچھ انکار نہیں ہے مگر اس معاملہ میں دیگر رشتہ دار داماد بھائی حقیقی وغیرہ بھی شریک ہیں جن کے ساتھ زید کو مع دیگر رشتہ داران ناراضگی ہے ان کی موجودگی کی بھی ضرورت ہے ـــــــــــــــ اُس وقت پُورا میل ہوسکتا ہے تنہا میل کرنے میں دیگر رشتہ داران کو مجھ سے رنج ہوجائے گا بغیر ان کی موجودگی کے میل ناممکن ہے، یہ جواب بکر کا چند اشخاص کو ناگوار معلوم ہُوا اور اُن اشخاص نے ناخوش ہوکر بکر سے کہا کہ اگر تم اس وقت ہمارے کہنے سے میل نہیں کروگے تو ہم جماعت میں شریک نہیں ہونے دیں گے ہر طرح پریشان کریں گے لہذا اس بنا پر ایک شخص نے مسجد میں وقتِ نماز اعلان کیا کہ زید و بکر میں باہم رنج ہے جب دو شخص ایسے جن میں رنج ہے وہ شریکِ جماعت ہوں تو پوری جماعت کی نماز نہیں ہوتی ہے اور نہ دُعا اس جماعت کی قبول ہوتی ہے اور صرف بکر کو یہ کہہ کر جماعت سے علیحدہ کردیا، تو یہ عمل ان اشخاص کا جائز ہے یا ناجائز، اگر ناجائز ہے تو علیحدہ کردینے والوں کو شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(۲) سوال بصورت حال مندرجہ بالا جو اشخاص وقت نماز جماعت سے علیحدہ کردیں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) اس صورت میں اُس کو جماعت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور یہ کہنا محض باطل ہے کہ جس جماعت میں دو شخص آپس میں رنج رکھتے ہوں نماز نہیں ہوگی اور یہ بھی غلط محض ہے نہ وہاں دعا قبول نہیں ہوگی، ہاں باہم اہلسنت کے اتفاق رکھنے کا حکم ہے اور دو بھائیوں میں کسی دنیوی وجہ سے قطع مراسم تین دن سے زیادہ حرام ہے اور جو باہم موافقت کی طرف سبقت کرے گا وہ جنت کی طرف سبقت کرے گا اور جس سے اُس کا بھائی معافی چاہے گا اور وہ بلا عذرِ شرعی معاف نہ کرے گا تو حدیث میں فرمایا کہ اسے روزِ قیامت حوضِ کوثر پر میرے پاس حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو جماعت سے علیحدہ کرنا ظلم شدید ہے اس میں حق اللہ کا بھی مواخذہ ہے اور حق العبد کی بھی گرفتاری، توبہ بھی کریں اور ان لوگوں سے معافی بھی چاہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۰۲: از شہر تکیہ سفر علی شاہ مسئولہ مولوی احمد بخش صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ عشا کے واسطے (۸) بجے وقت مقرر کرلیا گیا بلا انتظار کئے دوسرے کے اُس وقت جماعت کھڑی ہوجائے گی کل شب میں ۱۴ آدمی دروازے پر مسجد کے کھڑے تھے پانچ سات کو وضو کرنا تھا دو تین کرچکے تھے یہ سب ایک مسئلہ پر ذکر کررہے تھے جماعت کی تکبیر والے نے ان سب کو

نہیں بلایا نماز شروع کر دی، آیا بلانا یا انتظار واجب تھا یا نہیں؟

الجواب

اگر اذان کے بعد انتظار بقدر مسنون کر لیا گیا ہو پھر زیادہ انتظار کی حاجت نہیں اور اگر وقت میں وسعت ہو اور حاضرین پر گراں نہ ہو تو جو آگئے ہیں اُن کے وضو کا انتظار کر لینا بہتر، اذان کے بعد غیر مغرب میں بحالتِ وسعتِ وقت اتنا انتظار مسنون ہے کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہو جائے جسے قضائے حاجت کرنی ہے اس سے فراغ پائے اور طہارت و وضو کر کے آجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۰۳ از مونڈیا جاگیر ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں پانچ آدمی ہیں اور سب کلام مجید خواں اور نمازی ہیں، ایک روز زید نے بوقتِ عشا بوجہ تنہائی مکان اپنے گھر نماز ادا کی بوجہ حاضر نہ ہونے مسجد کے زید کا مع اس کے برادران اور اہلِ خانہ حقہ پانی بھنگی بہشتی، دھوبی حجام کام والوں کو اسے بند کر دیا اور پانچ دن سے بند ہے یعنی یکم صفر سے ۵ صفر تک، حالانکہ زید نماز کے لئے کوئی عذر و حیلہ نہیں کرتا بلکہ بوجہ مجبوری کے حاضر نہیں ہے، آیا زید اس سزا کا مستوجب تھا یا نہیں، اگر نہ تھا تو سزا دہندگان کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

اگر واقعی مکان تنہا تھا اور تنہا چھوڑ کر آنے میں اندیشہ تھا تو یہ عذر قابلِ قبول ہے اور ایسی حالت میں سزا دینا ظلم ہے، اور اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو بلا عذر جماعت چھوڑے تو شرعاً قابلِ سزا ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۰۴ از مونڈیا جاگیر ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مرض جذام ہے سال گزشتہ میں ڈاکٹر نے مرض مذکور کی تصدیق کر دی ہے اب ناخون وغیرہ کے دیکھنے سے مرض کی شدت کا ثبوت ہوتا ہے چونکہ زید مسجد میں آکر وضو کرتا ہے جس سے بعض اشخاص تنفر کرتے ہیں بلکہ مسجد میں نماز پڑھنے سے جماعت سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور اکثر مقتدیان کا عزم ہے کہ زید اگر جماعت میں شامل ہوگا تو ہم گھر پر نماز پڑھ لیا کریں گے دریں صورت مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے، آیا زید کو مسجد سے روک دینا چاہیے یا لوگوں کو گھر پر نماز پڑھ لینا، اور کبھی کبھی خود بھی نماز پڑھانے کو کھڑا ہو جاتا ہے۔

الجواب

اس صورت میں زید کو چاہیے کہ نماز گھر میں پڑھے جماعت منتشر نہ کرے، اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۰۵: از محلہ سوداگران مسئولہ شمس الہدیٰ صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

حضور اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابی کے مدرسہ میں پڑھتا ہو اور اُن کے اقوال بھی جانتا ہے اور پھر وہابی کے مکان میں رہتا ہے اور اس کے یہاں کھانا کھاتا ہے تو اس صورت میں اُسے اہلسنت کی نمازِ جماعت میں کھڑا ہونے دیں یا نہیں اور اگر کھڑا ہوگا تو فصل لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب

اگر وُہ وہابیہ کے عقائد سے واقف ہو کر انھیں مسلمان جانتا ہے تو ضرور صف میں اس کے کھڑے ہونے سے فصل لازم آئے گا اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قطع صفا قطعہ اللہ[1]۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صف کو کاٹا اسے اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔ (ت)

اور اگر وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو اُن سے میل جول کے باعث جس میں سب سے بدتر اُن سے پڑھنا ہے سخت فاسق ہے امامت کے قابل نہیں، نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی مگر صف میں اس کے کھڑے ہونے سے صف قطع نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۰۶: مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جماعت میں چار صفیں ہیں، صف اول میں کسی مقتدی یا امام کا وضو جاتا رہا تب وُہ مقتدی یا امام باہر کس طرح آسکتا ہے کیونکہ درمیان میں تین صفیں ہیں جو شانہ سے شانہ ملائے ہیں اور مقتدی کی جو جگہ خالی ہے اُس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

مقتدی جس طرف جگہ پائے چلا جائے، یونہی امام دوسرے کو خلیفہ بناکر، اب صفوں کا سامنا سامنا نہیں کہ امام کا سترہ سب کا سترہ ہے اور مقتدی کی جو جگہ خالی رہی کوئی نیا آنے والا اسے بھردے یا یونہی رہنے دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۰۷: از شہر محلہ باغ احمد علی خاں مسئولہ نیاز احمد صاحب ۲۴ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک محلہ میں دو گروہ آباد ہیں دیوبندی و سُنّی حنفی، اس محلہ کی مسجد میں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں پہلی جماعت دیوبندی فرقہ کی ہوتی ہے وہ لوگ عداوت

---

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

کی وجہ سے مغرب اور فجر کی نمازیں دیر کر دیتے ہیں اس میں جماعت (نماز) قضا ہونے کا اندیشہ ہے اگر سُنّی اپنی جماعت پہلے کرنا چاہتے ہیں تو وہ لوگ فساد پر آمادہ ہوتے ہیں ایسی حالت میں سُنّیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عین اُن کی جماعت ہونے کی حالت میں سُنّی اپنی جماعت کر سکتے ہیں کہ نہ اُن کی جماعت جماعت ہے نہ اُن کی نماز نماز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۰۸ ازشہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دُکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نماز پڑھاتا ہے جماعت کو بعد دوسرے آدمی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مقلد آئے اور صحن میں جماعت پڑھانے لگے اسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں ساتھ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں اور صحن میں ایک امام نماز پڑھا رہا ہے مقلد شافعی کے ہاں مسبوق کے ساتھ اقتدا کرنا جائز ہے اسی طرح نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اور امام آیا اور تکبیر ہوئی اور جماعت کھڑی ہوئی اُسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ایک مسجد میں ایک فرض کی دو جماعتیں ایک ساتھ قصداً کرنا بلا وجہ شرعی ناجائز وممنوع ہے لیکن ایک جماعت حنفیہ کی امام حنفی کے پیچھے ہو اور دوسری شافعیہ یا مالکیہ یا حنبلیہ کی اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہو اس میں حرج نہیں جس طرح حرمین شریفین میں معمول ہے کہ یہ وجہ شرعی سے ہے مسبوق کی اقتداء ہمارے مذہب میں باطل ہے اگرچہ وہ مسبوق شافعی المذہب ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۰۹ از موضع دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسئولہ عبدالرحیم ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز با جماعت ہو چکی، بعد میں دو چار آدمی فراہم ہو گئے اور جماعت سے رہ گئے تو وہ آپس میں مل کر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، کیونکہ اکثر ایسا دیکھا گیا تھا اب ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول جماعت کے بعد پھر جماعت سے نماز پڑھنا موجبِ ثواب نہیں بلکہ عذاب ہے لہٰذا جو حکمِ شریعت ہو اس سے آگاہ فرمائیے بینوا توجروا۔

الجواب

جو مسجد کسی معین قوم کی نہیں جیسے بازار یا سرا یا اسٹیشن کی مسجدیں، اُن میں تو ہر جماعت جماعتِ اولیٰ ہے

ہر جماعت کا امام اسی محل قیام امام پر محراب میں کھڑا ہو کر امامت کرے بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر جماعت جدید اذان سے ہو۔ ہاں مسجد محلہ میں جس کے لئے امام و جماعت معین ہیں اس اعتماد پر کہ ہم اپنی جماعت دوبارہ کرلیں گے بلاعذر شرعی مثل بدمذہبی امام وغیرہ جماعت اولیٰ کا قصداً ترک کرنا گناہ ہے اور اگر امام کے ساتھ اہل محلہ کی جماعت ہوگئی اور کچھ لوگ اتفاقاً یا عذر صحیح کے سبب رہ گئے تو ان کو اذانِ جدید کی اجازت نہیں اور محراب میں قیامِ امام کی جگہ ان کے امام کو کھڑا ہونا مکروہ ہے اذان دوبارہ نہ کہیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کریں یہی افضل ہے اسے جو موجبِ عذاب بتاتا ہے غلط کہتا ہے کما حققنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے ۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۱۰ از مدرسہ اہلسنت منظر اسلام بریلی مسئولہ عبداللہ مدرس ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صف پر دو یا چار شخص علیحدہ علیحدہ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر جماعت کرسکتے ہوں تو ترک جماعت نہ کریں رافضیوں سے مشابہت نہ کریں اور اگر یہ جماعت جماعتِ اولیٰ ہے جب تو اس کا ترک گناہ اور ناجائز ہے مگر نماز سب کی بہرحال ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۱۱ تا ۹۲۲ از گورکھپور محلہ دھوبی مسئولہ سعید الدین ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جماعت کے لئے تعین وقت گھڑی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امام کو کسی مقتدی کے لئے جو ممبر مسجد و میر محلہ ہو اور سید ہو باوجود گزر جانے وقت معین گھڑی کے جماعت کے لئے انتظار کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) امام کے نزدیک تمام مقتدیوں کی عزت برابر ہونی چاہئے یا نہیں؟

(۴) ایک مقتدی کو جو ممبر مسجد و میر محلہ اور سید ہو دوسرے مقتدی پر فوقیت ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کوئی مقتدی سنت مستحب نماز پڑھتا ہو تو اس کی سنت ختم ہونے تک امام کو انتظار کرنا چاہئے یا نہیں، سنتِ مؤکدہ کی تعریف کیا ہے؟

(۶) کسی مقتدی کا بوجہ اس کی امارت و اعزاز کے باوجود تعینِ وقت گھڑی وضو اور سنت کا انتظار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) امام کا کہنا کہ ہم کو مقتدیوں کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ مقتدیوں کو امام کے انتظار کی ضرورت ہے صحیح ہے یا نہیں؟

(۸) امام کو وقت معین گھڑی پر آنا جائز ہے یا نہیں؟

(۹) امام کا کہنا کہ گھڑی کا معین صرف مؤذن کی اذان کے لئے ہے جماعت کے لئے نہیں درست ہے یا نہیں؟

(۱۰) باوجود تعین وقت گھڑی امام کا کہنا کہ جب امام نماز کے لئے کھڑا ہوجائے وہی وقت نماز کا ہے درست ہے یا نہیں؟

(۱۱) مقتدیوں کا پیش امام سے جو کہ وقت معین پر نماز نہ پڑھاتے ہوں کہنا کہ آپ وقت معین سے ۲-۴-۱۰ منٹ پہلے تشریف لائیے درست ہے یا نہیں؟

(۱۲) امام کا کہنا میں حشر تک نہ آؤں گا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) درست ہے جبکہ حاضرین پر گراں نہ ہو اور وقت وسیع ہو واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) جس کو دینی عزت زائد ہے ہر مسلمان کے نزدیک زائد ہے اُس کی وہ رعایت کی جائے گی جو دوسرے کی نہ ہوگی جب تک کوئی حرج شرعی لازم نہ آئے، واللہ تعالٰی اعلم

(۴) ہے مگر نہ ایسی کہ اُس کی ذاتی رعایت اوروں پر باعث بار ہو اور عین نماز میں کسی معین کی رعایت جائز نہیں مثلاً امام رکوع میں ہے اور کوئی شریک ہونے کو آیا اگر امام نے نہ پہچانا تو اس کے لئے رکوع میں بعض تسبیحیں زائد کرسکتا ہے جس میں وہ شامل ہوجائے کہ یہ دین میں اعانت ہے لیکن اگر پہچانا کہ فلاں ہے اور اس کی خاطر سے زائد کرنا چاہے تو جائز نہیں ویخشی علیہ امر عظیم (اس سے ڈرنا چاہئے یہ بہت بڑا معاملہ ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) انتظار کرسکتا ہے اگر وقت میں وسعت ہو اور اوروں پر گرانی نہ ہو۔ سنّتِ مؤکدہ وہ امرِ دینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر نادراً یا کبھی ترک نہ فرمایا مگر اتفاق سے کسی نے ترک کیا تو اس پر انکار بھی نہ فرمایا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) اس کا جواب ۳ کے مطابق ہے مگر خاص اُس کی مالداری کے سبب رعایت کی اجازت نہیں لیکن اُس حالت میں کہ رعایت نہ کرنے سے فتنہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۷) مقتدیوں کو امام کا انتظار چاہئے امام کو تا حدِ وسعت مقتدیوں کا انتظار چاہئے۔ حدیث میں ہے:

لوگ جلد جمع ہوجاتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلد نماز پڑھ لیتے اور لوگ دیر میں آتے تو تاخیر فرماتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۸) جائز کیا بلکہ مناسب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۹) تعیینِ وقت جماعت ہی کے لئے کی جاتی ہے، لوگ جب وقتِ معین پر آجائیں تو امام کو بلاضرورت زیادہ دیر لگانے کی اجازت نہیں کہ وجہ ثقل و باعثِ نفرت جماعت ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۰) جب وقت معین ہوچکا تو اُس کے بعد دیر کرکے امام کا نماز پڑھانا اس کا حکم ابھی سوال سابق میں گزرا اور اس سے پہلے جلدی کرکے پڑھ لینا باعثِ تفریقِ جماعت ہوگا اور وہ بلاضرورت جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۱) پیشتر کی استدعا فضول ہے یہ استدعا کریں کہ وقتِ معین پر تشریف لایا کیجئے واللہ تعالٰی اعلم

(۱۲) اگر پیشتر آنے سے انکار ہے تو بیجا نہیں، امام انتظار کے لئے نہیں بنایا گیا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲۳: از چاندپارہ ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسئولہ محمد یار علی نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو مقتدی کی صف کے آگے کھڑا ہونے کی جگہ نہیں ہے تو امام صفِ مقتدی میں کس صورت سے کھڑا ہو، آیا امام مقتدی سے کچھ امتیاز کے واسطے آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کی دونوں جانب یعنی دہنی بائیں امام کے پیر کے برابر کھڑے ہوں، بینوا توجروا

الجواب

جب صرف ایک مقتدی ہو تو سنّت یہی ہے کہ وہ امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو مگر اس کا لحاظ فرض ہے کہ قیام، قعود، رکوع، سجود کسی حالت میں اس کے پاؤں کا گِٹّا امام کے گِٹّے سے آگے نہ بڑھے۔ اسی احتیاط کے لئے امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر رکھے اور اگر دو مقتدی ہوں تو اگرچہ سنّت یہی ہے کہ یہ پیچھے کھڑے ہوں، پھر بھی اگر امام کے دہنے بائیں برابر کھڑے ہوجائیں گے حرج نہیں مگر دو سے زیادہ مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا یا امام کا صف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز و گناہ ہے نماز مکروہِ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے اور امام کے لئے جگہ بقدرِ ضرورت پوری چھوڑیں اور اگر اب بھی امام کو جگہ ملنا ممکن نہ ہو تو اُن میں کچھ لوگ دوسری جگہ نماز کو جاسکیں مثلاً معاذ اللہ کسی ایسی کوٹھڑی میں محبوس ہیں جس کا عرض جانبِ قبلہ گز سوا گز ہے تو یہ صورت مجبوری محض

ہے اس میں قواعدِ شرع سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت کریں امام بیچ میں کھڑا ہو پھر تنہا تنہا اس کا اعادہ کریں جماعت اقامتِ شعار کے لئے اور اعادہ رفعِ خلل کے واسطے۔ درمختار میں ہے:

كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها[1]۔

جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو اكثر[2] اھ ولا يقال الجماعة واجبة بل قيل سنة موكدة وكراهة التحريم فى جانب النهى كالوجوب فى جانب الامر والاجتناب عن المناهى اهم من اتيان الاوامر فى الحديث لترك ذرة مما نهى الله خير من عبادة الثقلين لانا نقول اقامة الشعار اهم من كل شئ حتى اباحوا للختان وليس الاسنة صريح المحرمات من النظر والمس قيل فى الهندية عن العتابية فى ختان الكبير اذا امكن ان يختن نفسه فعل والا لم يفعل الا ان يمكنه ان يتزوج اويشترى ختانة فتختنه وذكر الكرخى فى الجامع الصغير ويختنه

اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اگر دو سے زیادہ مقتدی ہوں تو مکروہِ تحریمی ہے اھ یہ نہ کہا جائے کہ جماعت واجب ہے بلکہ اسے سنّتِ مؤکدہ کہا گیا ہے اور جانبِ نہی میں کراہت تحریمی، جانبِ امر میں وجوب کی طرح ہے اور مناہی سے اجتناب اوامر پر عمل سے اہم ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالٰی کے منع کردہ ایک ذرہ کا چھوڑ دینا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شعار کی اقامت ہر شئے سے اہم ہے حتی کہ علمائے ختان کے لئے صریح محرمات پر نظر و مس کو مباح قرار دیا حالانکہ ختنہ صرف سنّت ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں عتابیہ کے حوالے سے کبیر کے ختنے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر اس کیلئے اپنا ختنہ کرنا ممکن ہو تو خود کرے ورنہ نہ کرے مگر اس صورت میں کہ جب اس کے لئے شادی ممکن ہو یا ایسی لونڈی خریدنا ممکن ہو جو اس کا ختنہ کردے تو ایسا ہی کرے۔ امام کرخی نے جامع صغیر

---

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] " باب الامامۃ " " " ۱/۸۳

الحمامی۔[1]

اقول ویؤیدہ ماعن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم کانوا لایختنون اولادھم الابعد البلوغ وقال فی الدر وقتہ غیر معلوم وقیل سبع سنین کذا فی الملتقی وقیل عشر وقیل اقصاہ اثنتا عشرۃ سنۃ[2] زاد الشامی عن الطحطاوی وقیل لایختن حتی یبلغ لانہ للطھارۃ ولاتجب علیہ قبلہ[3] قال فی الدر وقیل العبرۃ بطاقتہ وھو الاشبہ[4] قال ش ای بالفقہ زیلعی وھذہ من صیغ التصحیح[5] اھ فشمل اذا لم یطق الابعد البلوغ لایقال فلیصل ثلثۃ ثلثۃ تتری یؤم کل اثنین امام فالجماعۃ یحرزون وعن الکراھۃ یحترزون لانا نقول لا اصل فی الشریعۃ الطاھرۃ لتفریق الجماعۃ الحاضرۃ ولم یرض اللہ بہ للمسلمین وھم فی نحو العدو فماظنک بسائر الاحوال ھذا

میں فرمایا اس کا ختنہ حجام کرے۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس کی تائید صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اس عمل سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کا ختنہ بلوغت کے بعد کرتے تھے۔ درمختار میں ہے کہ ختنہ کا وقت مقرر نہیں، بعض نے سات سال، بعض نے دس سال، اور بعض نے کہا ہے کہ آخری وقت بارھواں سال ہے۔ شامی نے طحطاوی کے حوالے سے اضافہ کیا ہے کہ بلوغ سے قبل ختنہ نہ کیا جائے کیونکہ اس کا مقصد طہارت ہے اور وہ بلوغ سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے اعتبار طاقت وقوت کا ہے اور یہی مختار ہے۔ شارح شامی نے فرمایا یعنی یہی عقل و دانش کے زیادہ قریب ہے زیلعی، اور یہ (اشبہ) تصحیح کے صیغوں میں سے ایک ہے اھ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب بلوغ کے بعد ہی طاقت رکھتا ہو، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ تین تین الگ ہو کر نماز ادا کریں اور امام ہر دو کی امامت کرائے تو جماعت حاصل کرلیں گے اور کراہت سے بچ جائیں گے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعتِ طاہرہ میں جماعتِ حاضرہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی الختان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۷
[2] درمختار مسائل شتّٰی ” مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۴۹
[3] ردالمحتار ” ” مصطفی البابی مصر ۵/۵۳۰
[4] درمختار ” ” مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۰
[5] ردالمحتار ” ” مصطفی البابی مصر ۵/۵۳۰

ما ظھر لی وعند ربی علم حقیقۃ کل میں تفریق کی اجازت نہیں ہے حتی کہ دشمنوں کے سامنے حال ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ بھی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے لئے ایسے عمل کو پسند نہیں کیا تو دیگر حالات میں یہ کیسے ہوسکتا ہے ، یہ بات مجھ پر آشکار ہوئی ہے حقیقتِ حال کا علم میرے رب کریم کے پاس ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲۴ تا ۹۲۷ از غازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ،

(۱) ایک مسجد میں دو تین جماعتوں کا یکے بعد دیگرے ہونا کیسا ہے ، چاہئے یا نہیں ؟

(۲) کراہت جماعت ثانیہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے ؟

(۳) ایک مسجد میں ایک ہی وقت دو تین آدمیوں کا فرداً فرداً فرض پڑھنا کیسا ہے ؟

(۴) اور اگر فرداً فرداً چند شخص فرض پڑھیں تو نماز ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب

(۱) مسجد دو قسم ہے ایک مسجد عام جسے کسی خاص محلہ سے خصوصیت نہیں جیسے مسجد جامع یا بازار یا سرا یا اسٹیشن کی مسجد (۲) دوسری مسجد محلہ کہ ایک محلہ خاص سے اختصاص رکھتی ہو اُس کی معمولی جماعت معین ہے اگرچہ کچھ راہگیر یا مسافر بھی متفرق اوقات میں شریک ہوجایا کریں ، اور یکے بعد دیگرے چند جماعتیں کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں ، ایک یہ کہ جماعت موجودہ کے دو یا چند حصّے کردیں ، جب ایک حصہ کرلے تو دوسرا کرے ۔ دوسرے یہ کہ وہ حاضر ہوا پڑھ گیا دوسرا اس کے بعد آیا یہ اب جماعت کرتا ہے تعددِ جماعت کی پہلی صورت بلاضرورتِ شرعیہ مطلقاً حرام ہے خواہ مسجدِ محلہ ہو یا مسجد عام ، ہاں بضرورت جائز ہے جیسے صلٰوۃ الخوف میں ۔ رہا یہ کہ مسجد میں کوئی بدمذہب گمراہ یا فاسق معلن یا قرآن مجید کا غلط پڑھنے والا امامت کرتا ہے کچھ لوگ براہِ جہل یا تعصب اُس کے پیچھے پڑھتے ہیں دوسرے لوگ اُس کے روکنے پر قادر نہیں یہ اس کی اقتدا سے باز رہتے ہیں اور اُس کے فراغ کے بعد اپنی جماعت جُدا کرتے ہیں جس کا امام سب بلاؤں سے پاک ہے یہ صورت مطلقاً جائز بلکہ شرعاً مطلوب ہے مسجد عام ہو خواہ مسجدِ محلہ ۔ اور تعددِ جماعت کی صورت ثانیہ کہ یہ گروہ پہلی جماعت کے وقت حاضر نہ تھا یہ مسجد عام میں مطلقاً جائز ومطلوب ہے یہاں تک کہ کتابوں میں تصریح ہے کہ بازار وغیرہ کی عام مساجد میں افضل یہ ہے کہ جو گروہ آتا جائے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے سب جماعتیں جماعتِ اولٰی ہوں گی کما فی فتاوی الامام قاضی خاں وغیرہ (جیسا کہ فتاوٰی امام قاضی خاں وغیرہ

میں ہے۔ت) اور مسجد محلہ میں بھی اگر پہلی جماعت کسی غلط خواں یا بدمذہب یا مخالف مذہب نے کی یا بے اذان دیے ہوگئی یا اذان آہستہ دی گئی دوسری جماعت مطلقاً جائز ومطلوب ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ اہل محلہ موافق المذہب سُنّی صالح صحیح خواں امام کے پیچھے باعلان اذان کہہ کر پڑھ گئے اب باقی ماندہ آئے تو انھیں دوبارہ اذان کہہ کر جماعت کرنی مکروہِ تحریمی ہے اور بے اذن دیے محرابِ جماعتِ اولٰی میں امامت کرنی مکروہِ تنزیہی، اور اگر محراب بدل دیں تو اصلاً کراہت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل تام فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کی۔

(۲) اس کا جواب جوابِ اوّل میں آگیا۔

(۳) اگر ان میں کوئی شرعی حیثیت سے قابلِ امامت ہو اور دانستہ بلاوجہ شرعی ترکِ جماعت کریں تو گنہگار ہوں گے اگرچہ نماز ہوجائے گی، اور نادانستہ ہو یعنی ایک شخص فرض پڑھ رہا ہے دوسرا آیا اسے معلوم نہیں کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اس نے بھی فرض کی نیت الگ باندھ لی اسی طرح تیسرا آیا اس نے بھی فرض کی نیت باندھ لی یا اُن میں کوئی قابلِ امامت نہیں تو حرج نہیں۔

(۴) نماز ہوجاتی ہے مگر ترکِ جماعت سے گناہ ہوتا ہے جبکہ کوئی عذر شرعی نہ ہو۔

مسئلہ ۹۲۸ ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

وقت کراہت تک انتظارِ امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادت اجر وتحصیل افضلیت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اتنا ہی ثواب ہے کہ سارا وقت ان کا نماز ہی میں لکھا جائے گا،

وقد صح عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم انتظار النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقد اقرھم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وقال انکم لن تزالوا فی صلاۃ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہاں تک انتظار کرنا ثابت ہے کہ رات کا کافی حصہ گزر جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا اور فرمایا، تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو

ما انتظرتم الصلٰوۃ۔ | وہ تمام وقت تمہارا نماز میں گزرا۔ (ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک کہ حاضرین پر شاق نہ ہو،

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃ عن المنتقی للامام الحاکم الشہید ان تاخیر المؤذن وتطویل القرأۃ لادراک بعض الناس حرام، ھذا اذا کان لاھل الدنیا تطویلا وتاخیرا یشق علی الناس والحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ ولاباس بان ینتظر الامام انتظارا وسطا۔[2] واللّٰہ تعالٰی اعلم

انقرویہ میں تاتارخانیہ سے امام حاکم شہید کی المنتقی کے حوالے سے ہے کہ بعض لوگوں کی خاطر مؤذن کا اذان کو مؤخر کرنا اور امام کا قرآت کو لمبا کرنا حرام ہے، یہ تب ہے جب دنیاداروں کی خاطر ایسا کرے اور تطویل وتاخیر لوگوں پر شاق ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ خیر کی اعانت کی وجہ سے کچھ تاخیر کرنے میں کوئی کراہت نہیں لہذا امام کا اوسط درجہ کا انتظار کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۹۲۹: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی
۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی پیر یا مولوی عربی خواں مسجد کے قریب رہتا ہو اور اس مسجد کا منتظم ہو جماعت میں شریک نہ ہو اور اذان وقت بے وقت ہو اور کبھی نہ ہو لوگ بلا اذان نماز پڑھ جائیں ایسا شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب

ترکِ جماعت اور ترکِ حاضری مسجد کا عادی فاسق ہے اور فاسق قابلِ اتباع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۳۰: از شہر جونا گڈھ محلہ کیتانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین
۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو مستحب کہے اُس کو علمائے دین کیا کہیں گے، یہاں پر ایک مدرسہ ہے اُس میں تھوڑے عرصہ سے شور وغوغا مچا ہے اور آپ علمائے دین کی منصفی پر سب کا اتفاق ہے

---

[1] صحیح البخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴، ۹۰
مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک " دارالفکر بیروت ۳/۲۶۷
[2] فتاوٰی انقرویۃ کتاب الصلٰوۃ " دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۵

برائے خدا ہم جاہلوں کو راہِ راست بتائیں۔

الجواب

جماعت کو مستحب سمجھنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ اُسے واجب یا سنّتِ مؤکدہ نہیں جانتا صرف ایک مستحب بات مانتا ہے تو سخت مبطل شدید خاطی ہے اور احادیثِ صحیحہ اور تمام کتبِ فقہ کے ارشاد کا مخالف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۳۱ از ترساقی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داد صاحب ۲ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

ایک ہی مسجد میں جماعتِ ثانی بلا وجہ ہو سکتی ہے یا نہیں، مثلاً سہو سے جماعت اوّل کو نہ پہنچ سکے اور بعد میں جماعت ثانی کرے خواہ گاؤں ہو یا شہر، شارع عام ہو یا کوچہ، قائم امام ہو یا نہ ہو۔

الجواب

جو مسجد شارع یا بازار یا سرا یا اسٹیشن کی ہو کہ کسی محلہ یا امام سے مخصوص نہیں اُس میں سب جماعتیں جماعتِ اولیٰ ہیں جو گروہ آئے نئی اذان و اقامت سے محراب میں جماعت کرے اور جو مسجدِ محلہ ہے جس کے لئے امام و جماعت معین ہے اُس میں جب امام پہلی جماعت باعلان اذان مطابق سنّت ادا کر چکا تو بعد کو جو آئیں انھیں اعادۂ اذان ناجائز ہے اور محراب میں امامت مکروہ، اور بلا اعادۂ اذان محراب سے ہٹ کر بے کراہت جائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۳۲ از شہر کہنہ محلہ روہی ٹولہ مسئولہ بشیر الدین صاحب ۱۹ رمضان شریف ۱۳۳۶ھ

ایک مصلّی پر دو شخص علیحدہ نمازِ فرض ادا کریں تو ایسی حالت میں فرض ادا ہونے میں یا نہیں؟

الجواب

اگر اُن میں کوئی امامت کے قابل ہے اور قصداً ترکِ جماعت کیا اور یہ مسجد محلہ نہ تھی یا تھی اور یہ جماعت جماعتِ اولیٰ ہوتی تو جس کی طرف سے یہ ترک ہے وہ گنہگار ہوا ایک خواہ دونوں، اور اگر یہ مسجدِ محلہ تھی اور یہ جماعت جماعتِ اولیٰ نہ ہوتی تو بُرا کیا، رافضیوں سے مشابہت تو قدیم سے تھی اب دیوبندیوں گنگوہیوں سے بھی ہوئی، اور اگر اُن میں کوئی قابلِ امامت نہ تھا تو حرج نہیں بہرحال فرض ادا ہر صورت میں ہو جائیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۳۳ از ملّا تلی تال کوہ نینی تال مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب تاجر طلسمی پریس ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

جماعت صرف عورتوں کی جن کا محض امام مرد ہو درست ہے یا نہیں؟ اور امام کے سہو کو وہ لڑکی یا عورت بتا سکتی ہے یا نہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا؟

الجواب

اگر یہ جماعت مسجد میں ہو مطلقاً مکروہ ہے کہ عورات کو حاضریِ مسجد منع ہے اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضریِ مسجد سے کوئی عذر صحیح شرعی مانع نہیں تو مطلقاً مکروہ ہے کہ مرد پر حاضریِ مسجد واجب ہے اور اگر اسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوا نہیں تو مطلقاً بلاکراہت جائز ہے اور نامحرم مشتہاۃ ہیں تو مکروہ بہر حال، اگر امام کو سہو ہو تو عورت تصفیق سے اُسے متنبہ کرے یعنی سیدھی ہتھیلی بائیں پشتِ دست پر مارے آواز سے تسبیح وغیرہ نہ کہے کہ مکروہ ہے۔

دُرمختار:

المرأة تصفق لا ببطن علی بطن ولو صفق او سبحت لم تفسد وقد ترکا السنة تاتارخانیة۔[۱]

عورت تصفیق سے متنبہ کرے مگر باطن ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے باطن پر نہ مارے، اگر مرد نے تصفیق کی یا عورت نے تسبیح کہی تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ دونوں نے سنّت کو ترک کردیا، تاتارخانیہ۔ (ت)

اقول ہاں اگر امام نے قرأت میں وہ غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو تو عورت مجبورانہ آواز ہی سے بتائے گی جبکہ وہ تصفیق پر امام کو یاد نہ آجائے وذٰلک لان الضرورات تبیح المحظورات (اور وہ اس لئے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ ت)۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۴ یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک سمجھ وال لڑکا آٹھ نو برس کا جو نماز خوب جانتا ہے اگر تنہا ہو تو آیا اُسے یہ حکم ہے کہ صف سے دُور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اُسے صف سے دُور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے

فان صلاة الصبی الممیز الذی یعقل الصلاة صحیحة قطعا وقد امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسد الفرج

کیونکہ ممیز بچّے (جو نماز کو جانتا ہو) کی نماز قطعاً صحیح ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوف میں خلا نہ چھوڑنے اور متصل رکھنے کا

---

[۱] دُرمختار باب ما یفسد الصلوٰة الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۱

والتراص فی الصفوف ونهی عن خلافه بنهی شدید۔
حکم دیا ہے اور اس کے خلاف پر نہی شدید فرمائی ہے۔ (ت)

1

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو، علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

یصف الرجال ثم الصبیان ظاھرہ تعددھم فلو واحدا دخل الصف[1]
مرد صف بنائیں پھر بچے، اس کا ظاہر واضح کررہا ہے یہ اس وقت ہے جب بچے متعدد ہوں، اگر اکیلا ہو تو اسے صف کے اندر کھڑا کرلیا جائے۔ (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال[2]
اگر بچے زیادہ نہیں تو ایک بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرلیا جائے۔ (ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخلِ نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کردیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط و خطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

امامحاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الامن شذ ولامتمسک لہ فی الروایۃ ولا فی الدرایۃ[3]۔ ملخصاً۔
امرد کا محاذی ہونا فسادِ نماز کا سبب نہیں، اس مسئلہ پر تمام فقہاء نے تصریح کی ہے البتہ شاذ و نادر طور پر کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے ان کے لئے نہ روایۃً کوئی دلیل ہے نہ درایۃً۔ ملخصاً (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۹۳۵: از کلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آپ نے پہلے میرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۸

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

تھا کہ امام کے برابر تین مقتدی ہو جائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی' ایک حافظ صاحب کہ آدمی ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب نے جو حوالہ دیا ہے وہ دُرِمختار کے متن سے نہیں بلکہ شرح سے ہے اور چاہتے ہیں کہ کہ اصول سے جواب تحریر فرما دیں۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ مطالبہ سخت عجیب ہے دُرِمختار تو شرح ہی کا نام ہے، کیا شروح معتبر نہیں ہوتیں یا ان میں درمختار نامعتبر ہے یا متن میں شرح کے خلاف لکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو ایسا مطالبہ اہل علم کی شان سے بعید، درمختار بحرِ علم کی وہ دُرِمختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق و مغارب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اُس کی تحقیقاتِ عالیہ و تدقیقاتِ غالیہ پر ہو گیا۔ اللہ عزوجل رحمت فرمائے علامہ سید ابن عابدین شامی پر کہ فرماتے ہیں:

ان کتاب الدر المختار، شرح تنویر الابصار، قد طار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتہار علی الشمس فی رابعۃ النہار، حتی اکب الناس علیہ وصار مفزعھم الیہ وھو الحری بان یطلب ویکون الیہ المذھب، فانہ الطراز المذھب فی المذھب، فلقد حوی من الفروع المنقحۃ والمسائل المصححۃ، مالم یحوہ غیرہ من کبار الاسفار ولم تنسج علی منوالہ ید الافکار[1]۔

خلاصہ یہ کہ درمختار نے تمام عالم میں آفتاب چاشت کی طرح شہرت پائی، مخلوق ہمہ تن اس سے گرویدہ ہو کر اپنے مہمات میں اُس کی طرف التجا لائی، یہ کتاب اسی لائق ہے کہ اسے مطلوب بنائیں اور اس کی طرف رجوع لائیں کہ یہ دامن مذہب کی زرنگار گوٹ ہے، وہ تصحیح و تنقیح کے مسائل جمع ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں میں مجتمع نہیں، آج تک اس انداز کی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔

سبحان اللہ کیا ایسی کتاب اس قابل ہے کہ اُس کا ارشاد بلاوجہ محض قبول نہ کریں۔ خیر فتح القدیر[2] تو معتبر ہوگی جس کے مصنف امام ہمام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ وہ امام اجل ہیں کہ اُن کے معاصرین تک اُن کے لئے منصبِ اجتہاد ثابت کرتے تھے کما ذکرہ فی ردالمحتار (جیسا کہ

---

[1] ردالمحتار شروع الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲

ردالمحتار میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ت)، تبیین الحقائق تو مقبول ہو گی جس کے مصنف امام اجل فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی شارح کنز ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیمروز سے روشن تر۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں۔ کافی امام نسفی تو معتمد ہو گی جس کے مصنف امام برکۃ الانام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی صاحب کنز الدقائق ہیں۔ سب جانے دو ہدایہ بھی ایسی چیز ہے جس کے اعتماد و استناد میں کلام ہو سکے یہ سب اکابر ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جماعت رجال میں امام کا قوم کے برابر ہونا حرام و مکروہ تحریمی ہے، ہدایہ میں ہے: محرم قیام الامام وسط الصف[1] (امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا حرام ہے۔ ت)

فتح القدیر میں ہے:

صریح فی ان ترك التقدم لامام الرجال محرم وکذا اصرح الشارح وسماہ فی الکافی مکروھا وھو الحق ای کراھۃ تحریم لان مقتضی المواظبۃ علی التقدم منہ علیہ الصلٰوۃ والسلام بلا ترك الوجوب فلعدمہ کراھۃ التحریم فاسم المحرم مجاز[2]۔

یہ عبارت اس میں صریح ہے کہ مردوں کے امام کا تقدیم کو ترک کرنا حرام ہے اور شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے اور کافی میں اسے مکروہ کہا اور حق بھی یہی ہے یعنی مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا بلا ترک اس پر مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے لہٰذا اس کا خلاف کرنا مکروہِ تحریمی ہوا پس اس پر حرام کا اطلاق مجازاً ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایۃ وھو یدل علی انھا کراھۃ تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبۃ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وترك الواجب موجب الکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم[3]۔

امام کا وسطِ صف میں قیام حرام ہے۔ ایسا عمل ننگوں کی طرح مکروہ ہوگا، ہدایہ میں اسی طرح ہے یہ اس پر دال ہے کہ یہ عمل مکروہِ تحریمی ہے کہ امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ دائمی عمل ہے اور ترکِ واجب اس کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کی مقتضی ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۰۳
[2] فتح القدیر 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶
[3] بحرالرائق 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

دررالحکام علامہ مولٰی خسرو میں ہے : محظورقیام الامام وسط الصف[1] اھ ملخصا (امام کا صف میں کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ت) ذخیرۃ العقبٰی میں ہے ، اماکراھتہا فلعدم خلوھا عن المحرم[2] (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرمت سے خالی نہیں ہے۔ت) مجمع الانہر میں ہے، قیام الامام وسط الصف مکروہ کراھۃ تحریم[3] اھ ملخصا (امام کا وسطِ صف میں کھڑا ہونا مکروہِ تحریمی ہے اھ تلخیصاً۔ت) مستخلص میں ہے : محرم وھو وقوف الامام وسط الصف[4] (امام کا وسطِ صف میں کھڑا ہونا حرام ہے۔ت) فتح المعین[5] علامہ سید ابی السعود ازہری میں زیرِ قول شارح والاثنان خلفہ وان کثرالقوم کرہ قیام الامام وسطھم (اور دو امام کے پیچھے کھڑے ہوں، اگر لوگ دو سے زیادہ ہوں تو امام کا ان کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ت) فرمایا ای تحریما لترک الواجب[5] (یعنی مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ ترکِ واجب لازم آرہا ہے۔ت) ردالمحتار[6] میں ہے ، تقدم الامام امام الصف واجب[6] (امام کا صف کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔ت) بااینہمہ اگر دلیل درکار ہو تو فتح القدیر و بحرالرائق کا ارشاد پیشِ نظر کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ ہمیشہ صف پر تقدم فرمایا اور ایسی مداومت کہ کبھی ترک نہ فرمائیں دلیلِ وجوب ہے

اقول وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی[7] رواہ البخاری عن مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھتے ہو۔ اس کو امام بخاری نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] دررالحکام شرح غررالاحکام | فصل فی الامامۃ | مطبوعہ مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/ ۸۶
[2] ذخیرۃ العقبٰی | فصل فی الجماعۃ | 〃 منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۵
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر | فصل مکروہات الصلوۃ | 〃 احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۲۵
[4] مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق | باب الامامۃ | 〃 کانشی رام پرنٹنگ ورکس لاہور ۱/ ۲۰۳
[5] فتح المعین | باب الامامۃ | 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۹
[6] ردالمحتار | 〃 | 〃 مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰
[7] صحیح البخاری | باب الاذان للمسافر الخ | مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸

یہاں امر ہے اور امر کا مفاد وجوب تو جب تک دلیلِ خصوص مثلاً ترک احیاناً یا اقرار علی الترک ثابت نہ ہو اس عموم میں داخل اور وجوب حاصل اور ترک واجب مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تحریمی گناہ صغیرہ اور صغیرہ بعد اعتیا د کبیرہ اور کبیرہ کا مرتکب فاسق اور مردود الشہادۃ اور گناہ تو ایک ہی بار میں ثابت، نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۳۶ ، ۹۳۷ از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۳ جمادی الاُخریٰ ۱۳۱۸ھ

سوالِ اوّل : زید کی امامت سے جماعت ثانیہ مسجد، بازار یا سرائے میں ہو رہی ہے اُسی مسجد میں بکر بھی آیا اُس کو معلوم ہو گیا کہ یہ جماعت ثانیہ ہے اُس نے علیحدہ و تنہا جماعت کے قریب یا کسی قدر فاصلے سے اپنی نماز ادا کی تو نماز بکر کی ادا ہو گئی یا نہیں؟

سوالِ دوم : ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ جماعتِ ثانیہ کیا بلکہ جماعتِ اولٰی بھی ہوتی ہو تو اُس وقت کوئی دوسرا شخص اُسی مسجد میں آئے اور تنہا اپنی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی جماعت کا پچیس[۲۵] گنا ثواب نہ ملے گا، نماز ہو جانے کا سبب یہ بتایا کہ جماعت سنّتِ مؤکدہ ہے نہ فرض ہے نہ واجب، اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟

الجواب

جوابِ سوالِ اوّل : نماز بایں معنی تو ہو گئی کہ فرض سر سے اتر گیا مگر سخت کراہت و لزومِ معصیت کے ساتھ کہ بے عذرِ شرعی ترکِ جماعت گناہ و شناعت ہے نہ کہ خود بحالِ قیامِ جماعت صریح خلاف و اضاعت، یہاں تک کہ اگر کسی نے تنہا فرض شروع کر دیے ہنوز جماعت قائم نہ تھی اس کے بعد قائم ہوئی اور اس نے ابھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا تو اسے شرع مطہر مطلقاً حکم فرماتی ہے کہ نیت توڑ دے اور جماعت میں شامل ہو جائے بلکہ مغرب و فجر میں تو جب تک دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو حکم ہے کہ نیت توڑ کر مل جائے اور باقی تین نمازوں میں دو بھی پڑھ چکا ہو تو انھیں نفل ٹھہرا کر جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو شریک ہو جائے۔

فی التنویر شرع فیہا اداء منفردا ثم اقیمت یقطعھا قائما بتسلیمۃ واحدۃ ویقتدی بالامام ان لم یقید الرکعۃ الاولٰی بسجدۃ

تنویر الابصار میں ہے کسی نے تنہا نماز ادا کرنا شروع کی پھر اسی فرض کی جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ سلام واحد کے ساتھ کھڑے کھڑے نماز ختم کر دے اور امام کی اقتدا کرے بشرطیکہ اس نے پہلی رکعت کا

اوقیدھا فی غیر رباعیۃ اوفیھا وضم الیھا اخری وان صلی ثلثا منھا اتم ثم اقتدی متنفلا ویدرک فضیلۃ الجماعۃ الافی العصر[1]

سجدہ نہ کیا ہو یا پہلی رکعت کا سجدہ کر لیا ہے مگر نماز غیر رباعی ہو (یعنی فجر و مغرب کی نماز میں) یا نماز رباعی ہو مگر اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملاچکا ہے (ان صورتوں میں نماز توڑ کر امام کی اقتدا کرے) اگر تین رکعت ادا کرچکا ہے تو نماز پوری کرے اس کے بعد بنیتِ نوافل امام کی اقتدا کرے تو اسے ثوابِ جماعت حاصل ہوجائے گا البتہ نمازِ عصر میں ایسا نہیں کرسکتا (کیونکہ بعد از عصر نفل پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے)۔ (ت)

جب پیش از جماعت تنہا شروع کرنے والے کو یہ حکم ہے حالانکہ اس نے ہرگز مخالفتِ جماعت نہ کی تھی اور نیت توڑنا بے ضرورتِ شرعیہ سخت حرام ہے قال اللہ تعالٰی لا تبطلوا اعمالکم[2] اپنے عمل باطل نہ کرو۔ مگر شرع مطہر نے جماعت حاصل کرنے کے لئے نیت توڑنے کو ابطالِ عمل نہ سمجھا اکمالِ عمل تصور فرمایا تو یہاں کہ جماعتِ قائمہ کے خلاف اپنی الگ پڑھتا ہے کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہوسکتا ہے بلکہ جو شخص مسجد میں نماز تنہا پوری پڑھ چکا ہو اور اب جماعت قائم ہوئی اگر ظہر یا عشا ہے تو شرعاً اس پر واجب ہے کہ جماعت میں شریک ہو کہ مخالفتِ جماعت کی تہمت سے بچے اور باقی تین نمازوں میں حکم ہے کہ مسجد سے باہر نکل جائے تاکہ مخالفتِ جماعت کی صورت نہ لازم آئے،

فی الدرالمختار من صلی الظھر والعشاء وحدہ مرۃ فلایکرہ خروجہ بل ترکہ للجماعۃ الاعند الشروع فی الاقامۃ فیکرہ لمخالفتہ الجماعۃ بلاعذر بل یقتدی متنفلا ومن صلی الفجر والعصر والمغرب مرۃ فیخرج مطلقاوان اقیمت،وفی النھر ینبغی ان یجب خروجہ لان کراھۃ

درمختار میں ہے جس نے ظہر و عشاء کی نماز تنہا ایک مرتبہ ادا کرلی اس کے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں بلکہ جماعت کا ترک مکروہ ہوا مگر اس صورت میں جب اقامت شروع ہوگئی تو مکروہ ہے بلا عذر نکلنا بسبب اس کی مخالفتِ جماعت کے بلکہ وہ مسجد میں ٹھہرے اور بنیتِ نوافل امام کی اقتدا کرے، اور جس نے فجر، عصر اور مغرب کی نماز ادا کرلی تو وہ ہر حال میں مسجد سے نکل سکتا ہے اگرچہ

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[2] القرآن ۴۷/ ۳۳

مکثه بلاصلاة اشد[1] اھ مختصرا

فی ردالمحتار تحت قوله الاعند الشروع فی الاقامة لان فی خروجه تهمة قال الشیخ اسمٰعیل و هوالمذکور فی کثیر من الفتاوٰی والتهمة هنا نشأت من صلاته منفردا فاذا خرج یؤید[2] الخ وفیه عن المحیط مخالفة الجماعة وزر عظیم[3]۔

تکبیر شروع ہوجائے، تب میں ہے مناسب یہ ہے کہ جماعت ہونے کے وقت اس کا نکل جانا واجب ہے کیونکہ بغیر نماز کے وہاں مسجد میں رُکے رہنا زیادہ مکروہ ہے اھ مختصراً۔ ردالمحتار میں "الاعند الشروع فی الاقامة" کے تحت ہے کہ اس کے نکلنے میں تہمت ہے۔ شیخ اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ بہت سے فتاوٰی میں یہی مذکور ہے اور یہ تہمت کا سبب اس کا تنہا نماز ادا کرنا ہے اور جب وہ نکل کھڑا ہوا تو اس سے تائید ہوجائے گی الخ اسی میں محیط کے حوالے سے ہے کہ مخالفتِ جماعت میں بہت بڑا گناہ ہے۔ (ت)

جب جماعت سے پہلے تنہا پڑھنے والا جماعت میں شریک نہ ہو تو متہم اور مخالف جماعت اور وزرِ عظیم میں مبتلا قرار پاتا ہے تو جو باوصف قیام جماعت قصداً مخالفت کرکے اپنی الگ شروع کردے کیونکر سخت متہم وصریح مخالف و گرفتارِ گناہِ شدید نہ ٹھہرے گا بلکہ علما فرماتے ہیں کہ قیامِ جماعت کی حالت میں اگر کچھ لوگ آکر دوسری جماعت جُدا قائم کردیں مبتلائے کراہت ہوں گے کہ تفریقِ جماعت کی حالانکہ یہ نفسِ جماعت کے تارک نہ ہوئے نہ اُن پر اصل جماعت سے مخالفت کی تہمت آسکتی ہے تو اکیلا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنانے والا کس قدر شدید مخالف ہوگا،

فی الخلاصة ثم الهندیة قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الخارج فامهم وقام امام من اهل الداخل فامهم من

خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ مسجد سے باہر بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہی تو باہر والوں میں سے ایک شخص نے امامت کرائی اسی طرح اہل داخل میں سے ایک شخص نے امامت کرائی، ان دونوں میں سے جو پہلے

---

[1] درمختار | باب ادراک الفریضہ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۹۹/۱
[2] ردالمحتار | " " " " | " مصطفی البابی مصر | ۵۲۸/۱
[3] " " | " " " " | " " " " | ۵۲۹/۱

یسبق بالشروع فھو المقتدی بہ لاکراھۃ فی حقھم[1]۔ شروع ہوا وہ امام ہے اور اس کی اقتدا کرنے والے درست ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں (ت)۔

اور اس جماعت کا جماعتِ ثانیہ ہونا ان شناعتوں سے نہیں بچا سکتا اگرچہ جماعت ثانیہ کی مخالفت کا تہمت سے مطلقاً بری ہونا مان بھی لیا جائے کہ جب مسجد مسجدِ محلہ نہیں بازار یا سرای کی مسجد ہے تو اس کی ہر جماعت جماعتِ اولیٰ ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ ت) ہاں اگر یہ امام قرآن عظیم ایسا غلط پڑھتا ہے جو مفسدِ نماز ہو یا اس کی بدمذہبی تا حد فساد ہے یا نقصِ طہارت وغیرہ کوئی اور وجہ فساد کی ہے تو الزام نہیں کہ ان صورتوں میں وُہ جماعت خود جماعت ہی نہیں بلکہ اب اس میں شرکت ممتنع ہوگی لبطلان الصلاۃ خلفہ (کیونکہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس کا جواب جوابِ سوالِ اوّل سے واضح ہے۔ ہو جانا بمعنی سقوطِ فرض مسلّم مگر اس قائل کے فحوائے کلام سے ظاہر ہے کہ صرف اس قدر اُس کی مراد نہیں بلکہ اس میں فقط کمی ثواب مانتا اور لحوق اثم سے پاک جانتا ہے ولہٰذا تعلیل میں نہ واجب کا لفظ بڑھایا اور نہ سقوط فرض، تو بحال ترک جمیع واجبات بھی حاصل ہے اب یہ قول محض غلط ہے، اوّلاً مذہبِ معتمد میں جماعت واجب ہے اور اُسے سنّتِ مؤکدہ کہنا بوجہ ثبوت بالسنۃ ہے اور نہ بھی سہی تاہم اس کے قصدی ترک میں لحوق گناہ سے مفر نہیں،

فی الدرالمختار الجماعۃ سنۃ موکدۃ للرجال قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب الخ وفیہ وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشائخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرھا قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب[2] اھ وفی البحر من باب صفۃ الصلٰوۃ الذی یظھر من کلام اھل المذھب ان

درمختار میں ہے مردوں کے لئے جماعت سنتِ مؤکدہ ہے۔ زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے وجوب مراد لیا گیا ہے الخ اسی میں ہے وجوب کا قول بھی کیا گیا ہے اور ہمارے عام مشائخ اسی پر ہیں، تحفہ وغیرہ میں اسی پر جزم ہے، بحر میں فرمایا اہلِ مذہب کے ہاں یہی راجح ہے اھ اور بحر میں باب صفت صلٰوۃ میں ہے کہ اہل مذہب کے کلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ صحیح

---

[1] خلاصۃ الفتاوی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتدار مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵
فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی بیان من ہو احق بالامامۃ " نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

الاثم منوط بترك الواجب او السنة المؤكدة على الصحيح لتصريحهم بان من ترك سنن الصلوة الخمس قيل لايأثم والصحيح انه يأثم ذكره فی فتح القدير وتصريحهم بالاثم لمن ترك الجماعة مع انها سنة مؤكدة على الصحيح وكذا فی نظائره لمن تتبع كلامهم ولا شك ان الاثم مقول بالتشكيك بعضه اشد من بعض فالاثم لتارك السنة المؤكدة اخف من الاثم لتارك الواجب[1] اھ وفی ردالمحتار عن النھر عن الكشف الكبير عن اصول ابی اليسر حكم السنة ان يندب الی تحصيلها ويلام علی تركها مع لحوق اثم يسير[2] اھ

قول کے مطابق گناہ کا مدار ترکِ واجب یا ترکِ سنّتِ مؤکدہ پر ہے کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ جس نے صلواتِ خمسہ کی سُنن کو ترک کیا اس کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ گنا ہگار نہیں ہوگا، اور صحیح یہ ہے کہ وہ گنہ گار ہوگا۔ فتح القدیر میں اس کو ذکر کیا ہے اور یہ بھی ان کی تصریح ہے کہ جس نے جماعت ترک کی وہ گنہ گار ہوگا حالانکہ صحیح یہی ہے کہ جماعت سنّت موکدہ ہے۔ اسی طرح اس کی دیگر نظائر کا حکم ہے ان کے کلام سے تلاش کرنے والے کو یہی ملے گا، بلاشبہ گناہ کے بارے میں تشکیکی قول ہے، بعض کا قول بعض سے سخت ہے تو تارک سنت مؤکدہ کا گناہ تارک واجب سے اخف اور کم ہوگا اھ اور ردالمحتار میں نہر سے الکشف الکبیر کے حوالے سے ہے، اصول ابوالیسر سے ہے کہ سنّت کا حکم یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنا مندوب و مستحب ہے اور اس کے ترک پر تھوڑے سے گناہ کے ساتھ ملامت ہوگی اھ (ت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لقد رأیتنا وما یتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق۔

یعنی ہم نے اپنے آپ کو عہدِ رسالت میں دیکھا کہ جماعت سے پیچھے نہ ہٹتا تھا مگر کُھلا منافق۔

اور فرماتے ہیں:

لوترکتم سنة نبیکم لضللتم اگر تم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت ترک کرو گے گمراہ ہوجاؤ گے رواہ مسلم (اسے مسلم نے روایت کیا۔ ت)

اور ایک روایت میں ہے: لکفرتم تم کافر ہوجاؤ گے رواہ ابوداؤد (اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ت) یعنی کفران یا یہ کہ معاصی برید کفر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] بحرالرائق باب صفة الصلوٰة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۰۲

[2] ردالمحتار مطلب فی السنة وتعریفها 〃 مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

مسئلہ ۹۳۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں امام کے واسطے مصلّٰی مخصوص کرنا اور مقتدی بغیر مصلّے کے قصداً کھڑے کئے جائیں بایں نیت کہ امام بہ نسبت مقتدیوں کے ممتاز ہونا چاہئے مکروہ ہے یا غیر مکروہ بینوا توجروا۔

الجواب

اتفاقاً ایسا ہوجائے تو مضائقہ نہیں یا امام نے خود بچھایا کسی مقتدی نے نہ اس لئے کہ امام و مقتدی میں امتیاز چاہئے بلکہ امام کو کسی فضل دینی کی تعظیم کے لئے، مثلاً وہ عالمِ دین ہے اُس کے نیچے مصلّٰی بچھادیا تو بھی حرج نہیں اور خاص اُس نیت سے بالقصد مقتدیوں کو بے مصلی کھڑا کرنا کہ نماز میں امام و مقتدیان کا یوں امتیاز ہونا چاہئے محض بے اصل و خلافِ سنّت اور دین میں نئی بات نکالنا ہے۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی

مسئلہ ۹۳۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی رمضان میں اور مسجد میں کلام شریف سُننے جائے تو اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت اس کے جانے سے بالکل جاتی ہے کیا ایسا شخص مقیم جماعت نہ ہوگا گو امام مقرر مسجد نہیں مگر قرآن شریف یا بجز بہ الصلٰوۃ پر قادر ہے، درصورت اس کے موجود ہونے کے جماعت ہوسکتی ہے، چنانچہ جمعہ مسجد میں یہی شخص پڑھاتا ہے اس کو غیر مسجد میں جانا اپنی مسجد کو ایک وقت معطل چھوڑنا بغرض استماعِ قرآن جائز ہے یا مکروہ یا کراہت ہے؟ لیکن استماعِ قرآن تراویح میں صرف تراویح سے ثواب اتنا زیادہ ہے کہ کراہت کان لم تکن (یعنی کراہت اصلاً نہ رہے۔ ت) ہوجائے۔ بینوا توجروا

الجواب

ایسا شخص بلاشبہ مقیم جماعت ہے اسے چاہئے کہ نمازِ فرض اپنی مسجد میں پڑھا کر تراویح کے لئے دوسری مسجد میں چلا جائے کہ جب اپنی مسجد میں قرآن عظیم نہ ہوتا ہو تو دوسری مسجد میں اس غرض سے جانا کوئی باک نہیں رکھتا بلکہ مطلوب و مندوب ہے، ہاں تعطیل جماعت فرض جائز نہیں، لہذا فرض یہاں پڑھا کر دوسری جگہ جائے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۴۰ ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی جواب ھذا السؤال (اے علما! اللہ تم پر رحم فرمائے اس سوال کا کیا جواب ہے؟ ت) جماعت تراویح میں بعض لوگ صفِ اوّل و دوم میں متفرق طور پر اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ چار آدمی کھڑے ہوکر پھر چار بیٹھ کر بعد ہی اس کے دو کھڑے ہوئے ازاں بعد پھر تین بیٹھے ہوئے پڑھتے اور قرآن سنتے ہیں اگرچہ یہ بیٹھنے والے سب ضعیف و معذور نہیں ہیں بلکہ بیشتر نوجوان ہیں جن کو بخیال تطویل قرأت امام برابر کھڑا رہنا بوجہ اپنی کاہلی و تکاسل کے ناگوار ہے آیا بیٹھ کر نماز پڑھنا ان کا اندر صفوف بلا کراہت جائز ہے؟ کیا تسویہ صفوف کا حکم اس سے قطعاً غیر متعلق ہے؟ کیا

جماعت فرض وتراویح میں اس کی بابت کوئی حکم تخصیصی ہے، ایک فریق کہتا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے آخر صف میں نماز پڑھیں دوسرا فریق مجوز ہے کہ ایسی جماعت بلاکراہت صحیح و درست ہے چاہے کسی صف میں کوئی شخص بیٹھ کر پڑھتا ہو یا کھڑا ہو کر اس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے ایسی حالت میں کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

دربارہ صفوف شرعاً تین باتیں بتاکید اکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذ اللہ کالمتروک ہو رہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی ایک خط مستقیم پر واقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظمہ پر گزرا ہے عمود ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عباد اللہ لتسون صفوفکم اولیخالفن اللہ بین وجوھکم[1]

اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کروگے یا اللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف میں ایک شخص کا سینہ اوروں سے آگے نکلا ہوا ملاحظہ کیا، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔ رواہ مسلم عن النعمٰن بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنھما (اس کو مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

رصوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الحذف[2]۔ رواہ النسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتا ہوں کہ رخنۂ صف سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔ اسکو نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲

[2] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ ؍؍ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

تیسری حدیث صحیح میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصف الملئکۃ وحاذوا بین المناکب[1] رواہ احمد وابوداؤد والطبرانی فی الکبیر و ابن خزیمۃ والحاکم وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

صفیں سیدھی کرو کہ تمہیں تو ملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور شانے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔ اس کو امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے اسے صحیح قرار دیا۔

دوم اتمام کہ جب تک ایک صف پُوری نہ ہو دُوسری نہ کریں اس کا شرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اُسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تو اُسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہُوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پُورا کرے کہ انھوں نے مخالفت حکم شرع کرکے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پُوری کرے گا اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الا تصفون کما تصف الملئکۃ عند ربہا[2]۔

ایسی صف کیوں نہیں باندھتے جیسی ملائکہ اپنے رب کے حضور باندھتے ہیں۔

صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ملائکہ کیسی صف باندھتے ہیں؟ فرمایا:

یتمون الصف الاول ویتراصون فی الصف[3] رواہ مسلم وابوداؤد

اگلی صف پُوری کرتے اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کو مسلم، ابوداؤد،

---

[1] سنن ابوداؤد | باب تسویۃ الصفوف | مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۹۷
مسند احمد بن حنبل | مروی از عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ | مطبوعہ دارالفکر بیروت | ۲/۹۸

[2] صحیح مسلم | باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ | " قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۱۸۱
سنن ابوداؤد | باب تسویۃ الصفوف | مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۹۷

[3] صحیح مسلم | باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ | مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۱۸۱
سنن ابوداؤد | باب تسویۃ الصفوف | مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور | ۱/۹۷

النسائی و ابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[1] رواہ الائمۃ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان وخزیمۃ والضیاء باسانید صحیحۃ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

پہلی صف پوری کرو پھر جو اس کے قریب ہے کہ جو کمی ہو تو سب سے پچھلی صف میں ہو۔ اسے ائمہ کرام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور ضیاء مقدسی نے اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ[2] رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وھو من تتمۃ حدیثہ الصحیح المذکور سابقا عند احمد و ابی داؤد والثلثۃ الذین معھما۔

جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اسے نسائی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، یہ عبداللہ ابن عمر کی حدیث اس حدیث صحیح مذکور سابقہ کا تتمہ ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نظر الیٰ فرجۃ فی صف فلیسدھا بنفسہ فان لم یفعل فمر مار فلیتخط

جو کسی صف میں خلل دیکھے وہ خود اسے بند کردے اور اگر اس نے بند نہ کیا اور دوسرا آیا تو اسے چاہیے

---

[1] سنن ابوداؤد — باب تسویۃ الصفوف — مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸
سنن النسائی — فضل الصف الاول — ؍؍ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

[2] سنن ابوداؤد — باب تسویۃ الصفوف — ؍؍ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷
سنن النسائی — من وصل صفا — ؍؍ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

علی رقبتہ فانہ لاحرمۃ لہ[1]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

کہ وہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اُس خلل کی بندش کو جائے گا اس کے لئے کوئی حرمت نہیں۔ اسے مسند فردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی الذین یصلون الصفوف ومن سد فرجۃ رفعہ اللہ بہا درجۃ[2]۔ رواہ احمد و ابن ماجۃ وابن حبان والحاکم وصححہ واقروہ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

بیشک اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو وصل کرتے ہیں اور جو صف کا فرجہ بند کرے اللہ تعالٰی اس کے سبب جنت میں اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا اور ان تمام نے اسے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

سوم تراص یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: صفا کانھم بنیان مرصوص[3] ایسی صف کہ گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولٰی سبحنہ وتعالٰی دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظہری[4]۔ رواہ البخاری و النسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اپنی صفیں سیدھی اور خوب گھنی کرو کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس رضی اللہ عنہ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/۱۰۵-۱۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا 〃 دار الفکر بیروت ۶/۸۹

[3] القرآن ۶۱/۴

[4] صحیح بخاری باب اقبال الامام علی الناس عند تسویۃ الصفوف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

یہ بھی اسی اتمامِ صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں کما حققناہ فی فتاوٰنا وکثیر من الناس عنہ غافلون (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی خوب تحقیق کی ہے اور بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں۔ ت) اور یہاں چوتھا امر اور ہے تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدر سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے جس کا ذکر حدیث دوم میں گزرا وہ یہاں زیرِ بحث نہیں صف میں کچھ مقتدی کھڑے کچھ بیٹھے ہوں تو اس سے امرِ اول یعنی تسویۂ صف پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا کہ قائم وقاعد بھی خطِ واحد مستقیم میں ہوسکتے ہیں تسویہ میں ارتفاع کی برابری ملحوظ نہیں نہ وہ ملحوظ ہونے کے قابل کہ ایک پیمائش کے قد کہاں سے آئیں گے، ہاں جبکہ بیٹھنے والے محض کسل وکاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے تو فرائض وواجبات مثل عیدین ووتر میں امرِ دوم وسوم کا خلاف لازم آئے گا کہ جب بلا عذر بیٹھے تو ان کی نماز نہ ہوئی اور قطعِ صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دخیل ہیں ان بیٹھنے والوں کو خود فساد نماز ہی کا گناہ کیا کم تھا مگر انھیں یہاں جگہ دینا اور اگر قدرت ہو تو صف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کا گناہ ہوگا کہ وُہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کردے، اُن پر لازم تھا کہ اُنھیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں تو صفوں سے نکال کر دُور کریں، ہاں نمازی اس پر قادر نہ ہوں تو معذور ہیں اور اس قطعِ صف کے وبالِ عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں یہ حکم فرائض وواجبات کا تھا، رہی تراویح اس میں ہمارے علما کو اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی مثل واجبات وسنتِ فجر بلا عذر بیٹھ کر ناجائز وفاسد ہوتی ہیں یا مثل باقی سنن جائز ہوجاتی ہیں اگرچہ خلاف توارث کے سبب مکروہ ہوتی ہیں بعض علما حکمِ اول کی طرف گئے اور صحیح ثانی ہے، درمختار میں ہے،

(التراویح تکرہ قاعدا) لزیادۃ تاکدھا حتی قیل لاتصح (مع القدرۃ علی القیام) کما یکرہ تاخیر القیام الی رکوع الامام للتشبیہ بالمنافقین[1]۔

(نمازِ تراویح بیٹھ کر ادا کرنا مکروہ ہے) کیونکہ ان میں تاکید زیادہ ہے حتی کہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق بیٹھ کر نمازِ تراویح ہوتی ہی نہیں (قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے) جیسا کہ رکوعِ امام تک قیام کو مؤخر کرنا (یعنی امام کے رکوع کے وقت نماز کا شروع کرنا) مکروہ ہے، کیونکہ اس میں منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ (ت)

خانیہ وردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

لوصلی التراویح قاعدا قیل لا یجوز بلاعذر لما روی الحسن عن ابی حنیفة لوصلی سنة الفجر قاعدا بلاعذر لا یجوز فکذا التراویح لان کلا منهما سنة موکدة وقیل یجوز وھو الصحیح والفرق ان سنة الفجر سنة موکدة بلاخلاف والتراویح دونھا فی التاکد فلایجوز التسویة بینھما[1]

اگر کسی نے تراویح بیٹھ کر ادا کیں تو بعض فقہاء کے نزدیک بلاعذر ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ امام حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے فجر کی سُنتیں بلاعذر بیٹھ کر ادا کیں تو یہ جائز نہیں، اسی طرح تراویح کا معاملہ ہے، کیونکہ دونوں سنّتِ مؤکدہ ہیں، بعض فقہا کے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ سنّتِ فجر بغیر کسی اختلاف کے سنّتِ مؤکدہ ہیں اور تراویح کا درجہ تاکید میں ہونا اس سے کم ہے لہٰذا ان کے درمیان مساوات و برابری نہ ہوگی۔ (ت)

قولِ اوّل پر کاہلوں کا بلاعذر صف میں بیٹھنا ویسا ہی ناجائز و مورثِ گناہ و موجبِ قطعِ صف ہوگا جیسا واجبات میں کہ اس قول پر یہ لوگ بھی نماز سے خارج ہیں اور قولِ ثانی پر مستحب ہوگا کہ ان اہلِ کسل کو مؤخر کیا جائے اور صفوں میں یُوں دخیل نہ ہونے دیا جائے کہ ایک قول پر وہ گناہ و معصیت ہے اور دوسرے پر محض بے ضرورت ہے تو اس سے احتراز ہی میں فضیلت ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے مذاہب جو اپنے مذہب سے بے علاقہ ہیں جیسے حنفیہ کے لئے شافعیت مالکیت حنبلیت اُن کے خلاف کی رعایت رکھنی بالاجماع مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آتا ہو تو یہ خلاف تو خود اپنے علمائے مذہب میں ہے، درمختار میں ہے:

لاینقضہ مس ذکر وامرأة لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذھبہ[2]

مَسِ ذکر اور مَسِ امرأۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن ایسی صورت میں اختلاف سے بچتے ہوئے وضو کرلینا مستحب ہے خصوصاً امام کے لئے بشرطیکہ امام کے اپنے مسلک میں مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے (ت)

مگر یہاں ایک اور نکتہ واجب اللحاظ ہوگا کہ تاخیر اتنے کاہلوں کی ہو جس قدر تمام صف سے زائد ہوں ورنہ

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۹

[2] دُرمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷

اطرافِ صف آخر میں اقامت ہو تا کہ مذہب صحیح پر قطعِ صف نہ لازم آئے اُس سے تحرز مستحب تھا یہاں واجب ہوگا تو ضیح یہ کہ یہاں تین۳ صورتیں ہوں گی :

اوّل یہ کہ قائمین بقدر کمال صف ہوں یعنی اُن سے ایک یا چند صفیں پوری کامل ہوجائیں کہ کرنہ آدمی زائد بچے نہ صف میں جگہ رہے اس صورت میں صفوف سابقہ کاملہ قائمین سے کرلی جائیں اور کاہلین سب سے آخر میں اپنی صف یا صفیں کامل یا ناقص جس قدر ہیں باندھیں یہ صورت کاہلین کی تاخیر مطلق کی ہوگی۔

دوم قائمین سے اکمالِ صف نہیں ہوتا خواہ اس قدر کم ہیں کہ پہلی ہی صف پوری کرنے کو اور آدمیوں کی حاجت ہے یا کثیر ہیں ایک یا چند صفیں ان سے مکمل ہوگئیں اور اب اتنے بچے جن سے بعد کی صف پُوری نہیں ہوتی اور قاصرین سے تکمیل ہوجائے گی اور زیادہ نہ بچیں گے تو لازم ہے کہ قائمین کی اخیر صف میں کاہلین کو ایک کنارے پر جگہ دے کر تکمیلِ صف کریں حتی کہ اگر صفِ اوّل ہی ناقص تھی تو اسی کے کنارے پر انھیں رکھیں اس صورت میں کاہلوں نے اصلاً تاخیر نہ پائی۔ ہاں ایک کنارے پر جمع کردئے گئے۔

سوم تکمیلِ صف میں کاہلین کی حاجت ہے اور وہ بعد تکمیل بھی بچتے ہیں تو جس قدر تکمیل کے لئے مطلوب ہیں قائمین کی صف آخر کے ایک کنارے پر انھیں رکھ کر باقی کی صف تا صفوف ناقص یا کامل اخیر میں کردی جائیں یُوں بعض کی تاخیر اور بعض کی طرف پر اقامت ہوگی اور وجہ ان سب کی وہی ہے کہ جب مذہب صحیح میں کاہلین کی نماز میں صرف کراہت ہے نہ بطلان محض اور قائمین کی صف کو تکمیل کی حاجت ہے تو اس سے ہٹا کر کاہلین کو صفِ دیگر میں رکھنا صف اخیر قائمین کو ناقص چھوڑنا ہوگا اور یہ جائز نہیں پھر بہرحال اگر اور قائمین آتے جائیں یا اُنھیں میں سے بعض توفیق پاتے جائیں تو وہ بجائے کاہلین فی طرف الصف ہوں اور کاہلین فی الطرف مؤخر ہوتے جائیں یہاں تک کہ مثلاً صورت ثانیہ صورتِ اولیٰ کی طرف رجوع کرے اور ثالثہ ثانیہ یا اولیٰ ہوجائے الٰی غیر ذٰلک من الاحتمالات (اس کے علاوہ دیگر احتمالات) یہ سب اس صورت میں ہے کہ کاہلین دستِ شرع میں نرم ہوں ورنہ بحال فتنہ قدر میسور پر عمل چاہیے، وباللہ التوفیق ھذا ما افادہ التفقہ والکتاب واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۹۲۱ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی محمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کتاب میں یہ

5/5

عبارت لکھی ہے البتہ چار مصلے جو کہ مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے کہ تکرار جماعت و افتراق
اُس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت
نہیں ہوتی اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں مگر یہ تفرقہ نہ ائمۂ دین حضرات مجتہدین سے ہے نہ علمائے متقدمین
سے بلکہ کسی وقت سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل حق پسند نہیں کرتا پس
یہ طعن نہ علمائے اہل حق مذاہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے فقط واللہ
تعالیٰ اعلم ۔ پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ چار مصلے کس کی سلطنت میں ہوئے اور کس امر و بنیاد پر
قائم کئے گئے کہ جو زید لکھتا ہے کہ لاریب یہ امر زبون ہے صدہا علمائے کاملین و صلحائے مقبولین گزرے
کسی نے آج تک یہ اعتراض نہیں کیا کہ جواب زید پر اعتراض کرتا ہے اس کا لکھنا درست ہے یا خلاف؟
اور زید کو شرعاً کیا کہنا چاہئے؟ جواب مدلل مکمل صاف صاف تحریر فرمائیں بینوا بالتفصیل جزاکم
اللہ الرب الجلیل۔

الجواب

حقیقت امر یہ ہے کہ حرمین طیبین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں چاروں مذاہب حقہ اہلسنت حفظہم
اللہ تعالیٰ کے لوگ مجتمع ہیں اور اُن میں باہم طہارت و نماز کے مسائل میں اختلاف رحمت ہے ، ایک بات
ایک مذہب میں واجب دوسرے میں ممنوع ، ایک میں مستحب دوسرے میں مکروہ ، ایک کے نزدیک ایک
امر ناقض طہارت دوسرے کے نزدیک نہیں ، ایک کے یہاں کسی صورت میں وضو تمام دوسرے کے
یہاں نہیں ، تو جب امام کسی مذہب کا ہو اگر اس نے دوسرے مذہب کے فرائض طہارت و صلاۃ کی
رعایت اور ان کے نواقض و مفسدات سے مجانبت نہ کی جب تو اس مذہب والوں کی نماز اس کے
پیچھے باطل و فاسد ہی ہوگی اور اگر مراعات و مجانبت مشکوک ہو تو مکروہ اور تلفیق مذاہب باجماع
جمہور ائمہ حرام و باطل اور بحال رعایت بھی ہر مذہب کے مکروہات سے بچنا یقیناً محال اور بعض امور
ایک مذہب میں سنت اور دوسرے میں مکروہ ہیں اگر بجا لایا تو مذہب ثانی اور تارک ہوا تو مذہب اول پر
کراہت و لہذا غایت امکان قدر فرائض و مفسدات تک ہے، محققین نے تصریح فرمائی کہ بہرحال
موافق المذہب کی اقتدا اکمل و افضل، تو انتظار موافق کے لئے نوافل یا ذکر و غیرہما میں مشغول رہنا
جماعت سے اعراض نہیں بلکہ اکمل و اعلیٰ کی طلب ہے اور یہ تفریق جماعت نہیں بلکہ تکمیل و تحسین ہے
خصوصاً ان دو مسجد مبارک میں کہ مسجد محلہ نہیں ہر جماعت جماعت اولیٰ ہے اس لئے آٹھ سو برس یا
زائد سے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ و بیت المقدس و جدہ و مصر و شام وغیرہا بلادِ اسلام میں عامہ مسلمین کا

عمل اس پر جاری و ساری رہا اور بعض کا انکار شاذ و مہجور قرار پایا تو بعد وضوحِ حق و استقرارِ امر اسے ناجائز و حرام و بدعت کہنا باطل و جہل و سفاہت ہے، چار مصلّے ہونا اسی طریقہ انیقہ سے عبارت ہے جسے علمائے مذاہب نے بنظرِ مصالحِ جلیلۂ مذکورہ پسند و مقرر رکھا باقی کسی مکان یا علامت کا بننا کہ یہ بھی صدہا سال سے معہود و مقبول ہے نہ اُس کے لئے ضرور نہ اُن میں مخل بلکہ وہ بھی منافع پر مشتمل۔

درمختار میں ہے :

یکرہ تطوع عند اقامۃ صلٰوۃ مکتوبۃ ای اقامۃ امام مذھبہ[1]۔

نماز فرض کی اقامت کے وقت نوافل مکروہ ہیں یعنی اقامت سے مراد اپنے ہم مذہب امام کی اقامت ہے (ت)

ردالمحتار میں :

لو انتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[2]۔

اگر کوئی شخص صفوں سے دُور اپنے مذہب کے امام کا انتظار کرتا رہا تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ اس موجودہ جماعت سے اکمل جماعت کا ارادہ رکھتا ہے (ت)

شیخ علمائے مکہ معظمہ مولانا علی قاری مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رسالۂ اہتدا میں فرماتے ہیں :

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم او تاخر علی ما استحسنہ عامۃ المسلمین وعمل بہ جمھور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصر والشام ولا عبرۃ بمن شذ منھم[3]۔

اگر ہر مذہب کا الگ امام موجود ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو پھر اپنے موافق کی اقتدا افضل ہے خواہ وُہ پہلے ہو یا بعد جیسا کہ اس کو عامہ مسلمین نے پسند کیا، جمہور مومنین اہل حرمین، قدس، مصر اور اہل شام کا اسی پر عمل ہے اس کی مخالفت کرنے والے شاذ و نادر کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الصلٰوۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۶۲

[2] ردالمحتار | باب ادراک الفریضۃ | 〃 مصطفی البابی مصر | ۱/۵۲۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسالہ اہتدا | باب الامامۃ | 〃 〃 〃 | ۱/۴۱۷

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں :

قد سئل بعض العلماء عن ھذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبۃ التی یصلون فیھا الاٰن باربعۃ ائمۃ علی مقتضی المذاھب الاربعۃ فاجاب بانھا بدعۃ ولکنھا بدعۃ حسنۃ لاسیئۃ لانھا تدخل بدلیل السنۃ الصحیحۃ و تقریرھا فی السنۃ الحسنۃ لانھا لم یحدث منھا ضرر ولاحرج فی المسجد ولا فی المصلین من المسلمین لعامۃ اھل السنۃ والجماعۃ بل فیھا عمیم النفع فی المطر والحر الشدید والبرد وفیھا وسیلۃ للقرب من الامام فی الجمعۃ وغیرھا فھی بدعۃ حسنۃ و یسمون بفعلھم للسنۃ الحسنۃ و ان کانت بدعۃ اھل السنۃ لا اھل البدعۃ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من سن سنۃ حسنۃ الی اٰخرما اطال واطاب علیہ رحمۃ الملک الوھاب واللہ تعالٰی اعلم۔

بعض علمائے کعبہ معظمہ کے اردگرد مقامات مخصوصہ میں مذاہب اربعہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسے بدعۃ کہا، لیکن یہ بدعتِ حسنہ ہے سیئہ نہیں کہ یہ سنتِ صحیحہ کی دلیل وتقریر پر سنتِ حسنہ میں داخل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا نہ مسجد میں کوئی تنگی ہے اور عام اہل سنت کے نمازیوں میں کوئی حرج ہے بلکہ اس میں بارش اور سخت گرمی وسردی میں فائدہ وآسانی ہے اور اس میں جمعہ وغیرہ میں امام کا قرب بھی حاصل رہتا ہے لہذا یہ بدعت حسنہ ہے اور فقہاء اپنے اس فعل کا نام سنتِ حسنہ رکھتے ہیں اگرچہ یہ اہلسنت کی بدعت ہے نہ کہ اہل بدعت کی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "من سن سنۃ حسنۃ" (جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا) الی آخر العبارۃ، اللہ تعالٰی ان پر لطف وکرم فرمائے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴۲: از غازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام پر تحکم کرنا مقتدیوں کو یا انتظار کرنا امام کو مقتدی

لہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ وقد سئل بعض العلماء عن ہذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۱۴۶

کا بعد اوقات معینہ کے بھی بالخصوص ایسے مقتدی کا جو بے علم اور مشہور جھگڑالو ہو درمیان میں مقتدیوں کے، اور یہ چاہتا ہو کہ جب ہم کہیں جب ہی اذان ہو اور جب ہم کہیں جب ہی نماز ہو اگرچہ وقت کچھ ہی ہو جائے اور امام پانچوں وقت بعد اذان کے خود آکر ہمیں گھر سے بلالے جایا کرے، پس ایسے شخص کا نماز کے باب میں انتظار کرنا اور متبع ہونا امام کو سزاوار ہے یا نہیں؟

الجواب

مقتدی کو امام پر تحکم نہیں پہنچتا اور وہ خیالات جو سوال میں مذکور ہوئے محض ظلم و اثم ہیں امام کو ایسے شخص کا اتباع اور اُس کی اُن نفسانی خواہشوں کا لحاظ ہرگز نہ چاہئے مگر جبکہ شریر و موذی ہو اور اُس کے ترک انتظار میں مظنہ فتنہ ہو تو مجبوری تاحدِ امکان انتظار کرسکتا ہے کہ فتنہ سے بچنا ضرور ہے۔

قال اللہ تعالٰی الفتنۃ اشد من القتل[1] اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ (ت)

ملتزمانِ جماعت جب تک حاضر نہ ہوں اور وقت میں کراہت نہ آئے امام انتظار کرے ورنہ نہیں،

وقد کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حضر الناس عجل واذا تاخروا اخر۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معمول تھا جب لوگ حاضر ہوتے آپ جلدی فرماتے جب لوگ تاخیر کرتے آپ تاخیر فرماتے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۳ ازشہر کہنہ مرسلہ رحیم بخش بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کھانا تیار ہے اور جماعت بھی تیار ہے تو اوّل کھانا کھائے یا نماز پڑھ لے؟

الجواب

جماعت تیار ہے اور کھانا سامنے آیا اور وقت تنگ نہ ہوجائے گا اور پہلے جماعت کو جائے تو بھوک کے سبب دل کھانے میں لگا رہے یا کھانا سرد ہو کر بے مزہ ہوجائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھالے اور اگر کھانے میں کوئی خرابی یا دقت نہ آئے گی نہ اُسے ایسی بھوک ہے تو جماعت نہ کھوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۲/ ۱۹۱

مسئلہ ۹۴۴ مرسلہ اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں دس بیس شخص نمازی روزمرہ جمع ہوتے ہیں ان سب کی رائے سے وقتِ ظہر دو بجے اور عصر پانچ بجے اور عشا ۹ بجے قرار پایا ہے اذان ہوئی اور دو ایک شخص تشریف لاکر بیٹھے رہے یہاں تک کہ اور نمازی بھی جمع ہوگئے اور صف باندھ کر کھڑے ہوئے تو اُن صاحب نے جو پیشتر سے تشریف لائے ہیں کہا کہ ہم نے تو ابھی وضو ہی نہیں کیا ہے لہذا کچھ صاحبوں کی اہلِ جماعت سے رائے ہوئی کہ وضو کرلینے دو، جملہ نمازی کھڑے رہے، جب اُن صاحب نے وضو کرلیا بلکہ پاؤں دھونا باقی تھے کہ اس عرصہ میں دو چار شخص اور آگئے اُن کو وضو سے فارغ نہ ہونے دیا اور فوراً کھڑے ہوگئے۔ دیگر یہ کہ کوئی صاحب تشریف لائے اور وضو کرکے جماعت میں دیر دیکھ کر اپنے مکان کو تشریف لے گئے تو ان کا انتظار کیا جائے یا نہیں اور جماعت تیار رہے، بینوا توجروا

الجواب

یہ دو چار شخص جو بعد کو آئے اور اُن کے وضو کا انتظار نہ کیا اور جماعت قائم کردی اگر یہ لوگ اہلِ محلہ سے نہ تھے انھیں اُس تعیین وقت پر جو اہلِ مسجد نے مقرر کرلی ہے اطلاع نہ تھی اور وقت میں تنگی بھی نہ تھی اور حاضرین میں کسی پر انتظار سے کوئی ضرر حرج بھی نہ تھا تو اس صورت میں ان کے وضو کا انتظار کرلینا مناسب تھا خصوصاً جبکہ اس انتظار نہ کرنے میں اُن کی دل شکنی ہو کہ بلاوجہ کسی مسلمان کی دل شکنی بہت سخت بات ہے، دو چار منٹ میں وضو ہوجائے گا، اس میں ان کا ایک نفع اور اپنے تین، اُن کا تو یہ کہ تکبیرِ اولیٰ پالیں گے اور اپنا پہلا نفع یہ کہ اُس فضیلت کے ملنے میں مسلمانوں کی اعانت ہوئی اور اس کا اجر عظیم ہے قال اللہ تعالٰی تعاونوا علی البر والتقوٰی[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی اور تقوٰی پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرو۔ ت) یہاں تک کہ عین نماز میں امام کو چاہئے کہ اگر رکوع میں کسی کی پہچل سُنے اور اُسے پہچانا نہیں تو دو ایک تسبیح زیادہ کردے کہ وہ شامل ہوجائے، دوم اس رعایت سے اُن مسلمانوں کا دل خوش کرنا متعدد احادیث میں ہے۔

احب الاعمال الی اللہ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[2] او کما | فرائض کے بعد سب اعمال میں اللہ کو زیادہ پیارا مسلمان کا دل خوش کرنا ہے۔ جیساکہ حضورِ اکرم

---

[1] القرآن ۵/۲

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۲۰۰ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۶۷
مجمع الزوائد باب فضل قضاء الحوائج ؍؍ دارالکتاب بیروت ۸/۱۹۳

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

سوم صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

انکم فی صلٰوۃ ما انتظرتم الصلٰوۃ۔[1] بیشک تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں ہو۔

ورنہ انتظار نہ کرنے میں کوئی حرج نہ ہوا، جو شخص جماعت میں دیر دیکھ کر چلا گیا وقتِ مقررہ کے بعد اس کے انتظار کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۵ از کلکرالہ ضلع بدایوں مرسلہ لیسین خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے نماز پڑھنا شروع کیا دوسرا آیا اُس کے برابر کھڑا ہوگیا، تیسرا آیا وہ دوسری طرف برابر کھڑا ہوگیا، چوتھا آیا اس نے دونوں مقتدیوں کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرکے شامل ہوا پوچھا گیا کہ نماز میں کوئی قصور تو نہ ہوا کہا حدیث میں آیا ہے کہ مقتدیوں کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرلے۔ بینوا توجروا

الجواب

آج کل بوجہ غلبہ جہل کھینچنا منع ہے پھر بھی نماز ہوگئی اگر ہٹنے والے حکم شرع ماننے کے لئے ہٹے ہوں، اور اگر کھینچنے والے کا حکم ماننے کو ہٹے نہ مسئلہ کے لحاظ سے تو ان ہٹنے والوں کی نماز نہ ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۶ از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ مسئولہ احمد بخش صاحب ۸ صفر ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء، شمس الفضلاء، مقتدائے اہلِ ایمان، پیشوائے اہلِ ایقان ادام اللہ تعالٰی فضلہم ومجدہم الٰی یوم الدین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نیاز مند مشتاق زیارت محتاجِ دعا ہزار ہزار نیاز کے بعد عرض کرتا ہے کہ ان ایام میں ایک مسجد جدید تیار کرائی جاتی ہے جس کے متعلق یہ ارادہ ہے کہ سقف پر عورتوں کے نماز پڑھنے کی جگہ تیار ہو اس حالت میں جماعت کی وضع اور صورت یہ ہوگی کہ بعض صفوف رجال جو نیچے زمین پر ہوں گی عورتوں کی صفوں سے مقدم اور بعض محاذی زیر وبالا اور بعض مؤخر بیرونی صحن میں، پس کیا ایسی جماعت اس لئے کہ عورتوں کے صفوف بعض صفوف رجال کے اوپر اور بعض صفوف رجال سے جو بیرونی صحن میں ہوں گی مقدم ہیں مکروہ یا ناجائز ہوگی اس لئے کہ عورتوں کے صفوف اور صفوف رجال کے درمیان دیواریں اور پردے حائل ہوں گے یا کوئی کراہت نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ بیچ میں سقف وجدار حائل ہیں باعثِ بطلان نماز رجال نہیں ہوسکتا کہ محاذات نہ ہوئی،

---

[1] صحیح بخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۴-۹۰

تنویر الابصار میں ہے :

واذا حاذته امرأة ولاحائل بینهما فی صلٰوۃ مطلقة فسدت صلاته[1]

جب عورت نماز مطلقہ میں مرد کے محاذی ہوجائے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی ۔ (ت)

مگر یہ صورت بوجوہ کراہت و ممانعت سے خالی نہ ہوگی ،

اولاً عورتوں کا مسجد میں جانا خود ممنوع ہے تو ایک امر ممنوع کے لئے سامان کرنا ہے ، تنویر الابصار میں ہے :

ویکرہ حضورھن الجماعة مطلقا علی المذهب[2]

مفتی بہ مذہب پر خواتین کا جماعت کے لئے حاضر ہونا مطلقاً مکروہ ہے (ت)

ثانیاً بے ضرورت شرعیہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ شدت گرمی بھی اس کے لئے عذر نہ مانی گئی ، عالمگیریہ میں ہے :

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه[3]

ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب گرمی سخت ہو تو مسجد کے اوپر با جماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ (ت)

ثالثاً یہ اگرچہ تقدیم محسوس نہیں مگر واقع میں بعض صفوف رجال سے تقدیم اور بعض سے معیت ضرور ہے اور حکم یہ ہے کہ اخروھن من حیث اخرھن الله[4] (ان کو موخر رکھو جیسا کہ اللہ تعالٰی نے انھیں مؤخر فرمایا ہے ۔ ت) لہٰذا اس سے احتراز ہی کیا جائے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار | باب الامامۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۸۴

[2] درمختار | " | " | ۱/۸۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ | الباب الخامس فی آداب المسجد الخ | " نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/۳۲۲

[4] فتح القدیر | باب الامامۃ | " مطبع نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۳۱۲

فَصْلُ المَسْبُوق

(مسبوق کا بیان)

مسئلہ ۹۴۷: از فیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینیر ریلوے ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

س کہتا ہے جس کو مغرب کی تیسری رکعت جماعت کے ساتھ ملے وہ جب اپنی نماز پُوری کرنے کھڑا ہو تو اپنی دوسری رکعت میں قعدہ کرے کیونکہ قاعدہ مصرحہ ہے نماز مسبوق درحق قرأت حکم اول نماز دارد و درحق قعود حکم آخر نماز (مسبوق کی باقیماندہ نماز) قرأت کے لحاظ سے اوّل اور بیٹھنے میں آخر کا حکم رکھتی ہے۔ت)

ع کہتا ہے مسبوق دوسری رکعت پر قعدہ نہ کرے کہ بعض کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور جو دوسری رکعت پر قعدہ کرے گا تو تینوں رکعات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گی، پس سوال یہ ہے کہ قول س کا قابلِ عمل ہے یا ع کا۔ بینوا توجروا

الجواب

قول س کا صحیح ہے، ائمہ فتوٰی سے اُسی کا اختیار مفید ترجیح ہے، کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، درمختار میں ہے:

یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ و اٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر	قراءۃ کے حق میں وُہ اپنی ابتدا نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے فجر کے علاوہ

فجریا فی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولایقعد قبلھا[1]۔

ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لوادرك رکعۃ من المغرب قضی رکعتین وفصل بقعدۃ فتکون بثلث قعدات[2]۔

اگر کسی نے مغرب کی ایک رکعت پائی تو وہ باقیماندہ دو بجالائے اور ان کے درمیان قعدہ کے ساتھ فاصلہ کرے تو یہاں تین قعدے ہوجائیں گے (ت)

یہاں تک کہ غنیہ شرح منیہ میں فرمایا اگر ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو قیاس یہ ہے کہ نماز ناجائز ہو یعنی ترک واجب کے سبب ناقص وواجب الاعادہ البتہ استحساناً حکمِ جواز وعدم وجوب اعادہ دیا گیا کہ یہ رکعت من وجہ پہلی بھی ہے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحسانا لاقیاسا ولم یلزمہ سجود السھو لکون الرکعۃ اولی من وجہ[3]۔

شرح المنیہ میں فرمایا ہے اگر اس نے ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو اگرچہ قیاساً نماز درست نہیں مگر استحساناً درست ہے اور اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں کیونکہ ایک لحاظ سے یہ پہلی رکعت ہے۔ (ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲۸: حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی بتاریخ ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

جماعت رکوع میں ہو تو مسبوق نمازی کو نیت کرکے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھنا چاہئے یا بے باندھے دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں جانا چاہئے یا ایک ہی تکبیر اس کے واسطے کافی ہے یا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

---

[1] درمختار | باب الامامۃ | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۸۶/۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ | الفصل السابع فی المسبوق واللاحق | مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور | ۹۱/۱

[3] ردالمحتار | باب الامامۃ | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۴۴۱/۱

الجواب

ہاتھ باندھنے کی تو اصلاً حاجت نہیں اور فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں مل جائے گا تو نماز ہو جائے گی مگر سنّت یعنی تکبیر رکوع فوت ہوئی لہذا یہ چاہئے کہ سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے اور سبحٰنك اللّٰھم پڑھنے کی فرصت نہ ہو یعنی احتمال ہو کہ امام جب تک سر اٹھالے گا تو معاً دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور امام کا حال معلوم ہو کہ رکوع میں دیر کرتا ہے سبحٰنك اللّٰھم پڑھ کر بھی شامل ہو جاؤں گا تو پڑھ کر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا شامل ہو یہ سنّت ہے اور تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہنی تو فرض ہے بعض ناواقف جو یہ کرتے ہیں کہ امام رکوع میں ہے تکبیر تحریمہ جھکتے ہوئے کہی اور شامل ہو گئے اگر اتنا جھکنے سے پہلے کہ ہاتھ پھیلائیں تو گھٹنے تک پہنچ جائیں اللہ اکبر ختم نہ کر لیا تو نماز نہ ہوگی، اس کا خیال لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲۹ ازبلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ و حاجی یعقوب علی

نمازِ ظہر کی جماعت کھڑی ہے میں نے وضو کیا تب تک تین رکعت خلاص ہو گئیں چوتھی میں جا ملا، اب میں تین رکعت کس ترتیب سے ادا کروں؟

الجواب

سلام امام کے بعد کھڑے ہو کر سبحٰنك اللّٰھم الخ پہلے اگر نہ پڑھا تھا تو اب پڑھے ورنہ اعوذ سے شروع کرے اور الحمد و سورت پڑھ کر رکوع و سجدہ کرکے بیٹھ کر التحیات پڑھے پھر کھڑا ہو کر الحمد و سورت پڑھے اور رکوع و سجدہ کرکے بغیر بیٹھے کھڑا ہو جائے اور چوتھی رکعت میں فقط الحمد پڑھ کر رکوع و سجدہ کرکے التحیات پڑھے اور نماز تمام کرے۔ درمختار میں ہے :

یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولا یقعد قبلھا[1]

قراءت کے حق میں ابتدائے نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت اور ان کے درمیان تشہد کے ساتھ ادا کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

مسئلہ ۹۵۰ از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک دربار گوالیار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

مخدوم نیاز منداں بسط اللہ ظلکم ابداً ، مسبوق سجدۂ سہو میں امام سے ملے یا نہیں یعنی اگر اُس کو علم ہو کہ امام اور اُس کے مقتدی سجدۂ سہو کر رہے ہیں یا تشہد بعد سجدۂ سہو میں بیٹھے ہیں باوجود اس علم کے اُس کی اقتداء درست ہے یا نادرست ؟ بینوا توجروا

الجواب

ضرور مل جائے ہر حال میں اقتدا درست وصحیح ہے ، ردالمحتار میں زیر قول درمختار ،

المسبوق یسجد مع امامہ مطلقا سواء کان السھو قبل الاقتداء او بعدہ کما شمل ایضا ما اذا سجد الامام واحدۃ ثم اقتدی بہ قال فی البحر فانہ یتابعہ فی الاخری ولا یقضی قضاء الاولٰی کما لا یقضیھما لو اقتدی بہ بعد ما سجدھما انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسبوق اپنے امام کے ساتھ ہر حال میں سجدۂ سہو کرے خواہ وہ سہو اقتدا سے پہلے ہو یا بعد میں۔ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب امام نے ایک سجدہ کرلیا تو پھر اس نے امام کی اقتداء کی بحر میں ہے کہ مسبوق دوسرے سجدے میں اقتدا کرے تو اس صورت میں پہلے سجدہ کی قضا نہیں ، جیسا کہ ان دونوں سجدوں کی ادائیگی کے بعد شمولیت کرنے پر قضا نہیں انتہی۔ (ت)

مسئلہ ۹۵۱ ۲۲ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید صبح کی نماز کے وقت وضو کرکے فارغ ہُوا تو گمان کیا کہ امام نصف التحیات پڑھ چکا اور جماعت دوسری بھی تیار ہے اُس نے سنّت پڑھنا شروع کیا ، بعد سنّت کے جماعت ثانی ہُوئی زید اس میں شریک ہوا ، آیا یہ سنتیں اس کی ہُوئیں یا نہیں ؟ اور زید امام اول کی التحیات میں شریک نہ ہونے سے گنہگار ہُوا یا نہیں ؟ اور اُس التحیات میں شریک ہونا اُسے ضروری تھا یا نہیں ؟

الجواب

سنّتیں ہو تو ہر حال میں گئیں مگر زید کو حکم یہی تھا کہ امام اول کی التحیات میں شریک ہو جائے ۔

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

جماعت ثانیہ کے اعتماد پر اولیٰ کی شرکت نہ چھوڑے، زید بالقصد بلا عذر صحیح شرعی جماعت اولیٰ فوت کر دینے سے گنہگار ہوا، درمختار میں ہے:

اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها[1]۔ جب سنتوں میں مشغولیت سے فرائضِ فجر کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنن کو ترک کر دیا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الراجح عند اهل المذهب وجوب الجماعة وانه یاثم بتفویتها اتفاقا[2] اھ وقد حققنا فی فتاوٰنا بتوفیق الله تعالٰی ان هذا الحکم للجماعة الاولٰی عینا۔ راجح اہلِ مذہب کے ہاں جماعت کا واجب ہونا ہے اور اس کا فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہے اھ۔ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے کہ یہ حکم صرف پہلی جماعت کے لئے ہے۔ (ت)

ہاں اگر جماعتِ اولیٰ کا امام غلط خواں یا معاذ اللہ بدمذہب گمراہ یا فاسق معلن تھا اور امام ثانی ان بلاؤں سے پاک، تو زید نے بہت اچھا کیا ایسا ہی چاہئے تھا بلکہ اگر امام اول مثلاً شافعی المذہب تھا اور اس نے امام حنفی المذہب کی اقتدا چاہی اس نیت سے تاخیر کی جب بھی گناہ نہ ہوا، کما بینا کل ذٰلك فی فتاوٰنا والمسائل فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے اور ردالمحتار وغیرہ میں مسائل کی تفصیل ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۲: از گونڈل مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندھیری ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق بروقت اختتام نماز امام قعدۂ اخیرہ میں تمامیت تشہد کے بعد گویا فقہی اقوال کے بموجب شہادتین کو مسبوق دُہرایا کرے تا سلامِ امام بجائے شہادتین کے اگر السلام علیک ایہا النبی سے دُہرایا کرے تو کچھ حرج ہے؟

الجواب

فقہائے تکرار تشہد ہی کو لکھا ہے اور اگر السلام سے تکرار کرے جب بھی کوئی ممانعت نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۳: از بریلی مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کی متابعت سجدہ وسلام دونوں میں کرے گا

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[2] ردالمحتار باب الاذان مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۲

یا فقط سجدہ میں؟ اور اگر بالفرض والتقدیر سلام میں متابعت کرے تو نماز مسبوق کی باقی رہے گی یا فاسد؟ بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالٰی۔

الجواب

مسبوق صرف سجدہ میں متابعت کرے نہ سلام میں، اگر سلام میں قصداً متابعت کرے گا اگرچہ اپنے جہل سے یہی سمجھ کر کہ مجھے شرعاً سلام میں بھی اتباعِ امام چاہیے تو نماز اس کی فاسد ہوجائے گی، ہاں اگر سہواً سلام کیا تو نماز مطلق نہ جائے گی اور سجدۂ سہو بھی اپنی نماز کے آخر میں کرنا نہ ہوگا اگر یہ سلام سہواً سلامِ امام سے پہلے یا معاً اس کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر کے تھا اور اگر سلامِ امام کے بعد بھول کر سلام پھیرا تو اس سجدۂ سہو میں تو امام کی متابعت کرے ہی پھر جب اپنی باقی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ختم پر اس کے سہو سلام کے لئے سجدۂ سہو کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

المسبوق یسجد مع امامہ قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام بل یسجد معہ ویتشھد فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامدا فسدت والا لاولا سجود علیہ ان سلم سھوا قبل الامام او معہ وان سلم بعدہ لزمہ لکونہ منفردا حینئذ بحر واراد بالمعیۃ المقارنۃ وھو نادر الوقوع کما فی شرح المنیۃ وفیہ لو سلم علی ظن ان علیہ ان یسلم فھو سلام عمد یمنع البناء[1]۔

مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے، سجدہ کی قید اس لئے کہ سلام میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوجائے، اگر اس نے سلام پھیرا اور اس کا سلام پھیرنا دانستہ تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی ورنہ نہیں، اگر اس نے بھول کر سلام پھیرا تو اس صورت میں سجدۂ سہو نہ ہوگا جب امام سے پہلے یا معاً امام کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر سلام پھیرا ہو، اور اگر سلامِ امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ لازم ہے کیونکہ اب وہ تنہا (منفرد) ہے بحر۔ اور یہاں معیت سے مراد مقارنت ہے اور اس کا وقوع بہت کم ہے اسی طرح شرح المنیۃ میں ہے کہ اگر اس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ اس پر سلام لازم تھا تو یہ عمداً سلام ہوگا جو کہ بنائے نماز سے مانع ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

مسئلہ ۹۵۴ مرسلہ مرزا باقی بیگ صاحب رام پوری ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقیم نے امام مسافر کی اقتدا کی اور ایک یا دونوں رکوع نہ پائے مثلاً دوسری رکعت یا صرف التحیات میں شریک ہُوا تو بعد سلامِ امام کے اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ صورت مسبوقِ لاحق کی ہے وہ پچھلی رکعتوں میں کہ مسافر سے ساقط ہیں مقیم مقتدی لاحق ہے لانہ لم یدرکھما مع الامام بعد ما اقتدی بہ (اس لئے کہ اس نے اقتداء کے بعد امام کے ساتھ ان دو رکعتوں کو نہیں پایا۔ ت) اور اس کے شریک ہونے سے پہلے ایک رکعت یا دونوں جس قدر نماز ہو چکی ہے اس میں مسبوق ہے لانہا فاتتہ قبل ان یقتدی (اقتداء سے قبل اس نے اسے فوت کیا ہے۔ ت) درمختار و ردالمحتار میں ہے:

مقیم ائتم بمسافر فہو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا ایضا اھ کما اذا فاتتہ اول صلاۃ امامہ المسافر[1]	اگر مقیم نے مسافر کی اقتداء کی تو وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتا ہے جبکہ مسافر امام کی اقتداء پہلی رکعت میں نہ کی ہو[2] (ت)

اور حکم اس کا یہ ہے کہ جتنی نماز میں لاحق ہے پہلے اُسے بے قراءت ادا کرے یعنی حالتِ قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ اتنی دیر کہ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے محض خاموش کھڑا رہے بعدہ جتنی نماز میں مسبوق ہُوا اُسے مع قراءت یعنی فاتحہ و سورت کے ساتھ ادا کرے،

فی الدرالمختار اللاحق یبدأ بقضاء ما فاتہ بلاقراءۃ ثم ما سبق بہ بہا ان کان مسبوقا ایضا اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ پہلے لاحق فوت شدہ رکعات بغیر قراءت کے ادا کرے پھر وہ رکعات جو امام کے ساتھ رہ گئی تھیں اگر مسبوق ہو اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ما سبق بہ بہا الخ ای ثم صلی	پھر ماسبق رکعات الخ یعنی اگر مسبوق ہے تو لاحق

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

اللاحق ماسبق به بقراءة ان کان مسبوقا ایضا بان اقتدی فی اثناء صلاۃ الامام ثم نام مثلا وھذا بیان للقسم الرابع وھو المسبوق اللاحق الخ[1]

قراءت کے ساتھ سابقہ رکعات ادا کرے مثلاً اس نے امام کے ساتھ دورانِ نماز اقتداء کی پھر مثلاً سوگیا اور یہ چوتھی قسم کا بیان ہے جو مسبوق لاحق ہے الخ (ت)

پس اگر دونوں رکوع نہ پائے تھے تو پہلے دو رکعتیں بلاقراءت پڑھ کر بعد التحیات دو رکعتیں فاتحہ و سورت سے پڑھے، اور اگر ایک رکوع نہ ملا تھا تو پہلے ایک رکعت بلاقراءت پڑھ کر بیٹھے اور التحیات پڑھے کیونکہ یہ اس کی دوسری ہوئی، پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلاقراءت پڑھ کر اس پر بھی بیٹھے اور التحیات پڑھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے اور رکعاتِ فائتہ کو نمازِ امام کی ترتیب پر ادا کرنا ذمہ لاحق لازم ہوتا ہے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت بفاتحہ و سورت پڑھ کر بیٹھے اور بعد تشہد نماز تمام کرے۔

فی ردالمحتار عن شرحی المنیۃ والمجمع انہ لوسبق برکعۃ من ذوات الاربع ونام فی رکعتین یصلی اولا مانام فیہ ثم ماادرکہ مع الامام ثم ماسبق بہ فیصلی رکعۃ مما نام فیہ مع الامام ویقعد متابعۃ لہ لانھا ثانیۃ امامہ ثم یصلی الاخری مما نام فیہ ویقعد لانھا ثانیتہ ثم یصلی التی انتبہ فیھا و یقعد متابعۃ لامامہ لانھا رابعۃ و کل ذلک بغیر قراءۃ لانہ مقتد ثم یصلی الرکعۃ التی سبق بھا بقراءۃ الفاتحۃ وسورۃ والاصل ان اللاحق یصلی علی ترتیب صلاۃ الامام

ردالمحتار میں شرح منیہ و مجمع سے ہے کہ اگر چار رکعات میں سے ایک رکعت گزر گئی اور پھر شریک ہوا پھر دو میں سوگیا تو اب جن میں سویا انھیں پہلے ادا کرے، پھر جس میں امام کے ساتھ اقتدا کی پھر چھوٹی ہوئی پس وہ جس میں امام کے ساتھ سویا اس کی ایک رکعت پڑھے اور امام کی اتباع میں قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری رکعت تھی، پھر سونے والی دوسری رکعت ادا کرے اور قعدہ کرے کیونکہ اس کی دوسری ہے پھر وہ پڑھے جس میں بیدار ہوا اور اتباعِ امام کی وجہ سے بیٹھے کیونکہ یہ اس کی چوتھی ہے اور یہ تمام بغیر قراءت کے ہوں گی پھر وہ قراءت وفاتحہ کے ساتھ وہ رکعات پڑھے جو گزر چکی تھیں، ضابطہ

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

16

والمسبوق یقضی ماسبق به بعد فراغ الامام[1] اھ اقول فھذہ ھی الصورۃ المسئول عنہا بید ان ما نحن فیہ اعنی اقتداء المقیم بالمسافر لایتحقق فیہ الادراك بعد ماصار لاحقا لانہ انما یصیر لاحقا فی الاخیرین وذلك انما یکون بعد سلام الامام فلا تتأتی ھنا صورۃ المتابعۃ بعد اداء ماھو لاحق فیہ کما لایخفی ولذلك تغیر بعض الترتیب واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ ہے کہ لاحق امام کی ترتیب پر نماز ادا کرے لیکن امام کی فراغت کے بعد ماسبق کی ادائیگی کرے۔[1] **اقول** (میں کہتا ہوں) صورتِ مسئولہ یہی ہے علاوہ ازیں جس میں ہم بحث کررہے ہیں یعنی مقیم کا مسافر کی اقتدا کرنا اس میں لاحق سے ادراک امام پایا نہیں جاتا کیونکہ آخری رکعتوں میں وہ لاحق ہی ہے اور یہ بات سلامِ امام کے بعد ہی ہوگی لہذا یہاں ایسی صورت نہ ہوگی کہ وہ کچھ ادائیگی کے بعد لاحق ہو جیسا کہ واضح ہے اسی لئے کچھ ترتیب میں تبدیلی آجاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۵: ازبگرام ضلع ہردوئی محلہ میدانی پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب مارہروی ۲۰ صفر ۱۳۱۱ھ

امام نمازِ ظہر یا عصر یا عشا پڑھتا ہے اور ایک یا دو رکعت پڑھ چکا ہے کہ دوسرا شخص آکر شامل ہوا تو بعد ختم ہونے نماز کے یہ مقتدی اپنے رکعاتِ باقیہ جو پڑھے تو اس میں فاتحہ وسورت قراءت کرے یا بقدر پڑھنے فاتحہ وسورت کے ساکت رہ کر رکوع وسجود بجالائے تشریحاً لکھا جاوے اور اسی طرح اگر مسافر نمازیں مذکور نصف پڑھ کر ختم کرے تو مقتدی فاتحہ پڑھے یا بقدر قراءت ساکت رہے۔ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ اولٰی میں مقتدی کہ بعد سلام امام رکعت اولٰی یا اولین قضا کرے فاتحہ وسورت وجوباً پڑھے کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنے رکعات میں مثل منفرد اور منفرد پر قراءت لازم، اور صورت ثانیہ میں مقیم کہ بعد سلام مسافر رکعتین اخریین ادا کرے بجائے قراءت ساکت رہے کہ وہ ان رکعات میں لاحق ہے اور لاحق حکماً مقتدی اور مقتدی کو قراءت ممنوع،

فی الدرالمختار اللاحق من فاتتہ الرکعات کلھا او بعضھا

درمختار میں ہے لاحق وہ مقتدی ہوتا ہے جس کی اقتدا کے بعد تمام یا بعض رکعتیں (امام سے)

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

بعد اقتدائه کمقیم ائتم بمسافر و حکمه کمؤتم فلا یأتی بقراءة ولا سهو والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وھو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرؤ فیما یقضیه فمدرك رکعة من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحة و سورة و تشھد بینھما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط اھ ملتقطا۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم و احکم۔

رہ جائیں جیسے کہ کسی مقیم نے مسافر کی اقتداء کی' اس کا حکم مقتدی کی طرح ہی ہے وہ قرآت نہیں کرے گا اور نہ ہی سجدۂ سہو کرے گا' اور مسبوق وُہ ہوتا ہے جس سے پیشتر امام سب رکعتیں یا بعض رکعتیں ادا کرچکا ہو اس کے بعد شریک ہو وہ مسبوق منفرد کی طرح ہوتا ہے حتی کہ وہ ثناء سبحٰنك اللھم الخ اور تعوذ پڑھے گا بقیہ رکعتوں میں قرآت بھی کرے گا۔ فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے' اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ ہی پڑھے اھ ملتقطا۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۹۵۶: از پیلی بھیت و موضع بھنڈورہ علاقہ آنولہ یکم شوال ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس امام کے ساتھ چار رکعت کی نماز میں ایک رکعت ملی' وہ باقی نماز کیونکر ادا کرے؟ بینوا توجروا

الجواب

امام کے سلام کے بعد اُٹھ کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر التحیات کے لئے بیٹھے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت فاتحہ وسُورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر نہ بیٹھے پھر ایک رکعت صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور قعدہ اخیرہ کرکے سلام پھیر دے۔

ھذا ما اعتمدہ الائمة الجلة وعلیه اقتصر فی الخلاصة وشرح الطحطاوی والاسبیجابی وفتح القدیر والبحر الرائق

یہ وُہ ہے جس پر اکابر ائمہ نے اعتماد کیا خلاصہ' شرح طحطاوی' اسبیجابی' فتح القدیر' بحرالرائق' درر' درمختار'

لہ درمختار باب الامامة مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

والدر والدرالمختار والهندية وغيرها من معتمدات المذهب۔

ہندیہ اور دیگر معتبر کتبِ مذہب میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

يقضي اول صلاته في حق قراءة واٰخرها في حق تشهد فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة وسورة و تشهد بينهما وبرابعة الرباعي بفاتحة فقط ولا يقعد قبلها[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔

اور مسبوق قرأت کے حق میں اپنی نماز کو اول اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کر کے نماز ادا کرے فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سُورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے، چار رکعتی نماز میں چوتھی میں صرف فاتحہ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۷: از قصبہ میترانوالی ڈاک خانہ گھکر ریلوی ضلع گوجرانوالہ مرسلہ حافظ شاہ ولی اللہ صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت عالی جناب قدسی القاب مولوی احمد رضا خاں صاحب دام برکاتہ۔ از فقیر حافظ ولی اللہ شاہ بعد از تسلیمات و آداب ماوجب معروض آنکہ عرصہ ایک سال کا گزرا ہے کہ بندہ حضور کی قدمبوسی سے مشرف ہُوا تھا اور ایک مسئلہ حضور سے دریافت کیا تھا در باب اقتدا مقیم کا مسافر کے ساتھ نمازِ رباعی میں اس حالت میں جو مسافر ایک رکعت ادا کرچکا ہو اور مقیم آکر ملا تو ایک رکعت مقیم نے امام مسافر کے ساتھ پائی پھر وہ تین[2] کس طرح پر ادا کرے، میں نے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اول دو رکعت جو خالی قرأت سے ہیں وہ ادا اس طرح پر کرے کہ بقدر الحمد کے قیام کرے اور اس میں قرأت نہ پڑھے بعدہ ایک رکعت جو مسبوقانہ ہے ادا کرے اور اس میں ثناء و فاتحہ و سورۃ پڑھے۔ اور یہی مسئلہ مسافر والے کا اس جگہ تنازع دو مولوی صاحبوں کا آپس میں پڑا ہوا ہے بلکہ بہت عالموں سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا ہے سب کے سب آپ کے برخلاف بیان کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ سوا سند کتاب کے ہم نہیں مانتے اور دوسری جگہ ہمیشہ جب امام سے علیحدہ ہو کر مسبوقانہ ادا کرتا ہے تو پہلے ابتداء سے شروع کرتا ہے یعنی ثنا، و فاتحہ و سورۃ شروع کرتا ہے

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

کیا وجہ ہے کہ مقیم نماز رباعی میں امام مسافر کے ساتھ مسبوق ہوجائے تو اوّل خالی دُو رکعت ادا کرے برخلاف ترتیب معمولہ کے۔ لہذا مہربانی فرماکر محض واسطے ثواب کے یہ مسئلہ مسافر والا مفصل معہ حوالہ کتب معتبرہ کے تحریر فرمائیں تاکہ تنازع رفع ہوجائے مگر بجز حوالہ کتاب کے تسلی نہ ہوگی کیونکہ ہم نے اس جگہ بہت کتب سے معلوم کیا ہے کچھ تسکین نہیں ہوتی، اور اگر پہلی خالی دو رکعت کو ادا کرے تو اس میں قعدہ ایک پر کرے یا نہ؟ اور قرأت وسجدہ سہو بھی ادا کرے یا نہ؟ از جانب نیازمند امیر احمد اگرچہ ظاہر آپ سے ملاقات حاصل نہیں مگر زبانی حافظ ولی اللہ شاہ صاحب سے آپ کی تعریف سُن کر شائق ہُوں کہ آپ جیسا شاید ہندوستان میں کوئی عالم حنفی مذہب موجود نہیں، جو مسئلہ حافظ ولی اللہ شاہ صاحب نے اوپر لکھا ہے آپ پورا پورا بعینہٖ حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں تاکہ اطمینان کُلی حاصل ہو اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور دوسرا صرف نیازمند کو یہ شبہہ واقع ہوا ہے کہ مسافر کے ساتھ مقیم نے نماز چہارگانہ میں دُوسری رکعت میں آکر اقتدا کیا تو اب پہلی رکعت جو بعد فراغ امام اُٹھ کر پڑھے گا کس طرح پڑھے گا؟ کیونکہ اس کی تین۳ رکعت باقی ہیں اور یہ جو رکعت امام کے ساتھ اس نے پائی ہے مقتدی کی کونسی رکعت ہوگی؟ آیا بالعموم قاعدہ کے جو رکعت امام کی وہی رکعت مقتدی کی، اس نماز میں تو یہ رکعت امام کی بلحاظ مسافر ہونے کے آخر کی ہے اور مقیم کی دوسری، اب وُہ دوسری رکعت میں الحمد و قل پڑھے گا یا نہیں؟ ہر سہ۳ رکعت میں جیسے قرأت پڑھنی کتب سے ثابت ہو تحریر فرمائیں مکلف اوقات گرامی امیر احمد عفی عنہ مکرر عرض یہ ہے کہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جو رکعت امام کی قرأت والی ہے اس کی بھی قرأت والی رکعت اس کے ساتھ ملحق ہوجائے یا کہ پہلی دُو رکعت وُہ ادا کرے جو خالی سورۃ والی ہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ شاہ صاحب کرم فرما اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حکم مسئلہ جو کہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بیان کیا صحیح ومطابق کتاب تھا منشا اشتباہ ناظرین یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ مقیم بھی مسبوق ہے اور ہم مسبوق کو دیکھتے ہیں کہ حق قرأت میں اوّل نماز سے ابتدا کرتا ہے، درمختار میں ہے:

المسبوق یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ[1]۔ مسبوق قرأت کے حق میں اپنی پہلی رکعت تصوّر کرکے ادا کرے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

تو چاہئے تھا کہ یہ بھی بعد سلام امام رکعت اولٰی ہی ادا کرتا جس میں اس کو حکمِ قرأت ہے مگر انھوں نے یہ خیال نہ فرمایا کہ صورتِ مسطورہ میں مقیم تنہا مسبوق نہیں لاحق بھی ہے دو رکعت اخیرہ کی نظر سے لاحق اور اولٰی کے اعتبار سے مسبوق، درمختار میں ہے:

اللاحق من فاتته الرکعات کلھا او بعضھا بعد اقتدائه کمقیم ائتم بمسافر[1]

لاحق وہ ہوگا جس کی اقتداء کے بعد تمام یا بعض رکعات (امام سے) رہ گئی ہوں جیسا کہ وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتداء کی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا کما اذا فاته اول صلاۃ امامه المسافر[2]

یعنی وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتا ہے جب مسافر امام کے ساتھ اس کی پہلی رکعت رہ گئی ہو۔ (ت)

اور مسبوق لاحق کو یہی حکم ہے کہ پہلے دو رکعت بے قرأت ادا کرے جن میں لاحق ہے ان سے فارغ ہوکر رکعت مسبوق بہا کی قضا با قرأت کرے۔ درمختار میں ہے:

اللاحق یبدأ بقضاء ما فاته بلا قراءۃ ثم ما سبق به بھا ان کان مسبوقا ایضا[3] (ملخصا)

لاحق پہلے بغیر قرأت کے فوت شدہ ادا کرے اور اگر مسبوق بھی ہو تو اس کے بعد وہ پڑھے جس میں مسبوق ہوا (یعنی اول رکعت جو باقی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پڑھے)۔ (ت)

تو علماء کا فرمانا کہ مسبوق قضائے رکعات میں اوّل نماز سے آغاز کرے اس کے یہ معنی نہیں کہ سب سے پہلے رکعات مسبوق بہا کی قضا کرے، یہ تو نہ لفظوں کا مفاد نہ ان کی مراد نہ واقع میں صحیح و متصف بسداد و تمام کتبِ فقہ جن میں خود انھیں علماء کی صاف و صریح تصریح ہے کہ مقتدی جس نماز میں لاحق ہوا سے مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے اس کے بطلان پر شاہد عدل بلکہ علماء اس حکم سے صرف رکعات مسبوق بہا کی باہمی ترتیب ارشاد فرماتے ہیں یعنی چند رکعتوں میں مسبوق ہُوا وہ ان کی قضاء کے وقت الاول فالاول ادا کرے مثلاً تین میں مسبوق ہو تو پہلی میں ثناء و تعوذ و فاتحہ سب کچھ پڑھے دُوسری میں صرف و سورۃ، تیسری میں

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۴

[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

فقط فاتحہ، غرض حکم منکشف ہے اور شبہہ منکسف۔ یونہی دوسرا شبہہ کہ قیاس چاہتا ہے کہ رکعتِ قرأت رکعتِ قرأت سے ملحق ہو،

اوّلاً نصوصِ صریحہ کے مقابل ہمارے خیالات کو کیا دخل!

ثانیاً جیسے چار رکعتی نماز میں صرف اخیرہ ملی بعد سلام امام دو رکعت قرأت پڑھے گا تو جیسے خالی سے خالی کا اتصال ضرور نہیں یونہی بھری سے بھری کا۔

ثالثاً یہ دیکھنا تھا کہ وہ رکعت قرأت کون سی ہے جس سے رکعتِ قرأت ملحق ہوتی ہے اور وہ کون سی ہے جو اسے امام کے ساتھ ملی ہے وہ رکعتِ قرأت رکعتِ اولیٰ ہے جس کے بعد رکعت قرأت ہوتی ہے اور اس نے ہمراہ امام رکعتِ ثانیہ پائی اس سے رکعت بے قرأت ہی ملتی ہے غرض یونہی دیکھئے تو دوسری کے بعد تیسری کا محل ہے نہ وہ پہلی کا بخلاف مسبوق کہ چوتھی تک ادا کرچکا لاجرم اب پہلی سے شروع کرے گا، رہا حکمِ قعود وسجود جب سلام امام مسافر کے بعد مقیم قائم ہوا ایک رکعت پڑھ کر اسے قعود چاہئے کہ اگر اصل میں یہ تیسری رکعت ہے مگر اس کی ادا میں دوسری ہے تو اس پر ایک شفعہ تمام ہوگا اور ہر شفعہ پر قعدہ مطلقاً چاہئے، امام، منفرد، مقتدی، مدرک، لاحق، مسبوق اس قدر حکم میں سب شریک ہیں، مسبوق کے لئے درمختار و خلاصہ و ہندیہ میں ہے:

و اللفظ لھا تین لو ادرك ركعة من المغرب قضی رکعتین و فصل بقعدة فتکون بثلث قعدات ولو ادرك ركعة من الرباعية يقضي ركعة و يتشهد[1] الخ۔

الفاظ ہندیہ و خلاصہ کے ہیں اگر مغرب کی ایک رکعت پائی تو دو اور پڑھے اور ان کے درمیان قعدہ کرے تو اب تین قعدے ہوجائیں گے، اور اگر چار میں سے ایک رکعت پائی تو ایک رکعت پڑھ کر تشہد بیٹھے الخ (ت)

لاحق کے لئے شرح مجمع و غنیہ و ردالمحتار میں ہے:

لوسبق برکعة من ذوات الاربع و نام فی رکعتین یصلی اولا ما نام فیه ثم ما ادرکه مع الامام ثم ما سبق به فیصلی رکعة مما نام

اگر چار میں سے ایک رکعت (امام سے) گزرگئی اور دو رکعتوں میں وہ سوگیا تو پہلے سونے والی رکعتیں ادا کرے پھر وہ جو امام کے ساتھ پائی اور پھر فوت شدہ ادا کرے تو وہ ایک رکعت جو سوتے میں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۹۱/۱

فیہ مع الامام ویقعد متابعۃ لہ لانھا ثانیۃ امامہ ثم یصلی اخری ممانام فیہ ویقعد لانھاثانیتہ[1] الخ۔

امام کے ساتھ ہُوئی پڑھے گا اور اتباعاً قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری تھی، پھر ایک اور رکعت سونے والی پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ وہ اس کی دوسری ہے الخ (ت)

دیکھو ان کی ادا میں جو رکعت دوسری تھی اس پر قعدہ کا حکم دیا اگرچہ واقع میں وہ مسبوق کی پہلی اور لاحق کی تیسری تھی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت) یہ عبارت بھی نص تصریح ہے کہ لاحق مسبوق جس رکعت میں لاحق ہوا سے رکعت مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے گا اور مقیم مذکور کو بعد فراغ امام جو سہو ہُوا اگر وہ سہو رکعت مسبوق بہا میں ہے تو بالاجماع سجدۂ سہو لازم لانہ فیھا مسبوق وعلی المسبوق السجود لسھوہ (کیونکہ اس میں وہ مسبوق ہے اور مسبوق پر سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ ت) اور اگر ان دو رکعت میں ہے جن میں اسے حکم لاحق دیا گیا تو لزومِ سجدہ میں علماء مختلف ہیں اور اصح لزوم ہے۔ بحرالرائق ہے:

المقیم اذا اقتدٰی بالمسافر ثم قام لاتمام صلاتہ وسھا ذکر فی الاصل انہ یلزمہ سجود السھو وصححہ فی البدائع[2] اھ ملخصًا۔

وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتدا کی جب وہ اتمامِ نماز کے لئے کھڑا ہوا اور بھول گیا تو اصل میں ہے کہ اس پر سجدۂ سہو لازم ہے، بدائع میں اس کی تصحیح کی اھ تلخیصاً (ت)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴۰

[2] بحرالرائق باب سجود السھو 〃 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۰

فصل الاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

مسئلہ ۹۵۸ ازکیمپ بریلی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر نماز پڑھاتے میں امام کا وضو جاتا رہے تو مقتدی کیا کریں اور ان کی نماز کیونکر درست رہے؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ صورت استخلاف کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صالح امامت کو اپنا خلیفہ کردے اور وُہ خلیفہ نہ کرے تو مقتدی اپنے میں سے ایک کو امام کردیں یا ان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کر خلیفہ اس کی جگہ جا کھڑا ہو ان صورتوں میں بعد لحاظ شرائط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگر پانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضو کے لئے باہر جانا نہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کرکے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کردے مگر یہ مسئلہ استخلاف ایک سخت دشوار و کثیر الشقوق مسئلہ ہے جس میں بہت شرائط اور بکثرتِ اختلاف صور سے اختلاف احکام ہے جن کی پُوری مراعات عام لوگوں سے کم متوقع، لہذا وُہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن و افضل و اعلیٰ و اکمل ہے اُسی پر کاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑ کر ازسرِ نو نماز پڑھنا کہ جو لوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں اُن کے لئے بھی افضل یہی ہے تو عام لوگ ایک خلافِ افضل بات کے حاصل کرنے کو ایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں،

فی الدر المختار اعلم ان لجواز البناء ثلثۃ عشر شرطا الخ ثم قال سبق الامام حدث غیر مانع للبناء استخلف ای جاز لہ ذلک مالم یجاوز الصفوف لو فی الصحراء ومالم یخرج من المسجد لو فیہ ولو کان الماء فی المسجد لم یحتج للاستخلاف واستینافہ افضل تحرزا عن الخلاف[1] اھ ملتقطا۔

درمختار میں ہے آگاہ رہنا چاہئے کہ جوازِ بناء کی تیرہ ۱۳ شرائط ہیں، پھر فرمایا، امام کو ایسا حدث لاحق ہوگیا جو بناء سے مانع نہیں تو وہ کسی کو خلیفہ بنائے یعنی اس کے لئے یہ جائز ہے جب تک اس نے صفوں سے تجاوز نہیں کیا بشرطیکہ وہ صحرا میں ہو اور اگر مسجد میں ہو تو جب تک مسجد سے خارج نہیں ہوا خلیفہ بنا سکتا ہے، اور اگر مسجد میں پانی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے نئے سرے سے نماز ادا کرنا افضل ہے اھ تلخیصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان قدم القوم واحدا او تقدم بنفسہ لعدم استخلاف الامام جاز ان قام مقام الاول قبل ان یخرج من المسجد ولو خرج منہ فسدت صلاۃ الکل دون الامام کذا فی الخانیۃ[2] انتہی۔

امام کے خلیفہ نہ بنانے کی وجہ سے اگر قوم نے کسی ایک کو آگے کردیا یا کوئی خود آگے ہوگیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے قائم مقام بن جائے اور اگر امام مسجد سے خارج ہوگیا تو امام کے علاوہ باقی تمام کی نماز فاسد ہوجائے گی جیسا کہ خانیہ میں ہے انتہی۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو حدث ہوا اس نے ایک اُمی مقتدی کو خلیفہ کیا، اس خلیفہ نے دوسرے کو خلیفہ کردیا، آیا یہ نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟ بینوا توجروا

الجواب

اگر یہ خلیفہ فی الحقیقۃ امی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اُسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کردیا اور وہ امام کے

---

[1] درمختار | باب الاستخلاف | مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۸۷
[2] ردالمحتار | " " | " مصطفی البابی مصر | ۱/۴۴۴

نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تو نماز صحیح ہوگئی کہ ہر چند اُمّی صلاحیت خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے نہ وہ،

فی الهندیة وشرط جواز صلاۃ الخلیفة والقوم ان یصل الخلیفة الی المحراب قبل ان یخرج الامام عن المسجد کذا فی البحر الرائق ولو استخلف فاستخلف الخلیفة غیرہ قال الفضلی ان لم یخرج الاول ولم یأخذ الخلیفة مکانه حتی استخلف جاز یصیر کان الثانی تقدم بنفسه او قدمه الاول والا لم یجز هکذا فی الخلاصة[1]۔

ہندیہ میں ہے خلیفہ اور قوم کی نماز کے جواز کے لئے شرط ہے کہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے خلیفہ محراب میں پہنچ جائے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے اور اگر خلیفہ نے اپنی جگہ اور خلیفہ بنا لیا تو فضلی کہتے ہیں کہ اگر اول نہیں نکلا اور خلیفہ نے امام کی جگہ لینے سے پہلے کوئی اور خلیفہ بنا لیا تو جائز ہے گویا دوسرا خود بنا یا پہلے نے اسے بنایا ورنہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اور جو امام نے اُسے تشہد میں یا اُس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تو نماز فاسد ہوئی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں،

فی الدر المختار واستخلف الامام امیا فی الاخریین ولو فی التشهد اما بعدہ فتصح لخروجه بصنعه تفسد صلاتهم[2]۔

درمختار میں ہے اگر امی کو آخری دو رکعات حتی کہ تشہد میں خلیفہ بنایا (تو امام کی نماز فاسد ہوگی) لیکن اس کے بعد صحیح ہے کیونکہ اس کا خروج بالارادہ ہے، لوگوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تو نماز فاسد ہوگئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وُہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہوگئی کہ استخلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے کما فی الهدایة فی مسئلة من الحدث (جیسا کہ ہدایہ میں مسئلہ حدث میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی الاستخلاف مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۹۶

[2] درمختار باب الامامۃ " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۶

مسئلہ ۹۶۰ از شہر بازار شہامت گنج نثار احمد صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا نماز میں وضو ٹوٹ گیا اور امام رکوع ان ابراھیم کان پڑھ رہا تھا اور جو خلیفہ امام نے بنایا اُس کو رکوع مذکور یاد نہیں تھا اب وُہ خلیفہ کوئی سُورت یعنی اخلاص یا اور کوئی سُورت پڑھے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اور وضو کے بعد امام اپنی جگہ آسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز ہوجائے گی اور امام کے خلیفہ نے جتنی پڑھی اُتنی پڑھ کر اگر خلیفہ نماز میں ملے اُس کا شریک ہوجائے، یہ نہیں کرسکتا کہ باقی نماز میں اُسے ہٹا کر خود امام ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب مُفسداتُ الصّلوٰۃ

(مفسداتِ نماز کا بیان)

مسئلہ ۹۶۱: از بمبئی مسجد قصاباں کرافٹ مارکیٹ مرسلہ مولوی عمرالدین صاحب ۲۹ شعبان ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم ذی الفضل الاعظم دامت برکاتکم العالیہ بعد تسلیمات بصد تعظیمات کے واضح رائے عالی ہو کر زمانۂ طالب علمی میں کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ مصلی کو غیر مصلی پنکھا کرے تو مصلی کو اگر اُس پر رضامندی ہے تو نماز اُس کی فاسد ہوجائے گی، اب اس مسئلہ کو بہت تلاش کیا ہوں نہیں ملتا البتہ مولوی عبدالحی کے رسالہ نفع المفتی والسائل میں ہے:

قلت فما فی مجمع البرکات من فساد صلوٰۃ من روحہ غیر المصلی بمروحۃ معللا بانہ رضی بفعل الغیر غیر معتمد علیہ فانہ مخالف للدرایۃ و الروایۃ وقد کان الوالد العلام افتی بہ مرۃ ثم رجع عنہ وحکم بکونہ غلطا وقد اغتربہ بعض معاصریہ فاصر علی الافتاء بہ

میں نے کہا پس جو مجمع البرکات میں ہے کہ غیر نمازی اگر نمازی کو پنکھے سے ہوا دے تو نمازی کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ وہ نمازی غیر کے فعل پر راضی ہے۔ یہ فسادِ نماز کا حکم فہم اور روایت کے مخالف ہے۔ میرے والدگرامی نے ایک دفعہ یہ فتوٰی دیا تھا، پھر اس سے اُنھوں نے رجوع فرمالیا اور فرمایا کہ یہ فتوٰی غلط ہے اور والد صاحب کو معاصرین میں سے ایک صاحب نے دھوکا دے کر اصرار کرتے ہوئے یہ

واعتمد علیہ عملا وافتاءً ولم یدرکونہ لغوا[1]

فتوٰی ان سے حاصل کیا۔ والدصاحب نے ان پر اعتماد کرتے ہُوئے عملاً فتوٰی دے دیا اور انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ یہ لغویات ہے۔ (ت)

مجمع البرکات کس کی تصنیف ہے اور حضور کی رائے عالی اس مسئلہ میں اُس کے موافق ہے یا مخالف' برتقدیرِ موافقت برقی پنکھا جو آدمی کی صنعت ہے اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ چار چھ سطر اس کے متعلق اگر جوابی کارڈ پر تحریر فرمائی جائے تو عین بندہ نوازی ہوگی۔

الجواب

مولنا المبجل المکرم المفخم جعلہ المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کاسمہٖ عزالدین آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجمع البرکات مولنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے اگر یہ عبارت اُس کے کسی نسخہ صحیحہ میں ہو تو اُس سے مراد نمازِ قلبی کا فساد ہوگا نہ نمازِ فقہی کا کہ ادائے فرض ودفع کبیرہ ترک کے لئے باذنہ تعالٰی کافی ہے ظاہر ہے کہ فعل غیر پر رضا عمل قلیل بھی نہیں کثیر درکنار، تو فساد نماز فقہی ناممکن ہے ہاں نمازِ قلبی تذلل وتضرع وتخشع ہے کما فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ت) اور یہ امر نوع تجبر پر دال ہے لہذا اس میں مخل ہوسکتا ہے اگر اس کی نیت خود استخدام اور نماز میں اپنا اعظام ہو تو یقیناً مفسدِ نمازِ قلب ہے ورنہ مفسد کی صورت ہے لہذا احتراز درکار ہے پنکھا کہ کل کے ذریعہ سے چلے اگر اُس کے مسالے میں مٹی کا تیل وغیرہ بدبُودار چیزیں ہوں تو ایسی اشیاء کا مسجد میں لے جانا حرام ہے ورنہ کم از کم ناپسند وخلاف مصالح ہے پنکھے کا مسئلہ فتاوٰیٔ فقیر میں بہت مفصل ہے فلیراجع (اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶۲ مسئولہ شوکت علی ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازی کے آگے سے نکلنے والا گنہگار رہتا ہے اور اُس کی نماز میں تو کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور نمازی کے آگے سے کس قدر دُور تک گزرنا چاہئے؟

الجواب

نماز میں کوئی خلل نہیں آتا نکلنے والا گنہگار رہتا ہے، نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوارِ قبلہ تک نکلنا جائز نہیں جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضع سجود تک نکلنے کی

---

[1] نفع المفتی والسائل مایتعلق بمایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۵

اجازت نہیں اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ موضع سجود کے یہ معنی ہیں کہ آدمی جب قیام میں اہلِ خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہِ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع میں ہے اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز۔ درمختار میں ہے :

مرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح او مرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت و مسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ[1]۔

نمازی کے آگے سے صحرا اور بڑی مسجد میں گزرنا اصح قول کے مطابق اس کی سجدہ کی جگہ سے گزرنا ہے یا گھر یا چھوٹی مسجد میں دیوارِ قبلہ تک گزرنا ہے کیونکہ یہ ایک ہی جگہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قولہ بموضع سجودہ کما فی الدرر وھذا مع القیود التی بعدہ انما ھو للاثم والا فالفساد منتف مطلقاً قولہ فی الاصح صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع و اختارہ فخرالاسلام ورجحہ فی النہایۃ والفتح انہ قدر ما یقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ[2] اھ مختصرا۔

ماتن کا قول "نمازی کے سجدہ کی جگہ" جیسا کہ درر میں ہے یہ بات ان قیودات کے ساتھ جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں فقط گناہ کا سبب ہے ورنہ ہر حال میں نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کا قول "اصح قول کے مطابق ہے" اسے تمرتاشی اور صاحبِ بدائع نے صحیح کہا اور اس کو فخرالاسلام نے اختیار کیا اور اس کو ترجیح دی۔ نہایہ اور فتح میں ہے کہ اس کی مقدار یہ ہے کہ خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نمازی کی نظر گزرنے والے پر پڑے، اور خشوع سے مراد یہ ہے کہ وہ سجدہ کی جگہ دیکھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو اھ تلخیصاً (ت)

منحۃ الخالق میں تجنیس سے ہے :

الصحیح مقدار منتھی بصرہ وھو موضع سجودہ وقال ابونصر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مقدار ما بین الصف الاول وبین

صحیح یہ ہے کہ اس کی مقدار نمازی کی انتہا نگاہ ہے اور وہ اس کے سجدہ کی جگہ ہے۔ ابونصر نے فرمایا کہ اس کی مقدار صفِ اول اور امام کے درمیانی جگہ

---

[1] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/ ۹۱
[2] ردالمحتار " " " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶۹

مقام الامام وھذا عین الاول ولکن بعبارۃ اخری قال رضی اللہ تعالٰی عنہ وفیما قرأنا علی شیخنا منہاج الائمۃ رحمہ اللہ تعالٰی ان یمر بحیث یقع بصرہ وھو یصلی صلٰوۃ الخاشعین وھذہ العبارۃ اوضح[1]

ہے اور یہ پہلے کے عین مطابق ہے البتہ دوسرے الفاظ میں ہے انھوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شیخ منہاج الائمہ رحمہ اللہ تعالٰی سے جو پڑھا وہ یہ ہے کہ نمازی خشوع والوں کی نماز ادا کر رہا ہے اور اس کی نگاہ گزرنے والے پر پڑ سکتی ہے، اور یہ عبارت نہایت ہی واضح ہے۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

فانظر کیف جعل الکل قولا واحدا وانما الاختلاف فی العبارۃ لا فی المعنی[2]

آپ نے دیکھا کہ انھوں نے تمام اقوال کو ایک قول قرار دیا اور اختلاف فقط عبارت میں ہے معنی میں نہیں۔ (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

(قولہ فی بیت) ظاہرہ ولو کبیرا وفی القھستانی وینبغی ان یدخل فیہ ای فی حکم المسجد الصغیر الدار والبیت[3]

ماتن کا قول "فی بیت" اس کے ظاہر سے پتا چلتا ہے کہ خواہ وہ بڑا ہو، قہستانی میں ہے مناسب یہ ہے کہ دار اور بیت کو مسجد صغیر کے حکم میں داخل کیا جائے۔ (ت)

رہا یہ کہ مسجد صغیر وکبیر میں کیا فرق ہے، فاضل قہستانی نے لکھا چھوٹی مسجد وہ کہ چالیس گز مکسر سے کم ہو

ففی ردالمحتار (قولہ ومسجد صغیر) ھو اقل من ستین ذراعا وقیل من اربعین وھو المختار کما اشار الیہ فی الجواھر[4]۔

ردالمحتار میں قہستانی سے ہے کہ چھوٹی مسجد سے مراد وہ ہے جو ساٹھ ہاتھ سے کم ہو، بعض نے چالیس ہاتھ کہا اور مختار یہی ہے جیسا کہ اس کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔ (ت)

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب ما یفسد الصلٰوۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵
[2] تقریرات الرافعی علی ردالمحتار مطلب اذا قرأ تعالٰی جدک الخ " مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۹
[3] ردالمحتار " " " " " " " " " "
[4] ردالمحتار " " " " " " " " " "

اقول یہاں گز سے گزِ مساحت مراد ہونا چاہئے

لانہ الالیق بالممسوحات کما قالہ الامام قاضی خاں فی الماء فھھنا ھو المتعین بالاولٰی۔ کیونکہ ممسوحات کے یہی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ قاضی خاں نے پانی کے بارے میں کہا، پس یہاں بطریق اولٰی یہی متعین ہوگا۔(ت)

اور گزِ مساحت ہمارے اس گز سے کہ اڑتالیس انگل یعنی تین فٹ کا ہے ایک گز دو گرہ اور دو تہائی گرہ ہے کما بیناہ فی بعض فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے بعض فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت)، تو اس گز سے چالیس گز مکسر ہمارے گز سے چون گز ساٹھ گرہ اور گرہ کا نواں حصّہ ہوا کما لایخفی علی المحاسب (جیسا کہ حساب دان پر مخفی نہیں ہے۔ت) تو اس زعمِ علامہ پر ہمارے گز سے چون گز ساٹھ گرہ مکسر مسجد صغیر ہوئی اور ساڑھے چون (۵۴½) گز مسجد کبیر یہ ہے وہ کہ انھوں نے لکھا اور علامہ شامی نے اس میں ان کا اتباع کیا۔

اقول مگر یہ شبہ ہے کہ فاضل مذکور کو عبارتِ جواہر سے گزرا، عبارتِ جواہر الفتاوٰی دربارہ دار ہے نہ کہ دربارہ مسجد۔ مسجد کبیر صرف وہ ہے جس میں مثل صحرا اتصالِ صفوف شرط ہے جیسے مسجد خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، باقی عام مساجد اگرچہ دس ہزار گز مکسر ہوں مسجد صغیر ہیں اور ان میں دیوارِ قبلہ تک بلاحائل مرور ناجائز، کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶۳: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب آخر ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو قعدہ اولٰی میں اپنی عادت سے دیر لگی اور مقتدی نے بخیال اس امر کے کہ امام کو سہو ہوا ہوگا تکبیر بآواز بلند بنا بر اطلاعِ امام کہی تو نماز مقتدی کی فاسد ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قرأت یا ذکر مثلاً تسبیح و تکبیر ہے اور یہ سب اجزاء و اذکار نماز سے ہیں مگر معنیً کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اُسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تُو بھُولا اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے، پر ظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کلام ہونے میں کیا شک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یا ذکر، و لہذا اگر نماز میں کسی یحیٰی نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیہ کریمہ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ[1] پڑھی بالاتفاق نماز

---

[1] القرآن ۱۹/۱۲

جاتی رہی حالانکہ وہ حقیقۃً قرآن ہے، اس بناء پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ برمحل ہو مفسدِ نماز ہو کہ جب وہ بلحاظ معنی کلام ٹھہرا تو بہرحال افسادِ نماز کرے گا مگر حاجت اصلاح نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور بحکم استحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص و ضرورت ہے جواز کا حکم دیا، ولہذا صحیح یہ ہے کہ جب امام قرأت میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگرچہ قدر واجب پڑھ چکا ہو اگرچہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورتِ اولیٰ میں گو واجب ادا ہوچکا مگر احتمال ہے کہ رُکنے اُلجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسدِ نماز ہو، لہذا مقتدی کو اپنی نماز درست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے، بعض عوام حفاظ کو مشاہدہ کیا گیا کہ جب تراویح میں بھولے اور یاد نہ آیا تو ایں آں یا اور اسی کی قسم الفاظ بے معنی اُن کی زبان سے نکلے اور فسادِ نماز کا باعث ہوئے، اور صورتِ ثانیہ میں اگرچہ جب قرأت رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فسادِ نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نص وارد،

وھو حدیث سورۃ المؤمنین الذی ذکرہ المحقق فی الفتح وغیرہ فی غیرہ مع اطلاقات احادیث اخر وارد ۃ فی الباب کما بینہ فی الحلیۃ من المفسدات اقول والاحسن من کل ذٰلک التمسک بما اخرج ابوداود و عبد اللہ ابن الامام فی زوائد المسند عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فترک اٰیۃ فقال لہ رجل یا رسول اللہ اٰیۃ کذا وکذا فقال فھلا اذکرتنیھا[1] و ذٰلک لان حدیث الفتح فی ترک کلمۃ وھو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ فی الصلاۃ سورۃ المؤمنین

اور وہ سورہ مومنین کے بارے میں حدیث وارد ہے، محقق نے فتح میں اور دیگر فقہائے نے مختلف کتب میں اسے ذکر کیا باوجودیکہ دیگر احادیث اس باب میں مطلق ہیں جیسا کہ حلیہ میں مفسداتِ صلوٰۃ کے باب میں بیان ہوا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) سب سے احسن تمسک کے لحاظ سے وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد اور عبد اللہ بن امام احمد نے زوائد مسند میں حضرت مسور بن یزید مالکی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ایک آدمی نے عرض کیا، یارسول اللہ! آیت تو ایسے ہے، تو آپ نے فرمایا: تُو نے مجھے یاد کیوں نہ کرائی۔ اور وہ اس لئے کہ حدیث جو ایک کلمہ کے ترک پر لقمہ دینے

---

[1] سنن ابوداود باب الفتح علی الامام فی الصلاۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳۱

فترك كلمة فلما فرغ قال الم يكن فيكم
أبي قال بلى قال هلا فتحت علي[1] فظاهر
ان حكم ترك كلمة اضيق من حكم الانتقال
من اٰية الى اٰية واثر علي كرم الله تعالٰی
وجهه اذا استطعمكم الامام فاطعموه[2]
رواه سعيد بن منصور فی سننه وذكره
فی الحلية والفتح فيما اذا سكت الامام
ينتظر الفتح، وحديث انس رضی الله
تعالٰی عنه كنا نفتح علی عهد رسول الله
صلی الله تعالٰی عليه وسلم علی الائمة[3]
رواه الدارقطنی والحاكم وصححه
مجمل بخلاف ما ذكرنا ففيه تصريح
ترك اٰية وان كان قد يقال علی هذا و
علی ما تمسك به فی الفتح من حديث
الكلمة انهما من وقائع العين ليس
فيهما ان ذلك كان بعد ثلاث او قبلها.

کے بارے میں ہے یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے نماز میں سورہ مومنون کی تلاوت
فرمائی اور ایک کلمہ چھوڑ دیا جب آپ فارغ ہوئے
تو فرمایا: کیا تم میں اُبی نہیں؟ عرض کیا: یا رسول
اللہ! موجود ہوں۔ فرمایا: مجھے لقمہ کیوں نہ دیا۔
اور یہ واضح ہے کہ کلمہ کا ترک کرنا ایک آیت سے
دُوسری آیت کی طرف منتقل ہونے سے زیادہ تنگ
ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کہنا ہے کہ جب
امام تم سے لقمہ چاہے تو لقمہ دو، اسے سعید بن منصور
نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، حلیہ اور فتح میں
اسے اس صورت کے بارے میں کہ جب امام خاموش
ہو جائے اور لقمہ کا انتظار کرے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت
انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث کہ ہم
رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات
میں اپنے ائمہ کو لقمہ دیا کرتے تھے اسے دارقطنی اور
حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا" یہ حدیث مجمل ہے
بخلاف اس حدیث کے جو ہم نے ذکر کی، اس میں ترک آیت کی تصریح ہے اگرچہ اس آیت کے ترک والی اور وہ
حدیث جس میں کلمہ کا ترک مذکور ہے جس سے فتح القدیر میں استدلال کیا گیا ہے، پر اعتراض کیا گیا ہے "یہ خاص
واقعات ہیں اس میں اس بات کا تذکرہ نہیں کہ یہ تین آیات پڑھنے کے بعد ہوا یا پہلے ہُوا۔ (ت)

ولہٰذا اگر کوئی مکان میں آنے کا اذن چاہے اور یہ اس غرض سے کہ اُسے نماز میں ہونا معلوم ہو جائے
تسبیح یا تکبیر یا تہلیل کہے نماز فاسد نہ ہوگی کہ اس بارے میں بھی حدیث وارد،

---

[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۸
[2] فتح القدیر " " " " " " "
[3] سنن الدارقطنی باب تلقین المأموم لامامہ الخ " نشر السنۃ ملتان ۱/۳۹۹

وھو علی ماذکر علماؤنا فی الھدایۃ و الکافی والتبیین والفتح والحلیۃ والغنیۃ والبحر وغیرھا حدیث سھل بن سعد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نابہ شیئ فی صلاتہ فلیسبح[1] اخرجہ الشیخان وغیرھما **اقول** والاقرب ما اخرج احمد فی المسند عن علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قال کان لی ساعۃ من السحر ادخل فیھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان کان قائما یصلی سبح لی[2] الحدیث۔

یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو ہمارے علمائے ہدایہ، کافی، تبیین، فتح، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جس شخص کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو وہ تسبیح کہے۔ اسے بخاری ومسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) سب سے اقرب وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے مسند میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ میرے لئے سحری کے وقت میں ایک خاص وقت تھا جس میں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا تو اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو تسبیح پڑھ کر مجھے اندر آنے کی اجازت دیتے الخ الحدیث (ت)

بس جو بتانا حاجت ونص کے مواضع سے جدا ہو وُہ بیشک اصل قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اُس کے حکم کا کوئی معارض نہیں اس لئے اگر غیر نمازی یا دوسرے نمازی کو جو اس کی نماز میں شریک نہیں یا ایک مقتدی دوسرے مقتدی یا امام کسی مقتدی کو بتائے قطعاً نماز قطع ہوجائے گی کہ اس کی غلطی سے اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آتا تھا جو اسے حاجت اصلاح ہوتی تو بے ضرورت واقع ہوا اور نماز گئی بخلاف امام کہ اُس کی نماز کا خلل بعینہٖ مقتدی کی نماز کا خلل ہے تو اس کا بتانا اپنی نماز کا بنانا ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

قولہ وفتحہ علی غیر امامہ) لانہ تعلیم وتعلم من غیر ضرورۃ فکان من کلام الناس وقولہ علی غیر امامہ یشمل فتح

ماتن کا قول (نمازی کا اپنے امام کے غیر کو لقمہ دینا) کیونکہ بغیر ضرورت تعلیم وتعلم ہونے کی وجہ سے لوگوں کے کلام کی طرح ہوگا۔ اس کا قول" اپنے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب من دخل لیؤم الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۴
[2] مسند احمد بن حنبل مسند علی ابن ابی طالب دار الفکر بیروت ۱/۷۷

المقتدی علی المقتدی وعلی غیر المصلی وعلی المصلی وحدہ وفتح الامام والمنفرد علی ای شخص کان وکل ذٰلک مفسد الا اذا قصد بہ التلاوۃ دون الفتح[1] اھ ملخصا

امام کے علاوہ" کے الفاظ' مقتدی کا مقتدی کو، غیر نمازی تنہا نمازی کے لقمہ کو اور امام اور منفرد کا کسی بھی دوسرے شخص کو لقمہ دینے کو شامل ہیں اور ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی جب تلاوت مقصود ہو، لقمہ دینا مقصود نہ ہو اھ تلخیصاً (ت)

درمختار میں ہے:

یفسدھا کل ما قصد بہ الجواب او الخطاب کقولہ لمن اسمہ یحیٰی، یا یحیٰی خذ الکتٰب بقوۃ[2] اھ ملخصا

ہر وہ شے نماز کو فاسد کردے گی جس سے جواب یا خطاب مقصود ہو جیسا کہ یحیٰی نامی شخص کو یہ کہنا یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃ (اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ) اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ او الخطاب الخ ھذا مفسد بالاتفاق وھو مما اورد نقضا علی اصل ابی یوسف فانہ قراٰن لم یوضع خطابا لمن خاطبہ المصلی وقد اخرجہ بقصد الخطاب عن کونہ قراٰنا وجعلہ من کلام الناس[3]

اس کا قول "او الخطاب الخ" بالاتفاق مفسد نماز ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن سے امام ابو یوسف کے قاعدہ پر نقض وارد ہوتا ہے کہ یہ قرآن ہے اس کی وضع اس لئے نہیں کہ کوئی شخص اس سے نمازی کو مخاطب کرے، حالانکہ (وجہ یہ ہے) کہ اس نے اسے قصد خطاب کے طور پر' قرآن ہونے سے خارج کیا اور اسے کلام الناس میں شامل کردیا ہے۔ (ت)

علامہ ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

الذی یفتح کانہ یقول خذ منی کذا والتعلیم لیس من الصلاۃ فی شیئ

لقمہ دینے والا گویا کہہ رہا ہوتا ہے کہ "مجھ سے یہ لے لو" اور سکھانا نماز کا حصہ نہیں اور ایسی

---

[1] تبیین الحقائق باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ امیریہ کبرٰی بولاق مصر ۱/۱۵۶

[2] الدر المختار " " " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[3] رد المحتار " " " " " مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

وادخال مالیس منها فیها یوجب فسادها وکان قضیة ھذا المعنی ان تفسد صلاتہ اذا فتح علی امامہ لکن سقط اعتبار التعلیم للاحادیث وللحاجۃ الی اصلاح صلاۃ نفسہ فماعدا ذلک یعمل فیہ بقضیۃ القیاس[1] اھ ملخصا بالمعنی۔

شَی کا نماز میں داخل کرنا جو نماز میں سے نہیں نماز کے فساد کا سبب ہے۔ اس بات کے پیشِ نظر ہونا یہی چاہئے کہ جب امام کو لقمہ دیا جائے تو بھی نماز فاسد ہو جائے لیکن اس صورت میں نماز کے فساد کا حکم اس لئے جاری نہیں کیا جاتا کہ احادیث میں اس کی اجازت ہے اور نماز کی اصلاح کی بھی حاجت ہے البتہ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں قیاس پر عمل کیا جائے گا (یعنی نماز فاسد ہوجائیگی) ملخصاً بالمعنیٰ۔ (ت)

اُسی میں ہے :

ھذا قد استعمل فی موضع الجواب وقد ارید ذلک منہ وفھم فیصیر من ھذا الوجہ کلام الناس فیفسد وان لم یکن من حیث الصیغۃ فی الاصل من کلامھم فالقیاس فساد الصلوۃ الا انا ترکناہ بالنص والمعدول بہ عن القیاس لایقاس علیہ[2] اھ ملخصا۔

یہ جواب میں مستعمل ہے اور یہاں وہی مراد اور مفہوم ہے لہذا یہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کی وجہ سے مفسدِ نماز ہے اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے لوگوں کے کلام میں سے نہیں۔ تو قیاس کا تقاضا ہے کہ نماز فاسد ہوجائے مگر نص کی بناء پر قیاس ترک کر دیا اور جو خود خلافِ قیاس ہوں اس پر قیاس نہیں کیا جاتا اھ ملخصاً (ت)

اُسی میں ہے :

(م) ان فتح بعد ماقرأ قدر ما تجوز بہ الصلاۃ تفسد (ش) لانہ لیس فیہ اصلاح صلاتہ فیبقی تعلیما وجوابا لہ وان اخذ الامام بفتحہ تفسد صلاۃ الکل (م)

(متن) اگر یہ لقمہ اتنی قرأت کے بعد دیا جس سے نماز ہوجاتی ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح نہیں ہے لہذا یہ تعلیم وجواب ہوگا اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو تمام کی

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] " " " "

الصحیح لاش کذا فی الخانیۃ والخلاصۃ ونص القاضی فی شرح الجامع الصغیر انہ الاصح وعللہ ھو وغیرہ بانہ لولم یفتح ربما جری علی لسانہ مایکون مفسدا فکانت بمنزلۃ الفتح والاولی فی التعلیل حدیث المسور بن یزید واطلاق ماروی عن علی و عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہم، وان انتقل الامام الی اٰیۃ اخری ففتح علیہ بعد الانتقال تفسد (ش) لوجود التلقین من غیر ضرورۃ کذا فی الھدایۃ وغیرھا وجعل صاحب الذخیرۃ ھذا محکیا عن القاضی الامام ابی بکر الزرنجری وان غیرہ من المشائخ قالوا لاتفسد کذا نقلوہ عن المحیط واخذ من ھذا صاحب النہایۃ ان عدم الفساد قول عامۃ المشائخ ووافقہ شیخنا رحمہ اللہ تعالٰی علی ذلک وھو الاوفق لاطلاق الرخص الذی رویناہا[1] اھ ملخصا۔

نماز فاسد ہوجائے گی (متن) صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی (شرح) اسی طرح خانیہ اور خلاصہ میں ہے اور قاضی نے شرح جامع الصغیر میں کہا ہے کہ یہی اصح ہے اور انہوں نے اور دیگر لوگوں نے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ لقمہ نہیں دے گا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسی چیز جاری ہوجاتی ہے جو نماز کے لئے مفسد ہوتی ہے اس لئے وہ لقمہ ہی ہوگا، حضرت مسور بن یزید سے مروی اور وہ جو حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کا اطلاق علت کے بیان کے لئے بہتر ہے (متن) اور اگر امام کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا اور اس انتقال کے بعد لقمہ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ بغیر ضرورت کے تلقین ہے، ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح ہے، اور صاحبِ ذخیرہ نے اسے قاضی امام ابوبکر الزرنجری نے نقل کیا ہے اگرچہ ان کے علاوہ دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوتی، محیط سے اسی طرح منقول ہے، اسی سے صاحبِ نہایہ نے لیا اور کہا کہ اکثر مشائخ کا قول عدمِ فساد ہے اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسی کی موافقت کی ہے اور یہ ان رخصتوں کے اطلاق کے بھی زیادہ موافق ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اھ تلخیصاً (ت)

فتح القدیر میں ہے :

خرج قصد اعلام الصلٰوۃ بالحدیث لا لانہ لم یتغیر بعزیمتہ فیبقی ماوراءہ علی

نماز میں ہونے کی قصداً اطلاع کرنا، حدیث کی وجہ سے مفسدات سے خارج ہے، نہ اس لئے کہ اس کے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المنح[1] اھ ملخصا

عزم وارادہ سے تغیر نہیں ہوا لہذا اس کے علاوہ صُورتیں منع ہی رہیں گی اھ ملخصاً (ت)

جب یہ اصل ممہد ہولی حکم صورت مسئولہ واضح ہوگیا ظاہر ہے کہ جب امام کو قعدہ اولٰی میں دیر ہُوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدۂ اخیرہ سمجھا ہے تنبیہ کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہوگا یعنی امام قعدۂ اولٰی ہی سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہُوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسدِ نماز ہوا لقول الحلیۃ ان ماوراء ذلك یعمل فیہ بقضیۃ القیاس ولقول المعدول بہ عن القیاس لایقاس علیہ ولقول الفتح یبقی ماوراءہ علی المنع ولقول التبیین لایقاس علیہ غیرہ وھذا واضح جدا۔

حلیہ کے ان الفاظ کی وجہ سے کہ "ان کے علاوہ میں قیاس پر عمل ہوگا" اور اس کے اس قول کے پیشِ نظر کہ "خلافِ قیاس پر قیاس نہیں ہوسکتا" اور فتح کے قول کہ "اس کے علاوہ ممنوع ہوں گے" اور تبیین کے قول کہ "اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا" اور یہ نہایت ہی واضح ہے (ت)

یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاحِ نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قعدۂ اولٰی میں اتنی تاخیر کرچکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لاجرم یہ تاخیر بقدر کثیر ہُوئی اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترکِ واجب و لزوم سجدۂ سہو وہ ہوچکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وُہ بھُول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اُس وقت حاجت محقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل و فسادِ نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کرچکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہوجائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا، لہذا مقتضائے نظر فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدۂ اولٰی چھوڑ کر پورا کھڑا ہوجائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پُورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اولٰی کی طرف عود ناجائز تھا تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رُو سے

---

[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۹

بر مقصد نماز ہوا، بحرالرائق میں ہے:

وعرض للامام شیئ فسبح المأموم لا بأس به لان المقصود به اصلاح الصلوٰۃ فسقط حکم الکلام عند الحاجۃ الی الاصلاح ولا یسبح للامام اذا قام الی الاخریین لانه لا یجوز له الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفیدا کذا فی البدائع وینبغی فساد الصلوٰۃ به لان القیاس فسادھا به عند قصد الاعلام وانما ترک للحدیث الصحیح من نابه شیئ فی صلاته فلیسبح فللحاجۃ لم یعمل بالقیاس فعند عدمها یبقی الامر علی اصل القیاس ثم رأیته فی المجتبی قال ولو قام الی الثالثۃ فی الظهر قبل ان یقعد فقال المقتدی سبحٰن اللّٰه قیل لا تفسد وعن الکرخی تفسد عندهما[1] اھ وبه انتهی مانقلناه عن البحر، قلت وقوله عندهما یرید به الطرفین فان مذهبهما تغیر الذکر بتغیر العزیمۃ خلافا لابی یوسف فعنده ماکان ذکرا بصیغته لا تعمل فیه النیۃ وکذا قوله اعنی المجتبی لو سبح اوهلل یرید زجرا عن فعل او امرا به فسدت عندهما[2] اھ فانما اراد الطرفین

اگر امام کو عارضہ پیش آگیا مقتدی نے لقمہ دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے مقصود نماز کی اصلاح ہے لہذا حاجتِ اصلاح کی وجہ سے اس سے حکمِ کلام ساقط ہوگیا، اگر امام آخری دو رکعات کی طرف اٹھ جائے تو اسے لقمہ نہ دیا جائے کیونکہ اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہے تو اب اس کے لئے لوٹنا جائز نہیں لہذا لقمہ اس کے لئے مفید نہیں۔ البدائع میں ایسے ہے، اور اس سے نماز فاسد ہوجانی چاہئے کیونکہ یہ قیاس کا تقاضا ہے کہ جب مقصود امام کو اطلاع ہو تو نماز فاسد ہوجائے البتہ اس حدیث صحیح کی بنا پر اس قیاس کو ترک کردیں گے کہ جس کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو تو وہ تسبیح کہے، تو حاجت کے پیشِ نظر قیاس پر عمل نہ ہوگا اور جب حاجت نہ ہوگی تو معاملہ اصل قیاس پر ہی رہے گا پھر میں نے مجتبٰی میں دیکھا اگر نمازِ ظہر میں امام قعدہ کے بغیر تیسری رکعت کی طرف اٹھا اور مقتدی نے سبحان اللہ کہا تو بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام کرخی سے منقول ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور یہاں بحر سے منقول عبارت ختم ہوگئی قلت اس کا قول "عند ھما" سے مراد طرفین ہیں کیونکہ انہی کا قول ہے کہ تبدیلیِ عزم سے ذکر تبدیل ہوجاتا ہے

---

[1] بحر الرائق باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

[2] " " " " " " " " " " "

رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم **اقول** وباللہ
التوفیق لایبعد ان یکون قام
فی القیل للارادۃ کقولہ تعالٰی
یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی
الصلٰوۃ[1] وفی روایۃ الکرخی للحقیقۃ
کقولہ تعالٰی وانہ لما قام
عبد اللہ یدعوہ[2] الاٰیۃ وھذا جمع
کما تری حسن ان شاء اللہ تعالٰی
والا فلا شک ان الدلیل مع
الکرخی وانہ ھو قضیۃ مذھب
الامام والامام محمد رضی
اللہ تعالٰی عنہما فعلیہ
فلیکن التعویل فان قیل
فی القیل لو اراد الارادۃ فما
الوجہ لتخصیص المسئلۃ
بالذکر فانھا معلومۃ من
اطلاق قولھم لو عرض
للامام شیئ الخ **اقول** بلٰی
کان لمتوھم ان یتوھم
عدم الجواز ھھنا مطلقا
کما یتوھم من ظاھر لفظ
البدائع لایسبح للامام اذا قام

بخلاف امام ابویوسف کے ان کے نزدیک الفاظِ ذکر
میں نیت کا دخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس یعنی المجتبٰی
کا قول اگر اس نے سبحان اللہ کہا یا لا الٰہ الا
اللہ، اور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یا کسی عمل کا
حکم ہو تو ان دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ
اس سے مراد طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں ثم
اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی
توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) یہ بھی ممکن ہے کہ مجتبٰی کی
عبارت میں قام کا معنی ارادہ ہو جیسا کہ اللہ تعالٰی
کے اس ارشادِ گرامی میں ہے "اے اہلِ ایمان!
جب تم نماز کا ارادہ کرو" اور روایتِ کرخی میں حقیقی
معنٰی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے "جب
اللہ کا بندہ کھڑا ہوکر اپنے رب کو پکارتا ہے" آپ
نے دیکھا یہ نہایت ہی اچھا تطابق ہے ان شاء
اللہ تعالٰی، ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیل
کرخی کا ساتھ دیتی ہے اور یہی ضابطہ ہے امام اعظم
اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب کا اس
بنا پر اس پر اعتماد کرنا چاہئے، اگر سوال ہو کہ
عبارت میں اگر ارادہ مراد ہے تو اس مسئلہ کا خصوصاً
کیوں ذکر ہوا؟ کیونکہ اس کا علم تو فقہاء کے اس
قول "اگر امام کو کوئی عارضہ لاحق ہو" کے اطلاق سے
ہی ہو رہا ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) کیوں نہیں

---

[1] القرآن ٦/٥
[2] القرآن ١٩/٧٢

الی الاخریین[1] حیث لم یفصل والحاوی علی الوهم ان المقتدی لا یطلع علی قیام الامام بفورہ بل یتاخر ذلک عن افاضتہ فی القیام ولو لحظات کما ھو معلوم مشاھد فعند ذلک یسبح ثم الامام لا ینبہ بفورما بدأ المقتدی بحرف التسبیح بل یتاخر ولو لحظۃ ثم ھو ربما لا یتذکر بمجرد السماع والتنبہ علی تنبیھہ بل قد یحتاج الی شیئ من التامل فھذہ ثلث وقفات و الامام اذا نھض نھض ولم یکن فیہ تدرج یقتضی مکثا معتدا بہ فربما لا یتنبہ بتسبیحہ الا بعد ما فات وقت العود لاسیما علی قول من قال بفواتہ اذ اقرب الی القیام کما ھو مختار صاحب البدائع و الھدایۃ والوقایۃ والکنز وغیرھم من الجلۃ الکرام وان کان الاصح العبرۃ بتمام القیام کما اعتمدہ فی مواھب الرحمٰن ونور الایضاح

گویا کوئی وہم کرنے والا یہ تصور کرسکتا تھا کہ یہاں مطلقاً لقمہ ناجائز ہے جیسا کہ بدائع کے ان الفاظ کے ظاہر سے وہم کیا جاسکتا ہے کہ "امام جب آخری رکعتوں کی طرف کھڑا ہوجائے تو سبحان اللہ نہ کہا جائے" تو یہاں انھوں نے کوئی فرق نہیں کیا اور یہاں منشاءِ وہم یہ بات ہے کہ مقتدی فی الفور امام کے قیام پر مطلع نہیں ہوتا بلکہ قیام کی طرف مائل ہونے کے بعد مطلع ہوتا ہے اگرچہ کچھ لمحات ہی ہوں جیسا کہ معلوم و مشاہد ہے تو اس وقت مقتدی سبحان اللہ کہے گا، پھر امام بھی مقتدی کے لقمہ پر فی الفور متوجہ نہیں ہوتا بلکہ معاملہ متاخر ہوتا ہے خواہ ایک لمحہ بعد ہی ہو، پھر بعض اوقات اسے صرف سماع اور توجہ دلانے سے یاد نہیں آجاتا بلکہ کچھ نہ کچھ غور وفکر کا محتاج ہوتا ہے، تو یہ تین وقفے ہوئے، تو امام جب کھڑا ہوتا ہے تو کھڑا ہوجاتا ہے اس میں ایسی تدریج نہیں جو قابلِ ذکر ٹھہرنے کا تقاضا کرے۔ بعض اوقات مقتدی کی تسبیح سے بھی متوجہ نہیں ہو پاتا مگر اس وقت جب لوٹنے کا وقت ختم ہوچکا ہو خصوصاً اس قول کے مطابق جو کہتے ہیں کہ جب قیام کے زیادہ قریب ہو تو رجوع فوت ہوجاتا ہے جیسا کہ صاحب بدائع، ہدایہ، وقایہ، کنز اور دیگر جلیل القدر فقہائے نے اختیار کیا ہے، اگرچہ اصح یہ ہے کہ اعتبار کامل قیام کا ہے جیسا کہ اس پر مواہب الرحمٰن، نور الایضاح، تنویر، فتح،

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان حکم الاستخلاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۳۵

والتنویر والفتح والدرالمختار وغیرھا وجعلہ فی الدر ظاھر المذھب واذا کان الامر علی ماوصفنا لک فعسی ان یتوھم کونہ عبثا مطلقا فیحکم بفساد الصلٰوۃ بہ علی الاطلاق فمست الحاجۃ الی التصریح بذٰلک فان المسموع ھو کونہ مفیدا حین وقوعہ وھو کذٰلک فی فور القیام ولربما یرجی العود بہ بل ربما یقع وھذا حسبہ ولایضرہ ان تعجل الامام ولم یلتفت کما اذا فتح ولم یاخذ **فان قلت** یحتمل ان الامام لما ظن ان صلاتہ تمت لعلہ یتعمد الکلام او الذھاب او الضحک قبل ان یسلم **قلت** ھذا فی غایۃ البعد ولا یتوقع من المسلم بل ھو اساءۃ ظن بہ والفقہ لایبنی علی نادر فضلا عما عساہ لم یقع قط بل ھو احتمال علی احتمال لان ظن الامام تمام الصلٰوۃ ایضا غیر معلوم کما قدمنا فکان شبھۃ الشبھۃ ولا عبرۃ بھا اصلا، ھذا ما وقع فی الحلیۃ

درمختار وغیرہ میں اعتماد کیا گیا ہے اور در میں اسے ظاہر مذہب قرار دیا ہے، اور جب معاملہ اس طرح ہے جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے تو قریب ہے اس کے مطلقًا عبث ہونے کے وہم پر مطلقًا فسادِ نماز کا حکم کردیا جائے لہذا اس کی تصریح کی حاجت وضرورت پیش آئی کیونکہ اس کے وقوع کے وقت لقمہ کا مفید ہونا قابلِ اعتبار ہے اور علی الفور قیام کے وقت لقمہ میں یہ صورت ہے اور بسا اوقات لوٹنے کی امید کی جاتی بلکہ بعض دفعہ لوٹنے کا وقوع ہوتا ہے اور مفید ہونے کے لئے یہی کافی ہے اور امام کا جلدی کرنا اور متوجہ نہ ہونا نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس صورت میں جب لقمہ دیا مگر امام نے نہ لیا۔ اگر آپ سوال کریں (قعدہ لمبا ہوتے پر سلام سے پہلے لقمہ دینے میں فائدہ ہے) کیونکہ ممکن ہے امام نے گمان کیا ہو کہ نماز مکمل ہوگئی ہے پھر وہ دانستہ طور پر قبل از سلام کلام کرنے یا چلے جانے یا ہنسنے کا ارادہ کرلے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ نہایت ہی بعید ہے اور اس بات کی کسی مسلمان سے توقع نہیں بلکہ کسی مسلمان کے بارے میں ایسا گمان کرنا بھی گناہ ہے اور کسی نادر معاملہ پر فتوٰی نہیں ہوا کرتا چہ جائیکہ جس کا امکان کبھی واقع نہ ہو بلکہ یہ احتمال در احتمال ہے کیونکہ امام کا اتمامِ نماز کا گمان کرنا بھی معلوم نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گویا یہ اتمام کے گمان کے بعد کلام وغیرہ کا گمان شبہہ کا شبہہ ہے لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، یہ وہ ہے جو حلیہ میں

نقلا عن المحیط الرضوی اذا فتح علی امامہ یجوز مطلقا لان الفتح وان کان تعلیما ولکن التعلیم لیس بعمل کثیر وانہ تلاوۃ حقیقۃ فلا یکون مفسدا وان لم یکن محتاجا الیہ[1] اھ **فاقول** یجب ان یحمل فیہ لام "التعلیم" علی العھد ای ھذا التعلیم من المقتدی للامام کمثل لام "الفتح" فلیس المراد الا ھذا الفتح لا مطلقا ولو من غیر مقتد علی امامہ وذلک لان کون مطلق التعلیم من العمل القلیل باطل بداھۃ وتشھد بہ فروع فی المذھب متواترات بل قد نص فی الفتح فی نفس مسئلۃ الفتح ان التکرار لم یشترط فی الجامع ای ان الجامع الصغیر لم یشترط للافساد تکرار الفتح بل حکم بہ مطلقا قال وھو الصحیح وکذا صححہ فی الخانیۃ وقد علم ھذا من مذھب الامام فانہ اذا جعل کلاما فقلیلہ و کثیرہ سواء فاعرف وتثبت وباللہ التوفیق ھذا ما عندی واللہ سبحنہ و تعالٰی اعلم۔

محیط رضوی کے حوالے سے مذکور ہے کہ امام کو لقمہ دینا ہر حال میں جائز ہے کیونکہ لقمہ دینا اگرچہ تعلیم ہے لیکن تعلیم عمل کثیر نہیں ہے اور یہ تو حقیقت میں تلاوت ہے لہٰذا یہ مفسد نماز نہیں، اگرچہ اس کی احتیاج نہ ہو ——

اقول یہاں پر لفظ تعلیم کے الف لام کو عہد خارجی ماننا ضروری ہے کیونکہ اس سے مراد وہی تعلیم ہے جو مقتدی کی امام کے لئے ہو جیسا کہ الفتح کے الف لام کا معاملہ ہے کیونکہ یہاں لقمہ سے بھی خصوصی لقمہ مراد ہوگا ہر لقمہ نہیں اگرچہ وہ غیر مقتدی کا امام کے لئے ہو، وُہ اس لئے کہ ہر تعلیم کا عمل قلیل ہونا بداہۃً باطل ہے اور اس پر مذہب کی فروعات بڑی تواتر کے ساتھ گواہ ہیں بلکہ فتح میں اس مسئلہ لقمہ میں تصریح ہے کہ جامع میں تکرار کو شرط نہیں کیا یعنی جامع صغیر نے نماز فاسد ہونے کے لئے تکرارِ لقمہ کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ مطلقاً حکم جاری کیا اور کہا یہی صحیح ہے، اسی طرح اسے خانیہ نے بھی صحیح قرار دیا اور مذہب امام کے حوالے سے یہ معلوم ہے کہ جب انھوں نے اسے کلام قرار دیا ہے تو اب کلام کے قلیل اور کثیر کا ایک ہی حکم ہوگا، اسے اچھی طرح جان لو اور ثابت رہو، اور توفیق اللہ ہی سے ہے یہ ہے جو کچھ میرے پاس تھا اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی ہی زیادہ جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۹۶۴: از کلکتہ نل موتی گلی ۱۸ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں اکثر لوگ بے پڑھے نماز ظہر وعصر ومغرب وعشا کے

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فرض تنہا پڑھنے کی حالت میں تکبیرات انتقالیہ بجہر اس غرض سے کہتے ہیں کہ دوسرے نمازی معلوم کرلیں کہ یہ شخص فرض پڑھتا ہے اور شریک ہوجائیں اس صورت میں جہر کے ساتھ تکبیر کہنے سے نماز میں فساد ہوتا ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دُوسرا شخص آیا اور منتظر اس امر کا ہے کہ یہ نمازی بجہر تکبیر کہے تو میں شریک ہوجاؤں، چنانچہ اس نے اُس کی اطلاع کی غرض سے تکبیر جہر کے ساتھ کہی اس صورت میں نماز فاسد ہوگی یا صحیح؟ بینوا توجروا۔

الجواب

دونوں صورتوں میں اگر نمازیوں نے اصل تکبیرات انتقال بہ نیت ادائے سنّت و ذکر الٰہی عزوجل ہی کہیں اور صرف جہر بہ نیتِ اطلاع کیا تو نماز میں کچھ فساد نہ آیا، ردالمحتار میں ہے:

وقال فی البحر و مما الحق بالجواب ما فی المجتبی لوسبح او هلل یرید زجرا عن فعل او امرا به فسدت عندهما اھ قلت والظاهر انه لو لم یسبح ولکن جهر بالقراءة لا تفسد لانه قاصد للقراءة وانما قصد الزجر او الامر بمجرد رفع الصوت تامل[1] اھ

بحر میں ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جواب سے تعلق ہے وہ ہیں جو مجتبٰی میں ہیں اگر مقتدی نے سبحان اللہ کہا یا لا الٰہ الا اللہ کہا اور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یا کسی عمل کا حکم تھا تو ان دونوں (طرفین) کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ میں کہتا ہُوں ظاہر یہی ہے کہ اگر اس نے سبحان اللہ نہیں کہا لیکن قرأت بلند آواز سے کی تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس سے مقصد قرأت ہے اور آواز کی بلندی کے ذریعے تو صرف زجر یا حکم مقصود ہے تأمل اھ (ت)

اور شک نہیں کہ واقع ایسا ہی ہوتا ہے نہ یہ کہ نفس تکبیر ہی سے ذکر وغیرہ کچھ مقصود نہ ہو صرف بغرض اطلاع بہ نیت مذکورہ کہی جاتی ہو، ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا قصد کرے تو اس کی نماز ضرور فاسد ہوجائیگی علی قول الامام والامام محمد خلافا للامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم (یہ امام اعظم اور امام محمد کے قول کے مطابق ہے بخلاف امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے۔ت) **اقول** و باللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ ان مسائل میں حضرات طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اصل یہ ہے کہ نمازی جس لفظ سے کسی ایسے معنٰی کا افادہ کرے جو اعمال نماز سے نہیں وہ

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ و مایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

کلام ہوجاتا اور مفسدِ نماز قرار پاتا ہے اگرچہ لفظ فی نفسہٖ ذکرِ الٰہی یا قرآن ہی ہو اگرچہ اپنے محل ہی میں ہو، مثلاً کسی موسٰی نامی شخص سے نمازی نے کہا: وما تلك بيمينك يا موسٰى (اے موسٰی! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟) نماز جاتی رہی اگرچہ یہ الفاظ آیہ کریمہ ہیں۔ یا التحیات پڑھ رہا تھا جب کلمۂ تشہد کے قریب پہنچا مؤذن نے اذان میں شہادتین کہیں اس نے نہ بہ نیت قراءت تشہد بلکہ بہ نیت اجابت مؤذن اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ کہا نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ ذکر اپنے محل ہی میں تھا۔ بحرالرائق میں ہے:

اذا ذکر فی التشھد الشھادتین عند ذکر المؤذن الشھادتین تفسد ان قصد الاجابۃ[1] اھ

جب دورانِ تشہد شہادتین کا ذکر مؤذن کے ذکرِ شہادتین کے موقع پر کرتا ہے تو نماز فاسد ہوجائیگی اگر اذان کا جواب مقصود ہو اھ (ت)

مگر جبکہ ایسا قصد بضرورت اصلاحِ نماز ہو جیسے مقتدیوں کا امام کو بتانا یا اس کے جواز میں خاص نص آگیا ہو جیسے کوئی دروازے پر آواز دے یہ نماز پڑھتا ہو اُس کو مطلع کرنے کے لئے سبحان اللّٰہ یا لا الٰہ الا اللّٰہ یا اللّٰہ اکبر کہے تو صرف ان صورتوں میں نماز نہ جائے گی اور ان کے ماورا میں مطلقاً اسی اصل کلی پر عمل ہو کر فسادِ نماز کا حکم دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

قلنا خرج قصد اعلام الصلاۃ بقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا نابت احدکم نائبۃ وھو فی الصلاۃ فلیسبح الحدیث اخرجہ الستۃ لا لانہ لم یتغیر بعزیمتہ کما لم یتغیر عند قصد اعلامہ فان مناط کونہ من کلام الناس کونہ لفظا افید بہ معنی لیس من اعمال الصلاۃ لا کونہ وضع لافادۃ ذٰلک فیبقی ما وراءہ علی المنع[2] الخ قلت وقد اوضحنا المسألۃ بنقولھا فیما تقدم من فتاوٰنا۔

ہم کہتے ہیں کہ نماز میں اصلاح کا قصد حضور علیہ السلام کے ارشادِ مبارک کہ "جب کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آجائے تو وہ تسبیح کہے" کے تحت اس حکم سے خارج ہے۔ اس حدیث کو صحاح ستّہ نے بیان کیا ہے اس لئے نہیں کہ اس میں تبدیلی بالارادہ نہیں کیونکہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ الفاظ ہوں جو ایسے معانی کا فائدہ دیں جو اعمالِ نماز میں سے نہیں، نہ کہ وُہ الفاظ ان معانی کے افادہ کے لئے موضوع ہوں لہذا اس کے علاوہ ممنوع ہی رہیں گے الخ قلت ہم نے اس مسئلہ کو سابقہ گفتگو میں خوب واضح کیا ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۶

[2] فتح القدیر " " " " مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۴۹

اور شک نہیں کہ جب نمازی نے اللہ اکبر یا سمع اللہ لمن حمدہ صرف اس اطلاع کی نیت سے کہا کہ میں پڑھ رہا ہوں میرے شریک ہوجاؤ، تو یہ ایک لفظ ہے جس سے ایسے معنی کا افادہ چاہا جو اعمالِ نماز سے نہیں کہ اعمالِ نماز اُس کے افعالِ مخصوصہ معلومہ ہیں نہ کسی سے یہ کہنا کہ نماز میں مل جاؤ اور اس خصوص میں نہ نص وارد ہے نہ یہ کسی نہ جاننے والے کو اس کا بتانا ہے کہ میں نماز میں مشغول بلکہ اس سے اپنے فرض میں ہونے کا اعلام اور اپنی نماز کی طرف بلانا مقصود ہے، یہ دونوں باتیں مجرد قصدِ اعلام صلوٰۃ سے زائد ہیں کہ اس قدر تو وہ آنے والے خود ہی جانتے ہیں کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تو یہ صورت اُن صور استثنا میں داخل نہیں اور حکم فسادِ نماز ہے مگر اگر اصل لفظ سے کوئی امر بیرونی مقصود نہیں بلکہ صرف رفعِ صوت بقصدِ دیگر ہے تو یہاں کوئی لفظ ایسا نہ پایا گیا جس سے کسی خارج بات کا قصد کیا گیا ہو اور تنہا رفعِ صوت کلام نہیں تو مناط فساد متحقق نہ ہوا و لہٰذا امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہٗ نے جبکہ اُن مکبّروں کی نسبت جو تکبیراتِ انتقالات میں گانے کے طور پر اپنی آواز بنانے کے لئے گھٹاتے بڑھاتے اور سامعین کو اپنی خوش الحانی جتانے کا قصد کرتے ہیں فسادِ نماز کا حکم دیا اُسے دو امر پر مبنی فرمایا ایک یہ کہ ان تکبیرات سے ان کا قصد اقامت عبادت نہیں ہوتا بلکہ اپنی صناعت موسیقی کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اب یہ تکبیریں خود ہی وہ الفاظ ہیں جن سے معنی خارج کا افادہ مراد ہوا، دوسرے یہ کہ اس جزر و مد سے حروف زائد پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل کلمات تکبیر میں نہیں تو اگرچہ نفس تکبیر سے اُن کا قصدوہ نہ ہو مگر یہ حروف تو ضرور اُسی قصد سے بڑھائے گئے اور اب یہ وہ الفاظ بقصد افادہ معنی خارج ہوئے بہر صورت فسادِ نماز چاہئے۔ فتح القدیر میں درایہ سے مکبرین کے لئے رفعِ صوت کا جواز نقل کرکے اشارہ فرمایا،

مقصودہ اصل الرفع لابلاغ الانتقالات اما خصوص ھذا الذی تعارفوہ فی ھذا البلاد فلا یبعد انہ مفسد فلانھم یبالغون فی الصیاح زیادۃ علی حاجۃ الابلاغ والاشتغال بتحریرات النغم اظھارا للصناعۃ النغمیۃ لااقامۃ للعبادۃ والصیاح ملحق بالکلام وھنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ ولو قال اعجبوا من حسن صوتی و تحریری

تکبیرات میں آواز بلند کرنے کا اصل مقصد انتقالات کی اطلاع ہے، رہا وہ مخصوص انداز جو ان شہروں میں معروف ہے اس کا مفسدِ نماز ہونا بعید نہیں کیونکہ یہ مکبرین حاجت ابلاغ سے بڑھ کر چیخنے میں مبالغہ کرتے ہیں اور نغمہ کو سجانے کے لئے مشغول ہونا نغمہ پردازی ہے عبادت کا قیام نہیں اور چیخنا بھی کلام کے ساتھ ملحق ہے اور یہاں تو واضح ہے کہ مکبر کا مقصد لوگوں کو تعجب میں ڈالنا ہے اگر وہ یہ کہتا کہ لوگو! میری اچھی آواز اور سُر پر خوش ہوجاؤ، تو اس نے نماز فاسد

فیہ افسد وحصول الحروف لازم من التلحین[1] اھ مختصرا وقد اقرہ فی النھر و استحسنہ فی الحلیۃ فقال وقد اجاد فیما اوضح وافاد۔

کردی ہوتی اور اظہارِ لحن سے حروف کا حاصل ہونا لازمی ہے اھ اختصاراً۔ اسے نہر نے ثابت رکھا اور حلیہ میں اسے ان الفاظ سے سراہا گیا کہ وضاحت میں یہ نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے۔ (ت)

علامہ شامی تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام میں فرماتے ہیں،

ان المحقق لم یجعل مبنی الفساد مجرد الرفع بل زیادۃ الرفع ملحق بالکلام بالصیاح المشتمل علی النغم مع قصد اظہارہ لذلک والاعراض عن اقامۃ العبادۃ فقول المحقق والصیاح ملحق بالکلام ای الصیاح المشتمل علی ما ذکر بدلیل سوابق الکلام ولواحقہ الخ

محقق نے محض بلندیٔ آواز کو فساد کی علت قرار نہیں دیا بلکہ بلندی میں ایسی زیادتی کو جو نغمہ پر مشتمل چیخ سے مل جائے اور اس کے اظہار کا اور اقامتِ عبادت سے اعراض کا قصد بھی ہو لہذا محقق کا قول کہ "الصیاح ملحق بالکلام" سے وہی چیخنا مراد ہے جو مذکورہ امور پر مشتمل ہو اس پر سابق ولاحق کلام شاہد عادل ہے الخ (ت)

اُسی میں ہے:

فحاصل کلام المحقق ان الاشتغال بتحریر النغم والتلحین والصیاح الزائد علی قدر الحاجۃ لالقصد القربۃ بل لیعجب الناس من حسن صوتہ ونغمہ مفسد من وجہین الاول مایلزم من التلحین من حصول الحرف بالمفسد غالبا و الثانی عدم قصد اقامۃ العبادۃ[2] الخ

کلام محقق کا حاصل یہ ہے کہ نغمہ، الحان اور ایسا چیخنا جو قدرِ حاجت سے زائد ہو، میں مشغول ہونا جس کا مقصد قربت وعبادت نہ ہو بلکہ لوگوں کو حسن آواز کی وجہ سے مسحور کرنا ہو تو یہ عمل دو وجہ سے مفسد نماز ہے اول یہ کہ الحان سے ایسے حروف کا حصول ہو جاتا ہے جو غالباً نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں، ثانی یہ کہ یہاں مقصود عبادت نہیں الخ (ت)

اقول وللعبد الضعیف فی بعض کلام العلامۃ الشامی ھنا کلام بینتہ علی ھامشہ ولکن المرمی۔

اقول (میں کہتا ہوں) اس عبدِ ضعیف کو علامہ شامی کے اس مقام پر بعض کلام میں اعتراض ہے جسے میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲۲

[2] رسائل ابن عابدین رسالہ تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۴۶

بالجملہ جبکہ لفظ بقصد مفسد نہ ہو تو مجرد رفع صوت سے کسی معنی زائد کا ارادہ مفسد نہیں ولہذا علامہ حلبی نے رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ میں فرمایا:

فی کون الصیاح بما ھو ذکر ملحقا بالکلام نظر لان المفسد للصلاۃ الملفوظ لاعزیمۃ القلب[1] اھ ملخصا

مذکورہ چیخنے کو کلام کہنا محل نظر ہے کیونکہ مفسدِ نماز وُہ ہوگا جو ملفوظ ہو ارادۂ قلب مفسدِ نماز نہیں اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار سنن الصلاۃ میں حاشیۂ ابوالسعود ازہری سے ہے:

ما نقل عن الطحاوی اذا بلغ القوم صوت الامام فبلغ المؤذن فسدت صلاتہ لعدم الاحتیاج الیہ فلا وجہ لہ اذ غایتہ انہ رفع صوتہ بما ھو ذکر بصیغتہ وقال الحموی واظن ان ھذا النقل مکذوب علی الطحاوی فانہ مخالف للقواعد[2] اھ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

طحاوی سے جو کچھ منقول ہے کہ لوگوں تک امام کی آواز پہنچ رہی ہو اس کے باوجود موذن بھی پہنچا رہا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہاں احتیاج ہی نہ تھی۔ اس (منقول) پر کوئی دلیل نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ رفعِ صوت جو ذکر کے الفاظ پر مشتمل ہے اور شیخ حموی کہتے ہیں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ قول امام طحاوی کی طرف غلط طور پر منسوب ہے کیونکہ یہ قواعد کے مخالف ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم اسی کا علم کامل واتم ہے (ت)

مسئلہ ۹۶۵: از کلکتہ فوجداری ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۳۰ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی نے رکوع یا سجدہ امام کے ساتھ نہ کیا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد کیا تو نماز اس کی ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہوگئی اگرچہ بلاضرورت ایسی تاخیر سے گنہگار ہوا اور بوجہ ترک واجب اعادۂ نماز کا حکم دیا جائے تحقیق مقام یہ ہے کہ متابعتِ امام جو مقتدی پر فرض میں فرض ہے تین صورتوں کو شامل، ایک یہ کہ اس کا ہر فعل فعلِ امام کے ساتھ کمال مقارنت پر محض بلافصل واقع ہوتا رہے یہ عین طریقۂ مسنونہ ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ

---

[1] رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۵۱

تعالیٰ عنہ کے نزدیک مقتدی کو اسی کا حکم ۔

دُوسرے یہ کہ اس کا فعل فعلِ امام کے بعد بدیر واقع ہوا اگرچہ بعد فراغ امام فرض یُوں بھی ادا ہوجائے گا پھر یہ فصل بضرورت ہوا تو کچھ حرج نہیں ضرورت کی یہ صورت کہ مثلاً مقتدی قعدۂ اولیٰ میں آکر ملا اس کے شریک ہوتے ہی امام کھڑا ہوگیا اب اسے چاہئے کہ التحیات پُوری پڑھ کر کھڑا ہو اور کوشش کرے کہ جلد جا ملے ، فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں امام رکوع میں آگیا تو اس کا قیام قیامِ امام کے بعد اختتام واقع ہوگا مگر حرج نہیں کہ یہ تاخیر بضرورت شرعیہ تحقق اور اگر بلاضرورت فصل کیا تو قلیل فصل میں جس کے سبب امام سے جا ملنا فوت نہ ہو ترکِ سنّت اور کثیر میں جس طرح صورت سوال ہے کہ فعلِ امام ختم ہونے کے بعد اس نے فعل کیا ترک واجب جس کا حکم اس نماز کو پُورا کر کے اعادہ کرنا ۔

تیسرے یہ کہ اس کا فعل فعلِ امام سے پہلے واقع ہو مگر امام اسی فعل میں اس سے آملے مثلاً اس نے رکوع امام سے پہلے رکوع کر دیا لیکن یہ ابھی رکوع ہی میں تھا کہ امام رکوع میں آگیا اور دونوں کی شرکت ہوگئی یہ صورت اگرچہ سخت ناجائز و ممنوع ہے اور حدیث میں اُس پر وعیدِ شدید وارد ، مگر نماز یُوں بھی صحیح ہوجائے گی جبکہ امام سے مشارکت ہولے اور اگر ابھی امام مثلاً رکوع یا سجود میں نہ آنے پایا کہ اس نے سر اٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یا بعد اُس فعل کا اعادہ نہ کیا تو نماز اصلاً نہ ہوگی کہ اب فرض متابعت کی کوئی صورت نہ پائی گئی تو فرض ترک ہُوا اور نماز باطل ۔ ردالمحتار میں ہے :

وتکون المتابعة فرضا بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامه او بعدہ کما لو رکع امامه فرکع معه مقارنا اومعاقبا وشارکه فیه او بعد مارفع منه فلو لم یرکع اصلا او رکع ورفع قبل ان یرکع امامه ولم یعدہ معه او بعدہ بطلت صلاته والحاصل ان المتابعة فی ذاتها ثلثة انواع مقارنة لفعل الامام مثل ان یقارن احرامه لاحرام امامه ورکوعه

اور متابعتِ امام اس معنی میں فرض ہے کہ مقتدی فرض کو بجالائے خواہ امام کے ساتھ یا اس کے بعد مثلاً امام نے رکوع کیا تو مقتدی اس کے ساتھ ہی رکوع کرے یا بعد میں کرے مگر اس کے ساتھ شریک ہوجائے اور یا اس کے سر اٹھانے کے بعد کرے ، پس اگر مقتدی نے بالکل رکوع ہی نہ کیا یا رکوع کیا مگر امام کے رکوع جانے سے پہلے سر اٹھالیا اور امام کے ساتھ دوبارہ شامل نہ ہُوا یا اس نے امام کے بعد رکوع نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی ۔ الحاصل متابعتِ امام تین طرح کی ہے فعلِ امام سے مقارنت ، مثلاً امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ، اس کے رکوع

لرکوعہ وسلامہ لسلامہ ویدخل فیھا مالو رکع قبل امامہ ودام حتی ادرکہ امامہ فیہ، و معاقبۃ لابتداء فعل امامہ مع المشارکۃ فی باقیہ، ومتراخیۃ عنہ فمطلق المتابعۃ الشامل لھذہ الانواع الثلثۃ یکون فرضا فی الفرض وواجبا فی الواجب وسنۃ فی السنۃ عند عدم المعارض او عدم لزوم المخالفۃ کما قدمناہ والمتابعۃ المقیدۃ بعدم التاخیر والتراخی الشاملۃ للمقارنۃ والمعاقبۃ لاتکون فرضا بل تکون واجبۃ فی الواجب وسنۃ فی السنۃ عند عدم المعارض وعدم لزوم المخالفۃ ایضا والمتابعۃ المقارنۃ بلاتعقیب ولاتراخ سنۃ عندہ لاعندھما الٰی اٰخر ما افادو اجاد علیہ رحمۃ الملک الجواد۔

اقول وفی التقسیم الذی ذکر المولی المحقق الفاضل والذی ابداہ ھذا العبد الظلوم الجاھل نوع تفنن ومآل الاقسام واحد فھو رحمہ اللہ تعالٰی جعلھا ثلثا مقارنۃ ومعاقبۃ ومتراخیۃ وادخل المتقدمۃ التی اٰلت الی المشارکۃ فی المقارنۃ والعبد الضعیف قسم ھکذا متصلۃ ومنفصلۃ ومتقدمۃ وادخل

کے ساتھ رکوع اور سلام کے ساتھ سلام، اس میں یہ صورت بھی شامل ہوجائے گی کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا مگر طویل کیا حتی کہ امام نے اس کو رکوع میں پالیا اور فعلِ امام کی ابتداء سے معاقبت ہو اور آخر تک شرکت رہے اور امام سے متاخر ہو، عدمِ معارض اور عدمِ لزومِ مخالفت کے وقت مطلق متابعت جو ان تینوں اقسام کو شامل ہے، فرض میں فرض، واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے اور متابعت بلاتاخیر و تراخی جو مقارنت اور متابعت کو شامل ہے فرض نہیں بلکہ واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہوگی جبکہ معارض نہ ہو اور لزومِ مخالفت بھی نہ ہو۔ اور متابعت بمعنی مقارنت بلاتعقیب و تراخی امام کے نزدیک سنّت ہے صاحبین کے نزدیک نہیں، آخر کلام تک جو نہایت ہی مفید اور عمدہ ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) فاضل محقق کی تقسیم اور اس عبدِ ضعیف اور ظلوم و جہول کی تقسیم میں صرف تفنن ہے کہ تمام اقسام کا مآل واحد ہے، فاضل رحمہ اللہ تعالٰی نے متابعت کی تین اقسام مقارنت، معاقبت اور متراخی کرکے متقدمہ کو جو مشارکت کی طرف راجع تھی مقارنت میں داخل کردیا۔ عبدِ ضعیف نے تقسیم یوں کی ہے متصلہ، منفصلہ، متقدمہ۔ اور متراخیہ اور معاقبہ کو منفصلہ میں داخل کیا، اور

؎ ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

المتراخیۃ والمعاقبۃ فی المنفصلۃ وجعل المتقدمۃ قسما بحیالھا وذلك لانی رأیت المتقدمۃ تباین المقارنۃ لانھا مفاعلۃ من الطرفین فکما ان تاخر المقتدی یخرجہ عن القران حتی جعل المعاقبۃ قسیما للمقارنۃ فکذلك تقدمہ وایضا رأیت احکام المتابعۃ المجزئۃ ثلثۃ سنۃ وکراھۃ الا لضرورۃ وکراھۃ شدیدۃ مطلقا فاجبت ان تنفرز الاقسام بحسب الاحکام بخلاف ماصنع ھو رحمہ اللہ تعالٰی فان المقارنۃ علی ما افاد تشتمل اکمل مطلوب واشنع مھروب اعنی المتصلۃ و المتقدمۃ کما سمعت وعلی کل فالحاصل واحد والحمد للہ۔

متقدمہ کو ایک مستقل قسم بنادیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے متقدمہ کو مقارنہ کے متبائن پایا کیونکہ یہ جانبین سے ہے، پس جیسا کہ مقتدی کا موخر ہونا اسے مقارنت سے خارج کردیتا ہے اسی لئے معاقبہ کو مقارنہ کے مقابل قرار دیا گیا ہے اسی طرح مقتدی کا تقدم بھی اس کو مقارنت سے خارج کردیتا ہے نیز جب متابعت کی قسموں کے کل احکام میں نے تین پائے سُنّت، کراہت (جب بلا ضرورت ہو)، مطلق کراہت شدیدہ، تو میں احکام کی تعداد کے مطابق اقسام کی تعداد کو پسند کیا۔ اور فاضلِ محقق کی تقسیم میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان کی مقارنت والی قسم (دو متضاد صورتوں) جن میں سے ایک انتہائی کامل مطلوب ہے اور دوسری انتہائی ناپسندیدہ، یعنی متصلہ اور متقدمہ پر مشتمل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے بہر صورت حاصل ایک ہے، الحمدللہ۔

اسی میں ہے:

قال فی شرح المنیۃ متابعۃ الامام من غیر تاخیر واجبۃ فان عارضھا واجب یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشھد فانہ یتمہ ثم یقوم[1] اھ ملخصا۔

شرح المنیہ میں فرمایا ہے متابعتِ امام بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے اگر کسی واجب کا متابعت کے ساتھ تعارض ہوجائے تو اسے بجالائے پھر متابعت کرے مثلاً مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام نے قیام کرلیا تو مقتدی تشہد مکمل کرکے قیام کرے اھ تلخیصاً (ت)

درمختار میں ہے:

لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او

اگر امام نے رکوع یا سجود سے سر اٹھا لیا حالانکہ

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۷

السجود قبل ان یتم الماموم التسبیحات الثلث وجب متابعته بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل تمام الموتم التشھد فانه لایتابعه بل یتمه لوجوبه[1]

مقتدی نے تین تین تسبیحات نہیں کہی تھیں تو مقتدی پر امام کی متابعت لازم ہے بخلاف مقتدی کے تشہد مکمل نہ کرنے کی صورت میں جب امام سلام پھیرے یا تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہوجائے تو اب مقتدی متابعت نہ کرے کیونکہ تشہد واجب ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فانه لایتابعه الخ ای ولو خاف ان تفوته الرکعة الثالثة مع الامام کما صرح به فی الظھیریة[2]۔

قولہ فانہ لایتابعہ الخ یعنی اگرچہ اسے یہ خوف ہو کہ امام کے ساتھ تیسری رکعت فوت ہوجائیگی، جیسا کہ ظہیریہ میں اس پر تصریح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

سجود السھو یجب علی مقتد بسھو امامه لا بسھوه اصلا[3] (ملخصاً)

امام کے بھول جانے کی وجہ سے مقتدی پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے مگر مقتدی کے بھولنے کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں ہوتا نہ مقتدی پر نہ امام پر (ملخصاً) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر ثم مقتضی کلامھم انه یعیدھا لثبوت الکراھة مع تعذر الجابر[4] اھ قلت فاذا کان ھذا فی السھو فالعمد اولی بالاعادة مع تصریحھم بانھا ھی سبیل کل صلاۃ ادیت مع کراھة التحریم واﷲ تعالٰی اعلم۔

نہر میں ہے کہ کلامِ فقہاء کا تقاضا ہے کہ مقتدی نماز کو ثبوتِ کراہت کی وجہ سے لوٹائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (امام کی متابعت کی وجہ سے) نقصان پُورا نہیں ہوسکتا اھ قلت جب یہ صورت سہو میں ہے تو عمد میں بطریق اولٰی اعادہ ہوگا اور اس پر تو فقہاء کی تصریح ہے کہ ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی سے ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے، واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار فصل اذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۶

[3] الدرالمختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[4] ردالمحتار " " " مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

مسئلہ ۹۶۶ ازبریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولانا حشمت علی صاحب طالب علم قادری رضوی ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھی مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نکل گیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس میں جواب امام مقصود نہیں ہوتا بلکہ امتثال امر الٰہی، لہذا فساد نماز نہیں۔

مسئلہ ۹۶۷ ۹۶۸ از میرٹھ لال کرتی کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب مرسلہ مولوی محمد احسان الحق صاحب ۲۷ رمضان ۱۳۲۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) زید ایک مسجد کا امام تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے عمرو اسی مسجد کا مؤذن۔ مہتمان مسجد کی طرف سے زید کا سامع مقرر کیا گیا ہے، محمود ایک تیسرا شخص ہے جو ہمیشہ یا کبھی کبھی اسی مسجد میں زید کے پیچھے تراویح پڑھا کرتا ہے اگر محمود کے خیال میں زید (امام) نے کچھ غلط پڑھا اور عمرو مقرر کیا ہوا سامع سہواً یا عمداً خاموش رہا یا یہ کہ زید نے صحیح پڑھا اور عمرو نے سہواً یا عمداً غلط بتایا یا یہ کہ زید نے غلط پڑھا اور عمرو نے بھی سہواً یا عمداً غلط بتایا تو ان تینوں صورتوں میں محمود شخص ثالث کو غلطی کی تصحیح کا اگرچہ وہ غلطی مفسد نماز نہ ہو حق حاصل ہے یا نہیں اور ایسی تصحیح اس کو حالت قرات میں کرنی چاہئے یا بعد اختتام نماز کے وجوباً کرنی چاہئے یا اختیاراً۔ قرآن مجید کے غلط پڑھے جانے کے غالب گمان ہونے کی حالت میں محمود کی خاموشی اس کے لئے گنہگار ہونے کا باعث ہوگی یا نہیں؟

(۲) شرع شریف میں امامت اور مؤذن کی طرح سماعت قرآن مجید کا بھی کوئی منصب مقرر ہے یا نہیں یعنی آیا یہ بات شرعاً جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید سننے کے لئے کسی طرف سے ایسا سامع مقرر کیا جائے جس کی بلا اجازت واذن دوسرا شخص امام کو فتح نہ کرسکے۔ کسی مہتمم مسجد کا ایک ایسی بات کو جو شرعاً مستحسن واولٰی یا واجب ہو اپنے ذاتی رسوخ اور تمکنت اور اعلٰی شخصیت کی وجہ سے حکماً بند کردینا یعنی درصورت خلاف ورزی حکم کے خلاف کرنے والے کو مسجد سے نکلوا دینا یا آئندہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت کرنا یا اور تشدد کرنا شرعاً واخلاقاً کیسا ہے خصوصاً اس حالت میں کہ جس فعل کے ارتکاب سے دوسروں کو تشدد کے ساتھ روکا جاتا ہو خود مانع اس کو انھیں تغیر کے ساتھ متعدد بار کرچکا ہو، بینوا توجروا۔

الجواب

امام جب ایسی غلطی کرے جو موجب فسادِ نماز ہو تو اس کا بتانا اور اصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے اُن میں سے جو بتا دے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکب حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہو جائے گی،

وذٰلک لان الغلط لما کان مفسدا کان السکوت عن اصلاحہ ابطالا للصلاۃ وھو حرام بقولہ تعالٰی ولا تبطلوا اعمالکم[1]

وجہ یہ ہے کہ غلطی جب مفسد ہو تو اس کی اصلاح کرنے پر خاموشی نماز کے بطلان کا سبب ہے اور اللہ تعالٰی کے اس ارشادِ مبارک کی وجہ سے حرام ہے کہ "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو"۔ (ت)

اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اُس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری اور امام کو وثوق حاصل ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتانے سے امام کا اپنی غلطی یا دپر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے۔

وذٰلک لان الاصلاح ھھنا فرض وما لا یتم الفرض الا بہ فھو فرض اقول ونظیرہ ان الشھادۃ فرض کفایۃ فان علم الشاھد انہ اسرع قبولا عند القاضی وجب علیہ الاداء عینا وان کان ھناک من تقبل شھادتہ[2] کما فی الخانیۃ والفتح والوھبانیۃ والبحر والدر وغیرھا۔

اس لئے کہ یہاں اصلاح فرض ہے اور ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض مکمل نہ ہو وہ فرض ہوتی ہے **اقول** اس کی نظیر گواہی ہے جو فرض کفایہ ہے اگر کوئی گواہ جانتا ہے کہ اس کی گواہی قاضی کے ہاں زیادہ مقبول ہے تو اس پر ادائیگی شہادت لازم ہے اگرچہ وہاں ایسے گواہ ہوں جن کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو خانیہ، فتح، وہبانیہ، بحر اور در وغیرہ۔ (ت)

اور اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہو تو اُس کا بتانا ہر مقتدی پر

---

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] بحر الرائق کتاب الشہادات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵۷ - ۵۸

واجب کفایہ ہے اگر ایک بتا دے اور اس کے بتانے سے کارروائی ہوجائے سب پر سے واجب اتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے۔

فان قیل لہ مصلح اٰخر وھو سجود السھو فلا یجب الفتح عینا قلت بلی فان ترك الواجب معصیۃ وان لم یاثم بالسھو و دفع المعصیۃ واجب ولا یجوز التقریر علیھا بناء علی جابر یجبرھا کما لا یخفی۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں اصلاح کی دوسری صورت بصورتِ سجدہ سہو موجود ہے تو یہاں لقمہ دینا واجب نہ ہوگا، قلت کیوں نہیں، کیونکہ ترکِ واجب گناہ ہے اگرچہ امام سہو سے گناہگار نہیں ہوتا، اور گناہ سے بچنا ضروری ہے تو معصیت پر اثبات اس لئے کہ کسی دوسرے سے اس کا ازالہ کرلیا جائے گا جائز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

اور اگر اس غلطی میں نہ فسادِ نماز ہے نہ ترکِ واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقاً بتانے کی اجازت ہے ھو[1] الصحیح کما نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (یہی صحیح ہے جیسا کہ اس پر درّ وغیرہ میں تصریح ہے۔ ت) مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں لعدم الموجب **اقول** مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کرکے خود متنبہ ہُوا اور یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رُکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رُکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدۂ سہو واجب ہوگا،

فی الدرالمختار اذا شغلہ الشك فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشك بقراءۃ وجب علیہ سجود السھو[2]۔

درمختار میں ہے جب کوئی شک میں پڑجائے اور وہ ایک رکن کی ادائیگی کے مقدار غور کرتا رہے اور حالتِ شک میں قرأت میں مشغول نہ ہُوا تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوگا (ت)

تو اس صورت میں جب اُسے رُکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدرِ ناجائز تک نہ پہنچے، دوسرے یہ کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اضطراراً اُن سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے تو جس کی یہ عادت معلوم ہے وُہ جب رُکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فوراً بتائیں قبل اس کے کہ وُہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے،

---

[1] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۰

[2] درمختار باب سجود السہو " " " " ۱/۱۰۳

وذٰلک لانہ اذن یکون صیانۃ عن البطلان وھی فریضۃ غیران وقوعہ مظنون للعادۃ لامقطوع بہ فینزل فیما یظھر الی الوجوب۔

وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس کا بطلان سے بچانا ہے جو کہ فریضہ ہے لیکن عادت کی بنا پر اس کا وقوع صرف ظنی ہے قطعی نہیں ہے تو موجودہ صورت میں یہ فرض سے مرتبہ وجوب پر آجائے گا۔ (ت)

حلیہ میں ہے :

نص القاضی فی شرح الجامع الصغیر علی انہ الاصح وعللہ ھو وغیرہ بانہ لولم یفتح ربما یجری لسانہ مایکون مفسدا[1] اھ **اقول** ولایرد علیہ مافی الحلیۃ انہ کما یکرہ للامام الجاء القوم الی الفتح علیہ، یکرہ للمقتدی ان یفتح علیہ من ساعتہ، قال فی الذخیرۃ لانہ ربما یتذکر الامام من ساعتہ فتکون قراءتہ خلفہ قراءۃ من غیرحاجۃ[2] اھ فان ھذا حیث لم یخش الفساد امااذاخشی کما ذکرنا فحاجۃ وای حاجۃ۔

قاضی نے شرح جامع صغیر میں اس کے اصح ہونے کی تصریح کی انھوں نے اور دیگر علماء نے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وُہ لقمہ نہیں دیتا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں جو نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں **اقول** (میں کہتا ہوں) یہاں وُہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا جو حلیہ میں ہے کہ جس طرح امام کا قوم کو لقمہ پر مجبور کرنا مکروہ ہے اسی طرح مقتدی کا فی الفور امام کو لقمہ دینا بھی مکروہ ہے۔ ذخیرہ میں ہے اس لئے کہ بعض اوقات امام کو اسی وقت یاد پڑتا ہے تو امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت بغیر حاجت کے ہوگی اھ لیکن یہ وہاں ہے کہ جہاں فساد کا خوف نہ ہو، اگر وہاں فساد کا خوف ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو اب لقمہ کی حاجت ہوگی اور وُہ کوئی بھی ہوسکتی ہے۔ (ت)

اقول اور ان دونوں صورتوں کے سوا جب تراویح میں ختمِ قرآنِ عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جبکہ امام سے نہ نکلے یا وُہ آگے رواں ہوجائے اگرچہ اُس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختم کتابِ عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پُورا نہ ہوگا، یہاں اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعد سلام اطلاع کرے امام دوسری تراویح میں اُتنے الفاظ کریمہ کا صحیح طور پر اعادہ کرلے مگر اولٰی ابھی بتانا ہے کہ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] " " " "

حتی الامکان نظم قرآن اپنی ترتیب کریم پر ادا ہو۔ خانیہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے:

اذا غلط فی القراءۃ فی التراویح فترک سورۃ اواٰیۃ وقرأ ما بعدھا فالمستحب لہ ان یقرء المتروکۃ ثم المقروأۃ لیکون علی الترتیب[1]۔

جب تراویح میں قرأت میں غلطی ہوجائے سورت یا آیت چھوڑ دی اور اس کے بعد والی پڑھ لی تو مستحب یہ ہے کہ پہلے متروکہ پڑھے پھر تلاوت کردہ تاکہ ترتیب درست ہوجائے (ت)

اور ان تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں، ارشادات حدیث و فقہ سب مطلق ہیں ابن عساکر نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال امرنا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان نرد علی الامام[2]۔

ہم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امام پر اس کی غلطی رد کریں۔

ابن منیع نے مسند اور حاکم نے مستدرک میں ابوعبدالرحمٰن سے روایت کی:

قال قال علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ من السنۃ ان تفتح علی الامام اذا استطعمك قیل لابی عبدالرحمٰن ما استطعام الامام قال اذا سکت[3]۔

فرمایا: امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا سنت ہے کہ جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، ابوعبدالرحمٰن سے کہا گیا امام کا مانگنا کیا، کہا جب وہ پڑھتے پڑھتے چپ ہوجائے۔

کتبِ مذہب میں عموماً یجوز فتحہ علی امامہ فرمایا جس میں ضمیر مطلق مقتدی کی طرف ہے کہ اُسے امام کو بتانے کی اجازت ہے مسئلہ کی دلیل جو علمائے فرمائی وہ بھی تمام مقتدی کو شامل ہے۔ بحرالرائق وغیرہ میں ہے:

لانہ تعلق بہ اصلاح صلاتہ لانہ لولم یفتح ربما یجری علی لسانہ ما یکون مفسدا ولاطلاق ماروی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا استطعمکم الامام فاطعموہ

کیونکہ اس کے ساتھ اصلاحِ نماز کا تعلق ہے کیونکہ اگر لقمہ نہ دیا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہوجاتے ہیں جو مفسدِ نماز ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کا اطلاق بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ " دارالفکر بیروت ۱/۲۷۰

[3] " " " " " "

واستطعامه سکوته ولھذا لوفتح علٰی امامه بعد ماانتقل الٰی اٰیة اخرٰی لاتفسد صلاته وھوقول عامة المشائخ لاطلاق المرخص[1] اھ مختصرا۔

یہی تقاضا کرتا ہے جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، امام کا قراءت سے سکوت کرنا لقمہ طلب کرنا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگرامام نے دوسری آیت کی طرف انتقال کرلیا پھر لقمہ دیا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور یہی اکثرمشائخ کا قول ہے کیونکہ اجازت مرحمت فرمانے والی نصوص میں اطلاق ہے اھ اختصاراً (ت)

حتی کہ بالغ مقتدیوں کی طرح تمیز دار بچہ کا بھی اُس میں حق ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کی سب کو حاجت ہے قنیہ پھر بحر پھر ہندیہ میں ہے: وفتح المراھق کالبالغ[2] (تمیز دار بچے کا لقمہ دینا بالغ کے لقمہ کے حکم میں ہے۔ ت) قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی اپنے جاہلانہ خیال سے یہ قصد کرے بھی تو اُس کی ممانعت سے وہ حق کہ شرع مطہر نے عام مقتدیوں کو دیا کیونکر سلب ہوسکتا ہے اور اس کے سبب کسی مسلمان پر تشدد یا مسجد میں آنے سے ممانعت یا معاذ اللہ مسجد سے نکلوا دینا سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ولاتعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین[3]۔

زیادتی نہ کرو اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

اور فرماتا ہے:

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمه[4]۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لینے سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[5] رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط عن

جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی بیشک اُس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں

---

[1] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶
[2] فتاوٰی ہندیہ 〃 فیما 〃 〃 〃 〃 〃 نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۹
[3] القرآن ۲/۱۹۰
[4] 〃 ۲/۱۱۴
[5] الترغیب والترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴
مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فیمن تخطی رقاب الناس الخ 〃 دارالکتاب بیروت ۲/۱۷۹

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ — حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت کیا۔ (ت)

اور دوسرے کو منع کرنا اور خود مرتکب ہونا دوسرا الزام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون ۵ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون[1] — اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ کہ کہو اور نہ کرو۔

اس بیان سے جملہ مدارج سوال کا جواب منکشف ہوگیا بیشک محمود کو سب صورتوں میں عین نماز میں بتانے کا حق حاصل ہے کہیں وجوباً کہیں اختیاراً، جس کی تفصیل اوپر گزری اور بحال وجوب علینی خاموشی میں گناہ ہوگا خصوصاً اس حالت میں کہ عمرو غلط بتائے کہ اب تو بہت جلد فوراً فوراً صحیح بتانے کی طرف مبادرت واجب ہے کہ بتانا تعلیم وکلام تھا اور بضرورت اصلاح نماز جائز رکھا گیا اور غلط بتانے میں نہ اصلاح نہ ضرورت۔ تو اصل پر رہنا چاہئے تو عمرو نے اگر قصداً مغالطہ دیا جب تو یقیناً اس کی نماز جاتی رہی اور اگر امام اس کے مغالطے کو لے گا عام ازیں کہ امام نے غلط پڑھا ہو یا صحیح، تو ایک شخص خارج از نماز کا امتثال یا اس سے تعلم ہوگا اور یہ خود مفسدِ نماز ہے تو امام کی نماز جائے گی اور اس کے ساتھ سب کی باطل ہوگی، لہذا اس فساد کا انسداد فوراً واجب ہے، بحرالرائق میں ہے:

القیاس فسادھا بہ وانما ترک للحاجۃ فعند عدمھا یبقی الامر علی اصل القیاس[2] اھ مختصرا۔ — قیاس کے مطابق نماز اس کے ساتھ فاسد ہوجائے گی البتہ حاجت کی بنا پر قیاس متروک ہے جب حاجت نہیں تو معاملہ اصل قیاس کے مطابق ہی ہوگا اھ اختصاراً (ت)

اور اگر سہواً غلط بتایا تو بظاہر حکم کتاب وقضیۂ دلیل مذکور اب بھی وہی ہے **اقول** مگر فقیر امید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختم قرآن مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالباً قاری اسے لے لیتا یا اس کے امتثال کے لئے اوپر سے پھر عود کرتا ہے تو اگر ہر بار بحال سہو فساد نماز کا حکم دیں اور قرآن مجید کا اعادہ کرائیں حرج ہوگا والحرج مدفوع بالنص (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ت) بہرحال یہ حکم قابلِ غور ومحتاج تحریر تام ہے تو اندیشۂ فساد سے تحفظ

---

[1] القرآن ۶۱/۳

[2] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷

کے لئے عمرو کے غلط بتانے کی حالت میں مطلقاً دوسروں کو صحیح بتانے کی طرف فوراً فوراً مبادرت چاہئے واللہ سبحٰنہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۶۹ ازمیرٹھ لال کرتی بازار مرسلہ حاجی شیخ علاء الدین صاحب رئیس ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک امام مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے اور ایک سامع حافظ بھی اُس کی تصحیح کے واسطے مقرر ہے امام اس کی تصحیح سے فائدہ اٹھاتا ہے اب کوئی حافظ بھی امام کو اپنے خیال کے موافق لقمہ دیتا ہے جو کبھی غلط اور کبھی صحیح ثابت ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع اپنی یادداشت کے موافق اس دوسرے بتانے والے کی تردید بھی کرتا ہے اور امام اس شش و پنج میں پڑجاتا ہے کہ کس کا قول مانا جائے غرضکہ امام کو کئی شخصوں کے لقمہ دینے سے اور زیادہ شکوک پیدا ہوتے ہیں اور پریشان ہوکر معمول سے زیادہ غلطی کرنے لگتا ہے، چنانچہ یہ بات بار ہا تجربہ سے ثابت ہوچکی ہے، علاوہ ازیں اکثر نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو محض اپنی یاد جتانے کے واسطے ذرا ذرا شُبہے پر لقمہ دیتے ہیں اور قاری کو پریشان کرتے ہیں اور بعض اوقات امام اور ستے بتانے والے میں غلط بتانے پر جھگڑا بھی ہوتا ہے اور قاری ملامت کرتا ہے کہ کیوں غلط بتایا جس کے باعث نماز میں بے لطفی پیدا ہوتی ہے ان امور پر لحاظ فرماکر علمائے کرام اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اور حفاظ بعد سلام اپنے شکوک کا اظہار فرمائیں اگر فی الواقع وہ غلطی نکلے گی اور اس کی وجہ سے نماز میں نقصان کچھ واقع ہوگا تو نماز دُہرائی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقط کراہت کی وجہ سے نماز دُہرائی جائے؟ ایسی صورتوں میں ان حفاظ کو باوجود اپنے شک کے کہ قاری غلط پڑھتا ہے سکوت کرنے میں کچھ گناہ تو لازم نہیں آتا خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب اُن کو ایسے شبہات کے موقع پر جس سے نماز میں قطعی فساد پیدا ہوتا ہو بولنے کی اجازت بھی دے دی جائے کیونکہ اگر حافظ عالم بھی ہو تو ایسے فسادِ معنی پر اُس کو کماحقہ آگاہی ہوجائے گی اور ایسے مواقع میں شبہہ نہیں بلکہ یقیناً اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع فسادِ نماز کا ہے بینوا توجروا

الجواب

یہاں چند امور ہیں جن کے علم سے حکم واضح ہوجائے گا:

(۱) امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے، ردالمحتار میں ہے:

یکرہ ان یفتح من ساعتہ[1] (فی الفور لقمہ دینا مکروہ ہے۔ ت) ہاں اگر وہ غلطی کرکے رواں ہوجائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسدِ معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفع فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ

[1] ردالمحتار مطلب المواضع التی لایجب فیہا ردالسلام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۲۳

ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب امام کو وحشت پیدا ہو فان الامر بالمعروف یسقط بالایحاش کما فی الفتاوی العلمگیریۃ وغیرھا (وحشت پیدا کرنے والا امر بالمعروف ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ت) بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اُس گھبراہٹ میں اُن سے ایسے صادر ہوجاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ اُن کا بولنا باعث فساد نماز ہوگا۔

(۲) قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا[1] لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو۔ (ت)

اور بیشک آج کل بہت حفاظ کا یہ شیوہ ہے یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃً یہود کے اس فعل میں داخل ہے لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ[2] (اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو۔ ت)

(۳) اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہ پر روکنا ریاء ہے اور ریاء حرام ہے خصوصاً نماز میں۔

(۴) جبکہ غلطی مفسدِ نماز نہ ہو تو محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعد سلام تحقیق کرلیا جائے اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیلِ ختم کے لئے حافظ اُتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اعادہ کرلے گا حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام ومفسدِ نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اُسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرّم موجود ہے لہذا حرام ہوا جب اسے شبہ ہے تو ممکن کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی۔ تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔

(۵) غلطی کا مفسدِ معنی ہونا مبنائے افسادِ نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل جان لیا جائے، ہندوستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں اُن میں چند ہی ایسے ہوسکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہوجائیں ہزار جگہ ہوگا کہ وہ افساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوٰی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا۔ صورتِ فساد میں یقیناً بتایا جائے ورنہ تشویش قاری ہو تو نہ بتائیں اور خود شبہ ہو تو بتانا سخت ناجائز، اور جو ریاء و تشویش چاہیں اُن کو روکا جائے نہ مانیں تو اُن کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے کہ موذی ہیں اور موذی کا دفع واجب۔

---

[1] صحیح البخاری باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] القرآن ۴۱/۲۶

درمختار میں ہے: ویمنع کل موذ ولو بلسانہ[1] (ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے منع کیا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذا دے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۷: از جلال پور ڈاکخانہ خداگنج ضلع شاہجہاں پور مرسلہ سید مشتاق علی صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

ذات فیض سمات قبلہ ارباب علم وکعبہ اصحاب حلم کی ہمیشہ فدویوں کے سروں پر سایہ انداز رہے، بعد سلام نیاز وشوق قدم بوسی کے عرض پرداز ہوں کہ ایک مسئلہ میں ضرورت جناب کے حکم کی بموجب شرع شریف وحدیث نبوی کے ہے کہ اس میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، ذیل کے سوال کا جواب بوالپسی ڈاک، ہم لوگوں کو مکروہیت اور گناہ سے بچائیے' وہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے نمازِ جمعہ پڑھاتے وقت مقتدی کا لقمہ درمیان قرأت کے لیا اور پھر سجدہ سہو کیا تو اس حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ وجہ شک کے پیدا ہونے کی یہ ہوئی ہے کہ ایک دوسرے صاحب بمقام لکھنؤ میں نماز جمعہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے جو کہ کسی اسلامیہ اسکول کے غالباً منتہی طالب علم تھے اتفاق سے قرأت میں بھول گئے لہذا میں نے فوراً لقمہ دیا معاً انھوں نے نماز سلام کے ساتھ ترک کرکے دوبارہ نماز پڑھائی اور یہ کہا کہ فرضوں میں لقمہ دینا ناجائز ہے فرضوں میں لقمہ دینے سے سجدہ سہو کیا جائے تو بھی نماز نہیں ہوتی ہے، میری غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اُن صاحب سے بالتشریح نہ دریافت کیا کہ اس کا کیا ثبوت۔ علاوہ اس کے اُن صاحب نے یہ بھی کہا کہ بجز تراویح کے دوسری نماز فرض یا واجب کسی میں لقمہ دینا بھی جائز نہیں لہذا اس کی بابت بوالپسی جواب جلد سرفراز فرمائیے۔

الجواب

امام جب نماز یا قرأت میں غلطی کرے تو اسے بتانا لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے خواہ نماز فرض ہو یا واجب یا تراویح یا نفل، اور اس میں سجدہ سہو کی بھی کچھ حاجت نہیں، ہاں اگر بھولا اور تین بار سبحٰن اللہ کہنے کی دیر چپکا کھڑا رہا تو سجدہ سہو آئے گا جس نے لقمہ دینے کے سبب نیت توڑ دی اس نے محض جہالت برتی اور مبتلائے حرام ہوا کہ بے سبب نیت توڑ دینا حرام ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸: از بنگلور ڈاکخانہ گجادھر گنج لائن مین اسٹیشن نمبر مسئولہ حاجی عبداللہ خاں ۲۳ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز امام پڑھاتا ہوا درمیان میں رک گیا لقمہ

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۴

دینا چاہئے یا نہیں؛ اور اگر لقمہ دیا گیا تو سجدۂ سہو جائز ہے یا نہیں؛ بیّنوا توجروا

الجواب

امام کو لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جمعہ ہو یا کوئی نماز، بلکہ اگر اس نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگی تو لقمہ دینا فرض ہے، نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی اور لقمہ دینے سے سجدۂ سہو نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب مکروہات الصّلوٰۃ

(مکروہاتِ نماز کا بیان)

مسئلہ ۹۷۲ از کلکتہ فوجداری بالاخانہ دکان ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب
۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا دوستونوں کے بیچ میں اور مقتدیوں سے تین گرہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

امام کا دوستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین او زاویۃ اوناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ۔[1]

معراج الدرایۃ کے باب الامامت میں ہے کہ اصح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام کا دوستونوں کے درمیان یا زاویہ یا مسجد کی ایک جانب یا ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ جانتا ہوں کیونکہ یہ اُمتِ محمدیہ کے عمل کے خلاف ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

اسی طرح امام کا تمام مقتدیوں سے بلند جگہ میں ہونا بھی مکروہ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا ام الرجل القوم فلا یقم فی مکان ارفع من مقامھم او نحو ذٰلک[1]

یعنی جب کوئی شخص نمازیوں کی امامت کرے تو اُن کے مقام سے اُونچی جگہ میں نہ کھڑا ہو۔

ابوداؤد وابن حبان وحاکم حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ،

وھذا لفظ الحاکم فی مستدرکہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یقوم الامام فوق و یبقی الناس خلفہ[2]

حاکم کی اپنی مستدرک میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور پُرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام اونچا کھڑا ہو اور مقتدی نیچے رہیں،

پھر ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ظاہر الروایہ میں اس کراہت بلندی و پستی کو کسی مقدار معین مثلاً ایک ذراع شرعی وغیرہ پر موقوف نہ مانا بلکہ جس قدر سے امام و قوم کا مقام میں امتیاز واقع ہو مطلقاً باعثِ کراہت جانا اور اسی کو امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی نے بدائع میں صحیح اور امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین نے اوجہ وارجح فرمایا اور یہی اطلاق احادیث کا مفاد، تو اسی پر فتوٰی اور اسی پر اعتماد، ولہذا منیہ ونقایہ و جامع الرموز وغیرہا میں حکم کراہت کو مطلق رکھا، درمختار میں ہے :

کرہ انفراد الامام علی الدکان للنھی و قدر الارتفاع بذراع ولاباس بما دونہ وقیل ما یقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ[3]

امام کا اونچی جگہ تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس پر نہی وارد ہے اور اونچائی کی مقدار ایک ذراع ہے اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں، بعض کی رائے میں اتنی اونچائی مکروہ ہے جس سے امتیاز پیدا ہو، یہی مختار ہے کمال وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ (ت)

---

[1] سنن ابو داؤد باب الامام یقوم مکاناً ارفع من مکان القوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۸

[2] المستدرک علی الصحیحین نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام الخ المطبوعات الاسلامیہ بیروت ۱/۲۱۰

[3] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

ردالمحتار میں ہے :

قولہ وقیل الخ ھو ظاھر الروایۃ کما فی البدائع ثم قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولی العمل بظاھر الروایۃ واطلاق الحدیث[1] اھ و کذا رجحہ فی الحلیۃ۔

قولہ وقیل الخ یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ بدائع میں ہے۔ بحر میں کہا ہے الغرض تصحیح میں اختلاف ہے لیکن ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل بہتر ہے اھ حلیہ میں اسی کو ترجیح ہے۔ (ت)

امام ملک العلماء ابوبکر بدائع میں فرماتے ہیں :

الصحیح جواب ظاھر الروایۃ لما روی ان حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما قام بالمدائن یصلی بالناس علی دکان فجذبہ سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم قال ما الذی اصابك اطال العھد ام نسیت اما سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لایقوم الامام علی مکان انشز مما علیہ اصحابہ وفی روایۃ اما علمت ان اصحابك یکرھون ذلك فقال تذکرت حین جذبتنی[2]۔

ظاہر الروایہ کا جواب صحیح ہے کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مدائن میں نماز پڑھانے کے لئے اونچی جگہ کھڑے ہوتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں نیچے کھینچا اور فرمایا کیا ہوگیا کیا وقت زیادہ گزر گیا ہے یا آپ بھول گئے ہیں کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ امام ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں وہ اپنے ساتھیوں سے جُدا ہوجائے۔ دوسری روایت کے الفاظ میں ہے کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ تمہارے ساتھی اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا مجھے اس وقت یہ بات یاد آگئی جب تم نے مجھے کھینچا۔ (ت)

منیہ میں ہے :

یکرہ ان یقوم ینفرد فی مکان اعلی

یہ مکروہ ہے کہ امام اکیلا ایسی جگہ کھڑا ہو کہ قوم

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[2] بدائع الصنائع فصل واما بیان مایستحب فیہا ومایکرہ " " " " ۱/۲۱۶

من مکان القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ[1]
سے بلند ہو جبکہ اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی نہ ہوں۔ (ت)

نقایہ کے مکروہات الصلاۃ میں ہے: وتخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ ت)
شرح علامہ شمس الدین محمد میں ہے:

(تخصیص الامام) ای انفرادہ (بمکان) اما بان یکون مقامہ اعلی او اسفل من مکان القوم[2] الخ ویأتی تمامہ۔
(تخصیص امام سے مراد) اس کا الگ ہونا ہے (بمکان) یا تو اس کا مقام قوم سے اوپر ہوگا یا نیچے ہوگا الخ اس کی تفصیل آرہی ہے (ت)

ہمارے مذہب کے قواعد مقررہ سے ہے کہ عند اختلاف الفتیا (جب فتوٰی میں اختلاف ہوت) ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے، بحر الرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایۃ والرجوع الیھا[3]
جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے (ت)

اور علماء فرماتے ہیں جب روایت و درایت متطابق ہوں تو عدول کی گنجائش نہیں۔ علامہ حلبی نے غنیہ میں فرمایا:

لایعدل عن الدرایۃ ما وافقتھا روایۃ[4]
اس درایت سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو روایت کے موافق ہو۔ (ت)

یہاں جبکہ یہی ظاہر الروایۃ اور اسی کے مطابق دلیل و روایت تو لاجرم قول یہی ہے کہ ادنی ما بہ الامتیاز (جس سے کم از کم امتیاز پیدا ہو جائے۔ ت) بلندی بھی مکروہ ہے ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے امتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے فان فی اعتبارہ حرجا والحرج مدفوع بالنص (کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج و تنگی ہے اور تنگی نصوص کی وجہ سے مدفوع ہے۔ ت) یونہی اگر پہلی صف امام کے ساتھ ہو باقی صفیں نیچی تو بھی مذہب اصح میں کچھ حرج نہیں

---

[1] غنیۃ المصلی بحث یکرہ ان یصلی علی بساط فیہ تصاویر مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۶۶
[2] جامع الرموز فصل ما یفسد الصلوٰۃ " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۴
[3] بحر الرائق باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۶
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی واجبات الصلوٰۃ " سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

كما قدمنا عن المنية وغيرها وقال في الدر المختار لم يكره لو كان معه بعض القوم في الاصح[1] اھ۔ اقول وربما يشير اليه ما في حديث الحاكم ويبقى الناس خلفه فافهم۔

جیسا کہ ہم نے غنیہ وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور درمختار میں فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں تو کراہت نہ ہوگی اھ اقول اس کی طرف حدیث حاکم کے یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں" اور لوگ اس کے پیچھے ہوں"۔ اس کو سمجھ۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تین گرہ بلندی قطعاً ممتاز و باعثِ امتیاز ہے کہ ہر شخص بنگاہِ اولیں فوراً تفاوت بیّن جان لے گا تو مذہب معتمد پر اس کی کراہت میں شبہہ نہیں بلکہ علما تصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکانی کی کراہت میں یہ صورت بھی داخل کہ مثلاً وہ مکان مسقف میں ہو اور مقتدی صحن میں، شرح نقایہ میں بعد عبارتِ مذکورہ ہے:

واما بان يكون في صُفّة، وهم في وسط الدار مثلا كما في الجوهر، واما بان يقوموا في المسجد والامام في طاق يتخذ في المحراب[2]۔

امام چھت میں ہو اور لوگ صحن کے درمیان، جیسا کہ جواہر میں ہے یا لوگ مسجد میں ہوں اور امام طاق میں ہو جو محراب میں بنایا گیا ہو۔ (ت)

یہاں تک کہ امام کے مقتدیوں سے تقدم کو فرماتے ہیں یہ بھی تخصیص مکانی ہے اگر شریعتِ مطہرہ میں اس کا حکم نہ آتا مکروہ ہوتا، علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں فرمایا:

يدخل في تخصيص الامام بمكان قيامه في الطاق اى المحراب بحيث يكون قدماه فيه والتقدم على القوم وان كان تخصيصا له بمكان لكنه مستثنى شرعا[3]۔

امام کے لئے تخصیص مکان میں یہ صورت بھی شامل ہے جب وہ طاق یعنی محراب میں اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب کے اندر ہوں، امام کا قوم سے مقدم ہونا بھی اگرچہ تخصیص مکان میں شامل ہے مگر اس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ (ت)

جب ایسے فرق کو بھی تخصیصِ مکانی ٹھہراتے ہیں حالانکہ مکان واحد اور زمین ہموار ہے جس میں فی نفسہٖ اصلاً

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

[2] جامع الرموز فصل " " " " " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

[3] البرجندی شرح مختصر الوقایۃ فصل مایکرہ فی الصلوٰۃ " مطبع منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/۱۳۰

کوئی فرق وامتیاز نہیں تو مثلاً کرسی، مکان یا چبوترہ کی بلندی اگرچہ دو تین ہی گرہ ہو بدرجۂ اولیٰ تخصیص مکانی باعثِ کراہت ہوگی کہ یہاں نفسِ مکان میں تفرقہ وتفاوت موجود اور دالان وصحن کے فرق میں تو سرے سے درجہ ہی بدل گیا تو یہ سب صورتیں ارشادِ امام علام صدرالشریعۃ قدس سرہٗ "تخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ ت) میں داخل ہیں جزاہ اللہ خیر جزاء کیا دو لفظوں میں تمام صور کا احاطہ فرمالیا اور بہت نزاعوں کا تصفیہ کردیا فالحمد للہ رب العٰلمین پس ثابت ہوا کہ جہاں دالانِ مسجد کی کرسی صحنِ مسجد سے بلندیِ ممتاز رکھتی ہو جیسا کہ اکثر مساجد میں ہے وہاں امام کا دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونا جیسا کہ عوامِ ہند میں مشاہد ہے نہ صرف ایک کراہت بلکہ تین کراہتوں کا جامع ہوگا :

اوّلاً یہی بین الساریتین قیامِ امام،

ثانیاً مقتدیوں پر بلندیِ ممتاز،

ثالثاً اُس کا زیرِ سقف اور مقتدیوں کا صحن پر ہونا۔

ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔

یہی تحقیق مناسب ہے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے وہ پاک وبلند زیادہ جاننے والا اور اس کا علم اجل واعلٰی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۷۳: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد ظہور محمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) بعض شخص نماز میں رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں پائچوں کو گھٹنوں سے اوپر کو چڑھالیا کرتے ہیں یعنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے ؟

(۲) ہاتھوں کی کہنی کھول کر آستین اوپر کو چڑھا کر نماز پڑھنے میں کس قدر نقصان ہے ؟ کس درجہ کی وہ نماز ہوگی ؟ زید کا خیال ہے وہ نماز مکروہ ہوئی مگر عمرو کا خیال ہے کہ مکروہ نہیں ہوئی اور عمرو کا سوال ہے کہ اگر مکروہ ہوئی تو صحت کے ساتھ بتلادیا جائے۔

الجواب

(۱) مکروہ ہے۔

(۲) نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر نہ پھیرے گا گنہگار رہے گا، درمختار، حلیہ وغیرہ۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۷۵ و ۹۷۶ از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ احسان علی مظفر پوری طالبعلم بتاریخ ۱۳ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) نماز کے اندر اگر ٹوپی گرجائے تو اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

(۲) امام قرأت یا رکوع کو کسی مقتدی کے واسطے دراز کرسکتا ہے یا نہیں جبکہ مقتدی وضو کر رہا ہو یا مسجد میں آگیا ہو اور یہ امام کو معلوم ہوگیا کہ کوئی شخص ہے کہ عنقریب شریک ہونا چاہتا ہے بایں صورت رکوع میں کچھ دیر کردے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اٹھالینا افضل ہے جبکہ بار بار نہ گرے اور اگر تذلل وانکسار کی نیت سے سربرہنہ رہنا چاہے تو نہ اٹھانا افضل۔ درمختار میں ہے :

سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتکویر او عمل کثیر[1] نمازی کی ٹوپی گرجائے تو اس کا اٹھانا افضل ہے مگر اس صورت میں کہ جب باندھنے کی حاجت ہو یا عمل کثیر لازم آرہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

الظاھر ان افضلیة اعادتھا حیث لم یقصد بترکھا التذلل[2] ظاہر یہی ہے کہ اس کا اٹھانا تب افضل ہے جب اس کے ترک میں تذلل کا ارادہ نہ ہو۔ (ت)

(۲) اگر کسی خاص شخص کی خاطر اپنے کسی علاقہ خاصہ یا خوشامد کے لئے منظور تو ایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ یخشی علیہ امر عظیم یعنی اس پر شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لئے کیا اور اگر خاطر خوشامد منظور نہیں بلکہ عمل حسن پر مسلمان کی اعانت (اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلق خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو) تو رکوع میں دو ایک تسبیح کی قدر بڑھادینا جائز بلکہ اگر حالت یہ ہے کہ یہ ابھی سر اٹھائے لیتا ہے تو وہ رکوع میں شامل ہونے نہ ہونے میں شک میں پڑجائے گا تو بڑھادینا مطلوب اور جو ابھی نماز میں نہ ملے گا مسجد میں آیا ہے وضو وغیرہ کرے گا یا وضو کر رہا ہے اس کے لئے

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۱

[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلٰوۃ " مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۴

قدرِ مسنون پر نہ بڑھائے بلکہ اگر بڑھائے موجب ثقل حاضرینِ نماز ہوگا تو سخت ممنوع وناجائز، المسألۃ دوارۃ فی الکتب وبسطھا الشامی من صفۃ الصلٰوۃ وما قلتہ عطر التحقیق (یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں تحریر ہے، شامی نے اسے صفتِ صلوٰۃ میں تفصیلاً بیان کیا اور جو کچھ میں نے بیان کردیا ہے یہ تحقیق کا عطرو نچوڑ ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۷۷: یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے منع کرنے پر کہ آستین چڑھے ہوئے سے نماز نہ پڑھا کرو آستین اُتار لیا کرو، جواب دیا کہ کس کا قول ہے، کس حدیث میں ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحیحین کی حدیث ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی ہیں، اور جاہل کو ایسے سوالات نازیبا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۷۸: از بریلی محلہ ذخیرہ مسئولہ مسعود حسین ۲۹ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دھوبی کپڑا بدل کر لائے تو اس کو پہن کر عورتوں کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جُوڑا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

بدلا ہوا کپڑا پہننا مرد وعورت سب کو حرام ہے اور اس سے نماز مکروہ تحریمی۔ جُوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف نھی الرجل[1] ہے۔ عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو انکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اُسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کفِ شعر گندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جُوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اُس کے ساتھ سجدہ کریں کما فی المرقاۃ وغیرہ (جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔ت) اور عورت ہرگز اس کے مامور نہیں، لاجرم امام زین الدین عراقی نے فرمایا: ھو مختص بالرجال دون النساء (یہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔ت) وھو تعالٰی اعلم

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۵۱۳ مروی عن ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۳/ ۲۵۲
مسند احمد بن حنبل حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ ؍؍ دار الفکر بیروت ۶/ ۸

ف: حدیث کے الفاظ یوں ہیں: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوص۔ نذیر احمد

مسئلہ ۹۷۹ ازموضع مانیاوالہ ڈاک خانہ قاسم پور گڈھی ضلع بجنور پرگنہ افضل گڑھ مرسلہ سید کفایت علی ولد حمایت علی ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

حضور کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز عشا کی پڑھ رہا تھا سر پر چادر اوڑھے ہوئے تھا اور چادر بدن پر قائم رہی مگر سر پر اُترکر کندھے پر گر گئی تھی میں نے یہ مسئلہ سنا بھی نہیں تھا آپ کے خلیفہ مولوی امجد علی صاحب نے یہ فرمایا اگر چادر رکوع میں یا کھڑے ہونے سے گر جائے تو ہاتھ سے اشارہ کرکے سر پر رکھ لینی چاہئے اگر نہیں رکھے گا تو نماز مکروہ ہوگی اور بھیتر چادر اوڑھنے کے ٹوپی کے دوپٹہ بندھا ہوا تھا جیسا کہ انھوں نے بتایا تھا ویسا خاکسار عمل میں لایا تھا مگر غریب خانہ آکر جو نمازیوں کو دیکھا تو وہ چادر یا رضائی سر کے اوپر سے نہیں اوڑھتے بلکہ کاندھے پر اوڑھتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ چادر نماز پڑھتے میں سر پر سے اوڑھنی چاہیے اگر سر پر گر جائے تو ہاتھ سے سر پر رکھ لینی چاہیے انھوں نے کہا نماز پڑھتے میں چادر سر پر رکھے گا نماز نہیں ہوگی، اب اس مسئلہ کا تو استدعا ہوں تحریر کیجئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ابونعیم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاینظر اللہ الٰی قوم لایجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلٰوۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی اُس قوم کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جو نماز میں اپنے عمامے اپنی چادروں کے نیچے نہیں کرتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۸۰ ازسردلی کلاں ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر سر پر رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے رومال باندھا جائے تو نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آسکیں جو سر کو چھپالیں تو وہ عمامہ ہی ہوگیا، اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آسکیں لپیٹنا مکروہ ہے، اور بغیر ٹوپی کے عمامہ بھی نہ چاہیے نہ کہ رومال، حدیث میں ہے:

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷۷۳۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/۱۴۶

فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس[1] — ہم میں اور مشرکوں میں ایک فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۱: از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب
۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو جاگتے میں کچھ غفلت ہوئی یا نماز پڑھتے میں کچھ شیطانی خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے عورت کی فرج کو دیکھا اور اپنا ذکر سامنے کیا لیکن دخول نہیں کیا ایک منٹ کے بعد اُس خیال کو دُور کیا اور نماز تمام کی اب اس نے نہ دخول کیا اور نہ ذکر کھڑا ہوا تھا اور نہ منی یا مذی نکلی ہے ایک ذرا سا یہ خیال اس کو تھا لیکن پیشاب اس کو لگا ہے غسل کرنا ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی نماز کیسی ہوئی؟ اُس کا خیال ہے کہ مجھ پر غسل نہیں اور نمازیں پڑھتا ہے قرآن مجید پڑھتا ہے اب نمازیں پڑھنا یا قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا سب کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جب نہ اُس نے دخول کیا نہ منی نکلی تو غسل واجب نہ ہوا، قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے اور سوائے قرآن مجید اور اذکار مثل کلمہ طیبہ و تسبیح و تہلیل و درود شریف وغیرہا تو حالتِ جنابت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور جبکہ صورتِ مذکورہ میں مذی بھی نہ نکلی تو نماز بھی ہوگئی بشرطیکہ اس کا برہنہ عضو عورت کی برہنہ شرمگاہ سے ملا نہ ہو ورنہ وضو جاتا رہا اور نماز نہ ہوئی، باقی نماز میں ایسا خیال بہت بد ہے اگرچہ فرض ادا ہوجائے گا نماز سخت مکروہ ہوگی اور اگر برہنگی ایسی ہو جس سے دوسرے کی نظر سے حجاب نہ ہو تو اسی قدر سے نماز جاتی رہے گی جبکہ چہارم عضو کی قدر برہنہ کرے اگرچہ وضو نہ جائے گا جبکہ برہنہ شرمگاہ زن سے ملا نہ ہو یہ سب اسی صورت میں ہے کہ واقعی کوئی عورت موجود ہو ورنہ مجرد خیال سے نہ وضو جائیگا جب تک مذی نہ نکلے نہ غسل واجب ہوگا جب تک منی نہ نکلے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۲: از جمشید پور ڈاکخانہ خاص ضلع سنگھ بھوم آفس کارکیسے مسئولہ حمید اللہ
۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پتلون پہن کر نماز درست ہے یا نہیں جبکہ اُس میں نشست و برخاست

---

[1] سنن ابو داؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۰۸

پوری طور سے ہوتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب

پتلون پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑے سے نماز بھی مکروہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۳ گلوبند یا پگڑی یا رومال سے پیشانی چھپی ہے تو سجدہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب

سجدہ درست ہے اور نماز مکروہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸۴ مرزا اصغر علی خاں بانس منڈی، بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر جماعت میں امام مسجد کے در میں اور مقتدی باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اس میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

امام کا در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے کما فی رد المحتار عن معراج الدرایۃ عن سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] (ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۵ جرابیں پہن کر پاؤں میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جبکہ اُن کے پہننے سے ٹخنے بند ہوگئے تو نماز مکروہ ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب

زید کا قول غلط ہے، موزے پہن کر نماز پڑھنا بہتر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸۶ از سرکار پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری درگاہ اقدس مرسلہ امام علی شاہ صاحب ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۱ھ

حق، حق، حق۔ جناب مولنا! السلام علیکم، مکلف ہوں کہ اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کے آستانہ پاک میں اُسی بزرگ صاحبِ مزار کے روضہ منورہ کے دروازے کو بند کر کے روضہ کے آگے ہی اگر نماز پڑھ لی جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اخبار دبدبۂ سکندری میں لکھ دیا جائے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ زیادہ نیاز المکلف فقیر محمد امام علی شاہ اولاد باباصاحب رحمہ اللہ تعالٰی از درگاہ حضرت جناب

---

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

باباصاحب رحمہ اللہ تعالٰی گنج شکر قطب عالم اغیاث ہند پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری

الجواب

جناب شاہ صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، صورتِ مذکورہ میں نماز جائز اور بلاکراہت جائز، اور قربِ مزار محبوبانِ کردگار کے باعث زیادہ مثمر برکات وانوار ومورد رحمت جلیلۂ غفار۔ خلاصہ و ذخیرہ ومحیط و ہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لھذین قال محمد اکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی المخرج والحمام والقبر[1] (الی قولہ اعنی المحیط) ھذا کلہ اذا لم یکن بین المصلی وبین ھذہ المواضع حائط او سترۃ اما اذا کان لایکرہ و یصیر الحائط فاصلا[2]۔

ان دونوں کی عبارت یہ ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں مسجد کے قبلہ کا بیت الخلاء، حمام اور قبر کی طرف ہونا مکروہ جانتا ہوں (محیط کے قول تک) یہ اس وقت ہے جب نمازی اور ان کے درمیان کوئی دیوار یا سُترہ نہ ہو لیکن اگر درمیان کوئی چیز ہے تو مکروہ نہیں اب دیوار ان کے درمیان فاصل ہوجائے گی۔ (ت)

سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علی من طیبہا وآلہٖ وسلم میں روضۂ انور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صفیں کی صفیں ہوتی ہیں جن کا سجدہ خاص روضۂ انور کی طرف ہوتا ہے مگر نیت استقبالِ قبلہ کی ہے، نہ استقبالِ روضۂ اطہر کی۔ لہذا ہمیشہ علمائے کرام نے اسے جائز رکھا ہاں بلامجبوری مزار اقدس کو پیٹھ کرنے سے منع فرمایا اگرچہ نماز میں ہو، منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط ملا علی قاری میں ہے:

(لایستدبر القبر المقدس) ای فی صلاۃ ولاغیرھا الا لضرورۃ ملجئۃ الیہ[3]۔

(مزار اقدس کی طرف پشت نہ کرے) نماز اور غیرنماز میں البتہ جب کوئی مجبوری وضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں (ت)

نیز شرح مذکور میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[2] " " " " " " " " ۵/ ۳۲۰

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۲

لاتکرہ الصلٰوۃ خلف الحجرۃ الشریفۃ الا اذاقصد التوجہ الٰی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

حجرہ شریف کے سامنے نماز ادا کرنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جب توجہ سے مقصود ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر شریف ہو۔(ت)

امام اجل قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف پھر علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ المصابیح پھر علامہ قاری مرقاۃ المفاتیح نیز علامہ محدث طاہر فتنی مجمع بحارالانوار نیز امام قاضی ناصرالدین بیضاوی پھر امام جلیل علامہ محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر امام احمد محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری نیز امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ شریف پھر شیخ محقق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاولین من اتخذ مسجدا فی جوار صالح اوصلی فی مقبرۃ وقصد الاستظھار بروحہ اووصول اثر من اٰثار عبادتہ الیہ، لا للتعظیم لہ والتوجہ نحوہ، فلاحرج علیہ الاتری ان مرقد اسمٰعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ[2]

یعنی جس نے کسی نیک بندے کے قرب میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے استمداد و استعانت کا قصد کیا یا یہ کہ اس کی عبادت کا کوئی اثر پہنچے، نہ اس لئے کہ نماز سے اس کی تعظیم کرے یا نماز میں اس کی طرف منہ ہونا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کا مزار شریف خاص مسجد الحرام میں حطیم کے پاس ہے پھر یہ مسجد سب سے افضل وہ جگہ ہے کہ نمازی نماز کے لئے جس کا قصد کرے۔

اخیرین کے لفظ یہ ہیں:

خرج بذلک اتخاذ مسجد بجوار نبی او صالح والصلٰوۃ عند قبرہ لالتعظیمہ والتوجہ نحوہ بل لوصول مدد منہ حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ

یعنی کسی نبی یا ولی کے قرب میں مسجد بنانا اور ان کی قبر کریم کے پاس نماز پڑھنا نہ اُن دو نیتوں سے بلکہ اس لئے کہ اُن کی مدد مجھے پہنچے اُن کے قرب کی برکت سے میری عبادت کامل ہو اس میں کچھ مضائقہ

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۲۲

[2] شرح طیبی علٰی مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول باب المساجد ومواضع الصلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۵

انتك الى وح الطاهرة فلا حرج فى ذلك لما وس دان قبر اسمعيل عليه الصلوٰة والسلام فى الحجر تحت ميزاب وان فى الحطيم و بين الحجر الاسود و زمزم قبر سبعين نبيا و لم ينه احد عن الصلاة فيه[1]۔

نہیں کہ وارد ہوا ہے کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار پاک حطیم میں میزاب الرحمۃ کے نیچے ہے اور حطیم میں اور سنگِ اسود و زمزم کے درمیان ستر پیغمبروں کی قبریں ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام اور وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہ فرمایا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں، کلام الشارحین متطابق فی ذلک[2] تمام اصحابِ شرح اس بارے میں یک زبان ہیں۔

الحمد للہ ائمہ کرام کے اس اجماع واتفاق نے جانِ وہابیت پر کیسی قیامت توڑی کہ خاص نماز میں مزاراتِ اولیائے کرام سے استمداد واستعانت کی ٹھہرادی، اب تو عجب نہیں کہ حضراتِ وہابیہ تمام ائمہ دین کو گورپرست کا لقب بخشیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر روضۂ مبارک کا دروازۂ مبارک بند کرنے کی بھی ضرورت اُس حالت میں ہے کہ قبر انور نمازی کے خاص سامنے ہو اور بیچ میں چھڑی وغیرہ کوئی سترہ نہ ہو اور قبر اتنی قریب ہو کہ جب یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے تو حالتِ قیام میں قبر پر نظر پڑے، اور اگر مزار مبارک ایک کنارے کو ہے یا بیچ میں کوئی سترہ ہے اگرچہ آدھ گز اونچی کوئی لکڑی ہی کھڑی کرلی ہو یا مزار مطہر نماز کی جگہ سے اتنی دُور ہے کہ نمازی نیچی نظر کئے اپنے سجدہ کی جگہ نظر جمائے تو مزار شریف تک نگاہ نہ پہنچے تو ان صورتوں میں دروازہ بند کرنے کی بھی حاجت نہیں یونہی نماز بلاکراہت جائز ہے۔ تاتارخانیہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان كان بينه وبين القبر مقدار مالو كان فى الصلوٰة ويمر انسان لايكره فههنا ايضا لايكره[3]۔

اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ آدمی نماز میں ہو اور اس کے آگے سے کسی آدمی کا گزرنا مکروہ نہ ہو تو یہاں بھی کراہت نہ ہوگی۔ (ت)

جامع مضمرات شرح قدوری پھر جامع الرموز شرح نقایہ پھر طحطاوی علی مراقی الفلاح و ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ مطبوعہ معارف علمیہ لاہور ۳/۵۲
[2] " " " " " " " " " " " "
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

لاتکرہ الصلوٰۃ الیٰ جھۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لوصلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ[1]۔

قبر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جبکہ نمازی خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو (جائے سجدہ پر نظر ہو) تو قبر پر نظر پڑے (ت)

یہ قلبِ وہابیت پر کیسا شاق ہوگا کہ مزار مبارک بلا حائل بے پردہ صرف چار یا پانچ گز کے فاصلہ سے عین نماز میں نمازی کے سامنے ہے اور نماز بلا کراہت جائز، کیا یہ فقہائے کرام کو قبر پرست نہ کہیں گے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وُہ بہ نیت فاسدہ نہ ہوں یعنی نماز سے تعظیمِ قبر کا ارادہ یا بجائے کعبہ نماز میں استقبالِ قبر کا قصد۔ ایسا ہو تو آپ ہی حرام بلکہ معاذ اللہ نیتِ عبادتِ قبر ہو تو صریح شرک و کفر مگر اس میں مزارِ مقدس کی جانب سے حرج نہ آیا بلکہ اس شخص کا فاسد ارادہ یہ فساد لایا اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی ناخدا ترس کعبہ معظمہ کے سامنے اس نیت سے نماز پڑھے کہ وہ کعبہ کی طرف نہیں بلکہ وُہ خود کعبہ کو سجدہ کرتا ہے یا نمازِ تعظیمِ کعبہ کے لئے پڑھتا ہے ایسی نماز بیشک حرام اور نیت عبادت کعبہ ہو تو سلبِ اسلام مگر اس میں کعبہ معظمہ کا کیا قصور ہے یہ تو اس کی نیت کا فتور ہے، یونہی جو مزارات کے حضور ہے اور مزار کریم مستور ہے یا نظر خاشعین سے دُور ہے تو فاسد نیت سے مازور ہے اور ترک و استمداد کی نیت سے ماجور ہے کہ نماز و نیاز کا اجتماع نورٌ علیٰ نور ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۹۸۷ تا ۹۸۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

(۱) وضو، نماز، غسل، جماعت، لباس، نمازِ جنازہ، کفن، دفن، نکاح وغیرہ میں کتنے کتنے اور کون کون سے فرض، سنّت، مستحب، واجب ہیں جس کے ترک سے نماز فاسد یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا کہ بطور دُہرانے کے یا سجدۂ سہو کے قابل ہوجاتی ہے یا کیا چیز ترک ہو جس سے امام نے دوبارہ جماعت شروع کی اب اور نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے ہیں اور کس ترک کے سبب سے اب نئے آدمی بھی شامل ہوسکتے ہیں، اسی طرح غسل، جماعت، لباس، کفن، دفن، نکاح سب کا حال علیحدہ علیحدہ ترتیب وار تحریر فرمایا جائے۔

(۲) زید تمبا کو کھانے پینے کی اکثر اشیاء باندھ کر نماز پڑھتا ہے نماز ہوگی؟

(۳) زید اکثر رزائی، کمبل، چادر کی گھوگی ڈال کر نماز پڑھتا ہے ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) اس سوال کا جواب اگر مفصل لکھا جائے تو کم از کم دو ہزار ورق ہوں گے سائل کو چاہئے علم سیکھے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

یہ باتیں آجائیں گی، فرض کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے اور واجب کے ترک سے مکروہ تحریمی، اور سنتِ مؤکدہ کا ترک بہت بُرا ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک سے مکروہ تنزیہی اور مستحب کے ترک سے غیر اولٰی، فرض کے ترک میں پھر پڑھنا فرض ہے کہ پہلی نماز اصلاً نہ ہوئی اور اسی صورت میں نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اور واجب بھُول کر چھوٹا تو سجدۂ سہو کا حکم ہے اور قصداً چھوڑا یا بھُول کر چھوٹا تھا مگر سجدۂ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے اور سنت کے ترک میں سنّت اور مستحب کے ترک میں مستحب، اور ان سب صورتوں میں نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے۔

(۲) ہاں نماز ہوجائے گی مگر بدبُو آئے تو کراہت ہے۔

(۳) نماز مکروہ ہوگی جب تک ایک پلّہ اُس کا دوسرے کندھے پر نہ ڈالا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۰ ازکلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو ریشمی کپڑا پہن کر نماز کیسی ہے؟ اور جب امام باوصف معلوم ہوجانے حُرمت کے لباسِ ریشمی پہن کر امامت کیا کرے تو ساری جماعت کی نماز میں کراہتِ تحریمی کا وبال امام پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب

فی الواقع ریشمی کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اُسے اتار کر پھر پڑھنا واجب کما ھو معلوم من الفقہ فی غیر ما موضع (جیسا کہ فقہ میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ ت) شرح مقدمۂ غزنویہ پھر فتاوی الفرویہ میں ہے:

تکرہ الصلٰوۃ فی ثوب الحریر وعلیہ ایضا لانہ محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلٰوۃ ففیھا اولی فان صلی فیھا صحت صلاتہ لان النھی لایختص بالصلٰوۃ[1] انتھی اقول وقولہ وعلیہ ایضا مبتنی علی قولھما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عند الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی

ریشمی کپڑے میں اور اس کے اوپر نماز مکروہ ہے کیونکہ جب نماز کے علاوہ اسے پہننا حرام ہے تو نماز میں بطریقِ اولٰی حرام ہوگا، اگر ان میں نماز ادا کی تو صحیح ہوگی کیونکہ نہی نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں انتہی اقول اس کا قول "ریشمی کپڑے پر بھی" صاحبین کے اس قول پر مبنی ہے کہ ریشم کا بچھونا بنانا بھی حرام ہے ورنہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز

---

[1] فتاوی الفرویہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالاشاعت قندھار، افغانستان ۱/۷

عنہ لان المحرم لبسہ لاسائر وجوہ الانتفاع[1] کمافی ردالمحتار وغیرہ نعم تکرہ الصلٰوۃ علیہ وان جاز افتراشہ لان الصلٰوۃ لیست موضع الترفہ وھذہ الکراھۃ تنزیھیا۔

ہے کیونکہ ریشم کا پہننا حرام ہے باقی نفع کی صورتیں منع نہیں جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے، ہاں اگرچہ اس کا بچھونا بنانا جائز ہے مگر اس پر نماز مکروہ ہوگی کیونکہ نماز تعیش کا مقام نہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہوگی۔ (ت)

جبکہ اللہ عزوجل نے مرد کو ریشمیں کپڑا گھر میں پہننا حرام کیا تو خود اس کے دربار میں اسے پہن کر حاضر ہونا کس درجہ گستاخی و بے ادبی ہوگا جو بات گھر بیٹھ کر تنہائی میں کرنا قانونِ سلطانی میں جُرم ہو وہ خود بارگاہِ سلطانی میں اُس کے حضور کھڑے ہو کر کرنا کیسی صریح بیباکی اور بادشاہ کا موجبِ ناراضی ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی اور پُر ظاہر کہ نماز امام کی یہ کراہت نماز مقتدیان کی طرف بھی سرایت کرے گی تو اُن سب کی نمازیں خراب و ناقص ہونے کا یہی شخص باعث ہوا اور معاذ اللہ ارشاد حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی کا مصداق ٹھہرا ؎

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ھمہ آفاق زد

(بے ادب تنہا اپنے آپ کو ہی تباہ نہیں کرتا بلکہ اس ایک کی بے ادبی تمام عالم کو برباد کردیتی ہے)

بعینہٖ یہی حکم اُن سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمربند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام و ناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہ تحریمی اور تانبے پیتل لوہے کے زیور تو عورتوں کو بھی حرام ہیں انھیں پہن کر اُن کی نماز بھی مکروہ تحریمی، ان مسائل کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۱ از بدایوں کچہری منصفی مرسلہ شیخ حامد حسین وکیل ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی وضع کے کپڑے پہننا کیسا؟ اور ان کپڑوں سے نماز

---

[1] ردالمحتار فصل فی اللبس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۳۵۴

ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ہوتی ہے تو بکراہت تحریمی یا تنزیہی یا بلاکسی فساد کے؟ بینوا توجروا

الجواب

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام سخت حرام اشد حرام، اور انھیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار سیدی علامہ اسمعیل نابلسی شرح درر وغرر پھر علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

مافعله بعض[1] ارباب الحرف بدمشق لما زینت البلدة بسبب اخذ بلد من الافرنج من لبسهم زی الافرنج فی رؤسهم وسائر بدنهم وجعلهم اساری فی القیود وعرض ذلك فی البلدة علی زعم انه حسن وهو والعیاذ باللہ کفر علی الصحیح وخطأ عظیم علی القول المرجوع[2] اعاذنا اللہ من الجهل المورد موارد السوء۔[1]

دمشق شہر کی خوبصورتی کے وقت بعض ارباب صنعت نے فرنگیوں سے شہر کو قبضہ میں لیتے وقت جشن مناتے ہوئے مذاق کے طور پر فرنگیوں کا لباس سر اور جسم پر پہنا کر (کچھ لوگوں کو) قید میں ڈالا اور شہر میں پھرایا اور اس سے خوش ہوئے (اللہ کی پناہ) یہ صحیح قول کے مطابق کفر اور قول مرجوع پر خطأ عظیم ہے اللہ تعالٰی جہالت کے ایسے بُرے مواقع سے محفوظ رکھے۔ (ت)

علمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: تکرہ الصلاۃ مع البرنس[2] (ٹوپی والے جبّہ میں نماز مکروہ ہے۔ ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

عـہ[1] ذکرہ فی النوع الثامن من المبحث الاول من القسم الثانی من الصنف الثانی اٰفات اللسان وھو نوع السخریہ ۱۲ منہ (م)

اسے نابلسی نے مبحث اول کی قسم ثانی کی نوع ثامن میں آفاتِ زبان کی صنف ثانی کے تحت ذکر کیا ہے اور یہ مذاق کی قسم ہے ۱۲ منہ (ت)

عـہ[2] ھکذا ھو بالعین فی نسختی الحدیقۃ ۱۲ منہ (م)

میرے پاس جو حدیقہ کا نسخہ ہے اس میں یہ لفظ ع کے ساتھ ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثامن من الانواع الستین الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فیما یکرہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ ؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۶

مسئلہ ۹۹۲ از ملک اپر برہما چھاؤنی منگینہ مرسلہ حاجی ہادی یار خاں ۶ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے حامیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ہے اُس کے کپڑا بہت ہے لیکن آستینیں چڑھاکر کہنی سے اُوپر نماز پڑھتا ہے، کچھ کراہت نماز میں آتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بمع حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب

مکروہ ہے نماز پھیرنے کا حکم ہے، درمختار میں ہے:

کرہ سدل ثوبہ وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل[1]۔

کپڑے کا لٹکانا اسی طرح کپڑے کا اٹھانا بھی مکروہ ہے اگرچہ کیچڑ کی وجہ سے ہو جیسے کوئی آدمی آستین اور دامن اٹھالے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ[2]۔

شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے (ت)

حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء ولا اکف شعرا ولا ثوبا رواہ الستۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما[3]۔

مجھے سات اعضاء پر سجدہ کا حکم دیا گیا ہے اور اس بات کا حکم ہے کہ بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔ اس روایت کو صحاح ستہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹۳ از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حسین ۲ صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آستین کہنی تک چڑھی ہوئی نماز پڑھنی مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ضرور مکروہ ہے اور سخت و شدید مکروہ ہے، صحاح ستہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] الدرالمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[2] ردالمحتار مطلب مکروہات الصلوٰۃ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۳

[3] صحیح مسلم باب اعضاء السجود ؍؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لا اکف شعرا ولا ثوبا[1]۔ — مجھے سات اعضا پر سجدہ کا حکم ہے اور اس بات کا کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔(ت)

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان لا اکف الشعر والثیاب[2]۔ — مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بالوں اور کپڑوں کو اکٹھا نہ کروں۔(ت)

تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے۔ت) فتح القدیر و بحرالرائق میں ہے:

ید خل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ[3]۔ — کپڑا اٹھانے میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کمہ او ذیلہ[4]۔ — کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیسا کہ آستین اور دامن کا چڑھانا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حرر الخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ[5]۔ — شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او ید خل فیھا — عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا

---

[1] صحیح مسلم — باب اعضاء السجود — مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی — ۱/۱۹۳
[2] " " " " " " " " "
[3] بحرالرائق — باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا — " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲/۲۴
[4] الدرالمختار — " " " " " — " مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۹۱
[5] ردالمحتار — مطلب مکروہات الصلٰوۃ — " مصطفی البابی مصر — ۱/۴۷۳

وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر لکمہ اوالذیل[1]۔ | جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔ (ت)

علامتین محققین جلیلین شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔ غنیہ میں ہے:

(و) یکرہ ایضا (ان یرفع کمہ) ای یشمرہ (الی المرفقین) وھذا قید اتفاقی فانہ لوشمر الی مادون المرفق یکرہ ایضا لانہ کف للثوب وھو منھی عنہ فی الصلاۃ لما مر وھذا اذا شمرہ خارج الصلوٰۃ وشرع فی الصلوٰۃ وھوکذٰلک اما لوشمرہ فی الصلاۃ تفسد لانہ عمل کثیر[2]۔

اور یہ بھی مکروہ ہے (کہ آستین اٹھائی) یعنی چڑھائی ہو (کہنیوں تک) اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہوں تب بھی کراہت ہے کیونکہ یہ کپڑے کا اٹھانا ہے حالانکہ وہ نماز میں ممنوع ہے جیسا کہ اس پر احادیث گزری ہیں اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز سے باہر آستین کو چڑھایا تھا اور اسی حال میں نماز شروع کردی اور اگر دورانِ نماز آستین چڑھاتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیرھما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا[3]۔

آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے (ت)

تو لازم ہے کہ آستینیں اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اعادہ کی جائے کما ھو حکم صلاۃ ادیت مع الکراھۃ کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ ہر اس نماز کا حکم ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو جیسا کہ دُر وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۴ غرۂ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب ہے اور اس نے کسی وجہ سے نماز

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ فصل فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

[2] " " " " " " " ۳۵۷

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دست کشا پڑھی تو وہ اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں یا اس کا اعادہ کرنا چاہیے یا کیا؟

الجواب

نماز ہو جائے گی مگر بکراہت لترك السنة (ترکِ سنت کی بنا پر۔ ت) اعادہ چاہیے علٰی وجہ الاستحباب۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹۵ ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ محلہ کمبوہان مرسلہ تاج الدین حسین خاں صاحب

۵ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

موسم گرما میں مَیں ساری بہت نیچی باندھتا ہُوں اکثر نماز مولوی صاحبوں کے ہمراہ پڑھی کسی نے اعتراض نہ کیا ایک سید صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا جو اونچی دھوتی باندھتے ہیں ان کو کانچھ کھولنی ضرور ہے کہ ستر پوشی ہو اور تم بہت نیچی باندھتے ہو اس میں ضرور نہیں کہ ستر چھپا رہتا ہے، میں نماز بیٹھ کر پڑھتا ہُوں کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا اس پر چند آدمیوں نے اعتراض کیا کہ کھول دیا کرو ورنہ نماز میں خلل پڑتا ہے، پس آں مخدوم کو تکلیف دیتا ہُوں حکمِ شرع بیان فرمائیے، اور اگر باندھنا ساری کا داخل پوشاکِ مشرکین ہو تو میں موقوف کروں کیونکہ میرا اعتقاد آپ کے قول پر ہے بمقابلہ آپ کے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتا ہُوں بقول مخدوم میناصاحب قدس سرہ العزیز ؎

ہمہ شہر پُر زخوباں منم و خیال ماہے
چکنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

(تمہارا شہر خوبصورت حضرات سے بھرا ہے، میرا ذوق اپنا ہے، میں کیا کروں کہ بدخُو آنکھ کسی پر بھی ایک نگاہ نہیں ڈالتی)

زیادہ نیاز

الجواب

مکرمی سلمکم اللہ تعالٰی! جوابِ مسئلہ اُنہی لفظوں میں ہے جو آپ نے تحریر فرمائے کہ اس عقدے کو حل فرمائیے واقعی ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہتِ نماز کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان لا اکف شعرا ولا ثوبا[1] (مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور کپڑا اٹھاؤں۔ ت)

---

[1] صحیح مسلم باب اعضاء السجود والنہی عن کف الثوب مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۹۳

غنیہ شرح منیہ میں ہے :

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔[1]

نماز میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا اٹھانا مکروہ ہے یوں کہ آگے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھائے یا نماز میں کپڑا چڑھائے ہُوئے داخل ہونا اور یہی حکم ہے جبکہ نمازی آستین یا دامن چڑھائے ہوئے ہو۔ (ت)

اور ساری یا دھوتی باندھنا جہاں کے شرفا میں اس کا رواج نہ ہو جیسے ہمارے بلاد وہاں شرفا کے لئے خود بھی کراہت سے خالی نہیں کما حققناہ فی کتاب الحظر من فتاوٰنا (ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الحظر میں کی ہے۔ت) اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباسِ کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے حرج پیچھے گُھرسنے میں ہے ورنہ تہبند تو عین سنّت ہے اور گٹّوں سے اُوپر تک ہونا چاہئے اس سے زیادہ نیچی مکروہ ہے واللہ تعالٰی اعلم یہ تو آپ کے سوال کا جواب تھا اور ان سب باتوں سے زیادہ ضروری مسئلہ قیامِ نماز ہے فرض و وتر و سنّتِ فجر بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت صرف اس حالت میں ہے کہ کھڑے ہونے پر اصلاً قدرت نہ ہو نہ دیوار کی ٹیک نہ کسی آدمی یا لکڑی کے سہارے سے، اور عجز بھی ایسا ہو کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے کی دیر تک بھی کھڑا نہ ہو سکے اگر اتنی ہی دیر قیام کی طاقت ہو اگرچہ کسی سہارے سے، تو فرض ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہے پھر طاقت نہ رہے تو بیٹھ جائے، آج کل اکثر لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں ذرا تکلیف ہوئی اور نماز بیٹھ کر پڑھ لی اور سیدھے کھڑے ہوکر گھر کو راہی ہُوئے، یُوں نمازیں قطعاً باطل ہوتی ہیں بلکہ جتنی دیر جس قدر اور جس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو اتنا قیام ہر رکعت میں فرض ہے، یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے وقد بیناہ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق ثم السلام۔

مسئلہ ۹۹۶: ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وقتِ نماز اپنی جُوتیاں سجدہ کے رُوبرو رکھ کر نماز ادا کرے تو نماز میں کیا شرعاً کراہت آتی ہے اور دہنے یا بائیں طرف رکھنے سے کیا نفع نقصان ہے؟ اگر سجدہ کے برابر رکھ کر کپڑے وغیرہ سے چھپا دی جائیں تو علیحدہ ہونے کے مرتبہ میں ہُوئیں یا نہیں؟ اور کس حدیث سے جُوتیوں کو سجدہ کے رُوبرو رکھنا منع آیا ہے؟ اور ایسے وقت میں نزولِ رحمت کا بند ہونا کیوں ہے؟ معمولی جوتیاں

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراہیۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

جو شخص پہنے پھرتا ہے پہنے ہوئے مسجد میں چلا آئے اور پہنے ہوئے نماز ادا کرے جائز ہے یا نہیں؟ کن بزرگانِ دین نے ایسا فعل کیا تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیہ عن یمینہ ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون احد ولیضعھما بین رجلیہ[1]۔ رواہ الحاکم ایضا والبیہقی۔

جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو جوتی اپنے دائیں طرف نہ رکھے نہ اپنے بائیں طرف رکھے کہ دُوسرا جو اُس کے بائیں ہاتھ کو ہے اُس کے دہنی طرف ہوں گی ہاں اگر بائیں طرف کو کوئی نہ ہو تو بائیں جانب رکھے ورنہ اپنے پاؤں کے بیچ میں رکھے، اسے بھی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔

دوسری روایت میں اس ممانعت کے لئے یوں حدیث آئی:

فلا یؤذ بھما احدا[2]۔ رواہ الثلثۃ المذکورون وابن حبان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کسی کو ایذا نہ دے۔ مذکورہ تینوں محدثین اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں اس ایذا کی یُوں تصریح آئی:

لا تضعھما عن یمینک ولا عن یسارک فتؤذی الملٰئکۃ والناس[3]۔ رواہ الخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

دہنے ہاتھ کو رکھے گا تو ملائکہ کو ایذا ہوگی، بائیں کو رکھے گا تو جو لوگ بائیں طرف ہیں انھیں ایذا ہوگی۔ اسے خطیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

علماء نے اس ایذا کی وجہ فرمائی لیعنی وفیہ نوع اھانۃ[4] جس کی طرف جُوتا رکھا جائے اُس کی

---

[1] سُنن ابو داؤد باب المصلی اذا خلع نعلیہ این یضعھما مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۶

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ " دار الفکر بیروت ۱/ ۲۵۹

[3] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن حمویہ نمبر ۱۵۰۰۸ " دار الکتاب العربیۃ بیروت ۹/ ۴۴۹

[4] مرقات المفاتیح حدیث ۷۶۷ کے تحت مذکور ہے مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۷۵

اہانت ہوتی ہے قالہ الطیبی ونقلہ فی المرقاۃ (یہ علامہ طیبی نے فرمایا اور مرقات میں نقل ہوا ۔ت) اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اذا کان احدکم یصلی فلا یبصق قبل وجھہ فان اللہ تعالٰی قبل وجھہ اذا صلی[1] رواہ مالک فی الموطا عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وطریقہ الشیخان فی الصحیحین۔

جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے اللہ عزوجل کا فضل و جلال و رحمت ہوتے ہیں۔ اسے امام مالک نے مؤطا میں امام نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور اسی سند سے بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ائمہ دین اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں :

یجب علی المصلی اکرام قبلتہ بما یکرم بہ من یناجیہ من المخلوقین عند استقبالھم بوجھہ[2] ذکرہ ابن بطال ونقلہ فی ارشاد الساری۔

یعنی نمازی پر واجب ہے کہ معظمین کے سامنے کھڑے ہونے میں جس بات میں ان کی تعظیم جانتا ہے وہی ادب اپنی جانب قبلہ میں ملحوظ رکھے کہ اللہ عزوجل سب سے زیادہ احق بالتعظیم ہے۔ اسے شیخ ابن بطال نے ذکر کیا اور ارشاد الساری میں مذکور ہے۔

ان احادیث میں وہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور سامنے کا حکم اس حدیث صحیح کہ دلالۃ النص اور اسی ارشاد علما کے عموم اور نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین و تعظیم کا مدار عرف و عادتِ ناس و بلاد پر ہے

وقد حققہ المولی العلامۃ خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی اصول الرشاد۔

اس کی تحقیق علامہ خاتمۃ المحققین سیدنا والد گرامی قدس سرہ الماجد نے اصول الرشاد میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ اب عرف عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربارِ شاہی میں بحضور سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا فقیر نے بچشم خود دیکھا ہے کہ کعبہ معظمہ پر جو بار برستی میزابِ رحمت سے

---

[1] مؤطا امام مالک النہی عن البصاق فی القبلۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۲

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱/ ۴۱۹

بوندیں ٹپک رہی تھیں مسلمان حاضر تھے اُن بوندوں کو لیتے اور چشم و دل سے ملتے، ان میں کوئی ہندی شخص جُوتا ہاتھ میں لئے کھڑا تھا تُرکی خادم دوڑا اور اُس کی گردن دبا دی تناجی ربك و نعلاك بیدك جُوتیاں ہاتھ میں لئے ہُوئے اللہ تعالٰی سے مناجات کرتا ہے، بلکہ سنن ابن ماجہ میں حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یوں ہے:

فاجعلهما بين رجليك ولا تجعلهما عن يمينك ولا عن يمين صاحبك ولا وراءك فتوذى من خلفك[1]

یعنی جُوتے اپنے پیچھے بھی نہ رکھ جو پیچھے ہے اس کے آگے ہوں گے اسے ایذا ہوگی۔

انجاح الحاجہ میں لکھا ہے:

لانك اذا وضعتهما وراءك تكونان قدام من كان فى الصف الموخر فيتاذى ورحمة الله تعالٰى تنزل عليهم فيكون هذا الفعل اساءة[2]

جب تُو ان کو اپنے پیچھے رکھے گا تو وہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے نمازی کے سامنے ہوں گی تو اسے اذیت ہوگی حالانکہ ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہورہی ہوگی، لہذا یہ عمل بُرا ہے۔ (ت)

ولہذا ائمہ دین نے تصریح فرمائی کہ استعمالی جُوتیاں پہنے ہُوئے مسجد میں جانا بے ادبی و مکروہ ہے، امام برہان الدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید پھر علامہ بحر بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

قد قيل دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[3]۔

مسجد میں جُوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں عمدۃ المفتی سے ہے:

دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[4]۔

مسجد میں جُوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: دخول المسجد متنعلا مكروه[5] (مسجد میں جُوتے پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء این توضع النعل اذا خلعت فی الصلٰوۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۵

[2] انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ " " " " " " " " " " " " " "

[3] البحرالرائق باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴

[4] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد " " " " " ۱/۶۵۶

[5] فتاوٰی سراجیہ باب المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہٗ دو جوڑے رکھتے تھے استعمالی جوتا پہن کر دروازۂ مسجد تک تشریف لاتے پھر دوسرا جوڑا پہن کر مسجد میں جاتے۔[1]

ذکرہ ایضا فی البحر عن التجنیس واذ الامر دار علی العرف فالحکم الحظر الاٰن مع ثبوتہ عن سید المتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وذٰلک کترک الکلاب تدور فی المسجد ووضع السریر وادخال البعیر وضرب الخیمۃ للمرضی وغیرھم فیہ ولنا رسالۃ فی الباب سمینا ھا "جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال" واخری "نفیسۃ حافلۃ فیما تصان عنہ المساجد"۔

اسے بحر میں تجنیس کے حوالے سے ذکر کیا اور مسئلہ کا مدار عرف پر ہوتا ہے اس دور میں یہ ممنوع ہے باوجودیکہ اس کا ثبوت سید المتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کتوں کا مسجد میں آنا جانا، چارپائی کا بچھانا، اونٹوں کا داخل ہونا، بیمار لوگوں اور دیگر ضروریات کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم متروک ہے، ہم نے اس موضوع پر ایک رسالہ "جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال" اور دوسرا "نفیسۃ حافلۃ فیما تصان عنہ المساجد" لکھا ہے۔ (ت)

ہاں اگر بائیں جانب یا پیچھے رکھنے میں چوری کا خوف ہو اور یہاں جوتی پاؤں کے بیچ میں جو فرجہ نماز میں ہوتا ہے یعنی چار انگل اس قدر میں آنے کے قابل نہیں ہوتے تو کپڑے سے چھپانا کافی ہے

ھذا کلہ ما ظھر لی تفقھا وبما قررت ظھر ان لا ورود لبقیۃ حدیث الخطیب المذکور وان سُلّم ان سَلِمَ من الضعف لان الاحکام ھھنا بالعرف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ تمام وہ جو مجھے ازراہِ تفقہ حاصل ہوا، جو ہم نے گفتگو کی اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ خطیب کی ذکر کردہ حدیث کا یہ محل نہیں اگرچہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایت ضعف سے خالی ہے کیونکہ ان احکام کا مدار عرف پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۹۷   ۴ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف، رحم کرے اللہ آپ لوگوں پر اور برکت دے علم میں کہ فیض پہنچاتے رہیں علم سے اپنے خلائق کو اس قول میں کہ وردی جو کہ سپاہی پولیس کے پہنتے ہیں اور دھوتی جو کہ کفار پہنتے ہیں اس کو پہن کر نماز مکروہ ہے یا کہ مکروہِ تحریمی، حکمش چیست؟

---

[1] بحر الرائق   باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا   مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی   ۲/ ۳۴

الجواب

وُہ وردی پہن کر نماز مکروہ ہے خصوصاً جبکہ سجدہ بر درجہ مسنون سے مانع ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے :

او الخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذلک کثیرا اجرا لایستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[1]۔

جب کسی درزی کو فاسقوں کے لباس سینے پر اُجرت دی جائے اور اسے اس پر اجر کثیر دیا جائے تو یہ عمل اس کے لئے بہتر نہیں کیونکہ یہ گناہ پر معاونت ہے۔ (ت)

اور دھوتی باندھنا بھی مکروہ ہے کہ اگر لباس ہنود وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لئے بس ہے لنھیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کف ثوب او شعر (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کپڑے یا بال مجتمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ت) ہاں پیچھے نہ گھرسیں تو وُہ دھوتی نہیں تہ بند ہے اور اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنّت ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عینک لگا کر نماز پڑھاتا ہے تو مقتدیوں کی نماز میں کچھ قصور تو نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر عینک کا حلقہ یا قیمیں چاندی یا سونے کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اُس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یا اور دھات کی ہوں تو بہتر یہ کہ نماز پڑھتے میں اُتار لے ورنہ یہ خلافِ اولٰی اور کراہت سے خالی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے در و محراب میں نماز پڑھنا و پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر آگے در کے چبوترہ یا لکڑی کی مثل چوکی کے بنا کر اُس پر نماز پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم در کے باہر نماز پڑھتے ہیں اور بعض در ایسے ہیں کہ کچھ دروازہ اُن کا عمارت میں نکال دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ در بیچ کا آگے کو ان دونوں دروں سے نکال دیا گیا ہے تب ان صورتوں میں کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل حکم یہ ہے کہ تنہا ایک شخص کہ نہ امام ہے نہ مقتدی بلکہ اپنی نماز جُدا پڑھ رہا ہے اُسے در میں کھڑے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

ہوکر اپنی نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے اور مقتدی کو در میں کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر بضرورت کہ جگہ نہیں ہے یا مثلاً مینہ برس رہا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.[1] ہم اس عمل سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بچا کرتے تھے (ت)

کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) یہ حکم منفرد مقتدی کے لئے تھا، رہا امام اُس کے لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ در میں کھڑے ہونا مکروہ ہے تاتارخانیہ و ردالمحتار میں امام سے ہے:

انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین۔[2] میں امام کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔(ت)

اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ عمل خلافِ امت ہے کما فی المعراج وغیرہ (جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے۔ت) اور دوسرے یہ کہ امام و مقتدی کا درجہ بدل گیا اگر امام ایک درجہ میں تنہا ہے اور مقتدی دوسرے درجہ میں ہے تو یہ مکروہ ہے کما نص علیہ القہستانی فی شرح النقایۃ (جیسا کہ قہستانی نے شرح نقایہ میں اس پر نص وارد کی ہے۔ت) در کا آس پاس کے دروں سے آگے نکلا ہونا اس سے کراہت کا دفع نہیں ہوسکتا البتہ امام در کے باہر کھڑا ہو اور سجدہ در کے اندر کرے تو وہ کراہت جاتی رہے گی کہ اب امام و مقتدی ایک ہی درجہ میں ہیں لان العبرۃ للقدم[3] کما نصوا علیہ (کیونکہ اعتبار قدم کا ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے۔ت) مگر اب غالب مساجد میں ایک اور کراہت پیش آئے گی وہ یہ ہے کہ اگلے درجے کی کرسی صحن سے بلند ہوتی ہے تو کھڑا ہُوا نیچے اور سجدہ بلندی پر کیا یہ بلندی اگر دو خشت بخارا یعنی ۱۲ انگل یعنی پاؤ گز کی قدر ہُوئی جب تو نماز ہی نہ ہوگی کما نص علیہ فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں اس پر نص وارد کی گئی ہے۔ت) اور اگر اس سے کم ہُوئی جب بھی کراہت سے خالی نہیں، لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ در کی کرسی اس قدر جس میں امام سجدہ کرسکے زمین کاٹ کر صحن کے برابر کردی جائے اب امام در کے باہر کھڑا ہو اور اس کٹی ہُوئی زمین میں سجدہ کرے سب کراہتیں جاتی رہیں اور وہ جو چوکی رکھ دیتے ہیں یا لکڑی وغیرہ کا چبوترہ بنا دیتے ہیں اس سے اگرچہ

---

[1] سُنن ابوداؤد باب الصفوف بین السواری مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۸
[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸
[3] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

دو کراہتیں جاتی رہیں کہ اب نہ امام در میں ہے نہ اُس کا سجدہ پاؤں کی جگہ سے بلند ہے مگر تیسری کراہت اور عارض ہُوئی کہ امام کو مقتدیوں سے بلند جگہ بقدر امتیاز کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے کما فی الدر المختار وھو الاصح المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے اور یہی اصح و مختار ہے۔ ت) اور مشابہتِ یہود ہے، اور حدیث میں فرمایا:

لاتشبھوا بالیھود[1] وقد قالوا انھم یقیمون امامھم علیٰ دکان ممتاز اعمن خلفہ۔

یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو، اور منقول ہے کہ یہود اپنے ائمہ کو بلند جگہ کھڑا کرتے تھے تاکہ وہ مقتدیوں سے ممتاز ہو جائے۔ (ت)

تو چارہ کار وہی ہے جو اُوپر بتایا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ اشارۃ الید فی السلام مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۹۴/۲

تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب

۱۳۲۰ھ

(محراب میں قیامِ امام سے متعلق درستگی کے تاج)

(محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث)

مسئلہ ۱۰۰۱: از جبل پور قریب مسجد کوتوالی مرسلہ مولٰنا مولوی شاہ محمد عبد السلام صاحب قادری برکاتی ۶ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

اما بعد ما یقول سیدنا وسندنا ومولٰنا ومرشدنا والذخر لیومنا وغدنا ووسیلتنا وبرکتنا فی الدنیا والدین اٰیۃ من اٰیات اللّٰہ رب العٰلمین نعمۃ اللّٰہ علی المسلمین اعلم العلماء المتبحرین افضل الفضلاء المتصدرین تاج المحققین سراج المدققین مالک ازمۃ الفتاوی والمفتین ذوالمقامات الفاخرۃ والکمالات الزاھرۃ الباھرۃ صاحب الحجۃ القاھرۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ العلامۃ الاجل الابجل حلال عقدۃ مالا یحل بحرالعلوم کاشف السر المکتوم صدر الشریعۃ محی السنۃ المحدث

حمد وصلٰوۃ کے بعد، کیا فرماتے ہیں ہمارے سربراہ و آقا، مرشد، ہمارے آج اور کل کے لئے ذخیرہ، دنیا و آخرت میں ہمارے وسیلہ، اللّٰہ رب العالمین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، مسلمانوں پر اللّٰہ کی نعمت، متبحر علمائے سے زیادہ صاحب علم فضلاء سے افضل، تاج المحققین، سراج المدققین، فتاوٰی اور اصحابِ فتاوٰی کے شیخ، صاحبِ مقامات کاملہ اور کمالاتِ زاہرہ وباہرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، علامہ اجل و ابجل، نہ کھلنے والے عقدوں کو کھولنے والے، علوم کے سمندر، مخفی رازوں کے واضح کرنے والے، صدر الشریعۃ، سنت کو زندہ کرنے والے، عظیم محدث و

الفقیہ العدیم النظیر التحریر لازالت لوامع افکارہ توضح غوامض المشکلات وانوار اسرارہ تحل المعضلات فی ھذا المرام۔

سوال اوّل امام راتب اگر محراب راگزاشتہ در مسجد یا در صحن بازائے وسط قیام نماید آیا ایں ترک مقام معین ومقام در غیر محراب مکروہ باشد یا نہ برتقدیر اول انچہ درکتاب مستطاب رد المحتار درباب الامامۃ مذکورست والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ لئلا یلزم عدم قیامہ فی الوسط فلو لم یلزم ذٰلک لایکرہ[1] فما لمراد منہ وبرتقدیر ثانی آنچہ درہماں کتاب در مکروہات الصلٰوۃ مسطوراست ومقتضاہ ان الامام لوترک المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الامۃ وھو ظاھر فی الامام الراتب دون غیرہ والمنفرد[2] الخ فمالمستفاد عنہ از عبارت اولٰی مفہوم می شود کہ ترکِ محراب سببِ کراہت نیست بلکہ لزوم عدم قیام فی الوسط باعث کراہت است پس اگر امام راتب ہم ترک محراب نمودہ در غیر محراب بمحاذات وسط صف

فقیہ، جن کی مثالیں نہیں، آپ کے افکار عالیہ ہمیشہ نہایت ہی مشکل پیچیدگیوں کو واضح کرتے رہیں، اور آپ کے اسرار کے نور اس مقصد کی مشکلات روشن کرتے رہیں۔

سوال اوّل مقررہ امام اگر محراب چھوڑ کر مسجد یا صحنِ مسجد محراب کے مقابل درمیان میں کھڑا ہوا تو کیا مقامِ مقررہ کا چھوڑنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو ردالمحتار کے باب الامامت کی اس عبارت کہ "ظاہر یہ ہے کہ یہ اس امام مقرر کے لئے ہے جو جماعتِ کثیرہ کا ہو تاکہ اس کا وسط میں کھڑا نہ ہونا لازم آئے، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کراہت نہیں" کا کیا معنی ہوگا؟ اور مکروہ نہیں تو اس کتاب کے باب مکروہاتِ نماز میں تحریر ہے "اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام نے محراب چھوڑ دیا اور دوسری جگہ کھڑا ہوگیا تو مکروہ ہے اگرچہ اس کا قیام صف کے درمیان میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کا یہ عمل اُمت کے عمل کے خلاف ہے اور یہ بات مقررہ امام میں واضح ہے مگر غیر مقرر امام اور منفرد میں نہیں" تو اس کا مفہوم کیا ہوگا؟ پہلی عبارت سے یہ سمجھ آرہا ہے کہ ترکِ محراب کراہت کا سبب نہیں بلکہ وسط میں کھڑا نہ ہونا سببِ کراہت ہے لہذا اگر مقرر امام بھی محراب ترک کردے اور کسی اور مقام پر اس کے محاذات میں صف کے درمیان

[1] رد المحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۶۸

[2] رد المحتار مطلب اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ " " " " ۱/ ۶۴۶

قیام نماید در مسجد باشد یا در صحنِ مسجد با جماعت قلیل کہ از و عدم محاذات وسط صف لازم نیاید مکروہ نباشد واز عبارت اخری مستفاد می شود کہ امام راتب را ترک محراب وقیام در غیر محراب مطلقاً اگرچہ بآزائے وسط صف باشد و بہر جا کہ بود اندرونِ مسجد یا بیرونِ مسجد در صحن وغیرہ مکروہ باشد لانہ خلاف عمل الامۃ وظاھرھما یدل علی التضارب و التنافی بینھما فکیف التطبیق۔

سوال دوم قیام امام در محراب بطوریکہ مصرح فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی است یعنی قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ چہ حکم دارد مباح یا سنّت، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی در جامع صغیر می فرمایند عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لاباس ان یکون مقام الامام فی المسجد وسجودہ فی الطاق ویکرہ ان یقوم فی الطاق اھ[1] وھکذا فی الھدایۃ و درکتاب الآثار می نویسند واما نحن فلا نری باسا ان یقوم بحیال الطاق مالم یدخل فیہ اذا کان مقامہ خارجا منہ و سجودہ فیہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ[2] فیفھم من ھذہ العبارات

کھڑا ہو خواہ مسجد کے اندر ہو یا صحنِ مسجد میں یا جماعت قلیل ہو تاکہ وسط صف کی عدم محاذات لازم نہ آئے تو یہاں کراہت نہ ہوگی اور دوسری عبارت سے پتا چلتا ہے کہ مقرر امام کا محراب کو ترک کرکے غیر محراب میں کھڑا ہونا خواہ صف کے وسط میں ہو اندرونِ مسجد یا صحنِ مسجد میں ہر جگہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عملِ اُمت کے خلاف ہے اور ان دونوں عبارات میں بظاہر تعارض و منافات ہے ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟

سوال دوم امام کا محراب میں اس طرح کھڑا ہونا جو فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے بیان کیا ہے یعنی خود خارج میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں کرے کیا حکم رکھتا ہے مباح یا سنّت؟ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ امام یعقوب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا ہے کہ امام کا مسجد میں کھڑا ہو کر محراب میں سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد لکھتے ہیں کہ رہا معاملہ ہمارا تو اگر امام محراب کے گوشے میں کھڑا ہو بشرطیکہ اس میں داخل نہ ہو اور اس کی قیام گاہ اس سے باہر ہو اور سجدہ اس کے اندر ہو تو ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یہی موقف ہے، ان تمام عبارات سے

---

[1] الجامع الصغیر باب فی الامام این یستحب لہ ان یقوم الخ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۱

[2] کتاب الآثار باب الصلوٰۃ فی الطاق " ادارۃ القرآن کراچی ص ۲۱

الاذن والرخصة فیه۔ واز اکثر کتب معتمدۂ فقہیہ ہم جواز مطلق مفہوم می شود کہ عبارات متون و شروح معتبرۂ مشہورہ یکرہ قیام الامام فی الطاق ولایکرہ سجودہ فی الطاق اذا کان قائما خارج المحراب[1] اھ ملخصا عینی کنز، لاسجودفیه وقدماہ خارجہ[2] الخ مختصرا درمختار، لایکرہ ان قام الامام فی المسجد وسجد فی الطاق الخ مختصرا قہستانی وغیرہا من العبارات المتقاربة لہا مشعر ہمیں معنی خواہند شد از ایں تصریحات معلوم می شود کہ قیام امام در محراب بطور مذکور مباح جائزست نہ کہ سنت ومندوب پس از ترک محراب وقیام در غیر آں ہیچ کراہتے لازم نیاید اما علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ در ردالمحتار از معراج الدرایہ ومبسوط نقل می فرمایند السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ[3] الخ ایضا السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری

یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اجازت و رخصت ہے، اور اکثر کتب فقہ جو معتمد ہیں ان سے بھی مطلق جواز مفہوم ہوتا ہے کیونکہ مشہور متون اور شروحات میں درج ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں جبکہ وہ خارج محراب کھڑا ہو اھ تلخیصا عینی کنز، محراب میں اس کا سجدہ مکروہ نہیں جبکہ اس کے قدم محراب سے خارج ہوں الخ اختصاراً، درمختار میں ہے اگر امام مسجد میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں ہو تو کراہت نہیں الخ اختصاراً، قہستانی اور دیگر کتب میں ایسی ہی قریب المعنی عبارات ہیں جن سے یہی معنی مترشح ہوتا ہے، ان تمام تصریحات سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام کا محراب میں مذکورہ طریقہ پر کھڑا ہونا جائز و مباح ہے سنت و مندوب نہیں لہذا محراب کا ترک اور دوسری جگہ کھڑے ہونے سے کراہت لازم نہیں آتی۔ لیکن علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں معراج الدرایہ اور مبسوط سے نقل کیا کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہوجائے، اگر کسی ایک جانب کھڑا ہوا تو کراہت ہوگی الخ وہاں یہ بھی ہے امام کا وسط صف کے مقابل کھڑا ہونا سنت ہے کیا آپ نے

---

[1] عینی علی الکنز باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۳

[2] درمختار باب ما یفسد الصلوٰۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[3] جامع الرموز للقہستانی فصل ″ ″ ″ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

[4] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب ″ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

ان المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وھی عینت لمقام الامام[1] ایضا والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویۃ اوفی ناحیۃ المسجد او الی ساریۃ لانہ خلاف عمل الامۃ قال علیہ الصلوۃ والسلام توسطوا الامام[2] الخ واز تاتارخانیہ می آرند ویکرہ ان یقوم فی غیر المحراب الابضرورۃ[3] ونیز می فرمایند یفھم من قولہ اوالی ساریۃ کراھۃ قیام الامام فی غیر المحراب ویؤیدہ قولہ قبلہ السنۃ ان یقوم فی المحراب وکذا قولہ فی موضع اٰخر السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف[4] الٰی اٰخر ماھو المنقول والمذکور فیہ کل ذلک یدل علی ان السنۃ للامام ان یقوم فی المحراب ویکرہ ان یقوم فی غیرہ فماصورۃ التطبیق بین ھذہ الاقوال المختلفۃ اوالترجیح لواحد علی وجہ یتبین بہ الصواب والحکم الصحیح آیا امام راتب

نہیں دیکھا کہ محرابیں مساجد کے درمیان بنائی جاتی ہیں جو امام کے مقام کا بھی تعین کر دیتی ہیں اور اصح قول جو امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میں امام کا دو ستونوں کے درمیان یا زاویہ یا مسجد کے گوشے یا ستون کی طرف کھڑا ہونے کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ یہ عمل اُمت کے خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا، امام کو درمیان میں کھڑا کرو۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ امام کا ضرورت کے بغیر محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام صاحب کے قول "یا ستون کی طرف" سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر محراب میں امام کا قیام مکروہ ہے اس کی تائید اس پہلے قول سے ہوتی ہے کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، اسی طرح دوسرے مقام پر ہے کہ سنّت یہ ہے کہ امام وسطِ صف کے مقابل کھڑا ہو اس بارے میں جو کچھ منقول و مذکور ہے وہ تمام اس پر دال ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنّت ہے اور غیر محراب میں قیام مکروہ ہے، تو اب ان مختلف اقوال میں تطبیق کیسے ہوگی یا ان میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دی جائے تاکہ درست رائے اور حکم صحیح واضح و متعین ہو جائے، کیا امام کا

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا " " " " " ۱/۶۴۶
[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب " " " " " ۱/۵۶۸
[4] " " " " " " " " " "

راقیام درصحنِ مسجد بمحاذاۃ محراب درصف کما ھو المتعاد فی دیارنا بنابر اعتبار فرق مسجد صیفی و شتوی جائز داشتہ شدہ یا بوجہے دیگر فالمسئول من الحضرۃ العلیۃ البھیۃ السنیۃ الرضیۃ المطھرۃ القدسیۃ ان نستفیض بتحقیق المقام وتوضیح المرام بحیث ینکشف بہ المشکل و ینحل بہ المعضل فتطمئن بہ الاوھام۔

محراب کے محاذی صحنِ مسجد میں قیام جیسا کہ ہمارے علاقے میں متعارف ہے بنابر اعتبار مسجد صیفی و شتوی جائز ہے یا کوئی اور صورت ہے، اس بارگاہ میں سوال ہے جو بلند، اعلیٰ، محبوب، پاکیزہ ومقدس ہے کہ ہمیں اس مقام کی ایسی تحقیق اور مقصد کی وضاحت عطا فرمائے جس سے مشکل حل ہوجائے اور ذہن مطمئن ہوجائیں۔(ت)

بینوا توجروا۔ فقیر حقیر مستہام غلام تراب الاقدام اذل خدام الحضور عالی مقام احقر الطلبہ محمد عبدالسلام سُنّی حنفی قادری جبلپوری عفی عنہ۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد برضمیر منیر ہدی تخمیر مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل التقی النقی الحفی الوفی الصفی الزکی الذکی السُنی السنی الجمیل الجلیل المولوی الشاہ محمد عبدالسلام القادری البرکاتی السنی الحنفی سلمہ اللہ تعالٰی بالعز والاکرام و السلامۃ والسلام وحمایۃ الاسلام وجعلناہ و ایاہ دار السلام آمین آمین یا ذا الجلال والاکرام مستتر نیست کہ مسئلہ مرسلہ سامی برچار سوال اشتمال دارد یکے نفی تنافی از دو عبارت علامہ شامی کہ جائے بنائے کراہت درحق امام عدم توسط صف را داشتہ است نہ ترک محراب را تا آنکہ اگر میانہ صف ایستد کراہت نبود اگرچہ ترکِ محراب گوید، ودگر جا نفس ترکش را تا آنکہ اگر در غیر محراب ایستد کراہت باشد گو میانہ صف باشش دوم دفع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ہم اس کی حمد بجالاتے ہیں اور اس کے رسول کریم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے روشن ضمیر، سراپا ہدایت، مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل تقی نقی لائق، تام، پاکیزہ، ستھرا، سنی، قیمتی، جمیل، بزرگ، اللہ تعالٰی ان کو عزت واکرام سے زندہ رکھے، ہمیں اور ان کو جنت میں داخل کرے، یا ذا الجلال والاکرام آمین! ارسال کردہ مبارک مسئلہ چار سوالات پر مشتمل ہے ایک یہ ہے کہ علامہ شامی کی دو عبارات میں منافات کی نفی مقصود ہے کہ ایک جگہ امام کے صف میں عدم توسط کو علتِ کراہت قرار دیا ہے نہ کہ ترکِ محراب کو، حتی کہ اگر امام صف کے درمیان کھڑا ہوجاتا ہے اگرچہ محراب میں نہیں تو اب کراہت نہ ہوگی، دوسرے مقام پر ترکِ محراب کو مکروہ کہا ہے حتی کہ اگر امام محراب چھوڑ کر

تدافع از تنصیصات متون وغیرہا کہ قیام در نفس محراب را مکروہ فرمودہ اند و بازائے او استادن را چنانکہ سجدہ در محراب افتد بہ لفظ لا باس بہ کہ مفید مجرد اباحت عاری از فضیلت بلکہ در غالب اطلاق مشعر بکراہت است تعبیر نمودہ' وتصریحات مبسوط امام خواہرزادہ ومعراج الدرایہ وتاتارخانیہ وغیرہا کہ قیام امام در محراب سنت است وترکش موجب کراہت واسارت، سوم آنکہ امام راتب را ترک محراب با وصف توسط صف در مسجد صیفی خواہ شتوی مکروہ باشد یا خیر، چہارم آنکہ امام را بازائے محراب ایستادن چنانکہ سجدہ درون طاق باشد سنت ووجہ فضیلت ست یا محض مباح ۔ دو سوال پیشیں تشابہ وتماثل ست عبارت اول شامی کہ ترک محراب را وجہ ایراث کراہت نداشت با نصوص متون موافق می آید کہ قیام بازائے محراب را لا باس بہ گفتند پیداست کہ ترک مباح کراہتے ندارد وعبارت دومش باقوال مبسوط و امثالہ مشایعت نماید کہ قیام فی المحراب چوں مسنون ست نفس ترکش ہر آئینہ مکروہ وزبون ست و سوال سوم نیز از ہمیں مناشی ناشی آمدہ کہ او نیز از کراہت و عدم کراہت ترک محراب مستحسن می رائد واگر نیکو بنگرند سوال چہارم نیز از ہمیں گریبان سر بر زدہ زیرا کہ چونکہ بتصریحات ائمہ مذہب قیام در نفس طاق مکروہ است لاجرم آنجا کہ حکم فضیلت

دُوسری جگہ کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے خواہ وہ درمیان صف ہی کھڑا ہوا ہو، دوم متون وغیرہ کی نصوص کے درمیان اختلاف کا تدافع ہے کہ بعض میں ہے کہ محراب میں قیام مکروہ ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنے کی صورت کو "اس میں کوئی حرج نہیں" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ یہ مباح ہے اور فضیلت سے عاری ہے بلکہ اغلب طور پر ان کا اطلاق کراہت پر ہوتا ہے، دوسرے متون مثلاً مبسوط امام خواہرزادہ، معراج الدرایہ اور تاتارخانیہ وغیرہ میں ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے اور اس کا ترک کراہت واساءت کا موجب ہے تیسرے یہ کہ امام مقررہ کا محراب کو چھوڑنا خواہ مسجد صیفی ہو یا شتوی' اگرچہ وہ صف کے درمیان ہی کھڑا ہو مکروہ ہے یا نہیں۔ چہارم یہ کہ امام کا محراب کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب کے اندر ہو' سنت اور سبب فضیلت ہے یا صرف مباح، پہلے دونوں سوالات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ امام شامی کی پہلی عبارت کہ امام کا ترکِ محراب مکروہ نہیں ان نصوصِ متون کے موافق ہے کہ امام کا مقابلِ محراب کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ترکِ مباح میں کراہت نہیں ہوتی، دُوسری عبارت شامی کی مبسوط وغیرہ کتب کے مناسب' موافق ہے کہ جب امام کا محراب میں کھڑا ہونا مسنون ہے تو اس کا ترک بہر طور مکروہ ہوگا۔ تیسرا سوال بھی اسی تشابہ کی بنا پر پیدا ہوا کہ ترکِ محراب کی کراہت وعدمِ کراہت ہے یا نہیں' اگر

یاسلب کراہت کنند مراد نباشد مگر قیام بازائے او قریباً پس سوال از دو شق فضیلت و اباحت محضہ راجع شود بتخالف ما فی المتون والمبسوط پس گرہے کہ ایں جا باید کشود ہمیں ست کہ معنی قیام فی المحراب و حکمش در حق امام از کراہت و اباحت و استحباب چیست و ہر چہ منقح شود در کلمات کرام ایں چہ تنافی ست۔

اسے مستحسن جانتے ہیں تو چوتھا سوال اسی سے جنم لے گا کیونکہ جب ائمہ مذہب کی تصریحات ہیں کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے تو اب ہر صورت فضیلت یا عدم کراہت کا حکم نہیں ہو سکتا مگر اس صورت میں جب قیام محراب کے مقابل ہو پس ان دُو شقوں کی وجہ سے، فضیلت و اباحت محضہ کا سوال متون اور مبسوط میں تخالف و تضاد کی طرف راجع ہو گیا، یہاں اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ امام کا محراب میں کھڑے ہونے کا معنی ومفہوم کیا ہے، امام کے حق میں اس کا کیا حکم ہے مکروہ، مباح یا مستحب ہے، جب ان بزرگوں کے کلمات سے یہ واضح ہو جائیگا تو (پھر دیکھنا ہے کہ) منافات کیا ہے!

فقیر گوید غفر اللہ لہ اما دفع تدافع میان حکم سنیت و تعبیر بلاباس بہ بنظر ظاہر خود آسان ست کلمہ لاباس گاہے برائے دفع توہم باس آید گو آں کار خود سنت بلکہ واجب باشد قال اللہ تعالٰی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بہما[1] عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما خالہ اش ام المومنین محبوبہ محبوب رب العلمین عائشہ صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علٰی بعلہا الکریم

فقیر (اللہ تعالٰی اسے معاف کرے) کہتا ہے کہ اسے سنّت قرار دینا اور "اس میں کوئی حرج نہیں" کہنا اس پر منافات کا دور کرنا نہایت ہی آسان ہے کیونکہ "لاباس بہ" کے کلمات دفع وہم کے لئے بھی آجاتے ہیں اگرچہ وُہ کام سنّت بلکہ واجب بھی ہو۔ اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: "صفا و مروہ اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے"۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنی خالہ ام المومنین محبوبہ محبوب رب العلمین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق (اللہ تعالٰی ان کے

[1] القرآن ۲/۱۵۸

وایہا وعلیہا وسلم را ازیں آیت پرسید وگفت فواللہ ما علی احد جناح ان لایطوف بالصفا والمروۃ ام المؤمنین فرمود بئس ما قلت یا ابن اختی ان ھذہ لوکانت کما اولتہا علیہ کانت لاجناح علیہ ان لایطوف بھما ولکنھا انزلت فی الانصار کانوا قبل ان یسلموا یھلون لمناۃ الطاغیۃ التی کانوا یعبدونھا عند المشلل فکان من اھل یتحرج ان یطوف بالصفا والمروۃ فلما اسلموا سئلوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ذلک قالوا یارسول اللہ انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالٰی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الایۃ وقد سن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الطواف بینھما فلیس لاحد ان یترک الطواف بینھما[1] نظر کردنی است ام المؤمنین چساں نفی حرج را بر دفع توہم حرج فرود آورد وہم عروہ رایک دم دلیل ساطع رد کرد کہ اگر چناں بودے لاجناح علیہ ان لایطوف بودے

مبارک خاوند ان کے والد گرامی خود ان کی ذات پر رحمت و سلام نازل فرمائے) سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا اللہ کی قسم صفا و مروہ کا طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو ام المؤمنین نے فرمایا اے بھتیجے! تُو نے بہتر قول نہیں کیا اگر اس کا معنٰی یہی ہوتا جو تُو نے کیا ہے تو اس کے الفاظ یُوں ہوتے "نہیں گناہ اس پر اگر وہ ان کا طواف نہ کرے" لیکن یہ تو انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے پہلے مقام مشلل میں "مناۃ" کی عبادت کیا کرتے تھے تو ان میں سے جو شخص حج کے لئے آتا وہ صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتا جب انصار اسلام لائے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتے ہیں، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "صفا و مروہ اللہ تعالٰی کی نشانیاں ہیں" (الآیۃ) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان طواف کو سنّت قرار دیا، تو اب کوئی ان کے طواف کو ترک نہیں کرسکتا۔ دیکھا ام المؤمنین نے نفی حرج کو دفع توہم پر چسپاں کرتے ہوئے حضرت عروہ کے وہم کو واضح دلیل سے رد کردیا اور کہا اگر معاملہ ایسے ہوتا تو الفاظ یہ ہوتے "نہیں گناہ اس پر کہ ان دونوں کا طواف نہ کرے" "ان کا طواف کرے" کے الفاظ

---

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۲

نہ ان یطوف یعنی منافی وجوب نفی حرج از ترک است نہ از فعل کہ او خود لازم وجوب است زیراکہ واجب را در ترک حرج باشد و ثبوت حرج دراں مستلزم انتفائے آں از فعل است و اثبات لازم منافی ثبوت ملزوم نباشد بلکہ مؤکد و مقرر آں است ایں معنی شریف را بالطف و اخصر لفظے ادا فرمود ولہذا چوں عروہ ایں حکایت پیش ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام برد ابوبکر گفت ان ھذا لعلم و آیت را سببے دیگر از اہل علم آورد کہ ذکر اللہ تعالٰی الطواف بالبیت ولم یذکر الصفا والمروۃ فی القراٰن قالوا یارسول اللہ کنا نطوف بالصفا والمروۃ وان اللہ تعالٰی انزل الطواف بالبیت فلم یذکر الصفا فھل علینا من حرج ان نطوف بالصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالٰی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الاٰیۃ قال ابوبکر فاسمع ھذہ الاٰیۃ نزلت فی الفریقین[1] الخ رواہ الشیخان ایں دگر نیز از ہماں وادی ست کما لایخفی در ردالمحتار باب مایکرہ فی الصلٰوۃ قبیل احکام المسجد

نہ ہوتے یعنی وجوب کے منافی ترک سے حرج کی نفی ہے، فعل سے حرج کی نفی منافی نہیں، فعل تو خود لازمِ واجب ہے کیونکہ ترکِ واجب میں حرج ہے اور اس میں ثبوتِ حرج اس بات کو مستلزم ہے کہ اس فعل کی نفی ہو اور کسی لازم کا اثبات ملزوم کے ثبوت کے منافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مؤکد اور ثابت کرنے والا ہوتا ہے، اس مبارک معنی کو انھوں نے کتنے احسن اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا، یہی وجہ ہے کہ جب یہ بات حضرت عروہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے رکھی تو انھوں نے کہا علم یہی ہوتا ہے، اس آیت کے نزول کا سبب اہلِ علم نے ایک اور بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے قرآن میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا مگر صفا و مروہ کے طواف کا ذکر نہ کیا تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم صفا و مروہ کا طواف کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا و مروہ کا ذکر نہیں کیا تو کیا ہمارا صفا و مروہ کا طواف کرنا صحیح نہیں؟ تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی: "بلاشبہ صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں" ابوبکر نے کہا اس آیت کو سنو جو دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے الخ (بخاری و مسلم) یہ دوسرا بھی اسی (دفع وہم) معاملہ سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ واضح ہے۔ ردالمحتار میں احکامِ مسجد سے تھوڑا سا

---

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

است، قد یقال ان لاباس ھنا
لدفع ما یتوھم ان علیہ باسا[1]
فی عدم الاجابۃ نیز در اوائل ادراك
الفریضۃ گوید لیس کلمۃ لاباس
ھنا للخلاف الاولی لان ذلك غیر مطرد
فیھا بل قد تاتی بمعنی یجب[2]
ہم در باب العیدین فرمود کلمۃ لاباس
قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر
من الجنائز والجھاد ومنہ ھذا
الموضع[3] اینجا نیز از آنکہ قیام فی الطاق را
مکروہ فرمودہ بودند توہم می شود کہ شاید ایں چناں
قیام کہ سجدہ در طاق افتد نیز مکروہ باشد
دفع ایں التباس را لاباس آوردند — اما
نفی تنافی از دو کلام شامی **فاقول**
محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی در ہر دو باب
کلام امام امام الکلام وکلمات علمائے کرام از
مبسوط و درایہ و تاتارخانیہ آوردہ مقتضایش
وانمود کہ قضیہ ایں سخن کراہت ترک محراب است
مرامام را مطلقا اگرچہ میانہ صف
ایستد ایں اطلاق را بنظر او
دو تخصیص بود، یکے مستفاد از حکم

پہلے "باب مایکرہ فی الصلوٰۃ" میں ہے یہ
کہا گیا ہے کہ اس مقام پر "لاباس" کا ذکر اس
وہم کے ازالے کے لئے، کہ یہاں حرج ہے، اور ادراک الفریضہ
کی ابتداء میں ہے لاباس کا کلمہ یہاں خلافِ اولٰی
کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ معنی غیر یقینی ہے
بلکہ وُہ تو بعض اوقات وجوب کا معنی دیتا ہے اور
باب العیدین میں بھی فرمایا لاباس کا کلمہ مندوب
کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بحر کے باب
الجنائز اور باب الجہاد میں ہے اور مذکورہ مقام
اس کے باب الجہاد سے ہے یہاں بھی فقہاء نے
جو طاق میں قیام کو مکروہ فرمایا تو اس سے وہم پیدا ہوا
شاید اس طرح کھڑا ہو کر سجدہ طاق میں کرنا بھی مکروہ
ہے لہذا اس کو لاباس کے ساتھ دفع کردیا — رہا
معاملہ امام شامی کی دو عبارات میں منافات ہونے
کا **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) محقق سامی علامہ
شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی
امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور
تاتارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان
کا مقتضٰی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال
میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا
ہو، اس کے اطلاق کے لئے ان کی نظر میں دو تخصیصیں

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴
[2] " " باب ادراك الفریضۃ " " " " ۱/۵۲۶
[3] " " باب العیدین " " " " ۱/۶۲۱

منصوص و آں تخصیص امام غیر راتب ست اے در مسجد محلہ زیرا کہ فرق احکام راتب وغیر او ہمانجاست اما مساجد القوارع والجوامع العامۃ وامثالھا فلا راتب لھا وان کان فلا فضل لہ علی غیرہ بل الکل فیھا سواء ولذا کانت کل جماعۃ فیھا جماعۃ اولٰی وکان الافضل فی کل جماعۃ ان تقام باذان واقامۃ جدیدین[1] کما نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا وبیناہ فی فتاوٰنا علماء تصریح فرمودہ اند کہ بعد امام راتب یعنی بعد جماعت اولٰی در مسجد محلہ امام دیگر را باید کہ از محراب عدول نماید **اقول** ولعل ذلك ابانۃ لشرف الاولٰی وتنبیھا علی ان من تاخر اُخر عن اشرف المقامات وایضا قد تأدی حق المسجد فلا یکرر فی صلٰوۃ مرتین لحدیث لا یصلی بعد صلٰوۃ مثلھا[2] رواہ ابن ابی شیبۃ عن امیر المؤمنین الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وظاھر کلام الامام محمد انہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح

ہیں، ایک تو حکم منصوص سے مستفاد ہے اور وہ تخصیص غیر مقررہ امام جب محلہ کی مسجد میں ہو، کے اعتبار سے ہے، کیونکہ مقرر اور غیر مقرر کے درمیان فرق مسجدِ محلہ ہی کے اعتبار سے ہے۔ رہا معاملہ مساجد شوارع یا عام جامع مسجد کا تو وہاں امام مقرر نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تو اُسے دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ اس میں تمام برابر ہیں اسی لئے وہاں کی ہر جماعت، جماعتِ اولٰی ہوتی ہے اور ہر جماعت میں افضل یہی ہے کہ وہ نئی اذان و تکبیر کے ساتھ ہو، اس پر خانیہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ مقرر امام یعنی جماعت اولٰی کے بعد مسجدِ محلہ میں دوسرے امام کو محراب سے عدول کرنا چاہئے **اقول** شاید اس میں پہلی کے شرف کا اظہار ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ ہر وہ شخص جو جماعت اولٰی سے مؤخر ہو جاتا ہے وہ اعلٰی مقامات سے بھی مؤخر رہ جاتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ مسجد کا حق ادا ہو گیا تھا لہذا نماز میں دو دفعہ تکرار اس حدیث کی بنا پر مناسب نہیں کہ "نماز کے بعد اس کی مثل نہ پڑھی جائے"، ابن ابی شیبہ نے اسے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے طور پر نقل کیا ہے اور امام محمد کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے، محقق علی الاطلاق نے فتح میں

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی المسجد مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ " ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۶

و محمد اعلم بذلک منا[1] اھ وقد حملہ
علی الجماعۃ الثانیۃ الامامان الجلیلان
فخر الاسلام و فخر الدین قاضی خان قال فی
البحر فالحاصل ان تکرار الصلوۃ ان
کان مع الجماعۃ فی المسجد علی ھیأتہ
الاولی فمکروہ[2] الخ وفی رد المحتار عن
الغنیۃ عن البزازیۃ عن ابی یوسف
اذا لم تکن علی الھیأۃ الاولی لا تکرہ
والا تکرہ قال وھو الصحیح و بالعدول
عن المحراب تختلف الھیأۃ وفیہ عن
التتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ[3]
ایں تخصیص چوں مبنی بر تنصیص بود ہر دو جا ار ایشاں
نمود، و در مکروہات خود سخنے در آں نفرمود بلکہ در
آخرش بجملہ فاغتنم ھذہ الفائدۃ لب کشود
دوم آنکہ از حکمت و علتش استنباط خواست
و تحقیقش علی ما اقول چناں است کہ معھود و متوارث
از زمان برکت توامان حضور سید الانس والجان
وعلی آلہ افضل الصلوۃ والسلام قیام امام در
محراب است فاما ظاہر ایں سنت مقصود لعینہا نیست
بلکہ لغیرہا و اصل سنت توسط امام در صف است
لحکم بالغۃ سیأتیك بیان بعضھا ان شاء اللہ تعالی
ولہذا جائیکہ قیام در محراب

فرمایا امام محمد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں، دو
بزرگ امام فخر الاسلام اور فخر الدین قاضی خاں نے
اسے دوسری جماعت پر محمول کیا ہے۔ بحر میں ہے حاصل
یہ ہے کہ اگر تکرار جماعت محلہ کی مسجد میں پہلی حالت پر ہے
تو مکروہ ہے الخ رد المحتار میں غنیہ وہاں بزازیہ سے
امام ابو یوسف کے حوالے سے ہے کہ جب پہلی حالت
کے مطابق نہ ہو تو کراہت نہیں ورنہ کراہت ہوگی فرمایا
یہی صحیح ہے اور محراب سے عدول کرلینے سے حالت
بدل جاتی ہے اور اس میں تاتارخانیہ وہاں ولوالجیہ
سے ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے یہ تخصیص چونکہ دونوں
جگہ پر نصوص فقہاء پر مبنی تھی اس لئے اس کی تصریح
کر دی اور مکروہات میں اس پر خود کچھ نہ فرمایا بلکہ اس
کے آخر میں یہ جملہ کہہ دیا "اس فائدہ کو غنیمت جان لو"
دوسری (تخصیص) اس کی حکمت اور علت سے
مستنبط ہوتی ہے اس کی تفصیل میرے نزدیک یہ ہے،
کہ حضور سید الانس والجن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ افضل
الصلوۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کا محراب
میں کھڑا ہونا آرہا ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت
بذاتہ مقصود نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے مقصود ہے بلکہ اصل
سنت امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے ان
عظیم حکمتوں کی وجہ سے جن میں سے بعض کا تذکرہ
آرہا ہے ان شاء اللہ تعالی، لہذا وہ جگہ جہاں محراب

[1] رد المحتار بحوالہ فتح القدیر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۱۶
[2] بحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶۲
[3] رد المحتار مطلب فی کراہیۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد " مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

باتوسط صف برطرف اقتدا اعنی جمع میان ہر دو نتواں کرد آنجا توسط صف اختیار کنند وقیام محراب راترک دہند مثلاً مسجد صیفی درجنب شتوی باشد و مردماں بکثرت گرد آمدند کہ ہردو مسجد لصفوف صلٰوۃ یکے شد آں گاہ را امام را حکم ست کہ محراب گزاشتہ بکنار دیوار ایستد تامیانہ صفہا باشد فی ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن مبسوط الامام بکر خواھر زادہ السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال علیہ الصلٰوۃ والسلام توسطوا الامام[1] پس ایں استدلال بحدیث وآں فرع نقیس خاصہ بعد از اں مقال کہ السنۃ ان یقوم فی المحراب وتعلیلش بآں کہ لیعتدل الطرفان و تعقیبش بقول او ولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ[2] ایں ہمہ با دلیل روشن است برآنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب

میں کھڑا ہونا اور وسط صف دونوں جمع نہ ہوسکتے ہوں تو وہاں امام وسط صف کو اختیار کرے اور محراب میں قیام کو ترک کردے مثلاً مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور لوگ کثیر ہوں اور دونوں مساجد کی دو صفیں ایک ہوجائیں تو امام کے لئے حکم ہے کہ وہ محراب کو چھوڑ کر دیوار کے پاس کھڑا ہو تاکہ صفوں کے درمیان ہوجائے، ردالمحتار میں معراج الدرایہ وہاں مبسوط امام بکر خواہر زادہ سے ہے کہ امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں برابری ہوجائے، اگر صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے اور اگر مسجد صیفی، شتوی کے پہلو میں ہو، مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ لوگ دونوں طرف برابر ہوجائیں اور اصح طور پر امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا امام کو درمیان میں کھڑا کرو، پس اس حدیث سے استدلال اور اس پر اس فرع کا ذکر کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، اس کی علت یہ تاکہ دونوں اطراف برابر ہوجائیں اور اس کے بعد یہ قول ذکر کرنا کہ اگر امام کسی صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا۔ یہ تمام کے تمام اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں،

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۲۰

[2] ایضاً

آرے غالب آنست کہ محراب بمقام تعادل طرفین
ست چوں صف کامل باشد خود ظاہر ست و آں گاہ
بترک محراب ترک سنت مقصودہ بالفعل نقد وقت ست
ورنہ در عامۂ مساجد استکمال صف بہ پس
آیندگاں مرجو و متوقع می باشد و زیادتش بنہجیکہ
توسط موجود از ہم باشد پس ترک محراب تعرض
بترک سنت و مخالف عمل امت بود
و احکام فقہیہ بر امور غالبہ انسحاب یابد ازیں
امر حکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند اما اگر
مسجد در جائے خامل بعید از ممر و مورد باشد
کہ ہمیں چند کساں در وے حاضر اند و آں بقدر زیادت
اصلا متوقع نیست آں جا اگر امام راتب در گوشۂ
از مسجد میانۂ صف موجود ایستد ظاہر مخالف سنت
نباشد زیرا کہ سنت قولیہ وسطوا الامام
خود ادا شد و سنتِ فعلیہ مبتنی بر ہمیں
حکمت بود و ایں جا از عدم توقع زیادت
مذکور خود را بمعرض مخالفت افگندن لازم
نیست و فعل متوارث از زمان اقدس
در مسجدے ست از اشہر و اعمر مساجد
بود ہمچو مسجدے خامل را بر آں قیاس نتواں
کرد و کراہت حکم شرعی ست بے دلیل
شرعی رنگ ثبوت نیابد پس
ظاہرا ایں صورت نادر تر باشد
ایں ست مطمح نظر علامۂ شامی و
ایں جملہ مطالب را با وجز کلام

ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں
دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل
ہو تو خود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر
سنتِ مقصودہ کو ترک کرنا یعنی وسط کا ترک لازم آئیگا
ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے
صف کا مکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے زائد بھی ہوسکتے ہیں
لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت
میں محراب کو ترک کرنا سنت کا ترک اور امت کی مخالفت ہوگی۔
اور احکامِ فقہیہ اکثر طور پر امورِ غالبہ پر جاری کیے جاتے
ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے
کو سنت قرار دیا گیا ہے، اب اگر بے آباد مسجد
ایسی جگہ پہ ہے جو گزرگاہ اور جائے ورود سے دور
ہے اس میں چند لوگ اکٹھے ہیں اب اس سے
زیادہ افراد کی توقع بھی نہیں تو امام اس مسجد کے
کسی کونے میں موجود صف کے درمیان کھڑا ہوسکتا
ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت کے خلاف نہیں
کیونکہ سنتِ قولیہ "امام کو درمیان میں کھڑا کرو"
پر عمل ہو رہا ہے اور سنتِ فعلیہ بھی اسی حکمت پر
مبنی ہے اور اس جگہ زیادہ کی عدم توقع سے مخالفت
میں ڈالنا لازم نہیں آتا، اور آپ کی ظاہری حیات
سے جو معمول چلا آرہا ہے وہ مشہور اور آباد مسجد
میں ہے اس طرح کی گمنام مسجد کو اس پر قیاس
نہیں کیا جاسکتا، کراہت حکم شرعی ہے جو کسی شرعی
دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی تو ایسی صورت کا
ظہور نادر تر ہے، علامہ شامی کا مطمحِ نظر یہی ہے
اور ان تمام مطالب کو انھوں نے نہایت ہی اختصار

دریں دو لفظ ادا فرمود و الظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعۃ کثیرۃ[1]

فمعنی قولہ الامام الراتب ای امام الجماعۃ الاولٰی دون الثانیۃ وھو فی مسجد المحلۃ ظاھر و فی غیرہ کل امام لان جمیع جماعاتہ اولٰی فالکل فی حکم الراتب فی مسجد المحلۃ ومعنی قولہ لجماعۃ کثیرۃ ای واقعۃ او متوقعۃ وکذا قولہ لئلا یلزم ای حالا او مالا ظنا واحتمالا ھذا ما یعطیہ الفقہ فی تفسیر کلامہ وتبیین مرامہ واللہ تعالٰی اعلم باحکامہ لکن ازانجا کہ برخلاف تخصیص اول اینجا نصے کہ مفید او باشد بدست نبود باستظہار خودش بودن او تصریح نمود و در آخر امر بتامل فرمود زیرا کہ می تواند کہ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام را در نفس قیام امام راتب فی المحراب حکمتے باشد پس جزم بحکم نتواں نمود کما ھو داب العلماء فی ابحاثھم ایں را تنافی نتواں گفت کہ جائے بر منصوص و مفاد بر نصوص اقتصار ورزیدہ و جائے بہ رائے خود استظہار خصوصے و گر نمودہ نظر تا ایں ترک و

کے ساتھ ان دو الفاظ میں بیان کردیا ہے "اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مقرر امام اور جماعت کثیرہ کے لئے ہے" امام راتب سے مراد پہلی جماعت کا امام ہے دوسری کا نہیں اور یہ بات مسجدِ محلہ میں ظاہر ہے، اس کے علاوہ مسجد میں ہر امام مراد ہے کیونکہ وہاں کی تمام جماعتیں اُولٰی ہیں لہذا وہاں کا ہر امام مسجد محلہ کے امام مقرر کے حکم میں ہوگا، جماعت کثیرہ سے مراد نفس الامر میں لوگ کثیر موجود ہوں یا ان کی توقع ہو اسی طرح اس کا قول "تاکہ لازم نہ آئے" حالاً یا مآلاً، ظناً اور احتمالاً مراد ہے جو شامی کے کلام کی تفسیر و مقصد کی تفصیل کے بارے میں عطا ہوا، اللہ تعالٰی اپنے احکام کا سب سے زیادہ عالم ہے لیکن اس وجہ سے کہ تخصیص اول کے خلاف اس جگہ کوئی ایسی نص جو انھیں مفید ہوتی ان کے ہاتھ میں نہ تھی تاکہ اپنے اظہار کی صورت میں اس کی تصریح کرتے اور آخر میں "غور کرو" فرمایا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ہاں محراب میں امام راتب کے نفسِ قیام میں کوئی حکمت ہو۔ لہذا اس پر جزماً حکم جاری نہیں کیا، علماء کا ایسے مقامات میں بحث کا یہی طریقہ رہا ہے۔ تو اسے منافات نہیں کہہ سکتے "ایک جگہ پر حکم منصوص اور نصوص سے مستفاد پر منحصر ہے اور دوسری جگہ خود اپنی رائے کا اظہار ہے اس ترک و

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

اظہار و اقتصار و استظہار در کلام شراح و محشین
و خود علامہ شامی بوفور یافتہ می شود فانھم اذا
لم یجزموا بما استظھروا لم یتات لھم
المشی علیہ وانما یمشون علی المنصوص
وینقطعون الیہ ویقفون لدیہ۔

اما تحقیق کلام در تفسیر و احکام محراب و قیام
فاقول وباللہ التوفیق وبہ الاعتصام
حضرت عزہ منزہ از صورت جلت آلائہ و
توالت نعماؤہ دریں عالم ہر شیئ را
صورتے دادہ است وہر صورت را حقیقتے
نہادہ شرع مطہر در غالب احکام
مطمح نظر حقیقت شیئ را داشت و
صورت را نیز مہمل نگذاشت اے بسا
احکام کہ تنہا بر صورت میرود و گاہے مجموع
حقیقت وصورت بہیأت اجتماعیہ ملحوظ
می شود وکل ذلك جلی عند فضلکم
لایخفی علی مثلکم پس چنانکہ مسجد را
حقیقتے ست وآں بقعۂ مخصوصہ موقوفہ
للصلوٰۃ مفرزۃ فی جمیع الجہات عن حقوق
العباد ست کہ ہیچ بنائے عمارت را در سنخ
ماہیتش مدخلے نیست فی الخانیۃ و
فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن
الواقعات للامام الصدر الشہید
رجل لہ ساحۃ لابناء

اظہار اور اقتصار و استظہار کے متعدد نظائر شارحین
محشین اور خود علامہ شامی کے ہاں کثرت کے ساتھ
موجود ہیں کیونکہ جب تک فقہاء کو اپنی رائے پر جزم
نہ ہو وہ اس پر عمل نہیں کرسکتے وہ احکام منصوصہ
پر چلتے ہیں انھیں کی طرف انقطاع اور رجوع کرتے
ہیں اور انھیں پر گامزن ہوجاتے ہیں۔

اب رہ گیا معاملہ محراب و قیام کے احکام و
تفسیر کا تو اللہ کی توفیق اور اس کے سہارے سے
میں کہتا ہوں اس ذات اقدس نے جو صورت سے
منزّہ ہے اس کی قدرتیں اور نعمتیں مسلسل ہیں اس
کائنات میں ہر شیئ کو اس نے صورت بخشی ہے
اور ہر صورت کو ایک حقیقت دے رکھی ہے شریعت
مطہرہ کے احکام میں مطمح نظر اغلب طور پر شے کی حقیقت
ہے لیکن صورت شے کو بھی بے فائدہ نہیں چھوڑا
بہت دفعہ احکام صورت پر جاری ہوتے ہیں اور
بعض اوقات حقیقت وصورت دونوں کے مجموعہ
پر بحیثیت اجتماعی احکام لاگو ہوتے ہیں، فاضل
لوگوں کے ہاں یہ نہایت ہی واضح اور آپ جیسے
لوگوں سے مخفی نہیں جیسا کہ مسجد کی حقیقت ہے
جس سے مراد وہ بقعہ ہے جو نماز کے لئے مخصوص
وقف شدہ ہو اور ہر لحاظ سے بندوں کے حقوق
سے علیحدہ کیا گیا ہو اس کی حقیقت میں عمارت
کا کوئی دخل نہیں، خانیہ اور ہندیہ میں ذخیرہ سے
وہاں امام صدر الشہید کی واقعات کے حوالے
سے ہے کہ ایک آدمی کی کھلی جگہ تھی جس میں کوئی

فیھا امرقوما ان یصلوا فیھا ابدا و امرھم بالصلٰوۃ مطلقاً ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا لوماتٍ لایورث عنہ[1] اھ مختصرا در آیۂ کریمہ انما یعمر مسٰجد اللہ من اٰمن باللہ[2] وکریمہ ولاتباشروھن وانتم عاکفون فی المسٰجد[3] وحدیث خیر البقاع المساجد وشر البقاع الاسواق[4] رواہ الطبرانی وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر ومعناہ لمسلم عن ابی ھریرۃ ولاحمد والحاکم عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث لاصلٰوۃ لجار المسجد الا فی المسجد[5] رواہ الدارقطنی عن جابر وابی ھریرۃ و فی الباب عن امیر المؤمنین علی وعن ام

تعمیر نہ تھی اس نے لوگوں سے کہا یہاں تم ہمیشہ نماز پڑھا کرو یا صرف مطلق نماز کا حکم کیا اور ہمیشگی کی نیت کی تو یہ جگہ مسجد قرار پائے گی اب وہ شخص اگر فوت ہوجاتا ہے تو اس کے ورثا اس زمین کے مالک نہ ہوں گے اھ آیت مبارکہ "اللہ کی مساجد وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں"۔ آیت کریمہ "جب تم مساجد میں معتکف ہو تو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو" اور یہ حدیث کہ "سب سے اعلٰی جگہ مساجد ہیں اور بدتر جگہ بازار ہیں"۔ اسے طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور مسلم نے اسی معنی کی روایت حضرت ابوہریرہ سے امام احمد اور حاکم نے حضرت جبیر بن مطعم سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ یہ اور حدیث کہ "مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں"۔ اسے دار قطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، اس سلسلہ میں امیر المومنین

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المسجد وما یتعلق بہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

[2] القرآن ۹/ ۱۸

[3] القرآن ۲/ ۱۸۷

[4] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی عن ابن عمر باب فضل المسجد مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۶
الجامع الصغیر حدیث ۴۰۰۲ " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۰
کنز العمال فضائل المسجد مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی موسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۵۲-۶۴۸

[5] سنن الدار قطنی کتاب الصلٰوۃ " نشر السنۃ ملتان ۱/ ۴۲۰

المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واکثر احادیث واحکام فقہیہ متعلقہ بمساجد نظر اصلی یا کلی بہمیں حقیقت است و او را صورتے ست کہ عبارت از بنائے مخصوص بروجہ مخصوص در آیہ کریمہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا[1] وکریمہ والذین اتخذوا مسجدا ضرارا[2] وحدیث ابنوا المساجد واتخذوھا جما[3] رواہ البیہقی عن انس وابن ابی شیبۃ عنہ و عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحدیث ما امرت بتشیید المساجد[4] رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند صحیح عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومسئلہ نقش ونگار مسجد بآب زر وغیرہا مراد ہمیں صورت

حضرت علی اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ یہ تمام اور دیگر احادیث اور احکام فقہیہ کا تعلق بنظر اصلی یا کلی مسجد کی حقیقت کے ساتھ ہے البتہ مسجد کی ایک صورت ہوتی ہے جو بنائے مخصوص بروجہ مخصوص سے عبارت ہے، درج ذیل آیات اور احادیث میں یہی صورت مراد ہے "اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو یہود و نصارٰی کی عبادت گاہیں اور مساجد گرادی جاتیں جن میں اللہ کا ذکر کثیر کیا جاتا ہے" "وہ لوگ جنھوں نے مسجد ضرار کو بنایا" اور حدیث "مساجد منڈی بناؤ ان میں کنگرے نہ رکھو۔" اسے بیہقی نے حضرت انس اور ابن شیبہ نے ان سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا حدیث "مجھے مساجد مزین کرنے کا حکم نہیں دیا گیا" اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ مسجد کو سونے کے پانی کے ساتھ نقش و نگار کرنا کا تعلق صورت مسجد کے ساتھ

---

[1] القرآن ۲۲/ ۴۰

[2] القرآن ۹/ ۱۰۷

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی باب کیفیۃ بناء المسجد مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۹

[4] السنن ابوداؤد باب فی بناء المساجد ″ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۵

ست ہمچناں محراب صورتے دارد و آں طاق معین
در جدار قبلہ است و حقیقتش کہ ایں صورت برآں علم
باشد موضعے ست از مسجد برائے قیام امام
ملحوظ بدو لحاظ یکے آنکہ در عرض مسجد (کہ
خط عمود ست بر خط مار از مصلی بقبلہ چنانکہ
در دیار ما جنوباً شمالاً) واقع در وسط بود لحدیث
وسّطوا الامام و سدّوا الخلل[1] رواہ
ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی
اللہ تعالٰی عنہ عن النبی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
وحکمت دراں تعدیل و اعتدال
در قُرب و بُعد رجال و سماع قراءت
و اطلاع انتقال و سریان فیوض بر یمین و
شمال از امام ست دوم آنکہ در جہت
قبلہ تا حد تیسر شرعی و عادی ہرچہ
تمام تر اقرب بقبلہ باشد لحدیث
کان بین مصلی رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
وبین الجدار ممر الشاۃ[2]، رواہ
الائمۃ احمد والشیخان عن سہل بن سعد
رضی اللہ تعالٰی عنہ و
حدیث لایزال قوم یتأخرون حتی

ہی ہے۔ اسی طرح محراب کی ایک صورت ہے کہ
وہ طاق جو قبلہ کی دیوار میں ہوتا ہے اور اس کی
حقیقت جس پر یہ صورت علامت ہے وہ جگہ ہے جو
قیامِ امام کے لئے دو لحاظ سے ہو، اس میں ایک لحاظ
یہ ہو کر عرضِ مسجد میں (کہ گزرنے والے خط پر خطِ عمود
ہو جو نمازی سے قبلہ کی طرف گزرنے والے خط پر
جیسا کہ ہمارے علاقے میں جنوباً شمالاً) وسط
میں واقع ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ "امام کو
درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے رخنے بند کرو"
اسے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی
عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم سے روایت کیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے
کہ لوگوں کے قرب و بُعد میں برابری ہو تاکہ قراءت
سنے، امام کے اوپر نیچے انتقال پر اطلاع اور
دائیں بائیں لوگوں پر فیضان میں آسانی ہو جائے،
دوسرا لحاظ یہ کہ جہتِ قبلہ میں ہو تاکہ حدِ شرعی و عادی
تمام تر قبلہ سے اقرب ہو اس حدیث کی بنا پر کہ
نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مصلّٰی اور دیوار
کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی، اسے
امام احمد، بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعد
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث
کہ ہمیشہ لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے حتی کہ

---

[1] سنن ابو داؤد مقام الامام فی الصف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۹
[2] صحیح البخاری باب قدر کم ان ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۱

يؤخرهم الله عزوجل[1] رواه مسلم
وابوداؤد والنسائي وابن ماجة
عن ابي سعيد رضي الله تعالٰى عنه عن
النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم
وحديث ابن مسعود رضي الله تعالٰى عنه لايصلين
احدكم وبينه وبين القبلة فجوة[2] رواه
عبد الرزاق في مصنفه پس حكمت در وے
توسيع برائے مقتديان وپس آيندگان و
عدم تضييق بر ذاكران وگزرندگان وعدم تعطيل
پارهٔ از قبلهٔ مسجد باہمال آں وتفاؤل حسن
بقرب رحمت ونزديكي رحمان ست جل وعلا
فان احدكم اذا قام في صلوته فانه
يناجي ربه وان ربه بينه
وبين القبلة[3] كما رواه الشيخان
وغيرهما عن انس رضي الله
تعالٰى عنه عن النبي صلى الله
تعالٰى عليه وسلم پيداست وتعيين ايں
موضع را بطاق معروف بلكه بهيچ بنا هرگز نياز نيست
تا آنكه اگر مسجد ساحتے ساده باشد ايں موضع
بتعيين وتحديد او خود متعين مى شود در زبان عرب نيز معنى
محراب با صورت طاق جفت نيست عربان هر مكان رفيع وصدر

اللہ تعالٰی انھیں مؤخر فرمادے گا۔" اسے مسلم،
ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ حضرت ابن سعد
کی یہ حدیث کہ "تم میں ہرگز کوئی نماز اس طرح ادا
نہ کرے کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان بیکار خالی
جگہ رہے" اسے عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر
کیا ہے اس میں مقتدیوں اور بعد میں آنے والوں
کے لئے وسعت، ذاکرین اور گزرنے والوں کے لئے
عدم تنگی، مسجد کے قبلہ کی جانب کسی گوشے کا مہمل
نہ ہونا، اللہ تعالٰی کے قربِ رحمت کے لئے نیک
فال ہے کیونکہ جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو
وہ اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہوتا ہے اس نمازی
اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے جیسا کہ
بخاری ومسلم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی
عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا،
محراب کو طاقِ معروف یا کسی اور تعمیر کی حاجت نہیں
بلکہ اگر مسجد سادہ میدان ہو تو بھی مسجد کی حدود
خود بخود متعین ہوجاتی ہیں اور عربی زبان میں محراب
کا اطلاق صرف طاق پر ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر بلند جگہ،
صدرِ مجلس اور گھر کی اعلٰی جگہ کو محراب کہا جاتا ہے

۱؎ صحیح مسلم تسویۃ الصفوف واقامتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲
۲؎ المصنف لعبدالرزاق حدیث ۲۳۰۶ باب کم یکون بین الرجل وبین سترتہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۶
۳؎ صحیح البخاری حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۸

مجلس واشرف مواضع بیت را محراب نامند لانه مما یتنافس فیہ ویتنازع علیہ فربما ادی الی حرب وقتال وفی الحدیث اتقوا ھذہ المذابح یعنی المحاریب[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال المناوی فی التیسیر ای تجنبوا تحری صدور المجالس یعنی التنافس فیہا[2] ومحراب مسجد حسب تصریح ائمہ لغت وتفسیر از ہمیں معنی ماخوذ ست لانہ صدر المقام ومقدمہ واشرف موضع فیہ لکونہ مقام الامام اوسط قطعۃ تلی القبلۃ لاجرم محراب را بمطلق مقام فی المسجد تفسیر کردہ اند در مجمع بحار الانوار ست دخل محرابا لھم ھو الموضع العالی المشرف وصدر المجلس ایضا ومنہ محراب المسجد وھو صدرہ واشرف موضع فیہ ومنہ[3] ح انس کان یکرہ المحاریب ای لم یکن یحب ان یجلس فی صدر المجالس ویترفع علی الناس در قاموس فرمود المحراب الغرفۃ وصدر البیت اکرم

کیونکہ اس میں ایک دوسرے پر رشک کرتے اور اس حصول میں جھگڑتے ہیں لہٰذا اوقات جنگ وقتال تک نوبت جا پہنچتی ہے، اور حدیث میں ہے ان مذابح یعنی محرابوں سے بچو، اسے طبرانی نے کبیر اور بیہقی نے سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، شیخ مناوی نے تیسیر میں فرمایا یعنی صدورِ مجالس کی تلاش سے بچو یعنی اس میں تنافس سے بچو۔ ائمہ لغت وتفسیر کی تفسیر کے مطابق مسجد کا محراب بھی اسی معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ صدر مقام اور اعلٰی جگہ ہوتی ہے اس لئے کہ امام کی جگہ قبلہ سے متصل سب سے وسط میں ہے اسی لئے محراب کی تفسیر مسجد میں مطلق مقام سے کی ہے، مجمع بحار الانوار میں ہے وہ ان کے محراب میں داخل ہوا اور وہ محراب بلند وعالی جگہ ہے، صدرِ مجلس کو بھی کہا جاتا ہے اسی سے محرابِ مسجد ہے اور یہ صدر اور اعلٰی جگہ ہے، اسی پر حدیث دال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ محاریب کو پسند نہ کرتے یعنی لوگوں پر بلند اور صدرِ مجلس کے طور پر بیٹھنا پسند نہ کرتے۔ قاموس میں ہے محراب المارى، صدر گھر، گھر کا اعلٰی مقام

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب فی کیفیۃ بناء المساجد مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۹
[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۵۲ " دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۴
[3] مجمع بحار الانوار باب الحاء مع الراء " منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۴۹

مواضعہ ومقام الامام من المسجد و الموضع ینفرد بہ الملك فیتباعد عن الناس[1] در مختار رازی منتخب صحاح ست المحراب صدر المجلس ومنہ محراب المسجد[2] در صراح ست محاریب پیشگاہ ہائے مجالس و منہ محراب المسجد[3] در مصباح المنیر ست المحراب صدر المجلس ویقال ھو اشرف المجالس وھو حیث یجلس الملوك والسادات و العظماء ومنہ محراب المصلی[4] در تاج العروس ست المحراب الغرفۃ وموضع العالی نقلہ الھروی فی غریبہ عن الاصمعی وقال الزجاج المحراب ارفع بیت فی الدار وارفع مکان فی المسجد وقال ابوعبیدۃ المحراب اشرف الاماکن قال ابن الانباری سمی محراب المسجد لانفراد الامام فیہ وبعدہ من القوم[5] وفی لسان العرب المحاریب صدور المجالس ومنہ محراب المسجد ومنہ محاریب غمدان بالیمن والمحراب القبلۃ ومحراب

مسجد میں امام کی جگہ، اور اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بادشاہ تنہا بیٹھتا ہو تاکہ لوگ دور رہیں' مختار رازی منتخب صحاح میں ہے کہ محراب صدرِ مجلس کو کہا جاتا ہے، اور اسی سے محراب مسجد ہے۔ صراح میں ہے محاریب مجالس کی اگلی جگہ، اسی سے محرابِ مسجد ہے۔ مصباح المنیر میں ہے محراب مجلس کے لئے اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے وہ اعلیٰ جگہ ہے کہ وہاں بادشاہ، سادات اور بڑے لوگ بیٹھتے ہیں، اسی سے عیدگاہ کا محراب ہے۔ تاج العروس میں ہے لفظ محراب کو ہروی نے غریب میں اصمعی سے نقل کیا اور زجاج نے کہا کہ گھر کا سب سے بلند مقام محراب کہلاتا ہے اور مسجد میں بلند جگہ۔ ابوعبیدہ نے کہا محراب بزرگ جگہ ہے۔ ابن الانباری کہتے ہیں کہ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں امام اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ محاریب سے مراد جائے صدور ہے اسی سے محرابِ مسجد ہے، اسی سے محرابِ مسجد ہے، اسی سے یمن میں غمدان کے محراب اور محراب قبلہ ہے'

---

[1] القاموس باب الباء فصل الحاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵
[2] الصحاح " " " دار العلم للملایین بیروت ۱/ ۸۸
[3] الصراح " " " مجیدی کانپور ص ۲۴
[4] مصباح المنیر تحت لفظ الحرب " منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/ ۱۲۸
[5] تاج العروس فصل الحاء من باب الباء " احیاء التراث بیروت ۱/ ۲۰۷

المسجد ایضا صدرہ واشرف موضع فیہ والمحراب اکرم مجالس الملوك عن ابی حنیفۃ وقال ابو عبیدۃ المحراب سید المجالس ومقدمھا واشرفھا قال وکذلك ھو من المساجد[1] اھ ملخصاً در معالم التنزیل فرمود المحراب اشرف المجالس ومقدمھا وکذلك ھو من المسجد[2] در انوار التنزیل ست (المحراب) ای الغرفۃ او المسجد او اشرف مواضعہ ومقدمھا سمی بہ لانہ محل محاربۃ الشیطان کانھا (ای سیدتنا مریم) وضعت فی اشرف موضع من بیت المقدس[3] در شرح او عنایۃ القاضی ست ذکر للمحراب معانی المشھور منھا الاخیر ولذا اقتصر علیہ اخیراً فی قولہ کانھا الخ[4] در جلالین ست (المحراب) الغرفۃ وھی اشرف المجالس[5] در تفسیر کبیر ست المحراب الموضع العالی الشریف وقیل المحراب اشرف المجالس

مسجد کا محراب بھی اس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے یہ امام ابو حنیفہ سے ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ محراب مجالس کی اعلیٰ و اشرف جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح مساجد کے محراب ہیں اھ تلخیصاً۔ معالم التنزیل میں ہے محراب سے مراد مجالس کی اعلیٰ اور مقدم جگہ ہے اور مسجد میں بھی محراب کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ انوار التنزیل میں ہے (محراب) یعنی کمرہ یا مسجد یا کمرہ و مسجد کی اعلیٰ و اشرف جگہ مراد ہے یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطان سے محاربہ کی جگہ ہوتی ہے گویا (سیدہ مریم علیہا السلام) بیت المقدس کی اعلیٰ جگہ پر پیدا ہوئیں، اس کی شرح عنایۃ القاضی میں ہے کہ محراب کے متعدد معانی ہیں ان میں سے مشہور آخری ہے اسی لئے ماتن نے اس آخری معنی پر "کانھا وضعت الخ" کے الفاظ سے اقتصار کیا۔ جلالین میں ہے (محراب) کمرہ، یہ مجالس کی اعلیٰ جگہ ہوتی ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے محراب سے مراد بلند و اعلیٰ جگہ ہے، بعض کے نزدیک مجالس کے لئے

---

[1] لسان العرب	فصل الحاء المھملۃ	مطبوعہ دار صادر بیروت	۳۰۵/۱
[2] معالم التنزیل علی ہامش الخازن	سورہ آل عمران	مطبوعہ مصطفی البابی بیروت	۳۴۲/۱
[3] انوار التنزیل (بیضاوی)	"	" مطبع مجتبائی دہلی	۸/۲
[4] حاشیۃ الشہاب المعروف عنایۃ القاضی	"	" دار صادر بیروت	۳۳/۳
[5] تفسیر جلالین	"	" مطبع مجتبائی دہلی	۴۸/۱

وارفعها[1] در کشاف ست غرفة و قیل
اشرف المجالس و مقدمها[2] این ست
معظم عبارات ائمۂ فن کہ از ہماں نفس موضع
نشان می دہد نہ از صورت طاق و چپاں
ازو نشان دہند کہ او خود حادث ست در
مساجد قدیمہ تا سال ہشتاد و ہشت ہجری
نامے ازاں نبود افضل المساجد مسجد الحرام
ہنوز ازاں خالیست و در مسجد اکرم سید عالم
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیز نہ بزمان اقدس بود نہ
بعہد خلفائے راشدین نہ بعہد امیر معاویہ و عبداللہ ابن
زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بلکہ ولید بن عبدالملک
مروانی زمانۂ امارتِ خود احداث کردہ است و
ما ناکہ حامل برآں غیر زینت اعلام مقام امام بعلامے
ظاہرہ متبینہ باشد کہ در توسط صف خاصہ
بمساجد کبار حاجت بنظر و آزمودن نیفتد و لشب
نیز بے روشنی مدرک شود و برائے مقتدیاں بسجدۂ امام
در طاق فراخی فراغ ہم نماید چوں کار مشتمل مصالح
بود رواج گرفت و زاں باز در عامہ بلادِ اسلام
معہود شد پس اطلاق محراب برآں نام مُعیّن برائے
مُعیّن ست اعنی تسمیة الدال باسم المدلول سید سمہودی[عــہ]

اعلیٰ وارفع جگہ ہے۔ کشاف میں ہے محراب کا معنی کمرہ،
بعض کے نزدیک مجالس کے لئے اعلیٰ واشرف جگہ
مراد ہوتی ہے۔ محراب کے بارے یہ ہیں تمام ائمہ فن
کی عبارات جن سے واضح ہو رہا ہے کہ اس سے مراد
جگہ ہے طاق وغیرہ کی صورت کا نام نہیں بلکہ اٹھاسی
ہجری سے پہلے مساجد قدیمہ میں اس کا وجود نہ ہوتا تھا
سب سے افضل مسجد مسجد حرام اس سے اب تک
خالی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری
حیات، خلفاء راشدین، امیر معاویہ اور عبداللہ بن
زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں مسجد نبوی میں
صورت محراب نہیں تھی بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی
نے اپنے دورِ امارت میں محراب بنایا اور یہ تسلیم ہے
کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پر علامت کے طور پر
محراب کا ہونا بہتر ہے خصوصاً بڑی مساجد میں
تاکہ ہر دفعہ غور و فکر نہ کرنا پڑے اور رات کو بغیر روشنی
کے امام کو پایا جاسکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی
وجہ سے مقتدیوں کو وسعت بھی مل جاتی ہے تو جب
محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کا رواج ہوگیا اور
تمام بلادِ اسلامیہ میں یہ معروف ہُوا تو یہ یہاں مدلول
کا نام دال کو دیا گیا ہے۔ سید سمہودی قدس سرہ نے

عــہ بتصریحات ہؤلاء الکبراء رحمہم اللہ

اکابر رحمہم اللہ تعالٰی کی ان تصریحات سے یہ بات
(باقی برصفحہ آئندہ)

۱؎ التفسیر الکبیر سورۂ آل عمران میں مذکور ہے مطبوعہ البہیة المصریة مصر ۸/ ۳۱
۲؎ تفسیر الکشاف " انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۲۷

قدس سرہٗ در خلاصۃ الوفا در فصل ہشتم باب چہارم فرماید یحیٰی عن عبد المھیمن بن عباس عن ابیہ۔ مات عثمٰن ولیس فی المسجد شرفات ولامحراب فاول من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزیز[1] ہمدر فصل دوم ازاں فرمود لم یکن للمسجد محراب فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا فی عھد الخلفاء بعدہ حتی اتخذ عمر بن عبد العزیز فی امارۃ الولید[2] امام عسقلانی در فتح الباری شرح صحیح بخاری آورد قال الکرمانی من حیث انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقوم بجنب المنبر ای ولم یکن لمسجدہ محراب[3] امام عینی در عمدۃ القاری شرح بخاری فرمود

خلاصۃ الوفا کے باب چہارم کی آٹھویں فصل میں فرمایا یحیٰی نے عبد المھیمن بن عباس انھوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید ہُوئے تو مسجد میں کنگرے اور محراب نہ تھے سب سے پہلے محراب اور کنگرے بنانے والے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، اسی کی دوسری فصل میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفائے راشدین کے دَور میں محراب نہ تھا حتی کہ امارتِ ولید بن عبد الملک میں عمر بن عبد العزیز نے بنوایا۔ امام عسقلانی فتح الباری شرح البخاری میں فرماتے ہیں کہ امام کرمانی نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کی ایک جانب کھڑے ہوتے یعنی اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ امام عینی نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں فرمایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی ظھر ان ما وقع فی الفتح مسألۃ القیام فی الطاق انہ نبی فی المساجد المحاریب من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھ سھو فلیتنبہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

واضح ہوگئی کہ فتح القدیر میں امام کے محراب میں کھڑا ہونے کے بیان میں جو کہا گیا کہ یہ محراب مساجد میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے ہیں سہو و بھول ہے اس پر متنبہ رہنا چاہیے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۲/ ۵۲۵

[2] وفاء الوفاء محراب المسجد النبوی وقت صنع " " " ۱/ ۳۷۰

[3] فتح الباری شرح بخاری قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۲۱

[4] فتح القدیر باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۰

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقوم بجنب المنبر لانہ لم یکن لمسجد محراب[1]۔ علامہ شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز در جذب القلوب شریف فرماید در زمان آں سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علامت محراب کہ الآن در مساجد متعارف ست نبود ابتدائے آں از وقت عمر بن عبدالعزیز ست در وقتیکہ امیر مدینہ منورہ بود از جانب ولید بن عبدالملک اموی[2] اھ ہمدر آں ست طولِ مسجد در زمانِ ولید دو صَیت ذراع بود و عرض آں یکصد و شصت وہفت ذراع دوی در تکلف و تصنع عمارت باقصی الغایۃ کوشید و علامت محراب کہ الآن در مساجد متعارف ست اوساخت و پیش ازاں نبود[3] اھ مختصراً ازیں تقریر منیر مستنیر شد کہ ہیچ مسجد شتوی خواہ صیفی تا آنکہ بقعۂ سادہ موقوفہ للصلوٰۃ نیز از محراب حقیقی تہی نتواں بود و ہموں ست مقام امام متوارث از زمان امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام پس جائیکہ قیام امام فی المحراب راسنّت گفتہ اند مراد ہمیں ست و نہ قیام در محراب صوری یا باز آمدئے آں کہ او خود در زمان سنت بزد و جائیکہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کے پہلو میں قیام فرماتے کیونکہ اُس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ علامہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز جذب القلوب میں فرماتے ہیں یہ محراب جو آج متعارف ہے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہ تھا اس کی ابتداء ولید بن عبدالملک اُموی کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کی جبکہ وُہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے اھ اور اسی میں ہے کہ ولید کے دور میں مسجد کا طول چالیس[40] ہاتھ اور عرض ایک سو سٹرسٹھ[167] ہاتھ تھا اور عمارت بنانے میں تکلف و تصنع سے انھوں نے کام لیا اور علامت محراب جو آج کل مساجد میں متعارف ہے اُس دور میں نہ تھا اھ المختصر اس پُر نور تقریر سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ کوئی بھی مسجد خواہ شتوی ہو یا صیفی جب سے وُہ وقف ہُوئی ہے وہ محراب حقیقی سے خالی نہیں ہوتی اور یہی وُہ مقام ہے جو امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کی جگہ بنتا رہا لہذا جس جگہ بھی علماء نے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنّت کہا ہے وہاں یہی محراب حقیقی مراد ہے نہ کہ محراب صوری میں قیام مراد ہے یا اُس کے برابر جو اُس وقت

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری قدرکم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/۲۸۰

[2] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ششم دربیان عمارت مسجد شریف نبوی مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور ص ۷۳

[3] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ہفتم دربیان تغیرات و زیادات کہ بعد از وصلت الخ " " " " ص ۸۸

مکروہ گفتند مراد در محراب صوری استادن ست بوجہیکہ پائے اندر فضائے او باشد بدلیل و آں اشتباہ حال امام ست بر قولے و تشبہ بیہود و شبہہ اختلاف مکان بر قول اصح و وجہ اطلاق محمد۔

بھی سنت تھا، اور جہاں علماء نے محراب میں امام کے قیام کو مکروہ قرار دیا ہے وہاں محراب صوری میں کھڑا ہونا ہے اس طریقہ پر کہ اس کے پاؤں محراب کے اندر ہوں، اس پر دلیل، ایک قول کے مطابق امام کے حال کا مشتبہ ہونا اور ایک قول پر یہود کے ساتھ تشابہ، لیکن اصح قول کے مطابق مکان کا مختلف ہوجانا ہے اور ایک وجہ امام محمد کے قول کا اطلاق ہے۔

اقول وفی تعلیل الاشتباہ نظر واشتباہ فانہ لایحصل غالبا الا اذا ازداد طول الصف وھو یحصل بدون القیام فی المحراب بل مع عدم المحراب والبناء اصلا وایضا ان ارید اطلاع الکل بنظر نفسہ فان النظر لہ حد لایتجاوزہ فکما یعجز عند قیام الامام فی المحراب لبعد مایعجز ایضا بدونہ علی بعد اخرون اکتفی بالاطلاع ولو بواسطۃ من معہ فی الصلوۃ فلا معنی للاشتباہ بالقیام فی المحراب ولا شک ان الاخیر ھو المعتبر والا لم یکن لکل من بعد الصف الاول بد من الاشتباہ ولا لمن فی طرفی الاول علی بعد

اقول مشتبہ ہونے کی علت میں نظر و اشتباہ ہے کیونکہ یہ اکثر طور پر حاصل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جب صف زیادہ لمبی ہو اور یہ اشتباہ قیام فی المحراب کے بغیر بھی حاصل ہوجاتا ہے بلکہ اس وقت بھی جب محراب اور عمارت نہ ہو اور یہ بھی معاملہ ہے کہ کیا تمام مقتدیوں کا امام کو اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ نظر کی ایک حد ہے جس سے متجاوز نہیں ہوتی، تو جس طرح محراب کے اندر کھڑے ہونے پر امام کے بُعد کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا اسی طرح اس کے بغیر بھی بُعد کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ نظر نہ آئے اور اگر محض اطلاع کافی ہے خواہ وہ بالواسطہ کسی مقتدی کے ذریعے ہو تو محراب میں کھڑے ہونے سے اشتباہ کا پیدا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور بلاشُبہ آخری بات (وجہ) ہی معتبر ہے ورنہ ہر وہ شخص جو صفِ اوّل کے بعد والی صف میں ہو اسے اشتباہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اسی طرح

يمنع النظر الا بالتفات عن
القبلة در ردالمحتار ست صرح محمد
فى الجامع الصغير بالكراهة
ولم يفصل فاختلف المشائخ
فى سببها فقيل كونه يصير
ممتازا عنهم فى المكان
المحراب فى معنى بيت
أخر وذلك صنيع اهل الكتاب
واقتصر عليه فى الهداية و
اختاره الامام السرخسى و
قال انه الاوجه وقيل اشتباه
حاله على من فى يمينه
ويساره فعلى الاول يكره
مطلقا وعلى الثانى لا يكره
عند عدم الاشتباه وايد الثانى
فى الفتح بان امتياز الامام
فى المكان مطلوب و تقدمه
واجب وغاية اتفاق الملتين
فى ذلك وارتضاه فى الحلية وايده
لكن نازعه فى البحر بان
مقتضى ظاهر الرواية الكراهة
مطلقا بان امتياز الامام المطلوب
حاصل بتقدمه بلا وقوف فى مكان
أخر و لهذا قال فى الولوالجية
وغيرها اذا لم يضق المسجد

اس کو بھی جو صف اوّل کے اطراف میں اتنا دور
کھڑا ہو کہ نظر سے دیکھ نہ پائے۔ اشتباہ کو دور
کرنے کے لئے ان کو اپنے قبلہ سے انحراف ضروری ہوگا۔
ردالمحتار میں ہے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں اس
محراب میں ہونے پر کراہت کا حکم لگایا ہے اور
کوئی تفصیل نہیں دی اس لئے سبب کے بیان
میں مشائخ کا اختلاف ہوا، ایک یہ ہے کہ امام
ایسی صورت میں ممتاز ہو کر یوں ہو جاتا ہے جیسے
وہ کسی دوسرے کمرے میں ہے اور یہ اہل کتاب کا
طریقہ ہے۔ ہدایہ میں اسی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔
امام سرخسی نے اسے ہی پسند کیا اور کہا یہی مختار
ہے۔ بعض نے کہا کہ امام اپنے دائیں بائیں مقتدیوں

پر مشتبہ ہو جاتا ہے، پہلی صورت میں ہر حال میں
کراہت ہے اور دوسری صورت میں جب اشتباہ
نہ ہو کراہت نہ ہوگی۔ فتح میں یہ کہتے ہوئے
دوسری کی تائید کی اور کہا کہ امام کا ممتاز مقام پر
کھڑا ہونا تو مطلوب ہے اور اس کا مقدم ہونا
واجب ہے اور اس میں دونوں فریق متفق ہیں
اسے حلیہ میں پسند کیا گیا اور اس کی تائید کی
لیکن بحر میں یہ کہتے ہوئے اس سے اختلاف
کیا کہ ظاہر روایت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر حال
میں کراہت ہو اور یہ کہ امام کا مطلوبہ امتیاز آگے
ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے یہ اس کے دوسرے
مقام پر کھڑے ہونے پر موقوف نہیں ہے اسی لئے
ولوالجیہ وغیرہ میں ہے کہ جب مقتدیوں پر مسجد

بمن خلف الامام لاینبغی له ذلك
لانه یشبه تباین المکانین اھ یعنی
وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز
فشبھة الاختلاف توجب الکراھة
والمحراب وان کان من المسجد
فصورته وھیأته اقتضت شبھة
الاختلاف اھ ملخصا قلت ای لان المحراب
انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون
قیامه وسط الصف کما ھو السنة
لا لان یقوم فی داخله فھو وان کان
من بقاع المسجد لکن اشبه مکانا
اٰخر فاورث الکراھة ولا یخفی حسن
ھذا الکلام فافھم لکن تقدم ان
التشبه انما یکرہ فی المذموم وفیما
قصد به التشبه لا مطلقا ولعل ھذا
من المذموم تامل[1] اھ
کلام الشامی۔

اقول ولا محل المترجی بعد
ما افدنا نقلا عن الولوالجیة وغیرھا
انه یشبه تباین المکانین وحقیقته
تفسد فشبھته تکرہ بل لو عد
ھذا دلیلا براسه
لکفی وشفی کما

تنگ نہ ہو تو امام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ
دونوں مقامات کا جُدا ہونا لازم آتا ہے اھ اور
حقیقۃً جگہ کا اختلاف جوازِ نماز سے مانع ہے اور
جہاں اختلاف کا شُبہ ہو وہاں کراہت ہوگی اور
محراب اگرچہ مسجد میں ہی ہے لیکن اس صورت و
ہیئت سے شُبہۂ اختلاف پیدا ہوتا ہے اھ تلخیصاً
قلت (میں (شامی) کہتا ہوں) محراب کا
مقصد یہ ہے کہ وہ قیامِ امام کی علامت ہو تاکہ
اس کا قیام صف کے درمیان ہو یہ مقصد نہیں کہ
امام محراب کے اندر کھڑا ہو۔ محراب اگرچہ مسجد
کا ہی حصہ ہے لیکن ایک دوسرے مقام کے مشابہ
ہے لہذا اس سے کراہت ہوگی۔ اس کلام کا حسن
واضح ہے اسے اچھی طرح محفوظ کرلو، لیکن پیچھے
گزرا کہ تشبّہ بُری بات میں مکروہ ہوتا ہے اور
اس صورت میں جب تشبّہ مقصود ہو ہر حال میں
مکروہ نہیں اور ممکن ہے یہ مذموم میں سے ہو۔
(کلام شامی ختم ہوا)

اقول (میں کہتا ہوں) یہ "شاید"
کہنے کا محل نہیں کیونکہ اس نے ولوالجیہ وغیرہ سے
نقل کردیا ہے کہ یہ عمل دو جگہوں کے متخالف
ہونے کے مشابہ ہے اور اگر تباین حقیقۃً ہو تو
اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور اگر تباین
کا تشابہ ہو تو نماز میں کراہت آئے گی بلکہ اگر اسے

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۷

2
2

لایخفی پیداست کہ ایں شبہہ و تشبہ و اشتباہ ہمہ با ہمیں در محراب صوری ست نہ حقیقی اما قیام بمحاذات محراب صوری آنچناں کہ سجدہ در طاق افتد پس فی نفسہ نہ کراہتے دارد لعدم الوجوہ المذکورۃ من الشبہۃ و التشبہ و الاشتباہ فیہ نہ فضیلتے لما قدمنا انہ لم یکن فی اصل السنۃ محراب صوری ولا محاذاتہ پس نظر بذات خودش نباشد جز مباح ازینجاست کہ ایں را سنت نگفتہ اند و چوں مکروہ ہم نبود دفع توہم را لا باس آوردند آرے اگر قیام بمحل محراب حقیقی موافق آید کما ھو الغالب لاجرم سنت باشد نہ ازاں رو کہ محاذات محراب صوری ست بل ازاں جہت کہ موافات محراب حقیقی ست ازیں تحقیق انیق بحمداللہ روشن شد کہ اگر امام در مسجد صیفی بمحراب حقیقی ایستد یقیناً اصابت سنت یافتہ باشد و ہیچ کراہتے برو نبود گو محراب صوری را محاذی ہم مباش چنانکہ صیفی در عرض ازید از شتوی باشد آنگاہ باید کہ از محاذات طاق بجانب زیادت میل کند و بوسط صیفی بایستد

مستقل دلیل بنایا جائے تو یہ کافی و شافی ہے جیسا کہ واضح ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ شبہ، تشبہ اور اشتباہ وغیرہ تمام صورتیں محراب صوری میں ہیں، نہ کہ حقیقی میں، محراب صوری کی محاذات میں اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب میں ہو فی نفسہٖ مکروہ نہیں کیونکہ وجوہِ مذکورہ یعنی شبہ، تشبہ اور اشتباہ یہاں نہیں ہیں اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے کیونکہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ اصلِ سنّت میں نہ محراب صوری ہے اور نہ اس کی محاذات پس وہ اپنی ذات کے حوالے سے سوائے مباح کے کچھ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے سنّت نہیں کہا گیا، چونکہ مکروہ بھی نہیں تو علماء دفعِ توہم کے لئے لفظ "لا باس" لے آئے ہیں، اگر اس کی محاذات کا قیام محرابِ حقیقی کے موافق ہو جاتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو اب یہ سنّت ہوگا مگر اس کی وجہ محرابِ صوری کے محاذی ہونا نہیں بلکہ محرابِ حقیقی کے موافق ہونا ہے، بحمداللہ اس شفاف تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اگر امام مسجد صیفی میں محراب حقیقی میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ یقیناً سنت کو پانے والا ہے اور اس پر ہرگز کوئی کراہت نہ ہوگی اگرچہ وہ محراب صوری کے محاذی نہ ہو، کیونکہ جب مسجد صیفی عرض میں شتوی سے زیادہ ہو تو اس وقت محراب کی محاذات میں جانب زیادت کی طرف ہو کر صیفی کے درمیان میں

محراب حقیقی قیام کردہ باشد و بدستور در شتوی
نیز اگر طاق در حاق وسط نبود امام را طاق گزاشتہ
بوسط شتوی عدول باید کہ محراب حقیقی بدست
آید در ولایت افغانستان از علماے زمان کہ
قیام امام را در مسجد صیفی مکروہ گویند دلیل بر آں
از ہماں مسئلہ سنیت قیام فی المحراب چوں در
سوالیکہ نزد فقیر از اں ولایت آمدہ بود وانمود
ناشی از اشتباہ معنی محراب است عزیزان
او را محراب صوری گماشتند و از حقیقی غفلت
کردہ اند و دانستہ شد کہ قیام در صوری سنت
نیست بلکہ بمعنی حقیقتش خود مکروہ است وانکہ
سنت است بہ مسجد صیفی نیز نقد وقت ست
پس کراہت از کجا امام ابن الہمام در فتح ایں معنی
را رنگ ایضاح داد کہ فرمود لولم
تبن (ای المحاریب) کانت
السنۃ أن یتقدم فی محاذاۃ ذلک
المکان لانہ یحاذی وسط
الصف وھو المطلوب اذ قیامہ
فی غیر محاذاتہ مکروہ[1]
اھ و اگر چناں باشد کہ صیفی
مطلقاً از صلاحیت اقامت جماعت
بدر رود زیراکہ آنجا محراب صوری نتواں یافت
و مجرد محاذات اگرچہ از دور لبندہ نیست کما

کھڑا ہونا چاہئے تاکہ محراب حقیقی میں قیام ہوجائے
اسی طرح شتوی میں بھی اگر طاق وسط میں نہیں
تو امام طاق چھوڑ کر شتوی کے وسط میں ہوجائے
تاکہ محراب حقیقی کو پایا جاسکے، افغانستان کے
علاقے میں اس وقت کے علماء مسجد صیفی میں امام
کے قیام کو مکروہ قرار دیتے ہوئے یہی دلیل
دیتے ہیں کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے کیونکہ
اس ملک سے فقیر کے پاس جو سوال آیا ہے اس سے
واضح ہوتا ہے کہ انھیں معنی محراب میں اشتباہ ہے
اور انھوں نے محراب صوری مقرر کئے ہیں مگر محراب
حقیقی سے غافل ہوگئے ہیں اور معلوم ہوا کہ
صوری میں قیام سنت نہیں بلکہ اسے حقیقی سمجھنا
بذاتِ خود مکروہ ہے اور جو سنت ہے
وہ صیفی مسجد میں بھی درست ہے، پس یہاں
کراہت کہاں! امام ابن الہمام نے فتح القدیر
میں اسے واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ بنے ہوئے
نہیں (یعنی محاریب)، تو سنت یہ ہے کہ اس
جگہ کے محاذی کھڑا ہوا جائے کیونکہ وہ وسط صف
کے محاذی ہے اور یہی مطلوب ہے کیونکہ محاذات کے
علاوہ امام کا قیام مکروہ ہے اھ اور اگر ایسے ہو
کہ صیفی اقامت جماعت کی صلاحیت نہ رکھتی کیونکہ
وہاں محراب صوری نہیں اور صرف محاذات اگرچہ
دور سے ہو محراب کی نشانی نہیں ہے جیسا کہ تو نے

---

[1] فتح القدیر فصل یکرہ المصلی مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۶۰

علمت وقد اعترفوا بہ والا لم یحکموا
بکراھۃ قیام الامام فی الصیفی
مطلقا وایں برخلاف عمل ونیت جملہ امت
ست مسجد را بر دو درجہ سرما وگرما از ہمیں
رو بخش میکنند کہ بہر موسم اقامت جماعت
بہ مسجد نتوانند اگر ایں پارہ از قیام امام
معطل ماند لاجرم جماعت را نیز لازم
باشد ہم در پارۂ شتوی صفہا بستن کہ
انفراد امام بدرجۂ خود مکروہ ست پس از صیفی
بہرہ نیابند مگر بعض قوم در بعض احیان
آنگاہ کہ شتوی ہمہ آمودہ شود وایں یقیناً مخالف
نیت وقصد جملہ بانیان وعمل وتوارث عامہ
مومنان ست باز در ہندیہ و بزازیہ و خلاصہ
و ظہیریہ و خزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ ست
قوم جلوس فی المسجد الداخل
وقوم فی المسجد الخارج اقام
المؤذن فقام امام من اھل الخارج
فامھم وقام امام من اھل الداخل
فامھم قال من سبق بالشروع فھو
والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم[1]
چرا بلائے نفی جنس مطلقاً سلب مستغرق نمایند چرا
نگویند کہ امام مسجد صیفی ومقتدیانش بہرحال
درگرو کراہت اند زیرا کہ قیام

سمجھا اور جیسا کہ انھوں نے اس کا اعتراف
کیا ہے ورنہ وہ صیفی میں مطلقاً قیامِ امام کو
مکروہ قرار نہ دیتے حالانکہ یہ بات تمام امت کے
عمل کے خلاف ہے کیونکہ مسجد کے دو درجے
موسم گرما وسرما کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں کہ
ہر موسم میں ایک جگہ جماعت نہیں کرائی جاسکتی تو
اگر یہ حصہ قیامِ امام سے معطل ہو تو لازم ہوگا کہ
جماعت بھی شتوی حصے میں صفیں بنائے
کیونکہ امام کا تنہا ہونا بذاتِ خود مکروہ ہے تو اس
طرح صیفی حصہ سے فائدہ صرف بعض اوقات بعض
لوگ اس وقت ہی اٹھا سکیں گے جب شتوی حصہ
پُر ہوجائے گا اور یہ بات تمام بانیانِ مساجد کی
نیت اور عمل اور توارثِ اُمت کے خلاف ہے ہندیہ،
بزازیہ، خلاصہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین وغیرہ کتب
معتمدہ میں ہے کہ کچھ لوگ مسجد کے اندر اور کچھ مسجد کے
صحن میں تھے مؤذن نے اذان کہی اہلِ خارج میں سے
امام نے جماعت کرائی اسی طرح اندر والوں میں سے امام
نے جماعت کرائی تو جس نے پہل کردی وہ امام ہوگا اور
تمام لوگ اس کے مقتدی ہوں گے ان کے حق میں کوئی
کراہت نہ ہوگی کیونکہ یہاں لا نفی جنس انھوں نے
استعمال کیا ہے جو مطلق سلب کا احاطہ کرتا ہے
انھوں نے یہ کیوں نہ کہا کہ مسجد صیفی کا امام اس کے
مقتدی بہرحال کراہت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ انھوں نے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵

فی المحراب را ترک گفتند بالجملہ ایں خطائے
فاحش ست کہ ولایتیان دریں جزو زمان
احداث کردہ اند ازیں باخبر باید بود۔

سخن راندن ماند از استظہار علامہ شامی
عاملہ اللہ بالطف النامی **اقول** آنچہ بالا گفتہ ایم
غایت توجیہ کلام آں فاضل علام بود وہنوز
گل نظرے دمیدن دارد ماثور و مورث چنانکہ
دانی ہماں قیام امام در محراب حقیقی ست
وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکہ
شنیدی پس ترک او بے عذر شرعی عدول از
افضل وخلاف متوارث العمل وفرع مبسوط دلالت
برآں ندارد کہ اینجا فی نفسہ اصلاً منظور نیست بلکہ
غایتش آنست کہ توسط صف سنت عظیمہ ہم زا
ازآں ست چوں ہر دو دست وگریبان شود اختیاراً
بہ سنت توسط رود پس آنچہ بدل می چسپد کلمات
ائمہ را بر اطلاق آنہا داشتن اگرچہ در کمال خمول
باشد غیر امام جماعت ثانیہ فی مسجد المحلۃ را
محراب حقیقی گزاشتن ست ھذا اٰخر الکلام
فی ھذا المقام وقد اتضح بہ کل مرام
وانکشف بہ جمیع الاوھام والتأمت کلمات
الائمۃ الکرام وما توفیقی الا باللہ الملک العلام و
السلام مع الاکرام علی مولٰنا عبدالسلام واللہ
سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محراب میں قیام کو ترک کیا ہے، حاصل کلام یہ کہ یہ
بہت بڑی غلطی ہے جو اس دور میں ان علاقوں میں
پیدا ہوتی ہے اس سے باخبر ہونا چاہئے۔

رہا معاملہ علامہ شامی کے مختار قرار دینے کا تو
میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس فاضل
علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اور جو کچھ منقول و
متوارث ہے وہ امام کا محراب حقیقی میں قیام ہے
اور وہ مقام سب سے اعلٰی اور صدر مسجد ہوتا ہے
جیسا کہ آپ پڑھ چکے لہذا اس کا ترک بغیر کسی عذر کے
افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے
اور مبسوط کا جزئیہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ مقام
فی نفسہ مقصود نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ صف کے
درمیان کھڑا ہونا سنت عظیمہ ہے کیونکہ جب دونوں
میں تعارض ہو تو وسط میں کھڑا ہونا سنت اور مختار
ہوگا، دل لگتی بات یہ ہے کہ ائمہ کے کلام کو اپنے
اطلاق پر رکھیں اگرچہ یہ کمزور سی بات ہے تاہم اس
سے محلہ کی مسجد میں پہلے امام کا حقیقی محراب کو چھوڑنا
مراد ہے، یہ اس مقام میں آخری کلام ہے اور
اس سے پورا مقصد واضح ہوگیا اور تمام ائمہ کا
کلام موافق ہوگیا وما توفیقی الا باللہ الملک
العلام والسلام مع الاکرام علٰی مولٰنا
عبدالسلام واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم
وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۰۱: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین وفضلائے شرع متین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین

اندریں صورت کہ شخصے مصلی ردائے خود را بدیں نوع پوشد کہ اولاً وسط ردا را بر پشت نہادہ و ہر دو سرش را تحت الابطین بیروں آوردہ باز جانب چپ را بر منکب راست و طرف راست را بر منکب چپ افگند حتی کہ ہر دو سرش نیز بطرف پشت و سرین رسند ایں صورت در حالت صلوٰۃ شرعاً جائز ست یا نہ؟

اس مسئلہ میں کہ نمازی ایک چادر اس طرح پہنتا ہے کہ پہلے اس کا نصف حصہ اپنی پشت پر ڈالتا ہے اور اس کے دونوں کونوں کو بغلوں کے نیچے سے باہر لاکر اس کی بائیں جانب کو دائیں کاندھے اور اس کے دائیں حصہ کو بائیں کاندھے پر ڈالتا ہے حتی کہ اس کے دونوں کونے بھی پشت و سرین تک پہنچ رہے ہوتے ہیں اس حالت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ست فی الصحیحین عن عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملا بہ فی بیت ام سلمۃ واضعا طرفیہ علی عاتقیہ[1] وللبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من صلی فی ثوب واحد فلیخالف بین طرفیہ[2] شیخ محقق دہلوی قدس سرہ در اشعۃ اللمعات می فرماید صورت اشتمال آن ست کہ طرفے راست از جامہ کہ بر دوش راست است گرفتہ بر دوش چپ بندد از دو طرف چپ

جائز ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بیتِ حضرت ام سلمہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں اطراف آپ کے کاندھوں پر تھیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ میں نے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو آدمی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کی دونوں اطراف کو مخالف سمت میں ڈال لے۔ شیخ محقق دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں صورتِ اشتمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کپڑے کی دائیں طرف جو کپڑا دائیں کاندھے پر ہے بائیں پر ڈال دے اور بائیں کاندھے

---

[1] صحیح مسلم باب الصلوٰۃ فی ثوبِ واحد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۸
[2] صحیح بخاری باب اذا صلی فی الثوب الواحد الخ " " " " ۱/۵۲

کہ بر دوش چپ است از زیر دست چپ گرفتہ بر دوش راست بیندازد و پستر بندد ہر دو طرف را بر سینہ و غالباً احتیاج بہ بستن ہر دو طرف بر سینہ بر تقدیریست کہ گوشہائے جامہ دراز نباشد و بیم واشدن بود و اگر دراز بسیار باشد احتیاج بہ بستن نباشد چنانکہ از لباس فقرائے یمن ظاہر میگردد و لہذا در عبارت بعض شارحان ایں قید واقع نشدہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

کی طرف کو بائیں کے نیچے سے نکال کر دائیں کاندھے پر ڈال دے اس کے بعد دونوں اطراف کو سینہ پر باندھ لے، غالباً دونوں کو سینہ پہ باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے طویل نہ تھے اور اس کے بگڑ جانے کا خطرہ تھا، اور اگر اطراف لمبے ہوں تو باندھنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ فقرائے یمن کا لباس ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارت میں اس قید کا ذکر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۳: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چبوترہ جو صحن میں ملاصق بیچ کے در میں جو کچھ بلندی ہوتی ہے اُس پر نمازِ جماعت میں امام کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کو اگر دُور کر دیا جائے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت مکروہ ہے،

لمشابھۃ الیھود فانھم یجعلون لامامھم علی دکان ممتاز اعمن خلفہ والاصح انہ لا تقدیر، بل کل مایقع بہ الامتیاز یکرہ کما فی الدر[2]۔

یہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ امام کے لئے اونچی جگہ بناتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ اس کی مقدار کا تعین نہیں بلکہ اتنی اونچائی جس سے امتیاز ہو جائے مکروہ ہے جیسا کہ در میں ہے۔ (ت)

اور اگر اسے دُور کر دیں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے

لقول امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[3]

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد ہے کہ امام کے دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہونے کو

---

[1] اشعۃ اللمعات باب الستر الفصل الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۴
[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

كما في المعراج۔	ناپسند جانتا ہُوں جیسا کہ معراج میں ہے (ت)

اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر کرسی کی بلندی پر سجدہ کرے تو یہ سخت تر مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ بلندی بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ دُرِ مختار وغیرہ میں ہے۔ت) تو جب صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑا صحن سے ہموار کر دیں امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق نما میں سجدہ کرے اب کوئی کراہت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰۰: اناترولی ضلع علی گڑھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس
۸ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلی رکعت میں قل یا پڑھے، دوسری رکعت میں انا اعطینا پڑھے ترتیب واجب میں فرق آیا اُلٹا قرآن پڑھنے سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ترتیب اُلٹنے سے نماز کا اعادہ واجب ہو نہ سجدۂ سہو آئے، ہاں یہ فعل ناجائز ہے اگر قصداً کرے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں اور اگر بعد کی سورت پڑھنا چاہتا تھا زبان سے اُوپر کی سورت کا کوئی حرف نکل گیا تو اب اُسی کو پڑھے اگرچہ خلافِ ترتیب ہوگا کہ یہ اس نے قصداً نہ کیا اور اس کا حرف نکل جانے سے اُس کا حق ہو گیا کہ اب اُسے چھوڑنا قصداً چھوڑنا ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلا لضرورۃ التعلیم ط التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھوا فلا شرح المنیۃ، واذا انتفت الکراھۃ فاعراضہ عن التی شرع فیھا لاینبغی، وفی الخلاصۃ افتتح سورۃ و قصدہ سورۃ اخری فلما قرأ اٰیۃ او اٰیتین اراد ان یترک تلك السورۃ ویفتتح التی ارادھا یکرہ الخ	قراءت میں سورتوں کے درمیان ترتیب رکھنا واجب ہے، چھوٹے بچّوں کے لئے ضرورتِ تعلیم کے پیش نظر جائز ہے تاکہ آسانی ہو ط، خلاف ترتیب یا تھوڑا فاصلہ اس وقت مکروہ ہے جب دانستہ ہو اگر بھول کر ہو تو مکروہ نہیں شرح المنیہ، اور جب کراہت ختم ہو تو مشروع سے اعراض مناسب نہیں۔ خلاصہ میں ہے کسی ایک نے سورت شروع کی اور دُوسری کا ارادہ کیا جب ایک آیت یا دو آیات تلاوت کیں تو اس نے چاہا کہ یہ سُورت چھوڑ دے اور وُہ شروع کرے جس کا ارادہ تھا تو یہ مکروہ ہے الخ

وفی الفتح ولوکان ای المقرؤ حرفا واحدا[1] الخ
فی ردالمحتار انھم قالوا یجب الترتیب فی سورۃ القراٰن فلو قرأ منکوسا اثم لکن لایلزمہ سجود السھو لان ذلک من واجبات القراءۃ لامن واجبات الصلوٰۃ کمافی البحر باب السھو[2] الخ الشامی **اقول** وبہ یظھر مافی افتاء الشیخ الملانظام الدین والد ملک العلما بحر العلوم رحمھما اللہ تعالٰی بایجاب السجود فیہ بناءً علی وجوبہ فانہ خلاف المنقول المنصوص علیہ فی کتب المذھب وقدکان یتوقف فیہ المولی بحرالعلوم قدس سرہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

اور فتح میں ہے کہ اگرچہ پڑھا ہوا محض ایک حرف ہو الخ
ردالمحتار میں ہے کہ فقہا نے فرمایا ہے کہ قرآنی سورتوں میں ترتیب ضروری ہے اگر کسی نے خلافِ ترتیب پڑھا تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ واجباتِ قراءت میں سے ہے نماز کے واجبات میں سے نہیں جیسا کہ بحر کے باب السہو میں ہے الخ شامی، **اقول** (میں کہتا ہوں) اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ شیخ ملّا نظام الدین والدِ گرامی ملک العلماء بحر العلوم رحمہما اللہ تعالٰی نے جو فتوٰی دیا کہ اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے کیونکہ یہ عمل واجب ہے یہ کتبِ مذہب میں منقول نصوص کے خلاف ہے اور اس میں بحر العلوم قدس سرہٗ نے توقف سے کام لیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۵: ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

اگر کسی شخص نے صبح کی نماز کے وقت جلدی میں غلطی سے یا اندھیرے میں اُلٹی دُلائی اوڑھ کر نماز پڑھی تو وہ نماز مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ ہوگی یا فاسد وغیرہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

واجب الاعادہ اور مکروہِ تحریمی ایک چیز ہے، کپڑا اُلٹا پہننا اوڑھنا خلافِ معتاد میں داخل ہے اور خلافِ معتاد جس طرح کپڑا پہن یا اوڑھ کر بازار میں یا اکابر کے پاس نہ جاسکے ضرور مکروہ ہے کہ دربارِ عزت احق بادب وتعظیم ہے۔

واصل کراھۃ الصلوٰۃ فی ثیاب مھنۃ قال فی الدر وکرہ صلوتہ فی ثیاب

اصل یہ ہے کہ کام و مشقت کے لباس میں نماز مکروہ ہے، در میں ہے نمازی کا کام کے کپڑوں میں نماز ادا کرنا

---

[1] ردالمحتار فصل ویجہر الامام قبیل باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۲
[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ " " " " " ۱/ ۳۳۷

مهنۃ[1] قال الشامی وفسرھا فی شرح الوقایۃ بمایلبسہ فی بیتہ ولایذھب بہ الی الاکابر[2]

مکروہ ہے، شامی نے فرمایا اور اس کی تفسیر شرح وقایہ میں ہے وُہ کپڑے جو آدمی گھر پہنتا ہے مگر ان کے ساتھ اکابر کے پاس نہیں جاتا۔ (ت)

اور ظاہر کراہت تنزیہی

فان کراھۃ التحریم لابد لھا من نھی غیر مصروف عن الظاھر کما قال ش فی ثیاب المھنۃ والظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ[3]۔

کیونکہ کراہتِ تحریمی کے لئے ایسی نہی کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر سے مؤوّل نہ ہو، جیسا کہ علامہ شامی نے کام کے کپڑوں کے بارے میں کہا کہ ظاہر کراہت تنزیہی ہے۔ (ت)

اور اسے سدل میں کہ مکروہ تحریمی اور اس سے نہی وارد' دخل نہیں کہ وہ پرلبس خلاف معتاد نہیں بلکہ کپڑا اوپر سے اس طرح سے ڈال لینا کہ دونوں جانبین لٹکتی رہیں مثلاً چادر سر یا کندھوں پر ڈال لی اور دو بالا نہ مارا یا انگرکھا کندھے پر ڈال لیا اور آستین میں ہاتھ نہ ڈالے[4] کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ دُر وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر آستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بند نہ باندھے تو یہ بھی سدل نہ رہا اگرچہ خلافِ معتاد ضرور ہے، ہاں امام ابوجعفر ہندوانی نے اس صورت کو مشابہ سدل ٹھہراکر فرمایا کہ بُرا کیا امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ایک قید اور بڑھائی کہ اگر نیچے کُرتا نہ ہو ورنہ حرج نہیں، اور اقرب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حرج ہے

قال فی ردالمحتار قال فی الخزائن بل ذکر ابوجعفر انہ لو ادخل یدیہ فی کمیہ ولم یشد وسطہ اولم یزر ازارہ فھو مسیئ لانہ یشبہ السدل اھ قلت لکن قال فی الحلیہ فیہ نظر ظاھر بعد ان یکون تحتہ قمیص او نحوہ

ردالمحتار میں ہے کہ خزائن میں ہے بلکہ ابوجعفر نے ذکر کیا کہ اگر نمازی نے اپنے بازوؤں کو آستینوں میں داخل کردیا اور درمیان کو نہیں باندھا یا اس نے اس کے بٹن بند نہ کئے تو خطاکار ہے کیونکہ سدل کی طرح ہے اھ میں کہتا ہوں حلیہ میں ہے کہ اس میں واضح اعتراض ہے جبکہ اس کے نیچے قمیص یا ایسا کپڑا

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۱

[2] ردالمحتار " " " " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۴۱

[3] " " " " " " " " " " " "

[4] درمختار " " " " " " مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۱

مما یستر البدن[1] اھ اقول وفیہ نظر ظاھر فان انکشاف شیئ من صدر الرجل وبطنہ لااساءۃ فیہ اذا کان عاتقاہ مستورین وانما نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عما اذا صلی فی ثوب واحد ولیس علی عاتقہ منہ شیئ[2] ولا شك ان ارسال اطراف مثل الشایۃ من دون ان یزرازارھا انما یشبہ السدل بنفس ھیأتہ ولامدخل فیہ لوجود القمیص تحتہ وعدمہ لما ان السدل سدل وان کان فوق القمیص ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ اقول النظر ان کان فی کراھۃ التحریم اما التنزیھی فلاشك فی ثبوتہ۔[3]

ہو جو بدن ڈھانپ دے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس میں نظر ہے کیونکہ انسان کے سینے اور بطن کے کسی حصّے کا ظاہر ہونا اس میں کوئی برائی نہیں جبکہ اس کے کاندھے مستور ہوں اور رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت میں ایک کپڑے میں نماز سے منع فرمایا ہے جبکہ اس کے کاندھے پر کوئی شَی نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اطراف کا کھلا ہونا بٹن باندھے کے بغیر سدل کے مشابہ ہے اس میں نیچے قمیص اور عدم قمیص کا کوئی دخل نہیں کیونکہ سدل، سدل ہی ہوتا ہے اگرچہ قمیص پر ہو اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے **اقول** نظر تب ہے کہ اگر کراہت تحریمی ہو اور اگر تنزیہی ہو تو اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔ (ت)

ہاں اگر قصداً ایسا کیا یوں کہ نماز کو محل بے پروا ہی جانا اور اس کا ادب واجلال ہلکا مانا تو کراہت و حرمت درکنار معاذ اللہ اسلام ہی نہ رہے گا۔ کما قالوا فی الصلوۃ حاسرالراس اذا کان للاستھانۃ (جیسا کہ علماء نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سستی و کاہلی کی وجہ سے ننگے سر نماز ادا کرتا ہے۔ت) والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی نے گلوبند سر میں لپیٹ کر نماز پڑھائی بغیر ٹوپی کے، تو یہ نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہُوئی یا نہیں؟

الجواب

مخالفِ سنّت ہُوا، حدیث میں ہے:

الفرق بیننا وبین المشرکین العمائم | ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر

---

[1] ردالمحتار | باب مایفسد الصلوٰۃ | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/ ۶۴۰

[2] صحیح بخاری | باب اذا صلی فی ثوب واحد الخ | مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی | ۱/ ۵۲

[3] جدالممتار علی ردالمحتار | مکروہات الصلوٰۃ | المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا | ۱/ ۳۰۴

علی القلانس[1]۔ عمامہ باندھنا ہے۔ (ت)

وقد رالشیخ قدس سرہ فی اللمعات ان تعمیم مشرکی العرب ثابت معلوم فالمعنی انا نجعل العمائم علی القلانس وھم یتعممون بدونھا۔

اور شیخ قدس سرہ نے لمعات میں ثابت کیا ہے کہ مشرکین عرب کا عمامہ باندھنا ثابت ہے، اب معنٰی یہ ہوگا کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین ٹوپیوں کے بغیر۔ (ت)

پھر اگر گلو بند چھوٹا ہو کہ ایک دو پیچ سے زائد نہ کرسکے تو یہ سنتِ عمامہ کا بھی ترک ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ازرام پور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

(مع رسالہ نعم الجواب فی مسئلۃ المحراب)

خلاصۂ سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امام مسجد کہتا ہے کہ محراب ہی کے پاس نماز پڑھنا مسنون ہے باہر مسجد کے مکروہ ہے باوجودیکہ اندر مسجد کے عشا کے وقت سخت گرمی اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے زید اندر ہی محراب کے پاس پڑھتا ہے اکثر ضعفا کو اس تکلیف و گرمی سے قے بھی ہوجاتی ہے اور بیہوشی ہوتی خوفِ ہلاکت ہوتا ہے لیکن زید نہیں مانتا۔ بینوا توجروا

الجواب

تحریرِ فقیر بر جواب مولوی معز اللہ خاں صاحب و تائید مولٰنا شاہ سلامت اللہ صاحب

جزی اللہ المجیب خیرا و یثیب وایدی الفاضل المؤید بنصرۃ القریب (جواب دینے والے کو اللہ جزائے خیر دے اور اس فاضل کو مدد قریب سے نوازے۔ ت) فی الواقع زید کا قول محض باطل و جہالت اور اس پر ایسا اصرار اور اس کے سبب نمازیوں بلکہ خود نماز و جماعتِ نماز کو اس درجہ اضرار صریح ضلالت ہے، فقیر نے اپنے فتاوٰی میں اس مسئلہ کی تنقیح تام اور محراب کی حقیقی و صوری اقسام اور حدیثاً وفقہاً اُن کے احکام اور تحقیق مرام و ازالۂ اوہام بفضلہ تعالٰی بروجہ کافی و شافی ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ ہندیہ و بزازیہ و خلاصہ وظہیریہ و خزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام

کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ خارج مسجد میں مؤذن نے تکبیر کہی اہلِ خارج میں سے امام نے جماعت کرائی

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸
مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۷۴

امام من اھل الخارج فامھم وقام امام من اھل الداخل فامھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم[1]۔

اور اسی طرح اہل داخل میں سے ایک نے جماعت کروائی تو جس نے سبقت لی وہ امام ہے اور لوگ اس کے مقتدی، ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

امام ابن امیر الحاج حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں: المسجد الخارج صحن المسجد[2] (مسجد خارج سے صحنِ مسجد مراد ہے۔ ت) دیکھو کیسی تصریح ہے کہ صحنِ مسجد میں نماز پڑھنی جماعت کرنی امامت کرنی اصلاً کسی طرح مکروہ نہیں

لان السابق بالشروع فی الصورۃ المذکورۃ انکان امام الخارج وھو الذی ھو ومقتدوہ کلھم فی الصحن کان ھو المحکوم لہ بقول الائمۃ ھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم ولا ھذہ لنفی الجنس فتفید نفی کل کراھۃ عنھم وھو المقصود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ صورتِ مذکورہ میں شروع میں سبقت کرنے والا اگر امام خارج ہے تو وُہ امام اور اس کے مقتدی تمام صحن میں ہوں گے اور ائمہ کا یہ بیان کردہ حکم کہ وہ امام اور لوگ اس کے مقتدی ہوں گے اور ان پر کوئی کراہت نہیں اسی پر لاگو ہوگا اور یہ "لا" نفی جنس کے لئے ہے جس سے ہر کراہت کی نفی ہوجاتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۱: ازمارہرہ مطہرہ کمبوہ محلہ مرسلہ چودھری محمد طیب صاحب ۲۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

جُوتیوں سمیت نماز پڑھنا ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے کہا ہم کو ابومسلمہ سعید بن یزید ازدی نے خبر دی کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جُوتیاں پہنے پہنے نماز پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا

حدثنا اٰدم ابن ابی ایاس قال انا ابو مسلمۃ سعید بن یزید الازدی قال سألت انس بن مالک اکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ قال نعم

آدم ابن ابی ایاس بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابومسلمہ سعید بن یزید الازدی نے بتایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نعلین میں نماز ادا کی ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی بیان من ہو احق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴
خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۵

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ابن بطال نے کہا جب جُوتے پاک ہوں تو اُن میں نماز پڑھنا جائز ہے میں کہتا ہوں مستحب ہے کیونکہ ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں ہے کہ یہودیوں کا خلاف کرو وہ جُوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز میں جُوتے اتارنا مکروہ جانتے تھے اور ابو عمرو شیبانی کوئی نماز میں جُوتا اتارے تو اُس کو مارتے تھے اور ابراہیم سے جو امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں ایسا ہی منقول ہے۔ شوکانی نے کہا صحیح اور قوی مذہب یہی ہے کہ جُوتیاں پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور جُوتوں میں اگر نجاست ہو تو وہ زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہوجاتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی نجاست ہو، تر یا خشک، جرم والا یا بے جرم۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب **اقول** وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق

(اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت دے **اقول** اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور وہ ہے جو تحقیق کی منزل پر پہنچانے والا ہے۔ ت) سخت اور تنگ پنجے کا جُوتا جو سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے اور اُس پر اعتماد کرنے زور دینے سے مانع ہو ایسا جُوتا پہن کر نماز پڑھنی صرف کراہت واساءت در کنار مذہب مشہور ومفتی بہ کی رُو سے راساً مفسد نماز ہے کہ جب پاؤں کی انگلی پر اعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی، امام ابوبکر جصاص وامام کرخی وامام قدوری وامام برہان الدین صاحبِ ہدایہ وغیرہم اجلّہ ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی، محیط وخلاصہ وبزازیہ وکافی وفتح القدیر وسراج وکفایہ ومجتبٰی وشرح المجمع للمصنف ومنیہ وغنیہ شرح منیہ وفیض المولی الکریم وجوہرہ نیرہ ونور الایضاح ومراقی الفلاح ودر منتقی ودر مختار وعلمگیریہ وفتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری وحواشی علامہ نوح آفندی وغیرہا کتب معتمدہ میں اسی پر جزم فرمایا زاہدی نے کہا یہی ظاہر الروایۃ ہے علامہ ابراہیم کرکی نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے، جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا یہی صحیح ہے، ردالمحتار میں لکھا کتب مذہب میں یہی مشہور ہے، درمختار میں ہے:

فیہ (ای فی شرح الملتقی) یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ والا لم تجز والناس عنہ غافلون وشرط طہارۃ المکان وان یجد حجم الارض والناس عنہ غافلون[1] اھ ملخصا

اس (شرح الملتقی) میں ہے قدم کی انگلیوں کا زمین پر جانب قبلہ رکھنا فرض ہے خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ورنہ جائز نہیں اور لوگ اس سے غافل ہیں اور مکان کا پاک ہونا بھی شرط ہے اور حجم زمین کو پانا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں اھ تلخیصاً (ت)

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۲

اسی میں ہے :

منہا (ای من الفرائض) السجود بجبھتہ وقدمیہ ووضع اصبع واحدۃ منہما شرط[1]۔

ان میں سے (یعنی فرائض میں سے) پیشانی اور قدمین پر سجدہ کرنا ہے اور ان دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا شرط ہے ۔ (ت)

منیہ میں ہے :

لوسجد ولم یضع قدمیہ علی الارض لایجوز ولو وضع احدھما جاز[2]۔

اگر سجدہ کیا لیکن قدم زمین پر نہ لگے تو وہ جائز نہ ہوگا اور اگر ان سے ایک قدم لگ گیا تو جائز ہوگا (ت)

غنیہ میں ہے :

المراد من وضع القدم وضع اصابعھا قال الزاھدی ووضع رؤس القدمین حالۃ السجود فرض، وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیہ عن الارض لاتجوز وکذا فی الخلاصۃ والبزازی وضع القدم بوضع اصابعہ وان وضع اصبعا واحدۃ اووضع ظھر القدم بلا اصابع ان وضع مع ذلك احدی قدمیہ صح والا فلا فھم من ھذا ان المراد بوضع الاصابع توجیھھا نحو القبلۃ لیکون الاعتماد علیھا والا فھو وضع ظھر القدم وقد جعلہ غیر معتبر وھذا مما یجب التنبیہ لہ فان اکثر الناس عنہ غافلون[3]۔

قدم رکھنے سے مراد اس کی انگلیوں کو رکھنا ہے، زاہدی نے کہا حالتِ سجدہ میں دونوں قدموں کی انگلیوں کے سروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔ مختصر کرخی میں ہے اگر کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین سے اُٹھی رہیں تو سجدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے ۔ بزازیہ میں قدم رکھنے سے مراد انگلیوں کا رکھنا ہے اور اگر قدم کی پشت انگلیوں کے بغیر لگائی تو اگر اس کے ساتھ کسی ایک قدم کو بھی لگایا تو صحیح ورنہ نہیں، اس سے یہ بھی سمجھ آرہا ہے کہ انگلیوں کے رکھنے سے مراد انھیں قبلہ کی طرف کرنا ہے تاکہ ان پر ٹیک ہو ورنہ قدم کی پشت پر ہوگا اور اسے تو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اور اس پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۰
[2] منیۃ المصلی باب فرائض صلوٰۃ مبحث السجود ” مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۶۱
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض صلوٰۃ ” سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۵

بحرالرائق وشرنبلالیہ میں ہے :

السجود فی الشریعۃ وضع بعض الوجہ مما لاسخریۃ فیہ وخرج بقولنا لاسخریۃ فیہ ما اذا رفع قدمیہ فی السجود فانہ لایصح لان السجود مع رفعہما بالتلاعب اشبہ منہ بالتعظیم والاجلال ویکفیہ وضع اصبع واحدۃ فلولم یضع الاصابع اصلا ووضع ظہر القدم فانہ لایجوز لان وضع القدم بوضع الاصبع اھ ملتقطا۔[1]

شریعت میں سجدہ یہ ہے چہرہ کا زمین پر رکھنا اور اس میں تمسخر نہ ہو " لاسخریۃ فیہ " سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے جس میں دونوں قدم حالتِ سجدہ میں زمین پر نہ ہوں کیونکہ حالتِ سجدہ میں ان کا زمین سے اٹھا ہوا ہونا تعظیم و عزّت کے بجائے مذاق پر دلالت کرتا ہے اور اس میں ایک انگلی کا زمین پر لگ جانا کافی ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے انگلیاں بالکل نہیں لگائیں مگر پشتِ قدم کو لگایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قدم کے رکھنے سے مراد انگلی کا لگانا ہے اھ تلخیصاً (ت)

جوہرۃ نیرہ میں ہے :

من شرط جواز السجود ان لایرفع قدمیہ فان رفعہما فی حال سجودہ لاتجزیہ السجدۃ وان رفع احدٰھما قال فی المرتبۃ یجزیہ مع الکراھۃ ولوصلی علی الدکان وادلی رجلیہ عن الدکان عند السجود لایجوز وکذا علی السریر اذا ادلی رجلیہ عنہا لایجوز۔[2]

جوازِ سجدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں قدم زمین سے اُٹھے ہُوئے نہ ہوں اگر حالتِ سجدہ میں اُٹھے ہوئے رہے تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور اگر ان میں ایک رکھا ہُوا تھا تو مرتبہ میں ہے کہ سجدہ جائز مگر مکروہ ہوگا ، اگر کسی نے اونچی جگہ نماز پڑھی اور سجدہ کے وقت پاؤں نیچے لڑھکا دیئے تو جائز نہیں ، اسی طرح چارپائی سے اگر پاؤں نیچے لڑھکا دیئے تو سجدہ نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے :

اما افتراض وضع القدم فلان السجود

قدم کا زمین پر لگنا اس لئے ضروری ہے کہ ان کا

---

[1] بحرالرائق باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹۳

[2] جوہرہ نیرہ شرح قدوری 〃 〃 〃 〃 مکتبہ امدادیہ، ملتان ۱/۶۳

معرفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم والاجلال ویکفیه وضع اصبع واحدۃ وفی الوجیز وضع القدمین فرض فان رفع احدٰھما دون الاخری جاز ویکرہ[1]

اٹھا ہوا ہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے البتہ ایک انگلی کا لگ جانا بھی کافی ہوتا ہے وجیز میں ہے کہ دونوں قدموں کا لگانا فرض ہے اگر ایک لگا رہا اور دوسرا اُٹھ گیا تو جائز مگر مکروہ ہے۔ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے :

الصحیح ان رفع القدمین مفسد کما فی القنیۃ[2]

صحیح یہی ہے کہ قدمین کا زمین سے اٹھ جانا نماز کو فاسد کردیتا ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں ہے :

وضع اصبع واحدۃ من القدمین شرط[3]

قدمین کی ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے :

یفترض وضع واحدۃ من اصابع القدم[4]

قدم کی انگلیوں میں سے ایک کا لگنا فرض ہے۔ (ت)

اُسی میں زیر قول کنز وجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃ (پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرکے زمین پر لگایا جائے۔ت) فرمایا :

خص اصابع الرجلین بالذکر مع ان اصابع الیدین کذلك حتی یکرہ تحویلھا عن القبلۃ انما خصھا وضعھا موجھۃ کما ذکرہ نوح أفندی ونصہ

یہاں پاؤں کی انگلیوں کا ذکر ہوا ہے حالانکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا لگنا بھی اسی طرح ہے حتی کہ ان کا قبلہ سے پھر جانا بھی مکروہ ہے مگر مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انھیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا فرض ہے جیسا کہ نوح آفندی نے ذکر کیا اور اس کے الفاظ

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۶۵
[2] جامع الرموز فصل فی فرائض الصلوٰۃ ” مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۴۰
[3] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلوٰۃ ” ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۹
[4] ” ” ” ” ” ” ” ” ” ۱/۱۹۱

قال الزاهدی و وضع رؤس القدمین حالة السجود فرض وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیه عن الارض لا یجوز قال وفهم من هذا ان المراد بوضع الاصابع توجیهها نحو القبلة لیکون الاعتماد علیها والا فهو وضع ظهر القدم وهو غیر معتبر الخ وکذا الحلبی عن المنیة[1] الخ۔

یہیں زاہدی نے کہا حالتِ سجدہ میں قدمین کی انگلیوں کے سروں کا لگانا فرض ہے، مختصر کرخی میں ہے کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین پر نہ لگیں تو یہ جائز نہیں، اور فرمایا اس سے یہ بھی سمجھ آرہا ہے کہ انگلیوں کے لگانے سے مراد انھیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ اعتماد ان پر ہو ورنہ تو پُشتِ قدم پر ہوگا جو معتبر نہیں الخ حلبی میں منیہ سے یہی ہے۔ (ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

من شرط صحة السجود وضع شیئ من اصابع الرجلین موجها بباطنه نحو القبلة ولا یکفی لصحة السجود وضع ظاهر القدم[2]۔

صحتِ سجدہ کے لئے پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر زمین پر لگنا شرط ہے فقط ظاہرِ قدم کا زمین پر لگنا کافی نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا قال فی الهدایة واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فرض فی السجود اھ فاذا سجد ورفع اصابع رجلیه لا یجوز کذا ذکره الکرخی والجصاص ولو وضع احدهما جاز قال القاضی خاں و یکره قال فی المجتبی قلت ظاهر ما فی مختصر الکرخی والمحیط والقدوری انه اذا رفع احدهما دون الاخری لا یجوز وقد رأیت فی

ہدایہ میں اسی طرح ہے، رہا قدمین کا لگنا تو قدوری نے کہا کہ یہ سجدہ میں فرض ہے پس جب سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں نہ لگیں تو سجدہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح کرخی اور جصاص نے کہا اور اگر ایک انگلی لگ گئی تو جائز ہے، قاضی نے کہا مگر کراہت ہے۔ مجتبٰی میں ہے مختصر، کرخی، محیط اور قدوری کا ظاہر بتا رہا ہے کہ جب ایک پاؤں اٹھا ہوا ہو تو یہ جائز نہیں اور میں نے اس کے بعض نسخوں

---

[1] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲۷

بعض النسخ فیہ روایتان اھ ومشی علی روایۃ
الجواز برفع احدھما فی الفیض والخلاصۃ
وغیرھما' وذھب شیخ الاسلام الی ان
وضعھما سنۃ واختار فی العنایۃ ھذہ
الروایۃ وقال انھا الحق واقرہ فی الدرر ووجھہ
ان السجود لایتوقف تحققہ علی وضع
القدمین فیکون افتراض وضعھما زیادۃ
علی الکتاب بخبر الواحد لکن ردہ
فی شرح المنیۃ وقال ان قولہ ھو
الحق بعید عن الحق وبضدہ احق
اذ لاروایۃ تساعدہ والدرایۃ تنفیہ لان
مالایتوصل الی الفرض الا بہ فھو فرض و
حیث تظافرت الروایات عن ائمتنا بان
وضع الیدین والرکبتین سنۃ ولم ترد روایۃ
بانہ فرض تعین وضع القدمین او احدھما
للفرضیۃ ضرورۃ التوصل الی وضع الجبھۃ
وھذا لولم ترد بہ عنھم روایۃ کیف و
الروایات فیہ متوافرۃ اھ ویؤیدہ ما فی شرح
المجمع لمصنفہ حیث استدل علی ان وضع
الیدین والرکبتین سنۃ بان ماھیۃ السجدۃ
حاصلۃ بوضع الوجہ والقدمین علی الارض الخ
وکذا ما فی الکفایۃ عن الزاھدی من ان
ظاھر الروایۃ ما ذکر فی مختصر الکرخی وبہ
جزم فی السراج وفی الفیض وبہ یفتی ھذا وقال فی الحلیۃ
والاوجہ علی منوال ما سبق ھو الوجوب

میں دو روایتیں دیکھی ہیں اھ فیض اور خلاصہ
وغیرہ میں روایتِ جواز پر عمل کیا ہے۔ شیخ الاسلام
کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں کا رکھنا سنت ہے۔ عنایہ
میں اسی روایت کو مختار کہا ہے اور کہا یہی حق
ہے اور درر میں اسے ہی ثابت رکھا، وجہ یہ ہے
کہ سجدہ قدمین کے لگنے پر موقوف نہیں لہذا ان
کے لگنے کو فرض قرار دینے سے خبرِ واحد سے کتاب اللہ
پر زیادتی لازم آئے گی لیکن شرح منیہ میں اس کی
تردید ہے کہ اسے حق کہنا حق سے بعید ہے بلکہ
اس کا خلاف احق ہے کیونکہ کوئی روایت تائید
نہیں کرتی اور درایت اس کی نفی کرتی کیونکہ
جو فرض تک پہنچائے وہ بھی فرض ہوتا ہے، اور
اس مقام پر اپنے ائمہ سے کثرت کے ساتھ روایات
ہیں کہ قدمین اور ہاتھوں کا زمین پر لگانا سنت ہے اور
فرض کی روایت نہیں تاہم پیشانی لگانے کیلئے دو یا ایک قدم کا
لگانا فرض متعین ہے اگر کوئی روایت نہ ہوتی تب بھی یہ حکم تھا حالانکہ اس بارے
میں روایات کثیر ہیں اسکی تائید خود ماتن کی شرح مجمع کے اس استدلال سے بھی ہوتی ہے
ہاتھوں اور قدموں کا زمین پر لگانا سنت ہے کیونکہ
سجدہ کی ماہیت چہرہ اور قدمین زمین پر رکھنے سے
حاصل ہوجاتی ہے الخ اسی طرح کفایہ میں زاہدی
کے حوالے سے ہے کہ ظاہر الروایہ وہی ہے جس کا
ذکر مختصر الکرخی میں ہے اور اسی پر سراج میں جزم فرمایا اور فیض میں ہے
اسی پر فتوٰی ہے، حلیہ میں ہے گزشتہ طریقہ کے
مطابق سابقہ حدیث کے پیشِ نظر وجوب ہی مختار
ہے اھ یعنی اس طریقہ پر جو ان کے شیخ نے ہاتھوں اور

لما سبق من الحديث اداى على منوال ما حققه شيخه من الاستدلال على وجوب وضع اليدين والركبتين وتقدم انه اعدل الاقوال فكذا هنا واختاره فى البحر والشرنبلالية قلت ويمكن حمل كل من الروايتين السابقتين عليه بحمل عدم الجواز على عدم الحل لاعدم الصحة ونفى شيخ الاسلام فرضية وضعهما لاينافى الوجوب وتصريح القدورى بالفرضية يمكن تاويله فان الفرض قد يطلق على الواجب تامل وما مر عن شرح المنية للبحث فيه مجال لان وضع الجبهة لايتوقف على وضع القدمين بل توقفه على الركبتين واليدين ابلغ فدعوى فرضية وضع القدمين دون غيرهما ترجيح بلا مرجح والروايات المتظافرة انما هى فى عدم الجواز كما يظهر من كلامهم لافى الفرضية وعدم الجواز صادق بالوجوب كما ذكرنا والحاصل ان المشهور فى كتب المذهب اعتماد الفرضية والارجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية (ملخصا) والله تعالٰى اعلم۔

قدموں کے رکھنے پر یہ استدلال کیا تھا اور یہ گزر چکا کہ یہ معتدل قول ہے پس یہاں بھی یہی معاملہ ہے اور اسے بحر اور شرنبلالیہ میں مختار کہا میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ سابقہ دونوں روایات میں عدمِ جواز کو عدمِ حلت پر محمول کریں نہ کہ عدمِ صحت پر، شیخ الاسلام کی ان کے زمین پر لگنے کی فرضیت کی نفی کرنا وجوب کے منافی نہیں، قدوری کی تصریح کہ یہ فرض ہے اس کی تاویل ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات فرض کا اطلاق وجوب پر ہوتا ہے، تامل۔ شرح المنیہ کے حوالے سے جو کچھ گزرا ہے وہ قابلِ بحث ہے کیونکہ پیشانی کا رکھنا قدمین کے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ ہاتھوں اور گھٹنوں پر موقوف ہونا زیادہ واضح ہے لہذا قدمین کو زمین پر رکھنے کو فرض قرار دینا اور دوسروں کو نہ قرار دینا ترجیح بلا مرجح ہے اور روایات کثیرہ اس کے عدمِ جواز میں ہیں جیسا کہ علماء کے کلام سے واضح ہے نہ کہ عدمِ فرضیت میں، اور عدمِ جواز، وجوب کی صورت میں بھی صادق آتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، حاصل یہ کہ مشہور کتبِ مذہب میں فرضیت ہے اور قواعد کے مطابق راجح وجوب ہے (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم

قوله ولو واحدة صرح به فى

قولہ اگرچہ ایک انگلی ہو، فیض میں

۱؎ ردالمحتار فصل ای فی بیان تالیف الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۶۹

الفیض قولہ نحو القبلۃ اقول وفیہ نظر فقد قال فی الفیض ولو وضع ظھر القدم دون الاصابع بان کان المکان ضیقا او وضع احدھما دون الاخری لضیقہ جاز کما لو قام علی قدم واحد و ان لم یکن المکان ضیقا یکرہ اھ فھذا صریح فی اعتبار وضع ظاھر القدم وانما الکلام فی الکراھۃ بلا عذر لکن رأیت فی الخلاصۃ ان وضع احدھما بان الشرطیۃ بدل او العاطفۃ اھ لکن ھذا لیس صریحا فی اشتراط توجیہ الاصابع بل المصرح بہ ان توجیھھا نحو القبلۃ سنۃ یکرہ ترکھا کما فی البرجندی والقھستانی۔[1] (ملخصا)

اسی کی تصریح ہے **قولہ** قبلہ کی طرف **اقول** اس میں نظر ہے فیض میں ہے اگر قدم کی پشت لگی اور انگلیاں نہ لگیں مثلاً جگہ تنگ ہے یا تنگی کی وجہ سے ایک قدم لگا دوسرا نہ لگ سکا تو جائز ہے جیسا کہ کوئی ایک قدم پر کھڑا ہوتا ہے اگر مکان تنگ نہ ہو تو کراہت ہے اھ یہ عبارت اس بات پر تصریح کہ پشتِ قدم کا اعتبار ہے کلام اس میں ہے کہ بلا عذر یہ مکروہ ہے لیکن میں نے خلاصہ میں دیکھا ہے کہ وہاں او وضع کی بجائے ان وضع احدھما ہے (یعنی ان شرطیہ کے ساتھ) لیکن یہ بات انگلیوں کے متوجہ کرنے کو شرط قرار دینے میں صریح نہیں بلکہ تصریح یہ ہے کہ قبلہ کی طرف انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے اور اس کا ترک مکروہ، جیسا کہ برجندی اور قہستانی میں ہے۔ (ملخصاً)

یہ علامہ شامی کا کلام ہے کہ قدرے اختصار کے ساتھ منقول ہوا۔

انا **اقول** وباللہ العون حمل عدم الجواز علی عدم الحل فی الصلاۃ بعید ولھذا اعترفتم ان المشھور فی کتب المذھب اعتماد الفرضیۃ مع قولکم ان تظافر الروایات انما ھو فی عدم الجواز فلولا ان مرادہ الشائع الذائع ھو الافتراض فمن این یکون اعتماد الفرضیۃ

میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں نماز میں عدمِ جواز کو عدمِ حلت پر محمول کرنا بعید ہے اسی لئے تم نے اعتراف کیا کہ مشہور کتبِ مذہب میں فرضیت ہے باوجود اس کے کہ تمہارا قول ہے کہ اکثر روایات عدمِ جواز پر ہیں اگر ان کی مراد مشہور و معروف فرض قرار دینا نہیں تو فرضیت پر اعتماد کتبِ مشہورہ میں کیسے ہوگیا؟ پھر محل میں گنجائش ہے کہ "لم یجز" کہا گیا اور ضمیر مثلاً رفع قدمین کی طرف لوٹ رہی ہو جب

[1] ردالمحتار فصل ای فی بیان تالیف الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ١/٣٦٩

مشهورا فی کتب المذهب ثم للمحمل مساغ
حیث یقال لم یجز والضمیر لرفع القدمین
مثلا اما اذا قیل لم تجز والضمیر للصلاة تعین
مفید العدم الصحة وثبوت الفرضیة بالمعنی
المقابل للوجوب وهو کذلك فی غیر ما کتاب
منها مختصر الکرخی کما تقدم هذا وجه والثانی
مثله اضافة عدم الجواز للسجود کما مضی عن
الجوهرة والثالث اظهر منه التعبیر بعدم الاجزاء
کما سلف عنها ایضا فهو مفسر لا یقبل التاویل
والرابع کذا الحکم بالفساد کما سمعت عن جامع
الرموز عن القنیة والخامس مقابلتهم عدم
الجواز هذا بحکم الجواز علی ما اذا رفع
احدی القدمین کما فی الفتح والوجیز
والجوهرة وغیرها نص ایضا فی ارادة
الجواز بمعنی الصحة الاتری انهم حکموا
علیه بالکراهة والمراد کراهة التحریم
کما هو المحمل عند الاطلاق و
کما هو قضیة الدلیل هنا فالجواز
بمعنی الحل منتف فیه ایضا و
السادس قد عبر فی عدة کتب کالخلاصة و
البزازیة والغنیة والبحر الرائق ونور الایضاح
ومراقی الفلاح وغیرها کما سبق بعدم الصحة
وهو صریح فی المراد والسابع مثله الحکم
بالشرطیة کما فی الدر والجوهرة وابی السعود و
نور الایضاح ومراقی الفلاح وغیرها والثامن

"لم تجز" کہا جائے تو ضمیر نماز کی طرف
لوٹے جس سے عدمِ صحت کا تعین ہو جاتا اور اس
فرضیت کا بھی جو معنی وجوب کے مقابل ہے اور
متعدد کتب میں اسی طرح ہے ان میں سے مختصر الکرخی
بھی ہے جیسا کہ پہلے گزرا، یہ ایک صورت ہے
دوسری اس کے مثل کہ عدمِ جواز کی سجدہ کی طرف اضافت
جیسا کہ جوہرہ کے حوالے سے گزرا ہے، تیسری جو کہ
واضح ہے کہ عدم اجزاء سے تعبیر کرنا جیسا کہ پیچھے آیا
یہ بھی مفسر ہے اور یہ تاویل کو قبول نہیں کرتا۔ چوتھی
اسی طرح حکم بالفساد جیسا کہ آپ نے جامع الرموز
سے قنیہ کے حوالے سے پڑھا ہے۔ پانچویں یہ کہ
انھوں نے مقابلہ عدمِ جواز کا جواز کے ساتھ کیا ہے اور
جواز کا حکم اس صورت میں ہوگا جب ایک قدم
اٹھا ہوا ہو جیسا کہ فتح، وجیز، جوہرہ وغیرہ میں ہے
اس پر بھی تصریح ہے کہ جواز بمعنی صحت مراد
ہے کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انھوں نے اسے مکروہ
کہا ہے اور کراہت سے مراد تحریمی ہے جیسا کہ اطلاق
کے وقت ہوا کرتا ہے اور یہاں دلیل کا تقاضا بھی
یہی ہے تو جواز بمعنی حلت یہاں بھی نہ ہوا، چھٹی
کہ بہت سی کتب مثلاً خلاصہ، بزازیہ، غنیہ، بحرالرائق،
نورالایضاح، مراقی الفلاح وغیرہ میں اسے عدمِ صحت
کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہ مراد پر واضح تصریح ہے۔
ساتویں اسی کی مثل حکم بالشرطیۃ ہے جیسا کہ در، جوہرہ،
ابوسعود، نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے۔
آٹھویں شرح مجمع، کافی، فتح، بحر وغیرہ میں ہے

صرح فی شرح المجمع والکافی والفتح و البحر وغیرہ کما مر بدخول ذلك فی حقیقة السجود شرعا وکل قاض بالافتراض بالمعنی الخاص غیر قابل للتاویل الذی ابن یتموہ فکیف یمکن ارجاع جمیع تلك الصرائح الی ماتاباہ بالاباء الواضح فانی یتأتی التوفیق و من این یسوغ ترك النصوص المذهب الی بحث ابداہ العلامة ابن امیر الحاج وان تبعہ البحر والشرنبلالی علی مناقضة منهما لانفسهما رحمهم اللہ تعالٰی والبحر صرح ھھنا وقبلہ بان السجود مع رفع القدمین تلاعب والشرنبلالی قد جزم فی متنہ وشرحہ بافتراض وضع بعض الاصابع والمحقق علی الاطلاق اعلم وافقہ من تلمیذہ ابن امیر الحاج وقد جزم بما جزم وقد سمعت کل ذلك ثم النظر فی دلیل العلامة ابراھیم الحلبی مدفوع بما قدمنا عن الفتح والبحر والشرنبلالی ان السجود مع رفع القدمین بالتلاعب اشبہ منہ بالتعظیم ولانسلم ان کذلك الیدان والرکبتان وکون توقف وضع الوجہ علی وضعھا تین ابلغ من توقفہ علی وضع القدمین مع ظھور ضعفہ فی الیدین فلا حاجة فی وضعہ الی وضعھما اصلا وکذا فی الرکبتین فان الواقع ھھنا التساوی لا الابلغیة نحن لا نبنی الکلام علی توقف

جیسا کہ گزرا کہ یہ ماہیت سجدہ میں شرعاً داخل ہے اور یہ تمام امور یہاں فرض بمعنی خاص کیلئے فیصلہ کن ہیں جو قابلِ تاویل نہیں ہیں تو یہ تصریحات جس سے واضح انکاری ہیں اس پر ان کو کیسے محمول کیا جا سکتا ہے یہ توفیق کہاں ہوئی اور مذہب کی نصوص کو چھوڑ کر علامہ ابن امیر الحاج کی بحث کی گنجائش کہاں سے نکلی اگرچہ بحر اور شرنبلالی میں اس کی اتباع کی گئی ہے علاوہ ازیں ان کا خود اپنا تضاد ہے بحر نے یہاں اور اس سے پہلے تصریح کی ہے کہ قدموں کے اٹھائے ہُوئے سجدہ مذاق ہے۔ شرنبلالی نے متن اور شرح میں کچھ انگلیوں کے لگانے پر جزم کیا ہے، اور محقق علی الاطلاق اپنے شاگرد ابن امیر الحاج سے زیادہ صاحبِ علم وفقہ ہیں اور انھوں نے اسی پر جزم کیا جس پر کرنا تھا اور وہ تمام آپ نے پڑھ لیا ہے پھر علامہ ابراہیم حلبی کی دلیل پر اعتراض اس سے ختم ہوجاتا ہے جو ہم نے پہلے فتح، بحر، شرنبلالی کے حوالے سے بیان کیا کہ قدم اٹھائے ہُوئے سجدہ کرنا تعظیم کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کا یہی معاملہ ہے اور چہرے کا لگنا قدمین کے لگنے سے ان پر زیادہ موقوف ہے باوجود اس کے اس کا ضعف ہاتھوں میں ظاہر ہے کیونکہ چہرے کے رکھنے میں ان دونوں کی ضرورت اصلاً نہیں اسی طرح گھٹنوں کا معاملہ ہے کیونکہ یہاں مساوات ہے زیادتی نہیں اور ہم کلام کی

وضع الوجه بل على توقف السجود المطلوب الشرعی علیه وهو الذی یكون علی جهة التعظیم و الاجلال ولا تعظیم اذا وضع الوجه و رفع القدمین کما افاد المحقق علی الاطلاق فمن هذا كان وضع القدم مما لا یتوصل الی الفرض الا به فكان فرضا لاجرم لم یتفرد العلامة الحلبی بهذا التعلیل بل سبقه الیه امام جلیل وهو الامام ابو البركات النسفی قال فی شرح وافیة الكافی وضع القدمین فرض فی السجود لانه لایمكن تحقیق السجود الا بوضع القدمینؑ اھ فلم یقل لایمكن وضع الوجه بل تحقیق السجود اما قول الغنیة نحو القبلة وقد تبعه علیه العلامة الشرنبلالی فی مراقی الفلاح والمدقق العلائی و العلامة نوح أفندی والعلامة ابو السعود الازهری وقد تلونا علیك نصوصهم جمیعا **فاقول** حمله علی ما فهمتم بعید من مرامهم كل البعد وكیف یرومونه وهم مصرحون بانفسهم ان توجیه الاصابع سنة یكره تركه فلم یحتج علیهم بالبرجندی و القهستانی لم لا یحتج علیهم بهم

بنیاد چہرے کے رکھنے کے موقوف پر نہیں رکھتے بلکہ سجدہ کے موقوف ہونے پر رکھتے ہیں جو مطلوب شرعی ہو اور اس میں تعظیم وتوقیر ہو نہ کہ اس صورت میں جب چہرہ رکھا ہو اور قدم اُٹھے ہوئے ہوں جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فرمایا تو اب قدموں کا رکھنا فرض کی تکمیل کے لئے ضروری ہوا تو وہ لامحالہ فرض ہوگا اور علامہ حلبی اس تعلیل کے بیان کرنے میں تنہا نہیں بلکہ اس سے پہلے ایک امام جلیل جن کا اسم گرامی ابو البرکات نسفی ہے نے بیان کی ہے، شرح وافیہ الکافی میں فرمایا سجدے میں قدموں کا لگانا فرض ہے کیونکہ سجدہ کا وجود قدمین کے رکھنے کے بغیر ممکن نہیں اھ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ چہرے کا رکھنا ممکن نہیں بلکہ کہا کہ سجدے کا وجود ممکن نہیں۔ رہا غنیہ کا قول" قبلہ کی طرف " تو اس کی علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں، مدقق علائی ، علامہ نوح آفندی، علامہ ابو السعود ازہری نے اتباع کی ہے ، اور ہم نے ان کی عبارات کا تذکرہ کر دیا ہے **فاقول** ان کی عبارات کو جو تم نے سمجھا ہے وہ ان کے مقصود سے کہیں دُور ہے اور یہ مراد لے بھی کیسے سکتے ہیں حالانکہ خود انھوں نے تصریح کی ہے کہ انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنّت اور اس کا ترک مکروہ ہے۔ پس برجندی اور قہستانی کے حوالے سے ان کے خلاف احتجاج کیوں کیا ہے ، کیوں نہ ان کے

ؑ کافی شرح وافی

قال الحلبی قبیل فصل النوافل یعنی کل شیئ لم یذکر انہ فرض او واجب قد ذکرنا فی صفۃ الصلوۃ مما سوی ما عینا ھھنا انہ سنۃ فھو ادب لکن ھذا التعمیم فیہ نظر و فان من جملۃ ذلک وضع الیدین والرکبتین فی السجود وھو سنۃ وکذا ابداء الضبعین ومجافاۃ البطن عن الفخذین وتوجیہ الاصابع نحو القبلۃ فیہ فان کل ذلک سنۃ لما تقدم من ادلتہ ھناک[1] وقال الشرنبلالی متنا وشرحا یکرہ تحویل اصابع یدیہ اور جلیہ عن القبلۃ فی السجود وغیرہ لما فیہ من ازالتھا عن الموضع المسنون[2] وقال العلائی یستقبل باطراف اصابع رجلیہ القبلۃ ویکرہ ان لم یفعل ذلک[3] بل انما ارادوا رحمھم اللہ تعالٰی علی ما الھمنی الملک المنعام عزجلالہ ان یقولوا یفترض وضع بطن الاصبع ولا یکفی وضع ظھرھا ولا رأسھا الکائن عند ظفرھا لان علی الاول یکون وضع ظھر القدم وقد اسقطوہ عن الاعتبار وعلی الثانی

خلاف خود ان کی عبارات سے احتجاج کیا۔

حلبی نے فصل النوافل سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ نوافل سے مراد ہر وہ شئی ہے جس کا فرض یا واجب ہونا مذکور نہ ہو اور جن اشیاء کو ہم نے صفۃ الصلوۃ میں سنّت ہونا معین کیا ہے ان کے سوا تمام آداب ہیں لیکن یہ تعمیم محلِ نظر ہے کیونکہ ان میں حالتِ سجود میں ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا بھی ہے حالانکہ وہ سنّت ہے اسی طرح پہلوؤں کا رانوں کا پیٹ سے دُور رکھنا، حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بھی ہے کیونکہ یہ سابقہ دلائل کی بنا پر سنّت ہیں شرنبلالی نے متن اور شرح میں کہا حالتِ سجود وغیرہ میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے پھیرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں طریقہ سنّت کی خلاف ورزی ہے۔ علائی نے کہا پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کیا جائے اور اگر نہ کیا تو کراہت ہوگی، اللہ تعالٰی نے مجھے جو آگاہ فرمایا ہے اس کے مطابق یہ سمجھا ہوں کہ وہ تمام بزرگ رحمہم اللہ تعالٰی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک انگلی کا باطن لگانا فرض ہے اس کا ظاہر اور اس کا سر جو ناخن والا حصہ ہے لگا لینا کافی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں قدم کی پشت پر سجدہ ہوگا جس کا وہ اعتبار ہی نہیں کرتے، دُوسری صورت میں

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الصلوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی المکروہات 〃 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۴

[3] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوۃ 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۶

يكون وضعا مجردا عن الاعتماد والمقصود الاعتماد وقد بين هذا بقوله ليكون الاعتماد عليها والا فهو وضع ظهر القدم وقد جعله غير معتبر وانما عبر عنه بالتوجيه نحو القبلة لان المصلى ان اراد فى سجوده الاعتماد على بطن اصبع قدمه لم يمكنه ذلك الا بتوجيهها نحو القبلة اعنى بالمعنى المفترض فى الاستقبال ممتدا بين الجنوب والشمال لا بالمعنى المسنون المنافى للانحراف، وكذلك ان اراد توجيهها للقبلة بالمعنى العام لم يتأت له الا باصابة بطنها الارض، وهذا ظاهر جدا فبينهما تلازم فى الصلوة وان كان يمكن خارجها لمن سجد غلطا او عمدا لغير القبلة ان يعتمد على بطنها وهى على خلاف جهة القبلة، فكان هذا من باب اطلاق اللازم وارادة الملزوم، اما السنة فجعلها على مسامتة القبلة من دون انحراف، وهذا الذى ليس فى تركه الا الكراهة والاساءة، هكذا ينبغى ان يفهم هذا المقام والحمد لله الملك المنعام وذلك ما نقل الامام ابن امير الحاج فى الحلية عن التحقيق مقرا عليه المعتبر فى القدمين بطون الاصابع الخ اما ما نقلتم عن الفيض فى العبارة فى الخلاصة والوجيز والحلية والغنية و

اعتماد نہیں ہوگا حالانکہ مقصود اعتماد ہے جسے ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے تاکہ ان پر اعتماد ہو ورنہ سجدہ قدم کی پشت پر ہوگا حالانکہ اسے معتبر تسلیم نہیں کیا گیا، یہاں فقہاء نے قبلہ کی طرف متوجہ کرنا کہا ہے کیونکہ نمازی اگر حالتِ سجدہ میں قدم کی ایک انگلی کے باطن پر اعتماد چاہے تو یہ ممکن نہیں مگر اس وقت جب اسے قبلہ کی طرف متوجہ کرے میری مراد جنوباً وشمالاً استقبالِ قبلہ کے لئے اسے بچھانا ہے نہ کہ وہ معنی مسنون جو انحراف کے منافی ہے اور اسی طرح اگر متوجہ ہونے کا عام معنی لیا جائے تو بھی انگلیوں کے باطن کا زمین پر لگنا ضروری ہوگا اور یہ بالکل واضح ہے پس ان دونوں کے درمیان نماز میں تلازم ہے اگرچہ نماز سے باہر یہ ممکن ہے اس شخص کے لئے جس نے غیر قبلہ کی طرف غلطی سے یا عمداً سجدہ کیا کہ وہ انگلیوں کو قبلہ رُو کئے بغیر ان پر ٹیک لگائے تو یہاں اطلاق لازم اور مراد ملزوم ہے، رہا معاملہ سنّت ہونے کا تو وہ قبلہ کی جانب ہے بغیر کسی انحراف کے، اور وہ یہ ہے جس کے ترک میں کراہت و اساءت کے علاوہ کچھ نہیں اس مقام کو اس طریقہ سے سمجھنا چاہئے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو حامد و منعم ہے اور یہی وہ ہے جو امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ثابت رکھتے ہوئے تحقیق سے نقل کیا کہ معتبر قدمین میں انگلیوں کا باطن ہے الخ اور جو تم نے فیض سے نقل کیا ہے کہ خلاصہ، وجیز، حلیہ، غنیہ، ہندیہ

وغیرھا بلاخلاف بان الشرطیۃ دون او العاطفۃ فاو فی نسخۃ الفیض تصحیف و قد اغتربہ العلامۃ البرجندی فی شرح النقایۃ فلیتنبہ وبالجملۃ **فتحرر** مما تقرر ان الاعتماد فی السجود علی بطن احدی اصابع القدم العشر فریضۃ فی المذھب المعتمد المفتی بہ والاعتماد علی بطون کلھا او اکثرھا من کلتا القدمین لایبعد ان یجب لما حررہ فی الحلیۃ وتوجیھھا نحو القبلۃ من دون انحراف سنۃ اغتنم ھذا التحریر المفرد المنیر فلعلک لاتجدہ من غیر الفقیر وللہ الحمد والمنۃ۔

وغیرہ میں بالاتفاق ہے "ان" شرطیہ ہے "او" عاطفہ نہیں ہے پس "او" نسخہ فیض میں تحریف ہے اور اس سے علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں دھوکا کھایا ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے۔ اس تمام گفتگو سے آشکار ہوگیا کہ حالتِ سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اعتماد مذہبِ معتمد اور مفتی بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی انحراف کے سنّت ہے اس یکتا، منفرد اور روشن گفتگو کو غنیمت جانو شاید اس فقیر کے علاوہ کسی اور کے ہاں تم کو نہ ملے، اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد واحسان ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ان بلاد میں اکثر جُوتے سلیم شاہی پنجابی تُوردنو کے منڈے گرگابی وغیرہا خصوصاً جبکہ نئے ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر باعتماد تمام بچھنے نہ دیں گے تو ان جُوتوں کو پہن کر مذہب مفتی بہ پر نماز ہوگی ہی نہیں اور گناہ و ناجوازی تو ضرور نقد وقت ہے عرب شریف کے جوتوں میں صرف پاؤں کے نیچے چمڑا ہوتا تھا اور اوپر بندش کے لئے تسمہ جسے شراک کہتے تھے پھر عرب میں نعل کی تعریف یہ تھی کہ نرم ورقیق ہو یہاں تک کہ صرف اکہرے پرت کی زیادہ پسند رکھتے، مجمع بحار الانوار میں زیر حدیث:

ان رجلا شکا الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا من الانصار فقال یاخیرمن یمشی بنعل فرد، والفرد ھی التی تخصف ولم تطارق وانما ھی طارق واحد والعرب یمدح برقۃ النعال ویجعلھا من لباس الملوک[1]۔

ایک آدمی نے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری کی شکایت کرتے ہوئے کہا: اے ایک پرت والے جُوتے پہننے والوں میں افضل ترین ذات۔ فرد اس نعل کو کہتے ہیں جس کا ایک پرت ہو، اور عرب جُوتے کی نرمی کو پسند کرتے ہیں اور یہ ملوک کا لباس ہے (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار لفظ نعل کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳۷۳/۴

تو وُہ کیسے ہی نئے ہوتے سجدہ میں فرض وواجب کیا کسی طریقہ مسنونہ کو بھی مانع نہ ہوتے اُن نعال پر یہاں کی جُوتیوں کا قیاس صحیح نہیں، پھر اگر اُسی طرح کے جُوتے ہوں کہ سنت سجدہ میں بھی خلل نہ ڈالیں تو اگر وُہ نئے بالکل غیر استعمالی ہیں تو اُنھیں پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے اگرچہ مسجد میں ہو۔ درمختار میں ہے: صلاتہ فیھما افضل[1] (ان میں نماز افضل ہے۔ ت) مگر عندالتحقیق استعمالی جُوتے پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے اور اگر معاذ اللہ نماز کو کہ حاضری بارگاہ شہنشاہ حقیقی ملک الملوک رب العرش عزجلالہ ہے بلکا جان کر استعمالی جُوتا پہنے ہوئے نماز کو کھڑا ہوگیا تو صریح کفر ہے پھر بے نیت استخفاف نری کراہت بھی اُس حالت میں ہے کہ غیر مسجد میں ایسا کرے اور مسجد میں تو استعمالی جُوتے پہنے جانا ہی ممنوع و ناجائز ہے نہ کہ مسجد میں یہ جُوتا پہنے شرکت جماعت نماز۔ دخولِ مسجد کے یہ احکام بحمد اللہ تعالٰی دلائل کثیرہ سے روشن ہیں تفصیل موجب تطویل ہوگی لہذا چند کلمات نافع وسُود مند باذن اللہ تعالٰی القاکریں کہ بعونہ تعالٰی احکام کا ایضاح اور اوہام کا ازالہ کریں

فاقول وباللہ استعین (پس میں اللہ تعالٰی سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ ت)

افادۂ اوّل متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب مذہب میں بلاخلاف تصریح صاف ہے کہ ثیاب بذلت ومہنت یعنی وُہ کپڑے جن کو آدمی اپنے گھر میں کام کاج کے وقت پہنے رہتا ہے جنھیں میل کچیل سے بچایا نہیں جاتا اُنھیں پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرہ صلوتہ فی ثیاب بذلۃ (یلبسھا فی بیتہ) (ومھنۃ) ای خدمۃ ان لہ غیرھا[2]۔

کام کے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے (وہ کپڑے جو گھر میں پہنتا ہے) (اور صنعت کے کپڑوں میں یعنی خدمت والے اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے ہوں (ت)

درر وغرر وشرح وقایہ وشرح نقایہ ومجمع الانہر وبحرالرائق وردالمحتار میں ان کی تفسیر کی:

مایلبسہ فی بیتہ ولایذھب بہ الی الاکابر[3]۔

جو کپڑے صرف گھر میں پہنتا ہو وُہ پہن کر اکابر کے ہاں نہ جاتا ہو۔ (ت)

غنیہ میں اُن کی تفسیر کی: مالایصان ولایحفظ من الدنس ونحوہ[4] (جن کپڑوں کو وہ میل کچیل سے محفوظ

[1] درمختار | باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا | مطبوعہ مجتبائی دہلی | ۱/۹۳
[2] " " | " " " " | " " " | ۱/۹۱
[3] ردالمحتار | مطلب مکروہات الصلٰوۃ | " مصطفی البابی مصر | ۱/۴۷۲
[4] غنیۃ المستملی | فصل کراہیۃ الصلٰوۃ | " سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۳۴۹

نہ رکھتا ہو۔ت) اُسی میں ہے:

یکرہ تکمیلا لرعایۃ الادب فی الوقوف بین یدیہ تعالٰی بما امکن من تجمیل الظاھر والباطن وفی قولہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد اشارۃ الٰی ذٰلک وان کان المراد بھا ستر العورۃ علی ما ذکرہ اھل التفسیر کما تقدم[1]۔

اللہ تعالٰی کی بارگاہِ اقدس میں ظاہری و باطنی جمال کا حصول اس بارگاہ کے آداب میں سے ہے اور اللہ تعالٰی کے ارشادِ گرامی "تم ہر مسجد میں جانے کے وقت زینت اختیار کرو" میں اسی طرف اشارہ ہے اگرچہ اس سے مراد سترِ عورت ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا (ت)

امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا: بھلا بتاؤ تو اگر میں کسی آدمی کے پاس تجھے بھیجوں تو انھیں کپڑوں سے چلا جائے گا؟ کہا نہ۔ فرمایا: تو اللہ عزوجل زیادہ مستحق ہے کہ اس کے دربار میں زینت و ادب کے ساتھ حاضر ہو۔ حلیہ پھر بحرالرائق میں ہے:

احتج لہ فی الذخیرۃ بانہ روی ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ رأی رجلا فعل ذٰلک فقال ارأیت لو ارسلتک الی بعض الناس اکنت تمر فی ثیابک ھٰذہ فقال لا فقال عمر فاللہ احق ان یتزین لہ[2]۔

ذخیرہ میں اس پر یوں استدلال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا خیال ہے اگر تجھے میں کسی آدمی کے پاس بھیجوں تو تُو انھیں کپڑوں میں چلا جائے گا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالٰی سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ہاں حاضری کے لئے زینت اختیار کی جائے۔ (ت)

سبحٰن اللہ کام خدمت کے کپڑے کہ گھر میں پہنے جاتے ہیں اُنھیں پہن کر نماز مکروہ ہو اور استعمالی جُوتے کہ پاخانے میں پہنے جاتے ہیں انھیں پہن کر نماز مکروہ نہ ہو، معمولی کپڑے کہ میل سے محفوظ نہیں رکھے جاتے اُن سے نماز میں کراہت ہو اور مستعمل جُوتے کہ نجاسات سے بچائے نہیں جاتے اُن سے نماز میں کراہت نہ ہو یہ بداہت عقل کے خلاف اور صریح خونِ انصاف ہے ولیس ھٰذا من باب القیاس بل کما تری استدلال بفحوی الخطاب لایحوم حولہ شک ولا ارتیاب (یہ مسئلہ قیاسی نہیں بلکہ اندازِ خطاب سے آپ

---

[1] غنیۃ المستملی فصل کراہیۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

[2] بحر الرائق آخر مکروہات الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳

استدلال دیکھ رہے ہیں اس میں نہ کوئی شک ہے نہ ریب۔ ت)

افادہ دوم متون وشروح وفتاوٰی تمام کتبِ مذہب میں بلاخلاف تصریح صاف ہے کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ اسے نجاست سے کامل احتیاط دشوار ہے، ہدایہ میں ہے:

یکرہ تقدیم الاعمٰی لانہ لایتوقی النجاسۃ۔[1]

نابینا کا امام بنانا مکروہ ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔ (ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

الاعمٰی لایصون ثیابہ عن النجاسات فالبصیر اولی بالامامۃ۔[2]

نابینا اپنے کپڑوں کو نجاسات سے محفوظ نہیں رکھ سکتا لہذا امامت کے لئے بینا ہونا بہتر ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ونحوہ الاعشٰی نہر[3] (اس کی مثل اعشٰی ہے، نہر۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاعشٰی ھو سیئ البصر لیلا ونہارا قاموس وھذا ذکرہ فی النہر بحثا اخذا من تعلیل الاعمٰی بانہ لایتوقی النجاسۃ۔[4]

اعشٰی سے مراد وہ شخص ہے جس کی دن یا رات کو نظر کم ہوجائے، قاموس۔ نہر میں نابینا کی علت یہی بیان ہوئی ہے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔ (ت)

ابوالسعود علی الکنز میں ہے:

والاعمٰی لانہ لایتوقی النجاسۃ وھذا یقتضی کراھۃ امامۃ الاعشٰی۔[5]

نابینا کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ اعشٰی کی امامت بھی مکروہ ہو۔ (ت)

---

[1] الہدایہ — باب الامامۃ — مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی — ۱/۱۰۱
[2] کافی شرح وافی
[3] الدرالمختار — باب الاحق بالامامۃ — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۸۳
[4] ردالمحتار — باب الامامۃ — ″ مصطفی البابی مصر — ۱/۴۱۴
[5] فتح المعین حاشیہ علی شرح الکنز — باب الامامۃ — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۲۰۸

طحطاوی علی المراقی میں اس کے بعد ہے : وھوالذی لایبصر لیلاً[1] (وہ شخص جسے رات کو دکھائی نہ دے ۔ ت)

محلِ انصاف ہے کہ نمازی پرہیزگار نابینا بلکہ ضعیف البصر کے کپڑوں یا بدن پر اندیشہ ومظنہ نجاست زیادہ ہے یا ان استعمالی جُوتوں پر جنھیں پہن کر پاخانے تک میں جانا ہوتا ہے پھر وہاں کراہت ہونا یہاں نہ ہونا صریح عکس مدعا ہے بلکہ وہاں ایک حصہ کراہت ہو تو یہاں کئی حصّے ہونا ہے۔

افادۂ سوم علمائے حدیث مذکورِ سوال کی شرح میں تصریح فرمائی کہ عام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس صحیح نہیں حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کون احتیاط کرسکتا ہے !

اقول اور اگر نادراً کوئی شَے واقع ہو تو جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہو کر عرض کردیتے ہیں جیساکہ حدیث خلع نعال فی الصلوۃ سے ثابت ہے۔ مجمع بحار الانوار میں برمز "ن" فرمایا :

یصلی فی النعلین لایوخذ منہ لغیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان حفظ غیرہ لایلحق بہ[2]۔

حضور علیہ السلام نے نعلین میں نماز ادا کی اس سے کوئی دُوسرا استدلال نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی دوسرا آپ کی طرح حفاظت نہیں کرسکتا۔ (ت)

افادۂ چہارم بے جرم نجاست مثل بول وغیرہ کا مطلقاً طرفِ زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہوجانا جیساکہ سوال میں بیان کیا حسبِ تصریح صریح کتب معتمدہ تمام ائمہ مذہب کے خلاف ہے، امام محمد کے نزدیک تو نعل وخف بھی مطلقاً بے دھوئے پاک نہیں ہوسکتے جیسے کپڑے کا حکم ہے اور امام اعظم کے نزدیک نجاست جرمدار اور خشک ہوگئی ہو اس کے بعد اس قدر رگڑیں کہ اس کا اثر زائل ہوجائے اُس وقت طہارت ہوگی اور تر نجاست یا بے جرم جیسے پیشاب وغیرہ بے دھوئے پاک نہ ہوں گے، اور امام ابی یوسف کی روایت میں اگرچہ خشک ہوجانا شرط نہیں تر بھی ملنے ولنے اثر زائل کردینے سے پاک ہوسکتی ہے مگر جرم دار نجاست کی ضرور قید ہے اکثر مشائخ نے قول امام ابی یوسف ہی اختیار کیا اور یہی مختار للفتوی ہے تو بے جرم نجاست کی بے دھوئے تطہیر ائمہ ثلثہ مذہب کے بھی خلاف اور جمہور مشائخ مذہب کے بھی خلاف اور قول مختار للفتوی کے بھی خلاف ہے وقد صرحوا ان لاعبرۃ بالبحث علی خلاف المنقول (اس کی تصریح کی ہے کہ خلافِ منقول بحث کا اعتبار نہیں ۔ ت) ہدایہ میں ہے :

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[2] مجمع بحار الانوار تحت لفظ نعل مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۳۷۳

اذا اصاب الخف نجاسۃ لہا جرم کالروث والعذرۃ والدم فجفت فدلکہ بالارض جاز وھذا استحسان وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز وھو القیاس وفی الرطب لایجوز حتی یغسلہ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ اذا مسحہ بالارض حتی لم یبق اثر النجاسۃ یطہر لعموم البلوی واطلاق مایروی وعلیہ مشائخنا رحمہم اللہ تعالٰی فان اصابہ بول فیبس لم یجز حتی یغسلہ وکذا کل مالاجرم لہ کالخمر[1] (مختصراً)

جب موزے پر ایسی نجاست لگ جائے جس کا جسم ہو مثلاً لید، پاخانہ، خون اور خشک ہوجائے تو زمین پر رگڑ لیا جائے تو جائز ہے اور یہ استحساناً ہے۔ امام محمد نے فرمایا یہ جائز نہیں قیاس کا تقاضا یہی ہے اور اگر نجاست تر ہو تو دھونے سے پہلے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے کہا جب زمین پر رگڑا حتی کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہا تو عمومی ضرورت کے پیشِ نظر یہ پاک ہوجائے گا اور مروی کا اطلاق یہی ہے اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اسی پر ہیں اور اگر پیشاب موزے پر لگ گیا اور خشک ہوگیا تو دھوئے بغیر جائز نہیں اور یہی حکم ہر اس نجاست کا ہے جس کا جسم نہیں مثلاً شراب۔ (مختصراً) (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وعلی قول ابی یوسف اکثر المشائخ وھو المختار[2]

اکثر مشائخ قولِ ابو یوسف پر ہیں اور یہی مختار ہے (ت)

عنایہ میں ہے:

علیہ اکثر مشائخنا قال شمس الائمۃ السرخسی وھو صحیح وعلیہ الفتوی[3]

ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے (ت)

حلیہ میں ہے:

فی الخلاصۃ وعلیہ عامۃ المشائخ وھو الصحیح ونص فی الفتاوی الخانیۃ والکافی والحاوی

خلاصہ میں ہے اسی پر عام مشائخ ہیں اور یہی صحیح ہے اور خانیہ، کافی اور حاوی میں تصریح ہے کہ

---

[1] الہدایہ باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۵۶
[2] فتح القدیر 〃 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲
[3] عنایۃ شرح ہدایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر 〃

علی ان الفتوی علیہ[1]۔

فتوٰی اسی پر ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

علی قولہ اکثر المشائخ وفی النہایۃ والعنایۃ والخانیۃ والخلاصۃ وعلیہ الفتوی و فی فتح القدیر وھو المختار[2]۔

اکثر مشائخ اسی قول پر ہیں نہایہ، عنایہ، خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے، فتح القدیر میں ہے یہی مختار ہے۔ (ت)

تنویرالابصار میں ہے:

یطھر خف ونحوہ تنجس بذی جرم بدلك والا فیغسل[3]۔

اگر موزہ یا اس کی مانند کوئی شئ صاحبِ جسم نجاست سے ناپاک ہوجائے تو وہ رگڑنے سے پاک ہوجائے گی ورنہ دھونا ضروری ہوگا۔ (ت)

طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

واحترز بہ عن غیر ذی الجرم فانہ یغسل اتفاقا ذکرہ العینی[4]۔

اس سے اس نجاست سے احتراز ہے جو جسم والی نہ ہو کیونکہ اس صورت میں اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے۔ اسے عینی نے ذکر کیا۔ (ت)

بحر میں ہے:

ان لم یکن لھا جرم فلابد من غسلہ واشتراط الجرم قول الکل لانہ لو اصابہ بول فیبس لم یجزہ حتی یغسلہ لان الاجزاء تتشرب فیہ فاتفق الکل علی ان المطلق

اگر جسم والی نجاست نہ ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے اور جسم کا شرط ہونا تمام کا قول ہے اس لئے کہ اگر پیشاب لگ گیا اور خشک ہوگیا تو دھونے کے سوا جواز نہ ہوگا کیونکہ اس کے اجزاء اس شے میں داخل ہوچکے ہیں تو سب کا اتفاق ہے اس بات پر

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] بحرالرائق | باب الانجاس | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[3] درمختار | " | " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۳

[4] طحطاوی علی المراقی الفلاح | " | مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۷

مقید الخ[1] مختصرا۔ | کہ مطلق مقید ہے الخ تلخیصاً (ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

الحاصل انھم اتفقوا علی التقیید بالجرم[2]۔ | خلاصہ یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس قید پر اتفاق ہے کہ وہ نجاست جسم والی ہو۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

ان لم یکن لھا ای للنجاسۃ التی اصابت الخف جرم کالبول والخمر ونحوھما فلابد من الغسل بالاتفاق رطبا کان او یابسا[3]۔ | اگر اس نجاست کے لئے جسم نہیں جو موزے کو لگی مثلاً بول وشراب وغیرہ تو وہ خشک ہو گی یا ابھی تر ہے اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں علامہ مقدسی سے ہے: البحث لایقضی علی المذھب[4] (اختلاف، مذہب پر فائق نہیں۔ ت) اُسی میں ہے:

الفرض فی اشواط الطواف اکثر السبع لاکلھا وان قال المحقق ابن الھمام ان الذی ندین اللّٰہ تعالٰی بہ ان لایجزئ اقل من السبع ولایجبر بعضہ بشیئ فانہ من ابحاثہ المخالفۃ لاھل المذھب قاطبۃ کما فی البحر وقد قال تلمیذہ العلامۃ قاسم ان ابحاثہ المخالفۃ المذھب لاتعتبر[5]۔ | طواف میں فرض سات چکروں کا اکثر ہے نہ کہ تمام، اگرچہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی ہمیں تب جزا دے گا جب سات سے کم نہ کریں اور اس کمی کا ازالہ کسی اور شیئ سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ابحاث اہل مذہب کے مخالف ہیں جیسا کہ بحر میں ہے ان کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ مذہب کے مخالف ابحاث کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ اکثر نجاست کہ عام لوگوں کے جُوتوں کو لگتی ہے یہی نجاست رقیقہ استنجے کے پانی اور پیشاب کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] بحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق باب الانجاس " " " ۱/۲۲۳

[3] غنیۃ المستملی فصل فی آسار مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[4] ردالمحتار باب نکاح الرقیق " مصطفی البابی مصر ۲/۴۱۰

[5] ردالمحتار باب الجنایات " مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۴

4

مسئلہ ۹   ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقّہ تمبا کو پینے والے کے منہ کی بُو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوتی تو کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مُنہ میں بدبُو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرلے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے:

ان الملئکۃ تتأذی ممایتاذی منہ بنوادم[1]۔ ملائکہ کو ہر اس شَی سے اذیت ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰   از ریاست جاورہ   مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار   ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالتِ نماز میں کسی مقام پر کھجلی چلے تو کھجاوے یا نہیں، اور اگر کھجاوے تو کتنی مرتبہ؟

الجواب

ضبط کرے، اور نہ ہوسکے یا اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رُکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین بار نہ کھجاوے دو بار تک اجازت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱ تا ۱۹   مرسلہ احمد شاہ از موضع نگریہ سادات   یکم ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) اگر تہبند کے نیچے لنگوٹ بندھا ہو تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تہبند کا پیچ کھول کر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

(۳) داڑھی میں ڈھاٹا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کمر میں پٹکا باندھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی چیز کی مُورت (تصویر) اگر جیب میں رکھی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۶) روپیہ پیسہ جیب میں رکھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

---

[1] صحیح مسلم   باب نہی من اکل ثوماً او بصلاً اوکراثاً الخ   مطبوعہ اصح المطابع کراچی   ۱/ ۲۰۹

الجواب

(۱) درست ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا سمیٹنے گھرسنے سے منع فرمایا ہے[1] واللہ تعالٰی اعلم

(۳) منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں بالوں کے روکنے سے منع فرمایا ہے[2] واللہ تعالٰی اعلم

(۴) درست ہے مگر دامن اس کے نیچے نہ دب جائے واللہ تعالٰی اعلم

(۵) نماز درست ہوگی مگر یہ فعل مکروہ وناپسند ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ ہو روپے اشرفی میں ضرورت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) درست ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱۷: از شہر کہنہ ۲۸ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگرکھے کے بند یا گھنڈی بلا باندھے یا لگائے یا کُرتے کے بٹن جو سامنے سینہ پر گوٹ میں لگے ہوتے ہیں بلا لگائے ہوئے یا کُرتہ کی وہ گھنڈی جس کے کہ گوٹ آگے سینہ پر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کندھوں پر ایک ایک گھنڈی لگی ہوتی ہے ایک گھنڈی لگاکر نماز پڑھے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اگر کسی شخص کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ وہ گھنڈی کُرتے کے گلے میں بجائے ایک کُھلی رکھے جس سے کہ کچھ گلا کُھلا ہوا رہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ جیسے انگرکھا یا کُرتا کندھوں پر سے ڈال لینا بغیر آستینوں میں ہاتھ ڈالے یا بالعض بارانیاں وغیرہ ایسی بنتی ہیں کہ اُن کی آستینوں میں مونڈھوں کے پاس ہاتھ نکال لینے کے چاک بنے ہوتے ہیں ان میں سے ہاتھ نکال کر آستینوں کو بے پہنے چھوڑ دینا یا رضائی یا چادر کندھے یا سر پر ڈال کر دونوں آنچل چھوڑ دینا یا شال یا رومال ایک شانہ پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے دونوں پلو آگے پیچھے چھوٹے رہیں اور اگر رضائی یا چادر کا مثلاً سیدھا آنچل بائیں شانے پر ڈال لیا اور بایاں آنچل چھوڑ دیا تو حرج نہیں اور کسی کپڑے کو ایسا خلافِ عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا

---

[1] صحیح بخاری باب لایکف شعراً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] " " باب لایکف ثوبہ " " " "

یا ایسا کُرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننا اور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یا شانہ کُھلا رہے جبکہ اُوپر سے انگرکھا نہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے اور اگر اوپر سے انگرکھا پہنا ہے یا اتنے بوتام لگالئے کہ سینہ یا شانہ ڈھک گئے اگرچہ اُوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کا خفیف حصّہ کھلا رہا یا شانوں پر کے چاک بہت چھوٹے چھوٹے ہیں کہ بوتام لگائیں جب بھی کُرتا نیچے ڈھلکے گا شانے ڈھکے رہیں گے تو حرج نہیں اسی طرح انگرکھے پر جو صدری یا چُغہ پہنتے ہیں اور عرفِ عام میں اُن کا کوئی بوتام بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تو اس میں بھی حرج نہیں ہونا چاہئے کہ یہ خلافِ معتاد نہیں ھذا ما ظھرلی من کلماتھم والعلم بالحق عند ربی (یہ وُہ ہے جو عباراتِ فقہاء سے بھرپور واضح ہُوا باقی حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ت) دُرمختار میں ہے:

کرہ تحریما سدل ثوبہ ای ارسالہ بلا لبس معتاد وکذا القباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی کشد ومندیل یرسل کتفیہ فلومن احدھما لم یکرہ کحالۃ عذر وخارج صلٰوۃ فی الاصح[1]۔

کپڑے کو لٹکانا مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسا لٹکانا جو معتاد پہننے کے خلاف ہو اسی طرح آستین والی قبا کا پیچھے کی طرف ڈالنا اسے حلبی نے ذکر کیا مثلاً پٹکا یا رومال دونوں کاندھوں سے لٹکانا، اگر ایک طرف سے ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ اصح قول کے مطابق حالتِ عذر اور نماز سے باہر کا معاملہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم انہ لافرق بین ان یکون الثوب محفوظا من الوقوع اولا فعلی ھذا لاتکرہ فی الطیلسان الذی یجعل علی الراس وقد صرح بہ فی شرح الوقایۃ اھ ای اذا لم یدرہ علی عنقہ والافلا سدل والاقبیۃ الرومیۃ التی تجعل لاکمامھا خروق عند العضد اذا اخرج المصلی یدہ من الخرق وارسل الکم یکرہ لصدق السدل لانہ

ان کے کلام کے ظاہر سے پتا چلتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ کپڑا گرنے سے محفوظ ہو یا نہ ہو لہذا اس صورت میں ٹوپی والے کوٹ میں کراہت نہیں ہوگی جو سر پر ہو، اس کی تصریح شرح وقایہ میں ہے اھ یعنی جب اس نے گردن کو نہ باندھا ہو ورنہ کوئی سدل نہ ہوگا وہ رومی قبائیں جن کی آستینوں میں کندھوں کے پاس سوراخ ہوتے ہیں، اگر نمازی اس پھٹی ہوئی جگہ سے ہاتھ نکالے اور آستین کو ویسے ہی ڈال لے تو یہ مکروہ ہے اس پر سدل کا صدق ہے کیونکہ یہ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۱

اى خاء من غير لبس لان لبس الكم بادخال اليد وتمامه فى شرح المنية، والشئ شئ يعتاد وضعه على الكتفين كما فى البحر و ذلك نحو الشال فاذا ارسل طرفا منه على صدره وطرفا على ظهره يكره، وفى الخزائن بل ذكر ابو جعفر انه لو ادخل يديه فى كيسه ولم يزر ازراره فهو مسئ لانه يشبه السدل اھ لكن فى الحلية فيه نظر ظاهر بعد ان يكون تحت قميص او نحوه مما يستر البدن اھ[1] مختصرا ولنا فى ما قال فى الحلية نظر قدمناه۔ واللہ تعالٰی اعلم

بغیر پہننے کے چھوڑنا ہے اور آستین کا پہننا ہاتھ داخل کرکے ہوتا ہے اس کی تفصیل شرح منیہ میں ہے بحر میں ہے شد (صافا یا پرنا) عادی شیئ ہے اسے کاندھے پر رکھا جاتا ہے اس کی مثل شال ہے جب اس کی ایک طرف اپنے سینے پر اور ایک طرف اپنی پشت پر رکھی تو یہ مکروہ ہے، خزائن میں ابوجعفر نے ذکر کیا اگر کسی نے دونوں ہاتھ آستینوں میں ڈالے اور ان کے بٹن بند نہ کئے تو یہ گنہگار ہوگا کیونکہ یہ سدل کے مشابہ ہے لیکن حلیہ میں کہا کہ جب وُہ قمیص یا ایسے کپڑے کے تحت ہو جو بدن کو ڈھانپ رہا ہو تو اس میں نظر ہے اھ اختصاراً جبکہ خود حلیہ کی گفتگو میں نظر ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کردیا ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱۶: از کالج علی گڑھ کمرہ ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خاں یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کمرہ میں یا مکان میں تصاویر مردم آویزاں ہوں اُس میں نماز پڑھنا جائز یا ناجائز حرام ہے یا مکروہ؟ اگر ناجائز یا مکروہ ہے تو شارع نے جو مصلحت اس میں رکھی ہے وُہ برائے خوبی اور باریکی ظاہر ہونے کے بیان فرمائے جائیں، دوسرے یہ کہ نماز ساتھ خیال غیراللہ اور ہمہ تن مصروف ہوکر ہونا چاہئے لہذا کیا مضائقہ ہوسکتا ہے اگر تصاویر اُس جگہ ہوں یا احتیاطاً کیا اس قدر کافی نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف سامنے یا اُس حد تک کے جہاں تک نظر پڑ سکے تصاویر ہٹادی جائیں اور پس پشت اگر تصاویر ہوں وُہ رہیں اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہوجائے گی یا کیا نقص پیدا ہوجائے گا؟ فقط

الجواب

جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اُسے زمین پر رکھ کر کھڑے ہوکر دیکھیں تو اعضاء بالتفصیل نظر آئیں بشرطیکہ نہ سربریدہ ہو نہ چہرہ محو کردہ نہ پاؤں کے نیچے نہ فرش پا انداز میں نہ مخفی پوشیدہ جس کمرہ میں ہو اُس میں نماز مطلقاً

---

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۲-۴۷۳

مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا دہنے یا بائیں یا اُوپر یا سجدہ کی جگہ اور اُن سب میں بدتر جائے سجود یا جانبِ قبلہ ہونا ہے پھر اوپر پھر دہنے بائیں پھر پیچھے اور اس میں کراہت کے متعدد وجوہ ہیں اُس مکان کا معبدِ کفار سے مشابہ ہونا، تصویر کا بطور اعزاز ظاہر طور پر رکھا یا لگا ہونا، آگے یا جائے سجود پر ہو تو اس کی عبادت سے مشابہ ہو، ملائکہ رحمت کا اُس مکان میں نہ آنا متواتر حدیثوں میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الملٰئکۃ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ۔[1] بیشک فرشتے اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں کُتا یا تصویر ہو۔

یہ وجہ اُن تمام صور مذکورہ کو شامل اور وہم مذکور فی السوال کا علاج کامل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱۹: از بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو امام ازار ٹخنوں کے نیچے تک پہن کر نماز پڑھائے وہ نماز مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ قبلہ رُخ ایک قدم کو نہ رکھنا یا ایک قدم پر کھڑا رہنا نماز میں جائز ہے یا خلافِ سنّت اور مکروہِ تنزیہی ہے؟ براہِ ہمدردی استفتا بحوالہ عبارت کتب متداولہ معتبرہ فقیہ ارقام فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ازار کا گٹوں سے نیچے رکھنا اگر برائے تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہِ تنزیہی، اور نماز میں بھی اُس کی غایت خلافِ اولٰی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں۔ فرمایا: لست ممن یصنعہ خیلاء[2] (تم ان میں نہیں ہو جو براہِ تکبر ایسا کریں) فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ کسی آدمی کا ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکا کر چلنا اگر تکبر کی بنا پر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ غرائب میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن ابی طلحۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۰

[2] صحیح بخاری باب فی جر ازارہ من غیر خیلاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع فی اللبس ؍ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

دونوں باتیں خلافِ سنّت و مکروہ ہیں، ہاں تراوح بین القدمین یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر زور رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پر سنّت ہے کما حققہ فی الحلیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا (حلیہ میں اس کی تفصیل ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بھی اسے بیان کیا ہے۔ ت)

مسئلہ از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

آج کل دیار بنگال کے بعض بعض شہروں میں بعض لوگوں نے فرض جماعت میں سر ننگا کرکے نماز پڑھنا اختیار کیا ہے اگر کسی نے کہا کہ جماعت کی اہانت ہوتی ہے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ عاجزیٔ انکساری کی وجہ سے پڑھتا ہوں اسی طرح عاجزی و انکساری کے بہانے سے بعض لوگوں نے علاوہ نماز کے بھی سر پر ٹوپی رکھنا چھوڑ دیا ہے تو کیا ننگا سر فرض جماعت میں نماز پڑھنے سے نماز جائز ہوگی یا مکروہ ہوگی اگر جائز ہوگی تو کیا حضور سرورِ کائنات یا حضرت مولائے کائنات یا حضرات امامین مطہرین یا حضرات صحابہ کرام یا اولیائے عظام نے کبھی فرض جماعت میں ننگا سر نماز پڑھی ہے یا نہیں، اور علاوہ نماز کے بھی ان حضرات نے کبھی کبھی سر کو ننگا رکھا ہے یا نہیں؟ اور صوفیائے عظام کی کتابوں میں ننگا سر رہنا تہذیب اور آداب آیا ہے یا نہیں اور احادیث شریفہ وفقہ سے اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہائے کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے اگر بہ نیتِ تواضع و عاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ، اور معاذ اللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اُسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ رہنا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعاً محمود بلکہ وہ منجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اُٹھیں شرعاً مکروہ، مجمع البحار وغیرہ میں ہے:

الخروج عن عادۃ البلد شھرۃ ومکروہ[1] اہلِ شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے۔ (ت)

صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع البحار

مسئلہ ۱۰۲۱ ازشہر کہنہ محلہ سہسوانی ٹولہ مسئولہ حافظ رحیم اللہ صاحب ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

بعد الحمد کے محمد رسول اللہ والذین معہ رکوع پڑھا ایک مقتدی کے منہ سے سہواً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نکلا اور دوسرے مقتدی نے عمداً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہا حضور ان دونوں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص یہ کہے کہ نماز کے اندر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ سہواً کہنا چاہئے نہ عمداً، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب

اللہ عزوجل کا نام پاک سُن کر حکم ہے کہ عزوجل یا جل جلالہٗ یا اس کی مثل کلماتِ تعظیمی کہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نامِ پاک سُن کر واجب ہے کہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام یا اس کے مثل کلمات درود کہے مگر یہ دونوں وجوب بیرونِ نماز ہیں نماز میں سوا ان کلمات کے جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرما دئے ہیں اور کی اجازت نہیں خصوصاً جہریہ نماز میں وقت قراءت امام مقتدی کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے یونہی امام کے خطبہ پڑھتے میں جب اللہ عزوجل اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ آئیں سامعین دل میں کلماتِ تقدیس و درود کہیں زبان سے کہنے کی وہاں بھی اجازت نہیں نماز میں نام الٰہی سن کر جل وعلا یا نامِ مبارک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا اگر بقصد جواب ہے نماز جاتی رہے گی سہواً ہو قصداً، اور اگر بلاقصد جواب تو قصداً ممنوع اور سہواً پر مواخذہ نہیں، درمختار میں ہے:

سمع اسم اللہ تعالٰی فقال جل جلالہ او النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی علیہ اوقراءۃ الامام فقال صدق اللہ ورسولہ لفسد ان قصد جوابہ [1] اھ قال العلامۃ الشامی ذکر فی البحر انہ لو قال مثل ما قال المؤذن ان اراد جوابہ تفسد وکذا لولم تکن نیۃ لان الظاھر انہ اراد الاجابۃ وکذلک اذا سمع اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی

اگر اللہ تعالٰی کا نام سُن کر جل جلالہٗ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سُن کر درود شریف، امام کی قراءت سُن کر صدق اللہ ورسولہٗ کہا تو مقصود جواب تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اھ علامہ شامی نے فرمایا بحر میں ہے کہ اگر نمازی نے اذان کا جواب دیتے ہوئے اذان کے کلمات کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اسی طرح اس صورت کا حکم ہے جب کوئی نیت نہ تھی کیونکہ ظاہر جواب دینا ہی ہے اسی طرح جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۹

علیہ فھذا اجابۃ اھ ویشکل علی ھذا الکلیۃ ما مر من التفصیل فیمن سمع العاطس فقال الحمدللہ تامل استفید انہ لولم یقصد الجواب بل قصد الثناء و التعظیم لاتفسد لان نفس تعظیم اللہ تعالٰی و والصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاینافی الصلوۃ کما شرح المنیۃ اھ کلام العلامۃ ش۔

کا اسمِ گرامی سُنا اور درود شریف پڑھا تو یہ بھی جواب ہی ہے اھ اور اس پر گزشتہ گفتگو کے ساتھ اعتراض ہوگا جس میں فرق کیا گیا تھا مثلاً کسی نے چھینک سُن کر الحمدللہ کہا غور کرو، جو واضح کر رہا ہے کہ اگر مقصود جواب نہ ہو بلکہ اللہ کی ثنا و تعظیم ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالٰی کی تعظیم اور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام نماز کے منافی نہیں شرح المنیہ اھ علامہ شامی کا کلام ختم ہوا۔

اقول والذی من التفصیل ان سامع عطسۃ غیرہ، لوقال الحمدللہ فان عنی الجواب اختلف المشائخ او التعلیم فسدت اولم یرد واحدا منھما لاتفسد نھر وصحح فی شرح المنیۃ عدم الفساد مطلقا لانہ لم یتعارف جوابا قال بخلاف جواب السار بالحمد لہ التعارف اھ ش[2] ورأیتنی کتبت علٰی قولہ عدم الفساد مطلقا مانصہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) جو تفصیل پیچھے گزری کہ اگر غیر کی چھینک سننے والے نے الحمدللہ کہا تو اگر مقصود جواب تھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے یا مقصود تعلیم تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی یا دونوں میں سے کوئی بھی مقصود نہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی نہر، اور شرح منیہ میں اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ کسی صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ جواب متعارف نہیں بخلاف اس صورت کے جب خوش کن بات پر الحمدللہ کہے تو یہ جواب متعارف ہے اھ ش۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس کے قول "عدم الفساد مطلق" پر یہ لکھا تھا

اقول لابد من استثناء ارادۃ التعلیم کما لایخفی

اقول یہاں ارادہ تعلیم کو مستثنٰی کرنا ضروری ہے جیسا کہ واضح ہے اور تعلیل اس سے متعلق نہیں

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۹

[2] ؎ " " " ۱/ ۴۵۸

والتعلیل لایمسه فان العلة فیه شیئ اخرغیرکونه جوابا وھوکونه خطاء فھذا ما مرمن التفصیل وانت تعلم انه لامساس له بانھا من الفروع فان الحمد للّٰه لیس جوابا للعطاس وانماھو سنة العاطس فاذ المرود به التعلیم لم یکن الا انشاء حمد بخلاف ماھنا فکله جواب وقدعرف جوابا فقد عرف الجواب عن الاشکال[۱] ۔ و اللّٰه تعالٰی اعلم۔

ہو سکتی کیونکہ اس میں علت اور شئی ہے اور وہ جواب ہونا نہیں بلکہ وہ اس کا خطاء ہونا ہے یہی گزشتہ تفصیل تھی اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا کوئی تعلق نہیں کہ یہ اس کی فروعات میں سے ہے کیونکہ الحمدللہ چھینک کا جواب نہیں بلکہ وہ چھینک والے کے لئے سنت ہے تو جب اس سے مقصود تعلیم نہیں تو اب حمد کرنا ہی ہوگا بخلاف مذکورہ صورتوں کے کہ یہ بہر صورت جواب ہیں کیونکہ ان کا جواب ہونا معروف ہے تو اس سے اشکال کا جواب معلوم ہوگیا ________ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۲۲: از داتا گنج ضلع بدایوں مرسلہ عاشق حسین صاحب ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

جُوتا پہن کر یعنی فُل بُوٹ جو ٹخنوں تک بندھا ہوتا ہے خشک ہو غلاظت نہ لگی ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، نماز جائز ہے یا نہیں؟ یہ اور بات ہے کہ مسجد میں چونکہ سب لوگ رواجًا آج کل جُوتا اتار کر جاتے ہیں ان میں ایک شخص انگشت نمائی کے خوف سے جوتا پہن کر نہ جائے مگر مسئلہ کیا ہے آیا کوئی شخص اپنے مکان میں یا جنگل میں یا سفر میں بُوٹ پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے؟ ایک مولوی نے فرمایا تھا کہ بُوٹ نیا ہو یا پُرانا، خشک ہو، غلاظت نہ لگی ہو پہن کر نماز جائز اور صحیح بخاری میں لکھا ہوا بتایا تھا۔

الجواب

مسجد میں جُوتا پہن کر جانا خلافِ ادب ہے ردالمحتار میں ہے دخول المسجد متنعلا سوء الادب[۲] (مسجد میں جُوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ ت) ادب کی بنا عرف و رواج ہی پر ہے اور وہ اختلاف زمانہ و ملک و قوم سے بدلتا ہے، عرب میں باپ سے اَنْتَ کہہ کر خطاب کرتے ہیں یعنی تُو۔ زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی یُونہی خطاب ہوتا تھا، سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیدنا ابراہیم شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی اے میرے باپ! تُو کر جس بات کا تجھے

[۱] جد الممتار علی رد المحتار باب مایفسد الصلوٰۃ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۱/ ۲۸۵

[۲] رد المحتار باب یفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۶

حکم دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بناکر اپنے باپ کو تُو تُو کہا کرے ضرور گستاخ مستحقِ سزا ہے نماز حاضریِ بارگاہِ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جاتے، یہ تو ادب کا حکم ہے اور آجکل لوگوں کے جُوتے صحابہ کرام کے جُوتوں کی طرح نہیں ہوتے، ردالمحتار میں ہے، نعالھم المتنجسة[1] (لوگوں کے جُوتے ناپاک ہوتے ہیں ۔ ت) پھر بُوٹ غالباً ایسا پھنسا ہُوا ہوتا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھلنے نہ دے گا تو آداب درکنار سرے سے نماز ہی نہ ہوگی ۔ و ھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲۳: از کُرالہ ضلع بدایوں مرسلہ یٰسین خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا پڑھی اور دُوسری میں سُورۂ دہر، اُس سے کہا کہ ایک تو تم نے قرآن شریف اُلٹا پڑھا دوسرا پہلی سورہ چھوٹی پڑھی اور بعد کی بڑی نماز میں کراہت تو نہیں آئی، کہا کچھ حرج نہیں حدیث سے ثابت ہے ۔ فقط

الجواب

اس میں دو کراہتیں ہُوئیں: ایک دُوسری رکعت کی پہلی سے اس قدر تطویل، اور دوسری سخت اشد کراہت ہے ۔ قرآن مجید کو معکوس پڑھنا گناہ و سخت ناجائز ہے حدیث میں ہے ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ تعالٰی اس کا دل اُلٹ دے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲۴: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ حافظ سید بنیاد علی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں کوئی شخص علیحدہ نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

مسجد کے حجرہ میں فرضوں کے سوا اور نمازیں پڑھنا بہتر ہے یہاں تک کہ فرائض کے قبل و بعد کے سنن مؤکدہ میں بھی بربنائے اصل حکم افضل یہی ہے کہ غیر مسجد میں ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ[2] فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نماز گھر میں افضل ہے ۔ (ت)

مگر فرائض بے عذر قوی مقبول اگر حجرہ میں پڑھے اور مسجد میں نہ آئے گنہگار رہے، چند بار ایسا ہو تو فاسق

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۵۴

[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ النافلۃ ،، نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۶۶

مردود الشہادۃ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ لجار المسجد الا فی المسجد[1]۔ مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری کا کپڑا پہن کر نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگرچہ فرض ساقط ہوجائیگا لان الفساد مجاور (کیونکہ فساد نماز سے باہر ہے۔ ت) مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی للاشتمال علی المحرم (حرام چیز اٹھائے ہوئے ہونے کی وجہ سے) کہ جائز کپڑے پہن کر اس کا اعادہ واجب کالصلٰوۃ فی الارض المغصوبۃ سواء بسواء (جس طرح مغصوبہ زمین پر نماز کا حکم اور یہ برابر ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے سر پر دستار نہ ہو اور مقتدی کے دستار ہو تو کسی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ خلل آتا ہے تو امام کے یا مقتدی کے؟ اور اگر خلل ہے تو کس قسم کا خلل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں، عمامہ مستحباتِ نماز سے ہے اور ترکِ مستحب سے خلل درکنار کراہت بھی نہیں آتی،

وذلك لان التعمم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمها حکم المستحب۔

اس لئے کہ عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کا حکم مستحب والا ہوتا ہے (ت)

درمختار میں ہے:

لها اٰداب ترکه لایوجب اساءۃ ولا عتابا کترك سنة الزوائد لکن فعله افضل[2]۔

نماز کے آداب ہیں جن کا ترک اساءت وعتاب لازم نہیں کرتا مثلاً سنن زوائد کا ترک، لیکن ان کا بجالانا افضل ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

السنة نوعان سنة الهدی و ترکها

سنت کی دو اقسام ہیں، سنتِ ہدٰی، اس کے

---

[1] سنن الدارقطنی باب البحث لجار المسجد علی الصلٰوۃ فیہ الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۴۲۰

[2] درمختار آخر باب صفۃ الصلٰوۃ ؎ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۳

یوجب اساءۃ وکراھۃ کالجماعۃ و الاذان والاقامۃ ونحوھا وسنۃ الزوائد وترکھا لایوجب ذلک کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ والنفل و منہ المندوب یثاب فاعلہ ولایسیئ تارکہ کذا حققہ العلامۃ ابن کمال فی تغییر التنقیح وشرحہ فلا فرق بین النفل و سنن الزوائد من حیث الحکم لانہ لایکرہ ترک کل منھما وقد مثلوا السنۃ الزوائد بتطویلہ علیہ الصلوۃ والسلام القراءۃ و الرکوع والسجود ولما لم تکن مکملات الدین وشعائرہ سمیت سنۃ الزوائد بخلاف سنۃ الھدی وھی السنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکھا[1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم

ترک سے اساءت وکراہت لازم آتی ہے مثلاً جماعت اذان اور تکبیر وغیرہ، سنّت زوائد اس کے ترک سے اساءت وکراہت لازم نہیں آتی مثلاً آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا لباس پہننا، نفل ومندوب کا معاملہ بھی یہی ہے اس کے کرنے والے کو ثواب ہوگا مگر تارک گنہگار نہیں۔ علامہ ابن کمال نے تغییر التنقیح اور اس کی شرح میں اسی طرح تحقیق کی ہے پس نفل اور سنن زوائد میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیونکہ کسی کا بھی ترک مکروہ نہیں، فقہا نے بعض اوقات سنّت زوائد کی مثال نماز میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قراءت، رکوع اور سجود کو لمبا کرنا بھی دی ہے جب وہ دین اور شعائر دین کا حصہ نہیں تو انہیں سنّت زوائد کہا جاتا ہے بخلاف سنّتِ ہدٰی کے، وہ سنن مؤکدہ ہوتی ہیں جو واجب کے قریب ہیں ان کا تارک گمراہ ہے اھ تلخیصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۲۷: مرسلہ محمد ابراہیم محلہ خواجہ قطب بریلی ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کی نماز پڑھانے کے واسطے جو جائے نماز ملتی ہے اس سے کُرتا یا کُچھ اور کپڑا بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو اُس سے جو نماز مفروضہ پڑھی گئی وہ لوٹائی جائیگی یا نہیں؟ اور اُس کفن سے یہ جائے نماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ بادلیل وحوالۂ کتب تحریر کریں۔ بینوا توجروا

الجواب

اس جائے نماز سے دو غرضیں لوگوں کی ہیں، ایک یہ اکثر نمازِ جنازہ راستے وغیرہ بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے مسجد کہ صاف وپاکیزہ رکھی جاتی ہے اُس میں نمازِ جنازہ منع ہے تو بغرض احتیاط امام کے نیچے جائے نماز

---

[1] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳

بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اُس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ سب کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جائے نماز کے سبب امام کی نماز ہوجائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض وابرائے ذمہ کے لئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسری نفعِ فقیر کہ وہ جانماز بعد از نماز کسی طالب علم اور فقیر پر تصدق کردی جاتی ہے اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اُس کے جواز میں کلام نہیں اور جس فقیر پر وہ تصدیق کی گئی اُس کی ملک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنالے اس میں نماز مکروہ بھی نہیں نہ اصلاً حاجتِ اعادہ کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

باب الوتر والنوافل

(وتر اور نوافل کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲۸: ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نماز ظہر وعشاء باجماعت پڑھ چکا خواہ امام تھا یا مقتدی اب دوسری جماعت قائم ہوئی وہ شریک جماعت ہوا تو وہ نیت نماز کی کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نفل کی نیت چاہیے،

فان الفریضۃ فی الوقت لاتکرر، وفی الحدیث لایصلی بعد صلٰوۃ مثلہا[1]۔ کیونکہ وقتی فریضہ میں تکرار نہیں، حدیث میں ہے نماز کی مثل نماز کے بعد ادا نہ کی جائے۔ (ت)

اور اگر فرض کی نیت کرے گا جب بھی نفل ہی ہوں گے فان الفریضۃ فی الوقت لا تکرر (کیونکہ فریضہ ایک وقت میں متکرر نہیں ہوا کرتا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

نیا کپڑا اور جُوتا پہن کر نفل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

نیا کپڑا پہن کر نفل پڑھنا بہتر ہے، یُونہی نیا جُوتا بھی اگر اُس کا پنجہ اتنا کڑا نہ ہو کہ پاؤں کی کسی انگلی کا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلٰوۃ مثلہا مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۶

پیٹ زمین سے نہ لگنے دے ایسا ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۰: از بریلی مرسلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

آج کل وتر با جماعت پڑھنا بوجہ فضل جماعت افضل یا بوقتِ تہجد بھی بہتر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

وتر رمضان المبارک میں ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کو اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا مثل نماز گھر میں تنہا، دونوں قول باقوت ہیں اور دونوں طرف تصحیح و ترجیح اول کو یہ مزیت کہ اب عامہ مسلمین کا اُس پر عمل ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے، ثانی کو یہ فضیلت کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے، ردالمحتار میں زیرِ قولِ درمختار الجماعۃ فی وتر رمضان مستحبۃ علی قول (ایک قول کے مطابق رمضان میں وتر کی جماعت مستحب ہے۔ ت) فرمایا:

وغیر مستحبۃ علی قول اٰخر بل یصلیھا وحدہ فی بیتہ وھما قولان مصححان وسیاتی قبیل ادراک الفریضۃ توجیح الثانی بانہ المذھب[1]۔

ایک اور قول کے مطابق مستحب نہیں ہے بلکہ انھیں گھر میں تنہا ادا کرے، اور یہ دونوں اقوال صحیح قرار دئے گئے ہیں عنقریب ادراک فریضہ سے تھوڑا سا پہلے آئے گا کہ دوسرے قول کو ترجیح ہے کہ یہی مذہب ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ مایقتضی ان المذھب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ[2]۔

کیا وتر میں جماعت افضل یا گھر میں ادا کرنا دونوں کی تصحیح ہے لیکن شارح وہبانیہ نے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ دوسرا قول مذہب ہے اور اسے مصنف وغیرہ نے بھی ثابت رکھا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

رجح الکمال الجماعۃ بانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اوتربھم

کمال نے اس بنا پر جماعت کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو وتر پڑھائے،

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۸
[2] درمختار " " " مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

ثم بين العذر فی تأخرہ مثل ما صنع فی التراویح فالوتر کالتراویح فکما ان الجماعۃ فیھا سنۃ فکذلک الوتر بحر وفی شرح المنیۃ الصحیح ان الجماعۃ فیھا افضل الا ان سنیتھا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح اھ قال الخیر الرملی وھذا الذی علیہ عامۃ الناس الیوم اھ وقواہ المحشی ایضا بانہ مقتضی ما مرمن ان کل ما شرع بجماعۃ فالمسجد افضل فیہ[1] اھ ما فی ردالمحتار **اقول** فی ھذہ التقویۃ عندی نظر ظاھر فانہ لوکان المراد ان ماجاز بجماعۃ فالمسجد افضل فیہ فممنوع فان کل نفل یجوز بجماعۃ مالم یکن علی سبیل التداعی مع ان الافضل فیہ البیت وفاقا وان کان المراد ما ندب فیہ الشرع الی الجماعۃ فمسلم لکن ھذا اول المسئلۃ فالاستناد بہ صریح المصادرۃ فلیتأمل۔

پھر جماعت چھوٹنے پر وہی حکمت بیان کی جو نمازِ تراویح میں تھی تو وتر کا حکم تراویح والا ہے جس طرح ان میں جماعت سنّت ہے اسی طرح وتروں میں بھی، بحر۔ شرح المنیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت وتروں میں افضل مگر اس کی سنیت تراویح کی جماعت کی طرح نہیں اھ خیر رملی نے فرمایا اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے اھ محشی نے بھی یہ کہتے ہوئے اس کی تائید کی گزشتہ اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر وُہ نماز جو جماعت کے ساتھ مشروع ہے وُہ مسجد میں افضل ہے اھ ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی **اقول** اس کی تائید میں میرے نزدیک نظر ظاہر ہے اگر یہ مراد ہو کہ ہر وُہ نماز جو جماعت کے ساتھ جائز ہے اس میں مسجد افضل ہے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ جن نوافل کی علی سبیل التداعی جماعت نہ ہو ان کی جماعت جائز ہے حالانکہ ان کی ادائیگی بالاتفاق گھر میں افضل ہے، اور اگر مراد یہ ہو کہ جس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعت نے مستحب قرار دیا ہو تو یہ مسلم ہے لیکن یہ بعینہ سوال ہے اسی کے ساتھ استناد کرنا صراحۃً مصادرہ علی المطلوب ہے۔ پس غور کیجئے۔ (ت)

بالجملہ اس مسئلہ میں اپنے وقت وحالت اور اپنی قوم وجماعت کی موافقت سے جسے انسب جانے اُس پر عمل کا اختیار رکھتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۹

مسئلہ ۱۰۳۱ از کلکتہ دھرم تلا ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان شریف ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں عشاء کی نماز فرض جس میں مصلی تہجد گزار یا غیر تہجد گزار نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہو اُس کو نمازِ وتر جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کسی کو بھی ضرور نہیں بلکہ افضلیت میں اختلاف ہے، ہمارے اصل مذہب میں افضل یہی ہے کہ تنہا گھر میں پڑھے۔ اور ایک قول پر مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے، اب اکثر مسلمین کا عمل اسی پر ہے کما فی الدر وحواشیہ[1] وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ درّ اور اس کے حواشی میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) بہر حال ضروری کسی کے نزدیک نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۲ از سوروں ضلع ایٹہ محلہ ملک زادان مرسلہ مرزا عابد حسین صاحب

۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ تہجد واجب ہے یا سنّت؟ اگر سنّت ہے تو موکدہ یا غیر موکدہ؟ اس کا تارک گنہگار ہے یا نہیں یعنی قصداً ترک کرنے والا؟ مفصل مع احادیث ارقام فرمائیے گا۔ بینوا توجروا

الجواب

تہجد سنّتِ مستحبہ ہے تمام مستحب نمازوں سے اعظم واہم، قرآن واحادیث حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس کی ترغیب سے مالا مال۔ عامہ کتبِ مذہب میں اُسے مندوبات ومستحبات سے گنا اور سنّتِ مؤکدہ سے جُدا ذکر کیا، تو اُس کا تارک اگرچہ فضلِ کبیر وخیر کثیر سے محروم ہے گنہگار نہیں۔ بحرالرائق وعلمگیری ودرمختار وفتح اللہ المعین السید ابو السعود الازہری میں ہے: المندوبات صلٰوۃ اللیل[1] (رات کی نماز مندوبات میں سے ہے۔ ت) مراقی الفلاح میں ہے: سن تحیۃ المسجد وندب صلٰوۃ اللیل[2] (تحیۃ المسجد سنّت اور رات کی نماز مستحب ہے۔ ت) غنیہ شرح منیہ میں ہے: من النوافل المستحبۃ قیام اللیل[3] (نوافل مستحبہ میں سے رات کی نماز ہے۔ ت)

---

[1] فتح المعین حاشیۃ علی شرح الکنز باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان النوافل " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶-۲۱۵

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل من النوافل بحث قیام اللیل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳۲

حلیہ میں ہے:

26 مشی صاحب الحاوی القدسی علی انھا مندوبۃ۔[1]

صاحب الحاوی القدسی کی رائے یہی ہے کہ رات کی نماز مستحب ہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاحسن انھا من السنن المؤقتۃ بذکو صلوۃ الضحی والمستحبات بذکرالتھجد[2] اھ ملخصا۔

وقتی سنن میں چاشت کی نماز اور مستحبات میں تہجد کا ذکر ان کا اچھا اتمام ہے اھ ملخصا (ت)

غرض ہمارے کتب مذہب کے احکام منصوصہ مذکورہ علی جہۃ النفل میں اس کا استحباب ہی مصرح، ہاں بعض علمائے مالکیہ وشافعیہ مثل امام ابوعمر ابن عبدالبر وامام ابوزکریا نووی جانب سنیت گئے۔ اور بعض ائمہ تابعین حسن بصری وعبیدہ سلمانی ومحمد بن سیرین قائل وجوب ہوئے کما یظھر بمطالعۃ عمدۃ القاری وشرح الموطا للزرقانی وغیرھما (جیسا کہ عمدۃ القاری، شرح الموطا للزرقانی وغیرہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے۔ ت) قولِ وجوب کو تو جمہور علمائے مذاہب اربعہ رد فرماتے اور مخالف اجماع بتاتے ہیں کما فیھما وفی شرح مسلم للنووی والبخاری للقسطلانی والمواھب للزرقانی وغیرھما (جیسا کہ ان دونوں میں ہے اور شرح مسلم للنووی، شرح بخاری للقسطلانی اور مواہب للزرقانی وغیرہ میں ہے۔ ت) اور ہمارے علماء وجوب وسنیت کی یکساں تضعیف فرماتے ہیں۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

ثمان رکعات بتسلیمۃ او تسلیمتین للتھجد وقیل لہ رکعتان سنۃ وقیل فرض کما فی المحیط۔[3]

تہجد کی ایک یا دو سلاموں کے ساتھ آٹھ رکعات ہیں بعض کے نزدیک دو رکعات سنت ہیں بعض کے نزدیک یہ فرض ہے جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

البتہ ہمارے علماء متاخرین سے امام ابن الہمام نے سنیت واستحباب میں تردد اور بالآخر جانب اول میل اور انھیں کے اتباع سے اُن کے تلمیذ علامہ حلبی نے حلیہ میں اسے اشبہ فرمایا، یہ ان

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] جامع الرموز فصل الوتر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۰۷

[3] ایضاً

امام کی اپنی بحث ہے۔ نہ مذہب منصوص باآنکہ خود اعتراف فرماتے ہیں کہ احادیث قولیہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف استحباب ہی کا افادہ فرماتے ہیں۔ مستند اُن کا مواظبت فعلیہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے مگر خود فرماتے ہیں کہ مواظبت وہی مفید سنیت جو فعل نفل پر ہو، تو اس مسئلہ کی بناء حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تہجد فرض ہونے نہ ہونے پر رہی۔ اگر حضور پر فرض نہ تھا تو بوجہ مواظبت اُمت کے لئے سنت ہوگا ورنہ مستحب۔

قال قدس سرہ بقی ان صفۃ صلوۃ اللیل فی حقنا السنیۃ او الاستحباب یتوقف علی صفتھا فی حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان کانت فرضا فی حقہ فھی مندوبۃ فی حقنا لان الادلۃ القولیۃ فیھا انما تفید الندب والمواظبۃ الفعلیۃ لیست علی تطوع لتکون سنۃ فی حقنا وان کانت تطوعا فسنۃ لنا۔[1]

امام ابن ہمام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ باقی رہا معاملہ رات کی نماز کا کہ آیا ہمارے حق میں سنت ہے یا مستحب تو یہ بات اس پر موقوف ہے کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں کیا تھی، اگر وہ آپ پر فرض تھی تو ہمارے حق میں مستحب ہے کیونکہ ادلہ قولیہ اس کے بارے میں مستحب ہونے کا فائدہ دیتی ہیں اور مواظبت فعلیہ نفل پر نہیں کہ وہ ہمارے حق میں سنت بن جائے، اور اگر آپ کے لئے یہ نفل تھی تو ہمارے لئے یہ سنت ہوگی۔ (ت)

اب اسی مبنٰی کو دیکھئے تو اس میں بھی قول جمہور مذہب مختار و منصور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت ہے اسی پر ظاہر قرآن عظیم شاہد اور اسی طرف حدیث مرفوع وارد۔

قال اللہ تعالٰی یایھا المزمل قم الیل۔[2] وقال تعالٰی ومن الیل فتھجد بہ۔[3]

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کیا کرو۔ دوسرے مقام پر فرمایا: رات کو تہجد ادا کیا کرو۔ (ت)

ان آیتوں میں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امرِ الٰہی ہے اور امرِ الٰہی مفید وجوب،

ولاینافیہ قولہ تعالٰی نافلۃ فالنا فلۃ

اللہ تعالٰی کا نافلہ فرمانا اس وجوب کے منافی نہیں

---

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۱

[2] القرآن ۷۳/ ۱-۲

[3] القرآن ۱۷/ ۷۹

الزیادۃ ای زائدۃ فی فرائضك او فی درجاتك بتخصیص ایجابه بك فان الفرائض اعظم درجات واکبر تفضیلا بل مؤیدہ قوله تعالٰی لك قال الامام ابن الھمام بما یعطی التقیید بالمجرور ذلك فانه اذا کان النفل المتعارف یکون کذلك له ولغیرہ[1] اھ

کیونکہ نافلہ کا معنٰی زائدہ ہے اب معنٰی ہوگا کہ آپ کے فرائض یا درجات میں یہ اضافہ ہے کہ آپ پر یہ لازم واجب ہے کیونکہ فرائض سب سے بڑے درجے وفضیلت پر فائز کرنے کا سبب بنتے ہیں بلکہ اس کی تائید اللہ تعالٰی کے اس ارشاد "لك" سے ہورہی ہے۔ امام ابن ہمام کہتے ہیں کہ لبعض اوقات مجرور "لك" کے ساتھ مقید کرنا اسی بات کا فائدہ دیتا ہے (یعنی یہ فرائض میں آپ کے لئے اضافہ ہے) کیونکہ متعارف نوافل صرف آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ اس میں آپ اور دیگر لوگ مشترک ہیں (ت)

طبرانی معجم اوسط اور بیہقی سنن میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلث ھن علیّ فرائض وھن لکم سنۃ الوتر والسواك وقیام اللیل[2]۔

تین چیزیں مجھ پر فرض اور تمہارے لئے سنّت ہیں: وتر ومسواک وقیامِ شب۔

اقول والحدیث ان لم یصلح حجۃ فقد استظھر بظاھر الکتاب العزیز، وقد نص المحقق نفسه فی الفتح القدیر مسئلۃ امرأۃ المفقود ان الحدیث الضعیف یصلح مرجحا لامثبتا بالاصالۃ قال و موافقۃ ابن مسعود مرجح اٰخر[3]۔

اقول (میں کہتا ہوں) اگرچہ یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی مگر قرآن عزیز کے ظاہر سے اس کی تائید ہورہی ہے اور خود محقق نے فتح القدیر میں مسئلہ مفقود کی بیوی کے تحت لکھا ہے کہ حدیث ضعیف کسی شَی کی اصل کو ثابت نہیں کرسکتی البتہ مرجح

---

[1] فتح القدیر — باب النوافل — مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۱

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ معجم اوسط وسنن بیہقی زیرآیہ ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۴/ ۱۹۶
تفسیر خازن — سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے — مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۴/ ۱۷۴
کنزالعمال بحوالہ بیہقی الاکمال من وقت الوتر ۱۹۵۵۴ مکتبۃ التراث الاسلامی موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۴۰۷
مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب ماجاء فی الخصائص مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۸/ ۲۶۴
المعجم الاوسط — حدیث ۳۲۹۰ — مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۱۶۵

[3] فتح القدیر — کتاب المفقود — مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷۲

بن سکتی ہے اور کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی موافقت دوسرا مرجح ہے (ت)

اقول وھھنا موافقۃ سلطان المفسرین مرجح اٰخر (اور یہاں سلطان المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی موافقت ایک دوسرا مرجح ہے۔ت) ابوجعفر طبری حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

اُمرصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیام اللیل وکتب علیہ دون امتہ[1] | حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قیام شب کا حکم تھا حضور پر فرض تھا اُمت پر نہیں۔

امام محی السنۃ بغوی معالم میں فرماتے ہیں:

کانت صلوٰۃ اللیل فریضۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الابتداء وعلی الامۃ، ثم صار الوجوب منسوخا فی حق الامۃ، وبقی فی حق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ ملخصا | ابتداءً قیام شب سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی امت دونوں پر فرض تھا پھر اُمت کے حق میں وجوب منسوخ ہوگیا لیکن رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں وجوب باقی رہا اھ تلخیصاً (ت)

فتح القدیر میں ہے: علیہ کلام الاصولیین من مشائخنا[3] (ہمارے مشائخِ اصولیین کی رائے یہی ہے۔ت) شرح مواہب زرقانی میں ہے: ھو قول الاکثر و مالک[4] (اکثر علماء اور امام مالک کا یہی قول ہے۔ت) مواہب میں ہے: ھذا ما صححہ الرافعی ونقلہ النووی عن الجمھور[5] (رافعی نے اسی کی تصحیح کی اور نووی نے اسے جمہور سے نقل کیا ہے۔ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

مختار آن ست کہ از امت منسوخ شد بر آنحضرت | مختار یہی ہے کہ اُمت سے یہ منسوخ ہے اور

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری المسمّی جامع البیان مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۵/ ۹۰
المواہب اللدنیۃ بحوالہ الطبری الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۲۸
[2] معالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن زیر آیۃ ومن الیل فتھجد بہ الخ ۴/ ۱۲۴
[3] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۱
[4] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/ ۴۵۵
[5] مواہب اللدنیہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باقی ماند تا آخر عمر وقد حقق ذلك فی موضعہ[1] سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں یہ وجوب تمام عمر باقی رہا اور اس کی تحقیق اس کے مقام پر ہوئی ہے۔(ت)

تو یُوں بھی سنیتِ تہجد ثابت نہ ہُوئی، اور وہی مذہب واستحباب مؤید بقول جمہور ومشرب ومختار ومنصور رہا۔

اقول شک نہیں کہ تہجد ابتدائے امر میں حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اور حضور کی اُمت سب پر فرض تھا کما شھدت بہ سورۃ المزمل" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" (جیسا کہ اس پر سورہ مزمل (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) گواہ ہے۔ ت) تو اب ان کی فرضیت ثبوت ناسخ پر موقوف، امت کے حق میں ناسخ بدلیل اجماعِ اُمت ثابت وان لم نعلم سند الاجماع (اگرچہ ہم اس اجماع کی سند سے آگاہ نہیں۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں دعوٰی نسخ کو بھی کوئی ایسی ہی روشن دلیل چاہیے جو اپنے افادہ میں احتمالات سے منزہ ہو فان الاحتمال یقطع الاستدلال ولا یقوم بامر محتمل حجۃ (کیونکہ احتمال استدلال کو ختم کر دیتا ہے اور امرِ محتمل حجت نہیں ہو سکتا۔ ت) حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

ان اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی اول ھذہ السورۃ فقام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ حولا وامسك اللہ خاتمتھا اثنی عشر شھرا فی السماء حتی انزل اللہ فی اٰخر ھذہ السورۃ التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ[2] رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی۔

اللہ عزوجل نے اس سُورہ کی ابتدا میں قیامِ شب فرض فرمایا تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے ایک سال تک قیام کیا اور اس سورۃ کے آخری حصہ کو اللہ تعالٰی نے بارہ ماہ تک آسمان پر روکے رکھا حتی کہ اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل ہوئی تو فرض ہونے کے بعد اب قیامِ شب نفل بن گیا۔ اس کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نسخ میں نص نہیں ولہذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا: دلالتہ لیست بقویۃ لاحتمالہ[3] (اس کی دلالت احتمال کی وجہ سے (حضور اکرم کے حق

[1] اشعۃ اللمعات | باب صلوٰۃ اللیل | مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۱/۵۰۶
[2] صحیح مسلم | " | " نور محمد اصح المطابع کراچی | ۱/۲۵۶
سُنن نسائی | باب قیام اللیل | " نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی | ۱/۲۳۷
[3] شرح الزرقانی علی المواہب | الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ علیہ وسلم | مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر | ۷/۴۵۷

میں نسخ پر، قوی نہیں۔ ت) رسائل الارکان مولٰنا بحر العلوم میں ہے:

هذا لا يقنع به القائل بالفريضة لانه يقول لعل ام المؤمنين ارادت ان صلوة الليل كانت فريضة على الامة ثم نسخها الله تعالٰى عن الامة وصارت نفلا واما عليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فبقيت الفريضة كما كانت يظهر من خاتمة سورة المزمل[1] اھ اقول كانه يريد قوله تعالٰى علم ان لم تحصوه فتاب عليكم وقوله تعالٰى علم ان سيكون منكم مرضى و اٰخرون يضربون فى الارض يبتغون من فضل الله[2] فان الظاهر ان الخطاب فيه للامة۔

جو حضور پر فرضیتِ تہجد کا قائل ہے وہ ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس فرمان سے قانع نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے آپ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ پہلے قیامِ شب اُمت پر فرض تھا پھر فرض منسوخ ہوکر نفل ہوگیا۔ رہا معاملہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تو وہاں یہ فرض ہی باقی رہا جیسا کہ خاتمۂ سورۃ سے ظاہر ہورہا ہے اھ اقول شاید اس سے ان کی مراد خاتمہ سورۃ کے یہ الفاظ ہوں کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "وہ جانتا ہے اے مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہوسکے گا تو اس نے اپنے کرم سے تم پر رجوع فرمایا" اور اللہ تعالٰی کا یہ فرمان "وہ جانتا ہے کہ عنقریب تم میں کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ زمین پر سفر کریں گے' اللہ کا فضل تلاش کریں گے" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں خطاب اُمت کے لئے ہے (ت)

ثم اقول ہمیں احتمال کافی خصوصاً جبکہ بوجوہ عدیدہ اُس کا پتا چلتا ہو اوّلاً اسی حدیث میں لفظِ ابوداؤد یوں ہیں:

قال (ای سعد بن هشام) قلت حدثنی عن قيام الليل قالت الست تقرأ يايها المزمل قال قلت بلٰى قالت فان اول هذه السورة نزلت فقام اصحاب رسول الله صلى الله

اس (یعنی سعد بن ہشام) نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے قیامِ شب کے بارے میں بیان کیجئے تو اُم المومنین نے فرمایا کیا تُو نے سورۃ یایھا المزمل نہیں پڑھی؟ عرض کیا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا اس سورۃ کا ابتدائی حصہ جب نازل ہوا تو حضور کے اصحاب

---

[1] رسائل الارکان فصل فی صلوۃ اللیل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۳۵
[2] القرآن ۷۳/ ۲۰

تعالٰی علیہ وسلم حتی انتفخت اقدامھم وحبس خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھرا ثم نزل اٰخرھا فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ[1]
نے یہاں تک قیام کیا کہ ان کے پاؤں سُوج گئے، لیکن اس کا آخری حصہ بارہ ۱۲ ماہ تک آسمان پر روک لیا، پھر جب آخری حصّہ نازل فرمایا تو قیامِ شب فرض ہونے کے بعد نفل بن گیا (ت)

ثانیًا خود ام المومنین سے حدیث گزری کہ قیامِ لیل حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فرض، اُمت کے لئے سنّت تھا۔

ثالثًا اسی طرح ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نسخ ذکر فرمایا[2] کما رواہ ابوداؤد (جیسا کہ ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے۔ ت) حالانکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت مانتے ہیں کما تقدم (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت)

رابعًا جب ام المومنین کا ارشاد ان تک پہنچا فرمایا: صدقت، کما بیّنہ مسلم والنسائی (انھوں نے سچ فرمایا، جیسا کہ اسے مسلم اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ ت) اور فرمایا ھذا واللہ ھو الحدیث[3] کما عند ابی داؤد (اللہ کی قسم یہ وہی حدیث ہے جیسا کہ ابوداؤد کے ہاں ہے۔ ت) اگر اس کے معنی وہ اپنے خلاف سمجھتے بیان فرماتے

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آخر سورۃ نے مطلق قیامِ لیل نسخ نہ فرمایا بلکہ اوّل سُورۃ میں جو نصف شب یا قریب بہ نصف کے تقدیر تھی اُسے منسوخ فرما کر مطلق قیام کی فرضیت باقی رکھی لقولہ تعالٰی فتاب علیکم فاقرءوا ما تیسر من القراٰن[4] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اللہ تعالٰی نے تم پر اپنے کرم سے رجوع فرمایا ہے کہ اب تم اتنا قرآن پڑھو جو تم پر آسان ہو۔ ت) اس کے بعد پھر دوبارہ نسخ مطلق ہوکر استحباب رہا ہے، جلالین شریف میں ہے:

خفف عنھم بقیام ما تیسر منہ ثم نسخ ذلک بالصلوات الخمس[5]
اللہ تعالٰی نے تخفیف فرماتے ہوئے آسانی کے ساتھ بندوں پر قیام رکھا پھر یہ قیام پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگیا (ت)

---

[1] سُنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراءۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹۰
[2] سنن ابوداؤد باب نسخ قیام اللیل الخ " " " ۱/۱۸۵
[3] " " " باب رفع الصوت بالقراءۃ الخ " " " ۱/۱۹۰
[4] القرآن ۷۳/۲۰
[5] تفسیر جلالین سورۃ مزمل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۷۷

کشاف وارشاد العقل وغیرہما میں ہے :

عبرعن الصلٰوۃ بالقراءۃ لانھا بعض ارکانھا کما عبرعنھا بالقیام والرکوع والسجود یرید فصلوا ماتیسر علیکم ولم یعذر من صلٰوۃ اللیل وھذا ناسخ للاول ثم نسخا جمیعا بالصلوات الخمس[1]

یہاں نماز کو قرأت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ قرأت نماز کا رکن ہے جیساکہ نماز کو قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ تعبیر کیا ہے مقصد یہ بتاکہ تم اتنی نماز پڑھتے رہو جو تم پر آسان ہو لیکن قیامِ شب نہیں چھوڑ سکتے، اور یہ حکم ابتدائے سورۃ کے لئے ناسخ پھر پانچ نمازوں کا حکم ان سب کے لئے ناسخ قرار پایا۔ (ت)

تفسیر کرخی وفتوحاتِ الٰہیہ میں ہے: ھذا ھو الاصح[2] (یہی اصح ہے۔ ت) ام المومنین یقیناً ناسخ اول کا ذکر فرمارہی ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل، پھر اس سے انتفائے فرضیت کہاں حاصل۔ ناسخ ثانی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دخول کب ثابت ہُوا نہ ہرگز اس میں کوئی نص نازل، تو حدیث مذکور سے انتفائے وجوب پر تمسک سرے سے زائل، وھھنا تحقیقات اخر اجل واعلٰی (یہاں دیگر نہایت اہم تحقیقات ہیں)

بتوفیق اللہ العلی الاکبر فی رسالۃ لنا صنفناھا بعد ورود ھذا السؤال فی تحقیق ھذا المقال سمیناھا "رعایۃ المنۃ فی ان التھجد نفل ام سنۃ ۱۳۱۲ھ" فلینظر ثمہ والحمد للہ علی کشف الغمۃ۔

اللہ کی توفیق سے ان کا ذکر ہم نے اس سوال کے ورود کے بعد اپنے ایک رسالے (جس کو ہم نے اسی مقال کی تحقیق میں تصنیف کیا ہے) میں کیا ہے اس کا نام "رعایۃ المنۃ فی ان التھجد فضل ام سنۃ ۱۳۱۲ھ" اس کا مطالعہ کیجئے، اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس نے عقدے کھول دئے۔ (ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق فقیر کے نزدیک اسی مبحث میں حق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں صلٰوۃِ لیل ونمازِ تہجد، صلٰوۃ لیل ہر وہ نمازِ نفل کہ بعد فرضِ عشاء رات میں پڑھی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] تفسیر الکشاف سورۃ مزمل مطبوعہ انتشارات آفتاب تہران، ایران ۴/ ۱۷۹

[2] تفسیر الفتوحات الالٰہیہ الشہیر بالجمل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۳۳

ماکان بعد صلوٰۃ العشاء فھو من اللیل[1] رواہ الطبرانی عن ایاس بن معٰویۃ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

جو نماز بعد عشاء پڑھی جائے وہ سب نمازِ شب ہے اسے طبرانی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ایاس بن معاویہ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ بیشک سنّتِ مؤکدہ ہے کہ اس میں عشاء کی سنّتِ بعدیہ بلکہ سنّتِ فجر بھی داخل، صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کانت صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شہر رمضان وغیرہ ثلث عشرۃ رکعۃ باللیل و منھا رکعتا الفجر[2]

آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نمازِ شب رمضان وغیرہ میں تیرہ رکعتیں تھیں، ان میں دو رکعات فجر کی بھی ہیں (ت)

اس معنی پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلوٰۃِ لیل کو بعد فرائض ہر نماز سے افضل بتایا،

کما لمسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل[3]

جیسا کہ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرائض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے (ت)

ورنہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سُننِ راتبہ سب مسنون نمازوں سے افضل ہیں اور ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ سنّتِ فجر سُننِ راتبہ سے بھی اعلٰی و اجل اور نمازِ تہجد وہ نفل کہ بعد فرضِ عشا قدرے سوکر طلوعِ فجر سے پہلے پڑھے جائیں، طبرانی حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انما تھجد المرء یصلی الصلوٰۃ بعد رقدۃ[4]

قدرے سوکر آدمی جو نماز ادا کرے اسے تہجد کہا جاتا ہے (ت)

معالم میں ہے: التھجد لایکون الا بعد النوم[5] (تہجد سونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ت)

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۵۵ حدیث ۷۸۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۷۱
[2] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل ؍؍ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۵
[3] ؍؍ ؍؍ باب فضل صوم المحرم ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/۳۶۸
[4] المعجم الکبیر ترجمہ ۲۵۸ حدیث ۳۲۱۶ ؍؍ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/۲۲۵
[5] معالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن تحت قولہ تعالٰی ومن الیل فتھجد بہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/۱۷۴

حلیہ میں قاضی حسین سے ہے:

انه فی الاصطلاح صلٰوۃ التطوع فی اللیل بعد النوم[1]۔

اصطلاح میں رات کو سونے کے بعد نوافل کی ادائیگی کو تہجد کہا جاتا ہے (ت)

ولہذا ردالمحتار میں فرمایا:

صلٰوۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التہجد[2]

رات کی نماز اور قیام لیل تہجد سے عام ہے۔ (ت)

یہ مستحب سے زائد نہیں ورنہ سونا بھی سنتِ موکدہ ہوجائے اور شب بیداری گناہ ٹھہرے کہ تہجد سنتِ موکدہ ہُوئی اور وُہ بے نوم حاصل نہیں ہوسکتی اور سنّتِ مؤکدہ کا حصول جس پر موقوف ہے وُہ سنّت مؤکدہ ہے لان حکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمتہ (کیونکہ مقدمہ کا حکم وہی ہوتا ہے جو اس پر موقوف ہونے والے کا ہے۔ت) اور سنّتِ مؤکدہ کا ترک مطلقاً یا بعد عادت گناہ اور بعد اصرار کبیرہ، شب بیداری کی غایت یہ تھی کہ مستحب ہوتی مگر جب وہ ترک سنت مؤکدہ کی موجب تو مستحب کیسی، مکروہ وممنوع ہونی لازم، کوئی مستحب کیسی ہی فضیلت والا ہو جب کسی سنّتِ مؤکدہ کے فوت کا موجب ہو مستحب نہیں ہوسکتا مذموم ہوگا۔ ہمارے امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پینتالیس۴۵ برس عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی کیا معاذ اللہ پینتالیس۴۵ سال کامل ترک سنتِ مؤکدہ پر اصرار فرمایا فقد ظہر الحق واسفر الفلق وبقیۃ الکلام فی تلك الرسالۃ والحمد للہ رب الجلالۃ (حق واضح ہوگیا صبح طلوع ہوگئی اور بقیہ کلام ہمارے اس مذکورہ رسالہ میں ہے، حمد ہے صاحبِ جلال رب کی۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں؟ اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کس طرح تھی یا کوئی عادت نہ تھی؟ بلکہ کبھی گھر میں پڑھتے کبھی مسجد میں؟ اور روافض کی مشابہت اور رفض کی تہمت سے بچنے کو مسجد میں پڑھنا ضرور ولازم ہے یا نہیں؟ اور حدیثوں میں جو گھر میں پڑھنے کی فضیلت وارد ہُوئی وہاں صرف نوافل ہیں یا سنتیں بھی؟

الجواب

ومن اللہ سبحٰنہ توفیق الصدق والصواب تراویح وتحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار مطلب فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴

سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ گھر میں پڑھنا افضل اور باعثِ ثواب اکمل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بالصلٰوۃ فی بیوتکم فان خیر صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔[1] رواہ البخاری ومسلم۔

تم پر لازم ہے گھروں میں نماز پڑھنا کہ بہتر نماز مرد کیلئے اس کے گھر میں ہے سوا فرض کے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں:

صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ۔[2] رواہ ابوداؤد۔

نماز مرد کی اپنے گھر میں میری اس مسجد میں اس کی نماز سے بہتر ہے مگر فرائض۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

اور خود عادت کریمہ سید المرسلین کی اسی طرح تھی، احادیث صحیحہ سے حضور والا کا تمام سنن کاشانہ فلک آستانہ میں پڑھنا ثابت۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گھر میں چار رکعت ظہر سے پہلے پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں رونق افروز ہوکر دو رکعتیں پڑھتے، اور مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں جلوہ فرما ہوتے اور دو رکعتیں پڑھتے، اور عشا کی امامت کرکے گھر میں آتے اور دو رکعتیں پڑھتے، جب صبح چمکتی دو رکعتیں پڑھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نمازِ فجر پڑھاتے۔

اخرج مسلم فی صحیحہ وابوداؤد فی السنن واللفظ لمسلم عن عبداللّٰہ بن شقیق قال سألت عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا عن صلٰوۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم عن تطوعہ فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظھر اربعا، ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل

مسلم نے صحیح میں اور ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے مسلم کے الفاظ ہیں کہ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نفلی نماز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا میرے حجرے میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلٰوۃ النافلۃ فی بیتہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۶۶

[2] سنن ابوداؤد باب صلٰوۃ الرجل التطوع فی بیتہ " آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۴۹

فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم ید خل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین، ثم ذکرت صلٰوۃ اللیل والوتر الٰی ان قالت وکان اذا طلع الفجر صلی رکعتین[1] زاد ابوداؤد ثم یخرج فیصلی بالناس صلٰوۃ الفجر[2]۔

لوگوں کو جماعت کرواتے پھر حجرے میں جلوہ افروز ہوتے تو دو رکعت پڑھتے، جب مغرب کی نماز کی جماعت کرواتے پھر حجرہ میں تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے، لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعات ادا کرتے۔ پھر انھوں نے رات کی نماز اور وتر کا ذکر کرتے ہوئے کہا جب طلوعِ فجر ہوجاتی تو آپ دو رکعات ادا کرتے۔ ابوداؤد میں یہ اضافہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے۔ (ت)

اسی طرح سننِ جمعہ کا مکانِ جنت نشان میں پڑھنا۔ صحیحین میں مروی زمانۂ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لوگ مغرب کے فرض پڑھ کر گھروں کو لوٹ جاتے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی شخص نہ رہتا گویا وہ بعد مغرب کچھ پڑھتے ہی نہیں،

فی الفتح عن السائب بن یزید قال لقد رأیت الناس فی زمن عمر بن الخطاب اذا انصرفوا من المغرب انصرفوا جمیعا حتی لایبقی فی المسجد احد کانھم لایصلون بعد المغرب حتی یصیروا الٰی اھلیھم[3]۔

فتح میں سائب بن یزید سے ہے کہ میں نے دورِ فاروقی میں لوگوں کو مغرب کے بعد اکٹھے لوٹتے ہوئے دیکھا حتی کہ کوئی مسجد میں باقی نہ رہتا، گویا وہ مغرب کے بعد کوئی نماز ادا نہ کرتے یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں میں چلے جاتے۔ (ت)

سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ مغرب کے فرض پڑھ کر مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے ارشاد فرمایا: یہ نماز گھر میں پڑھا کرو۔

اخرج ابوداؤد والترمذی والنسائی ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب

---

[1] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائما وقاعداً الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۲

[2] سنن ابوداؤد باب تفریع ابواب التطوع ورکعات السنۃ ″ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۸

[3] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ ″ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

عن كعب بن عجرة وابن ماجة عن حديث رافع بن خديج والسياق لابی داؤد قال ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی مسجد بنی عبد الاشهل فصلی فیہ المغرب فلما قضوا صلٰوتهم راهم یسبحون بعدها فقال هذه صلٰوة البیوت[1] ولفظ الترمذی والنسائی علیکم بهذه الصلٰوة فی البیوت[2]، وابن ماجة ارکعوا هاتین الرکعتین فی بیوتکم[3]

بن عجرہ سے، اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنو عبد الاشهل کی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے مغرب کی نماز ادا کی جب لوگ فرائض پڑھ چکے تو آپ نے انھیں نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ گھروں کی نماز ہے۔ ترمذی اور نسائی کے الفاظ ہیں کہ تم یہ نماز اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: یہ دو رکعات تم اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ (ت)

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ہرگاہ تمام کردند مردم نماز فرض را دید آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایشاں را کہ نماز نفل می گزارند کہ مراد بوے سنت مغرب است بعد از فرض یعنی در مسجد پس گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایں یعنی سنت مغرب یا مطلق نماز نفل نماز خانہا است کہ در خانہا باید گزارد نہ در مسجد بدانکہ افضل آنست کہ نماز نفل غیر فرض در خانہ بگزارند ہمچنیں بود عملے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مگر بسببے یا عذرے خصوصاً سنت مغرب کہ ہرگز در مسجد نگزارد و بعضے از علما گفتہ اند کہ اگر سنت مغرب را در مسجد بگزارد از سنت واقع نمی شود و بعض

جب لوگوں نے فرض نماز ادا کر لی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انھیں فرائض کے بعد نوافل یعنی سنن مغرب کو مسجد میں ادا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ سنن مغرب یا مطلقاً نماز نفل گھروں کی نماز ہے انھیں گھروں میں ادا کرنا چاہئے نہ کہ مسجد میں۔ واضح رہے کہ فرض کے علاوہ نوافل گھر میں ادا کرنے چاہئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہی عمل تھا البتہ کسی سبب یا عذر کی صورت مستثنٰی ہے خصوصاً نمازِ مغرب کی سنن مسجد میں ادا نہ کی جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کسی نے سنن مغرب مسجد میں ادا کیں تو سنت واقع نہ ہوں گی اور بعض کے نزدیک ایسا آدمی

---

[1] سنن ابوداؤد باب رکعتی المغرب این تصلیان مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۳

[2] کنزالعمال، حدیث ۱۹۴۲۳، موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/۳۸۶ [3] سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب، سعید کمپنی کراچی ص۸۳

گفته اند کہ عاصی می گردد از جہت مخالفت امر کہ ظاہرش در وجوب است وجمہور بر آنند کہ امر برائے استحباب است[1] الخ

گنہ گار بھی ہوگا کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امر (جس سے ظاہر وجوب ہے) کی مخالفت کی ہے اور جمہور کے نزدیک یہاں امر استحباب کے لئے ہے الخ (ت)

گا ہے اگر بعض سنن مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو علماء فرماتے ہیں وُہ کسی عذر وسبب سے تھا کما مر عن الشیخ وبمثلہ قال العلامۃ ابن امیر الحاج فی شرح المنیۃ (جیسا کہ شیخ کے حوالے سے گزرا اسی کی مثل علامہ ابن امیر الحاج نے شرح منیہ میں فرمایا۔ ت) معہذا ترک احیاناً منافی سنیت و استحباب نہیں بلکہ اس کا مقرر و مؤکد ہے کہ مواظبت محققین کے نزدیک امارت وجوب کما فی البحر وغیرہ (جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ ت) علاوہ بریں اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائماً سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھی ہوتیں، تاہم بعد اس کے کہ حضور ہم سے ارشاد فرما چکے "فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمھیں گھر میں پڑھنی چاہئیں" اور فرمایا "ماورائے فرائض اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" بلکہ مسجد میں پڑھتے دیکھ کر وہ ارشاد فرمایا کہ "نماز گھروں میں پڑھا کرو" کما مر کل ذلک (جیسا کہ یہ سب کچھ پیچھے گزرا ہے۔ ت) تو ہمارے لئے بہتر گھر ہی میں پڑھنے میں رہے کہ قول فعل پر مرجح ہے اور ان احادیث میں نماز سے صرف نوافل مطلقہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ماورائے فرائض میں سُنن بھی داخل، اور قضیہ مسجد بنی عبدالاشہل کا خاص سنن مغرب میں تھا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) اسی طرح فقہاء بھی عام حکم دیتے اور نوافل کی تخصیص نہیں کرتے، ہدایہ میں ہے:

والافضل فی عامۃ السنن والنوافل المنزل وھو المروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]

تمام سُنن و نوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے اور یہی بات رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

عامتھم علی اطلاق الجواب کعبارۃ الکتاب وبہ افتی

عام فقہاء نے عبارتِ کتاب (ہدایہ) کی طرح مطلقاً جواب دیا ہے، اور فقیہ ابوجعفر نے اسی پر

---

[1] اشعۃ اللمعات باب من صلی صلوٰۃ مرتین فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۵۰۳

[2] الہدایۃ جز اول باب ادراک الفریضہ " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۳۲

الفقیہ ابو جعفر قال الا ان یخشی ان یشتغل عنہا اذا رجع فان لم یخف فالافضل البیت[1]

یہ کہتے ہوئے فتوٰی دیا ہے مگر اس صورت میں کہ جب کسی مشغولیت کی بناء پر گھر لوٹ کر نوافل کے فوت ہوجانے کا خطرہ ہو (تو مسجد میں ہی پڑھ لے)، ہاں اگر خوف نہ ہو تو گھر میں ادا کرنا افضل ہے (ت)

شرح صغیری میں ہے:

ثم السنۃ فی سنۃ الفجر وکذا فی سائر السنن ان یاتی بہا اما فی بیتہ وھو الافضل اوعند باب المسجد واما السنن التی بعد الفریضۃ فانہ ان تطوع بہا فی المسجد فحسن وتطوعہ بہا فی البیت افضل، وھذا غیر مختص بما بعد الفریضۃ بل جمیع النوافل ماعدا التراویح وتحیۃ المسجد الافضل فیہا المنزل لما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یصلی جمیع السنن والوتر فی البیت[2] اھ ملخصا۔

پھر سنّت، سنن فجر میں اسی طرح بقیہ سنن میں کہ ان کو گھر میں ادا کرے اور یہی افضل ہے یا دروازۂ مسجد کے پاس ادا کرے۔ رہیں وہ سُنّتیں جو فرائض کے بعد ہیں اگر مسجد میں ادا کرے تو بھی ٹھیک اور اگر گھر میں ادا کرے تو زیادہ بہتر ہے، اور یہ صرف ان سنن کا معاملہ نہیں جو فرائض کے بعد ہیں بلکہ تراویح وتحیۃ المسجد کے علاوہ باقی تمام نوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے کیونکہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سُنن و وتر کو گھر میں ہی ادا فرماتے تھے اھ تلخیصاً (ت)

اور جب ثابت ہوچکا کہ سنن ونوافل کا گھر میں پڑھنا افضل اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت طیبہ، اور حضور نے یُوں ہی ہمیں حکم فرمایا تو بخیال مشابہت روافض اُسے ترک کرنا کچھ وجہ نہ رکھتا ہے۔ اہلِ بدعت کا خلاف اُن کی بدعت یا شعار خاص میں کیا جائے نہ یہ کہ اپنے مذہب کے امورِ خیر سے جو بات وُہ اختیار کریں ہم اُسے چھوڑتے جائیں آخر رافضی کلمہ بھی تو پڑھتے ہیں۔ بالجملہ اصل حکمِ استحبابی یہی ہے کہ سُننِ قبلیہ مثل رکعتینِ فجر و رباعیِ ظہر وعصر وعشا مطلقاً گھر میں پڑھ کر مسجد کو جائیں کہ ثواب زیادہ پائیں، اور سُننِ بعدیہ مثل رکعتینِ ظہر ومغرب وعشا میں جسے اپنے نفس پر اطمینانِ کامل حاصل ہو

---

[1] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل ، مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۵ - ۲۰۴

کہ گھر جاکر کسی ایسے کام میں جو اسے ادائے سنن سے باز رکھے مشغول نہ ہوگا وہ مسجد سے فرض پڑھ کر پلٹ آئے اور سنتیں گھر ہی میں پڑھے تو بہتر، اور اس سے ایک زیادتِ ثواب یہ حاصل ہوگی کہ جتنے قدم بارادۂ ادائے سنن گھر تک آئے گا وہ سب حسنات میں لکھے جائیں گے،

قال تبارك وتعالٰی ونکتب ماقدموا و اٰثارھم وکل شیئ احصینٰہ فی امام مبین[1]

اللہ تبارک وتعالٰی کا فرمان ہے: ہم لکھ رہے ہیں جو انھوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر شیئ کو ہم نے کتاب مبین میں شمار کر رکھا ہے۔ (ت)

اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظ افضلیت میں اصل نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی افضلیت صلوٰۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نماز وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے کما فی کتب الفقہ (جیسا کہ کتبِ فقہ میں ہے۔ ت) مگر اب عام عملِ اہلِ اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن و انگشت نمائی و انتشار ظنون و فتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں: الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ (معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۴-۱۰۳۵: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نفل کا سوائے تراویح و نماز کسوف وخسوف بجماعت منسوخ ہونا تو معلوم ہے لیکن بعض مشائخ کے یہاں جو باعتبار کسی کتاب کے بعض نمازیں نفل کی مثلاً صلوٰۃ قضائے عمری (سہ نفل قبل آخری جمعہ کے) اور نفل شب برات بجماعت ہوتے ہیں ان کی کیا اصل ہے، جواز کس بنا پر ہے اور ممانعت کیوں ہے، جن فتاوٰی کی رُو سے جواز نکالا ہے وُہ کہاں تک معتبر ہے؟

(۲) نفل یومِ عاشورا ہم کو پڑھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی مکروہ ہے۔ اسی حکم میں

---

[1] القرآن ۳۶/ ۱۲

نمازِ خسوف بھی داخل کر وہ بھی تنہا پڑھی جائے اگرچہ امام جمعہ حاضر ہو[1] کما فی الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی (جیسے کہ شامی نے اسمٰعیل سے اور انھوں نے برجندی سے نقل کیا ہے۔ ت) حلیہ میں ہے:

27

اما الجماعۃ فی صلٰوۃ الخسوف فظاھر کلام الجم الغفیر من اھل المذھب کراھتھا[2] الخ

رہا صلٰوۃِ خسوف کی جماعت کے بارے میں حکم تو اہلِ مذہب کے جم غفیر کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ یہ مکروہ ہے الخ (ت)

صرف تراویح و صلٰوۃ الکسوف و صلٰوۃ الاستسقاء مستثنٰی ہیں

وذلك بوفاق ائمتنا علی الاصح فالخلف فی الاخیر فی الاستنان دون الجواز[3] کما صرح بہ فی الدر المختار۔

اصح مذہب کے مطابق ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے، اختلاف آخری (صلٰوۃ الاستسقاء) کے مسنون ہونے میں ہے نہ کہ جواز میں، جیسے کہ درمختار میں تصریح ہے (ت)

تداعی مذہب اصح میں اُس وقت متحقق ہوگی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں، دو تین تک کراہت نہیں،

فی الدر یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر[4] اھ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فی اقتداء ثلثۃ الاصح عدم الکراھۃ[5]۔

درمختار میں ہے یہ مکروہ ہے اگر علی سبیل التداعی ہو مثلاً چار آدمی ایک کی اقتداء کریں جیسا کہ درر میں ہے اھ، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اگر تین نے ایک کی اقتداء کی تو اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ (ت)

نمازِ قضائے عمری کہ آخر جمعہ ماہِ مبارک رمضان میں اُس کا پڑھنا اختراع کیا گیا اور اُس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نماز سے عمر بھر کی اپنی اور ماں باپ کی بھی قضائیں اُتر جاتی ہیں محض باطل و

---

[1] ردالمحتار باب الکسوف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] درمختار باب الاستسقاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۸

[4] 〃 آخر باب الوتر والنوافل 〃 〃 ۱/۹۹

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح 〃 نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ص ۲۱۱

بدعت سیئہ شنیعہ ہے کسی کتاب معتبر میں اصلاً اس کا نشان نہیں، نماز شب برات اگرچہ مشائخ کرام قدست اسرارہم نے بجماعت بھی پڑھی، قوت القلوب شریف میں ہے:

یستحب احیاء خمس عشرة لیلة (الی قوله) لیلة النصف من شعبان وقد کانوا یصلون فی هذه اللیلة مائة رکعة بالف مرة قل هو الله احد عشرا فی کل رکعة ویسمون هذه الصلوٰة صلوٰة الخیر ویتعرفون برکتها ویجتمعون فیها وربما صلوها جماعة۔[1]

پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کر فرمایا) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرھویں رات ہے کہ اس میں شب بیدار رہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سو رکعت ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد کے ساتھ ادا کرتے ہر رکعت میں دس دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتے۔ اس نماز کا نام انھوں نے صلوٰۃ الخیر رکھا تھا، اس کی برکت مسلمہ تھی، اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔ (ت)

اور یہی مذہب علمائے تابعین سے لقمان بن عامر و خالد بن معدان اور ائمہ مجتہدین سے اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے مگر ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب وہی ہے کہ جماعت بتداعی ہو تو مکروہ ہے

کما نص علیه فی البزازیة والتاتارخانیة والحاوی القدسی والحلیة والغنیة ونورالایضاح ومراقی الفلاح والاشباه وشروحها والدرالمختار وحواشیه وغیرذلك من الکتب المعتمدة۔

جیسا کہ اس پر بزازیہ، تتارخانیہ، الحاوی القدسی، حلیہ، غنیہ، نور الایضاح، مراقی الفلاح، الاشباہ اور اس کی شروح، درمختار اور اس کے حواشی، اور اس کے علاوہ دیگر معتمد کتب میں تصریح ہے (ت)

(۲) عاشورا ایام فاضلہ سے ہے اور نماز بہترین عبادات اور اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کی تکثیر قطعاً مطلوب و مندوب مگر اس دن نوافل معینہ بطرق مخصوصہ میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے علماء اسے موضوع و باطل بتاتے ہیں کما صرح به ابن الجوزی فی موضوعاته واقره علیه فی اللآلی (اس کی تصریح ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں کی اور امام سیوطی نے اللآلی میں

---

[1] قوت القلوب فصل العشرون فی ذکر احیاء اللیالی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۶۲

اسے ثابت رکھا ہے۔ت) موضوعاتِ کبیر ملا علی قاری میں ہے: صلوٰۃ عاشوراء موضوع بالاتفاق[1] (عاشورا کی نماز بالاتفاق موضوع ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۶ ازعلاقہ جاگل تھانہ ہری پور کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ شیر محمد شیخ

۱۷ رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں نیت وتر کی کرے یا واجب کی یا سنت کی یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب

وتر کی نیت تو ضرور ہی ہے پھر چاہے اسی قدر پر قناعت کرے اور بہتر یہ ہے کہ وتر واجب کی نیت کرے کہ ہمارے مذہب میں وتر واجب ہی ہیں اور اگر سنت بمعنی مقابل واجب کی نیت کی تو ہمارے امام کے نزدیک وتر ادا نہ ہوں گے۔

فی الدرالمختار لابد من التعیین عند النیۃ لفرض انہ ظہر او عصر وواجب انہ وتر او نذر اھ مختصرا[2] وفی ردالمحتار ای لایلزمہ تعیین الوجوب وان کان حنفیا ینبغی ان ینویہ لیطابق اعتقادہ[3] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم

درمختار میں ہے نیت کے وقت اس بات کا تعین کہ یہ فرض ہے مثلاً یہ ظہر وعصر کی نماز ہے یا واجب مثلاً وتر یا نذر کی نماز ہے ضروری ہے اھ اختصاراً، اور ردالمحتار میں ہے کہ تعینِ وجوب لازم نہیں، ہاں اگر وہ حنفی ہو تو مناسب یہی ہے کہ اس کی نیت کرے تاکہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق ہوجائے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۷ ازملک بنگالہ ضلع چاٹگام ڈاکخانہ جلدی مرسلہ محمد حبیب اللہ صاحب

۸ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب در مالابدمنہ آوردہ اندکہ

اس مسئلہ میں علماء کی کیا رائے ہے کہ مالابدمنہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ذکر کیا ہے کہ

---

[1] الاسرارالمرفوعۃ لملا علی قاری حدیث ۱۱۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۸۹

[2] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۶۷

[3] ردالمحتار " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱۹

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در صلوٰۃ تہجد قیام بسیار می فرمودند حتی کہ درپایئے مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورم وتشق شدہ است، قول مذکور قابلِ اعتبار است یا نہ وورم وتشق در صحاح ستہ ثابت است یا خارج از صحاح بعض عالم میگویند کہ ورم قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در صحاح ثابت است وتشق ثابت نیست قول کدام کس معتبر است بینوا بسند الکتاب و توجروا من اللہ الوھاب۔

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ تہجد میں قیام طویل فرماتے حتی کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہوجاتے اور پھٹ جاتے، یہ قول قابلِ اعتبار ہے یا نہیں، متورم ہونا اور پھٹنا دونوں صحاح ستہ سے ثابت ہیں یا صحاح کے علاوہ سے؟ بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ مبارک قدموں کا متورم ہونا تو صحاح سے ثابت ہے مگر پھٹ جانا ثابت نہیں، کس کا قول معتبر ہے؟ مسئلہ کتاب کے ساتھ بیان کریں اور عطا کرنے والے اللہ تعالٰی سے اجر پائیں۔

الجواب

ایں جا سخن قاضی درست وسوی ست انکارش از نادیدہ روی ست، تورم وانشقاق ہر دو در صحاح ستہ خبر ایں سنن ابی داؤد مروی ست و در جامع صحیح امام بخاری ست حدثنا صدقۃ بن فضل اخبرنا ابن عیینۃ ثنا زیاد انہ سمع المغیرۃ یقول قام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ قد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا[1]۔ حدثنا الحسن بن عبد العزیز ثنا عبد اللہ بن یحیی اخبرنا حیوۃ عن ابی الاسود

قاضی صاحب کا کلام درست وصحیح ہے اس کا انکار ناواقفیت ہے، پاؤں کا متورم ہونا اور پھٹ جانا دونوں ہی صحاح ستہ سے ثابت ہیں، یہ خبر سنن ابی داؤد اور جامع صحیح امام بخاری میں مروی ہے کہ ہمیں صدقہ بن فضل انھیں ابن عیینہ انھیں زیاد نے بتایا کہ میں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قیام فرمایا حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک قدم متورم ہوگئے، آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اللہ تعالٰی نے آپ کو ان الفاظ کے ذریعے مغفرت و بخشش کی خوشخبری دی ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر، تو

---

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفر لک اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱۶

انہ سمع عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقوم من اللیل حتی تتفطر قدماہ فقالت عائشۃ لم تصنع ھذا یارسول اللہ وقد غفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک وما تأخر قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا[1] الحدیث قال البخاری فی کتاب الصلوۃ تفطر قدماہ الفطور الشقوق انفطرت انشقت[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

آپ نے فرمایا: کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں! حسن بن عبدالعزیز انھیں عبداللہ بن یحیٰی انھیں حیوۃ انھیں ابوالاسود نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سُنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک پھٹ جاتے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو حالانکہ اللہ تعالٰی نے آپ کے اگلے اور پچھلے معاملات پر مغفرت وبخشش کی ضمانت فراہم کردی ہے۔ تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلوۃ میں ذکر کرکے فرمایا: تفطر قدماہ الفطور کا معنٰی پھٹ جانا ہے کیونکہ انفطرت اور انشقت دونوں کا معنٰی "پھٹ جانا" ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۸: ازبریلی محلہ صندل خاں کی بزریہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشاء میں آخری نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہیے یا کھڑے ہوکر؟ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس طور پر ہمیشہ ان نفلوں کو ادا فرمایا اور کس طرح پڑھنا باعثِ زیادتی ثواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نفل بیٹھ کر پڑھے مگر ساتھ ہی فرمادیا کہ میں تمھارے مثل

---

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفرلک اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱۶

[2] " " باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللیل الخ " " " " " ۱/ ۱۵۲

نہیں، میرا ثواب قیام و قعود دونوں میں یکساں ہے تو اُمت کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل اور دونا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نمازِ تہجد ادا کرتا ہے لہذا اس کو وتر بعد فراغت تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی کی تراویح اتفاق سے کچھ باقی رہ گئی ہیں تو وہ امام کے بعد تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

تہجد پڑھنے والا بعد تراویح وتر پڑھ سکتا ہے بلکہ جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے، جس نے امام کے ساتھ بعض تراویح نہ پائیں تو بعد امام اُن کو پڑھے خواہ وتروں سے پہلے یا بعد، اور اول بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۴۰: از ریاست الور راجپوتانہ محلہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی
۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی چار سُنتیں اگر قضا ہو جائیں تو بعد فرض جماعت کے اُسے سنّت وقت کے اندر قضا کرلے یا نہیں؟ اس میں بھی صاحب ردالمحتار تحریر فرماتے ہیں کہ جمعہ کی سنّت مثل سنّت ظہر کے نہیں ہیں لہذا گزارش ہے کہ اس کی تحقیق سے بواپسی ڈاک اطلاع بخشی جائے۔ دو چار علماء سے جو گفتگو ہوئی تو انھوں نے جناب کی تحقیق کی طرف توجہ دلائی۔

الجواب

ہاں وقت میں انہیں ادا کرلے وُہ ادا ہوگی نہ کہ قضا، درمختار میں ہے:

بخلاف سنۃ الظھر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی ثم یاتی بھا علی انہ سنۃ فی وقتہ ای الظھر[1]

بخلاف ظہر کی سنّت کے، اسی طرح جمعہ کا معاملہ ہے، پس اگر نماز کی ایک رکعت نکل جانے کا خطرہ ہو تو سنن ترک کرکے جماعت میں شامل ہوجانا چاہئے پھر ان سنتوں کو اپنے وقت یعنی ظہر میں ادا کرے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وحکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع

جمعہ کی پہلی چار سنتوں کا حکم وہی ہے جو ظہر سے

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۰

قبل الظھر کما لا یخفی[1]

پہلی چار سنتوں کا ہے جیسا کہ واضح ہے (ت)

حاشیہ علامہ خیر الدین الرملی علی البحرالرائق میں فتاوٰی علامہ سراج الدین حانوتی سے ہے:

فعلی ما قالوہ فی المتون وغیرھا من ان سنۃ الظھر تقضی، یقتضی ان تقضی سنۃ الجمعۃ اذلا فرق[2] اھ ثم نقل عن روضۃ العلماء ما ردہ فی منحۃ الخالق ورد المحتار۔

اس بنا پر کہ جو فقہا نے کہا ہے کہ متون وغیرہ میں ہے کہ ظہر کی سنتیں ادا کی جائیں اس کا تقاضا ہے کہ جمعہ کی سنتیں بھی ادا کی جائیں کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں اھ پھر انھوں نے روضۃ العلماء سے وہ نقل کیا جسے منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں رد کیا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے:

یترك سنۃ الظھر ولو حکما فیدخل فیہ سنۃ الجمعۃ فتقضی علی الخلاف سنۃ الظھر[3]۔

ظہر کی سنتیں چھوڑ دی جائیں اگرچہ ظہر حکمی ہو تو جوازِ ترک میں جمعہ کی سنتیں بھی داخل ہوں گی تو انھیں برخلافِ سنّتِ ظہر ادا کیا جائے (ت)

رہا علامہ شامی کا استدلال کہ:

قد یستدل للفرق بینھما بان القیاس فی السنن، عدم القضاء وقد استدل قاضی خاں لقضاء سنۃ الظھر بما عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظھر قضاھن بعدہ فیکون قضاؤھا ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس[4]۔

بعض اوقات ان کے درمیان فرق کے لئے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ سنن میں قضا نہیں، اور قاضی خاں نے ظہر کی سنتوں کی قضا پر اُس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اگر ظہر سے پہلے کی چار رکعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رہ جاتیں تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کے بعد انھیں ادا فرمایا کرتے تھے پس ان کی ادا خلافِ قیاس حدیث سے ثابت ہوئی (ت)

---

[1] بحرالرائق باب ادراك الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۵

[2] حاشیۃ منحۃ الخالق علی البحرالرائق قول حکم الاربع قبل الجمعۃ کے تحت " " " ۲/ ۷۵

[3] جامع الرموز فصل ادراك الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۲۳

[4] ردالمحتار باب " " مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۱

اس پر فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی تعلیقات میں یہ لکھا :

اقول فیہ ان الحاق سنۃ الجمعۃ بسنۃ الظھر بدلیل المساواۃ فلا یضر کون القضاء فیھن علی خلاف القیاس لان الالحاق دلالۃ لا یختص بمعقول المعنی کما نص علیہ الامام ابن الھمام وغیرہ من الاعلام بل لقائل ان یقول ان سنۃ الجمعۃ من افراد سنۃ الظھر فلا الحاق فافھم وبالجملۃ فالاحوط الایتان بھا خروجا عن العھدۃ بیقین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول جمعہ کی سنتوں کو ظہر کی سنتوں کے ساتھ مساوات کی بناء پر لاحق کرنے میں ان کو خلافِ قیاس قضا کرنے میں کوئی ضرر نہیں کیونکہ دلالۃً الحاق کے لئے معقول المعنی ہونا ضروری نہیں جس طرح اس پر امام ابن ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے بلکہ قائل کے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ جمعہ کی سنتیں ظہر کی سنتوں کا ہی فرد ہیں تو پھر کوئی الحاق نہ ہوگا اسے سمجھو الغرض احتیاط یہی ہے کہ انھیں بجا لایا جائے تاکہ ذمہ داری سے بالیقین عہدہ برآ ہوا جائے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۱

۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوتِ جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے۔ ردالمحتار میں ہے :

اذا فاتت وحدھا فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراھۃ النفل بعد الصبح، واما بعد طلوع الشمس فکذلك عندھما وقال محمد احب الی ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر[2]۔

جب اکیلی سنن رہ گئی ہوں تو بالاجماع طلوعِ آفتاب سے پہلے انھیں قضا نہ کرے کیونکہ اس وقت نفل نماز مکروہ ہے۔ رہا طلوعِ آفتاب کے بعد تو شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے پہلے ان کا ادا کرلینا مجھے پسند ہے جیسا کہ درر میں ہے (ت)

---

[1] جد الممتار علی ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ المجمع الاسلامی مبارکپور (انڈیا) ۱/ ۲۴۳

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۵۷

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کرانا ہے ناواقفی سے ناشی، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضا ہوگئیں، اُن کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سُورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہرگز نہ ہوں گی الاترٰی الی قولہ لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقد سمی صلٰوتھا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (آپ نہیں دیکھتے کہ انھوں نے کہا بالاجماع طلوعِ آفتاب سے پہلے قضا نہ کرے اس میں فرض کے بعد طلوع سے پہلے نماز کو قضا کہا گیا ہے۔ ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور یہ جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہذا اجازت دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۲: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نمازِ فجر کا کر کے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے جو سنّت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے، بینوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم و آکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدرالمختار اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا ترکھا لکون الجماعۃ اکمل[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ سنتوں میں مصروفیت کی بنا پر فجر کے فرائض کے فوت ہونے کا خوف ہو تو انھیں چھوڑ دیا جائے کیونکہ جماعت ان سے اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

مسئلہ ۱۰۴۳ ازمقام بویہ قلعہ رام چھاؤنی ڈیرہ اسمعیل خاں رجمنٹ ۳۰ بنگال ملک وزیرستان مرسلہ عبداللہ خاں صاحب سوار ۱۳ صفر ۱۳۲۰ھ

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
(آپ سے ملاقات بھی ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر قیل وقال آپ سے سوال حل ہو جاتا ہے)

بعد تمنائے قدمبوسی کے مدعا یہ ہے کہ یہاں ہم لوگوں میں ایک حافظ قرآن شریف بہت عمدہ تلاوت کرتے ہیں سب جوانوں کا مشورہ ہوا کہ حافظ صاحب ہم کو پورا قرآن سنائیں سب کی صلاح سے بعد نماز عشاء پچھلی دو رکعت نفل میں دو پارے روز سنائے دس یوم بعد معلوم ہوا کہ نفلوں میں جماعت درست نہیں بعد کو سب کی رائے سے عشا کے فرضوں میں دو رکعت پیشتر میں قرآن سنایا ۸ یوم سنا ہوگا کہ بعض نے کہا تمھاری نماز درست نہ ہوئی اب آپ لکھئے کہ کسی طرح قرآن شریف علاوہ رمضان مبارک سنانا درست ہے یا نہیں؟ اب سب کہتے ہیں وتروں میں سناؤ اور اب یہ بھی سنا ہے کہ سنتوں میں جماعت درست نہیں ہے پھر کیا بندوبست کیا جائے؟ اور جو نماز اس طور پڑھی ہے وہ قبول ہوئی یا پھر قضا کریں؟ یہ جگہ پہاڑ ہے ایک قلعہ ہے جس میں ہم قریب سو جوانوں کے رہتے ہیں۔

الجواب

استسقاء کے سوا ہر نماز نفل وتراویح وکسوف کے سوا ہر نماز سنّت میں ایسی جماعت جس میں چار یا زیادہ شخص مقتدی بنیں مکروہ ہے اور وتروں کی جماعت غیر رمضان میں اگر اتفاقاً کبھی ہو جائے تو حرج نہیں مگر التزام کے ساتھ وہی حکم ہے کہ چار یا زیادہ مقتدی ہوں تو کراہت ہے اور فرضوں میں قراءت طویل قدر سنت سے اس قدر زائد کہ مقتدیوں میں سے کسی شخص پر بار گزرے سخت ناجائز وگناہ ہے یہاں تک کہ اگر ہزار مقتدی ہیں اور سب خوشی سے راضی ہیں کہ قراءت قدر سنّت سے زیادہ پڑھی جائے مگر ایک شخص کو ناگوار ہے تو اسی ایک کا لحاظ واجب ہوگا اور قدر سنت سے بڑھانا گناہ ہوگا، درمختار میں ہے:

یصلی بالناس من یملك اقامة الجمعة رکعتین کالنفل وصلوۃ الکسوف سنة واختار فی الاسرار وجوبها واختلف فی استنان صلوۃ

وہ شخص جو جمعہ قائم کرسکتا ہے لوگوں کو مثل نفل کے دو رکعات نماز پڑھا سکتا ہے اور صلٰوۃِ کسوف سنت ہے، اور اسرار میں اس کے وجوب کو مختار کہا ہے، نمازِ استسقاء کے سنّت ہونے

الاستسقاء[1] وھو بلا جماعۃ مسنونۃ بل ھی جائزۃ[2] اھ ملتقطا۔

میں اختلاف ہے اور یہ بلا جماعت مسنون بلکہ جائز ہے اھ تلخیصاً (ت)

اُسی میں ہے:

لایصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر[3]

رمضان کے علاوہ وتر اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے یعنی یہ عمل مکروہ ہے اگر علٰی سبیل التداعی ہو بایں طور کہ چار آدمی کسی ایک کی اقتداء کریں جیسا کہ درر میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یکرہ ذلک اشار الی ما قالوا ان المراد من قول القدوری فی مختصرہ لایجوز الکراھۃ لاعدم اصل الجواز لکن فی الخلاصۃ عن القدوری انہ لایکرہ وایدہ فی الحلیۃ بما اخرجہ الطحاوی عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ لیلا فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انی لم اوتر فقام وصففنا وراءہ فصلی بنا ثلث رکعات لم یسلم الا فی اٰخرھن ثم قال و یمکن ان یقال الظاھر

ان کا قول "یکرہ ذلک" علماء کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے فرمایا کہ قدوری کے اپنی مختصر میں قول "لایجوز" کا معنی یہ ہے کہ کراہت ہے نہ کہ اصلِ جواز معدوم ہے لیکن خلاصہ میں قدوری سے ہے کہ یہ مکروہ نہیں، اور اس کی تائید حلیہ میں اس روایت سے کی ہے جو طحاوی نے حضرت مسوّر بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو رات کو دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کے پیچھے صف بنالی تو انھوں نے ہمیں تین رکعات پڑھائیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرا، پھر کہا کہ یہ کہنا

---

[1] درمختار باب الکسوف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۸-۱۱۷
[2] " باب الاستسقاء " " " " " ۱/ ۱۱۸
[3] " آخر باب الوتر والنوافل " " " " " ۱/ ۹۹

ان الجماعة فیہ غیر مستجبة ثم ان کان ذلك احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مباحا غیر مکروہ و ان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروھة لانہ خلاف المتوارث وعلیہ یحمل ما ذکرہ القدوری فی مختصرہ وماذکرہ فی غیر مختصرہ یحمل علی الاول[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

ممکن ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ وتروں میں جماعت غیر مستحب ہے، اور اگر یہ بعض اوقات ہو تو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا تو یہ مباح غیر مکروہ ہے، اور اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت و مکروہ ہے کیونکہ منقول کے خلاف ہے اور مختصر قدوری میں جو مذکور ہے اسے بھی اسی پر محمول کیا جائیگا اور مختصر کے علاوہ میں جو مذکور ہے اسے پہلی صورت پر محمول کیا جائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ تحریما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائدا علی قدر السنة[2] الخ وتمام الکلام علیہ فی رد المحتار والحلیة وغیرھما و بالبحث والتنقیر یظھر ما ذکرنا۔

نماز کا مقتدیوں پر قدرِ سنّت سے زیادہ لمبا کرنا مکروہِ تحریمی ہے الخ اس پر تفصیلی کلام رد المحتار اور حلیہ وغیرہ میں موجود ہے اور بحث و تمحیص سے وہ ظاہر ہو گا جو ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

پس اگر اس کا بندوبست منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ فرضوں کی دو رکعت پیشیں میں قرأت ہو اس شرط پر کہ جماعت کے آدمی گنے بندھے ہوں اور وہ سب دل سے اس تطویل پر راضی ہوں کسی کو گراں نہ گزرے،

فان اللہ لا یمل حتی تملوا[3] کما فی الصحیح عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اللہ تعالٰی ملال نہیں دیتا یہاں تک کہ تم ملال میں ہو جاؤ، جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے (ت)

اگر یہ معدود لوگ راضی ہوں مگر جماعت میں یہی معین نہیں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جاتے ہیں اور اُن کا اس تطویل پر راضی ہونا معلوم نہیں تو جائز نہ ہو گا حذرا عن الوقوع فی الحرام (حرام میں واقع ہونے

---

[1] رد المحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸
[2] درمختار باب الامامة مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۳
[3] سنن ابو داؤد باب ما یومر بہ من القصد فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۹۳

سے بچنے کے لئے۔ ت)

(۲) سنتوں، نفلوں، وتروں میں حافظ قراءت کرے اور ہر بار مختلف لوگ مقتدی ہوں کہ کسی بار میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں مثلاً عشاء کے بعد دو سنتوں میں تین مقتدیوں کے ساتھ آدھا پارہ پڑھ لیا پھر وتروں میں دوسرے تین آدمی شریک ہوگئے آدھا ان میں پڑھا پھر نفلوں میں دوسرے تین مل گئے آدھا اب پڑھا یا وتروں سے پہلے جتنے نفل چاہے امام نے مختلف تین تین آدمیوں کے ساتھ پڑھے کہ سَو یا زیادہ شخص سب کو حصہ رسد ایک قراءت طویل میں شرکت پہنچ گئی۔

(۳) سنتوں خواہ نفلوں میں سب مقتدی ایک ساتھ شریک ہو کر ایک ہی بار میں ساری قراءت سب سُنیں مگر یُوں کہ مقتدی سب یا تین سے جتنے زیادہ ہیں یُوں منت مان لیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی کہ یہ رکعتیں اس امام کے ساتھ باجماعت ادا کروں اس صورت میں بھی کراہت نہ رہے گی اگرچہ کوئی ایسی پسندیدہ بات یہ بھی نہیں، دُرمختار میں ہے:

فی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب وبراءۃ وقدر الااذاقال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام جماعۃ اھ قلت وتتمۃ عبارۃ البزازیۃ من الامامۃ ولاینبغی ان یتکلف کل ھذا التکلف لامر مکروہ[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم

اشباہ میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے کہ نمازِ رغائب اور براءۃ (شبِ برات کی نماز) اور قدر (شبِ قدر کی نماز) میں اقتداء مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب کوئی یُوں کہے کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی ہے کہ میں اس امام کی اقتداء میں یہ رکعتیں ادا کروں گا اھ قلت بزازیہ کے باب الامامت میں اختتامی عبارت یُوں ہے کہ اس امرِ مکروہ کے لئے یہ تمام تکلفات مناسب نہیں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴۴: از احمد آباد گجرات دکن محلہ مرزا پور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب

۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نزدیک امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علمائے حنفیہ کی نماز تہجد کی ساتھ جماعت کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر ایام مخصوصہ مثلاً یوم عاشورا وغیرہ میں نفل جماعت سے جائز ہیں یا نہیں؟ اور یہاں کے مولوی نماز تہجد کی جماعت سے پڑھنا از حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

---

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

منصوص کہتے ہیں اور وقت تہجد کے جماعت بھی کرتے ہیں، آیا جماعت تہجد اور نفلوں کی کرنا مستحب یا سنت کیا ہے؛ اور جبکہ برعکس ہو تو کیا مکروہ ہے یا بدعت ہے یا کیا ہے؟ اللھم اھدنا بینوا بحکم الکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامہ کتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے اور اس کی تحدید امام نسفی وغیرہ نے کافی میں یوں فرمائی کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلاکراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ، یہ تحدید امام شمس الائمہ سے منقول ہے کافی کا نص عبارت یہ ہے:

(لایصلی تطوع بجماعۃ الا قیام رمضان وعن شمس الائمۃ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لایکرہ واذا اقتدی ثلثۃ بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقا۔[1]

(نفل جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں مگر رمضان کا قیام، شمس الائمہ سے یوں منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اس صورت میں مکروہ ہے جب علی سبیل التداعی ہو، اگر ایک نے ایک کی اقتداء کی یا دو نے ایک کی تو کراہت نہیں' اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار نے ایک کی اقتداء کی تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ (ت)

اور اصح یہ ہے کہ تین مقتدیوں میں بھی کراہت نہیں، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قولہ اختلف فیہ والاصح عدم الکراھۃ۔[2]

ان کا قول "اختلف فیہ" اس میں اصح یہ ہے کہ کراہت نہیں۔ (ت)

مگر انھیں امام شمس الائمہ سے خلاصہ وغیرہ میں یوں منقول کہ تین مقتدیوں تک بالاتفاق کراہت نہیں

---

[1] بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۳
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح آخر باب الوتر مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۱

چار میں اختلاف ہے اور اصح کراہت۔ فتاوٰی خلاصہ کا نص عبارت کتاب الصلٰوۃ فصل خامس عشر میں یہ ہے :

اصل هذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشهید اما اذا صلی بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لایکرہ وقال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالٰی ان کان سوی الامام ثلثة لایکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انه یکرہ[1]

اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی اصل میں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان تکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اصح کراہت ہے (ت)

بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلاف نقل ومشائخ، اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے، تو مذہب مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں، ولہذا درر وغرر پھر درمختار میں فرمایا :

یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد[2]

اگر نفل کی جماعت علی سبیل التداعی ہو بایں طور پر کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے (ت)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلافِ اولٰی لمخالفة التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ ت) نہ تحریمی کہ گناہ وممنوع ہو، ردالمحتار میں ہے :

فی الحلیة الظاهر ان الجماعة فیه غیر مستحبة ثم ان کان ذلك احیانا کان مباحا غیر مکروہ وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث اھ ویؤیدہ ایضا ما فی البدائع من قوله

حلیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعتِ مکروہہ ہے اھ اس کی تائید بدائع کے اس قول سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی　الفصل الخامس عشر الخ　مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ　۱/۱۵۴

[2] درمختار　آخر باب الوتر والنوافل　〃 مطبع مجتبائی دہلی بھارت　۱/۹۹

ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان اھ فان نفی السنیة لایستلزم الکراھة ثم ان کان مع المواظبة کان بدعة فیکرہ وفی حاشیة البحر للخیر الرملی علل الکراھة فی الضیاء والنہایة بان الوتر نفل من وجہ والنفل بالجماعة غیر مستحب لانہ لم تفعلہ الصحابة فی غیر رمضان اھ وھو کالصریح فی انہا کراھة تنزیہ تامل[1] اھ اھ مختصرا۔

بھی ہوتی ہے کہ جماعت، قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفیِ سنیت کراہت کو مستلزم نہیں پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت و مکروہ ہوگی، خیر رملی نے حاشیۂ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصارا (ت)

صلوۃ الرغائب و صلوۃ البراءۃ و صلوۃ القدر کہ جماعات کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلادِ اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں ولہذا وجیز کردری میں بعد بحث کلام فرمایا:

فلو ترک امثال ھذہ الصلوات تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعار فحسن[2]۔

اگر ان نمازوں کو کوئی اس لئے ترک کرتا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ شعارِ اسلام نہیں تو یہ اچھا کام ہے۔ (ت)

اور بعض ناس کا غلو و افراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجبِ وضع نہیں نہ وضعِ حدیث موجبِ منعِ عمل ہے، عمل بالحدیث الموضوع اور عمل بما فی الحدیث الموضوع میں زمین آسمان کا بل ہے کما حققنا کل ذلک فی منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین (جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تحقیق رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" میں کی ہے۔ ت) خصوصاً ان کا فعل بجماعت اجلّہ اعاظم اولیائے کبار و علمائے ابرار حتی کہ ایک جماعت تابعین کرام و ائمہ مجتہدین اعلام سے ثابت و منقول ہے، لطائف المعارف امام حافظ زین الدین ابن رجب میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] فتاوٰی بزازیہ علٰی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۴

وليلة النصف من شعبان كان التابعون من اهل الشام كخالد بن معدان و مكحول ولقمان بن عامر وغيرهم يعظمونها و يجتهدون فيها فى العبادة وعنهم اخذ الناس فضلها و تعظيمها، وقد قيل انه بلغهم فى ذلك اٰثار اسرائيلية، فلما اشتهر ذلك عنهم فى البلدان اختلف الناس فى ذلك، فمنهم من قبله و وافقهم على تعظيمها منهم طائفة من عباد اهل البصرة و غيرهم، و انكر ذلك اكثر العلماء من اهل الحجاز منهم عطاء و ابن ابى مليكة وعبد الرحمن بن زيد بن اسلم عن فقهاء المدينة وهو قول اصحاب مالك وغيرهم و ذلك كله بدعة، و اختلف علماء اهل الشام فى صفة احيائها على قولين احدهما انه يستحب احياؤها جماعة فى المساجد كان خالد بن معدان و لقمان بن عامر وغيرهما يلبسون فيها احسن ثيابهم و يتبخرون و يكتحلون و يقومون فى المساجد ليلتهم ذلك و وافقهم اسحٰق بن راهوية على ذلك[1] الخ وقد ذكر بعده القول الاٰخر وهو كراهة الجماعة دون الانفراد و ان عليه امام الشام الاوزاعى، لكن فيه سقط فى نسختى

یعنی اہلِ شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول ولقمان بن عامر وغیرہم شب برات کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انھیں سے لوگوں نے اُس کا فضل ماننا اور اُس کی تعظیم کرنا اخذ کیا ہے، کوئی کہتا ہے انھیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے، خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہو گئے ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برات کے موافق ہوئے اُن میں سے ایک گروہ عابدین اہلِ بصرہ وغیرہم ہیں، اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا اُن میں سے ہیں امام عطاء و ابن ابی ملیکہ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرہم کا ہے کہ یہ سب نوپیدا ہے، علمائے اہلِ شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے، خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرہما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے، بخور کا استعمال کرتے، سُرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے۔ امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں اُن کی موافقت فرمائی الخ، دُوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ لیکن میرے پاس موجود نسخہ سے

[1] لطائف المعارف المجلس الثانی فی ذکر نصف شعبان دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۳

فلو یتیسر لی نقلہ ویتضح بما اذکرہ عن الشرنبلالی فانہ انما اخذہ عنہ۔

کچھ عبارت ساقط ہے اس کی عبارت نقل کرنا میسر نہیں اس کی وضاحت اس سے ہو جائے گی جسے میں شرنبلالی کے حوالے سے ذکر کر رہا ہوں کیونکہ انھوں نے اس سے اخذ کیا ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

انکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل مدینۃ واصحاب مالك وغیرھم وقالوا ذلك کلہ بدعۃ ولم ینقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا عن اصحابہ احیاء لیلتی العید جماعۃ واختلف علماء الشام فی صفۃ احیاء لیلۃ النصف من شعبان علی قولین احدھما انہ استحب احیاؤہ بجماعۃ فی المسجد طائفۃ من اعیان التابعین کخالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقھم اسحٰق بن راھویۃ والقول الثانی انہ یکرہ الاجتماع لھا فی المساجد للصلوٰۃ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم۔[1]

اہلِ حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ان میں سے ہیں امام عطاء وابن ابی ملیکۃ و فقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرہم۔ یہ علماء کہتے یہ سب نو پیدا ہے۔ نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے' اور علماءِ شام بیداری شب براءت میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے یہ قول اہلِ شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ (ت)

شیخ محقق اعلم علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ ماثبت بالسنۃ میں حدیث صلوٰۃ الرغائب پر محدثین کا کلام ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

ھذا ما ذکرہ المحدثون علی طریقھم فی تحقیق

یعنی یہ وہ کلام ہے کہ محدثین نے اپنے طریقہ تحقیق اسناد

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح آخر باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۹-۲۲۰

الاسانید ونقد الاحادیث وعجبا منھم ان یبالغوا فی ھذا الباب ھذہ المبالغۃ و یکفیھم ان یقولوا لم یصح عندنا ذلک و واعجب من الشیخ محی الدین النووی مع سلوکہ طریق الانصاف فی الابواب الفقھیۃ وعدم تعصبہ مع الحنفیۃ کما ھو داب الشافعیۃ فما نحن فیہ اولی بذلک لنسبتہ الی المشائخ العظام والعلماء الکرام قدس اسرارھم۔[1]

وتنقیدِ آثار پر ذکر کیا اور ان سے اس قدر مبالغہ کا تعجب ہے انھیں اتنا کہنا کافی نہ تھا کہ حدیث ہمارے نزدیک درجۂ صحت کو نہ پہنچی' اور زیادہ تعجب امام محی الدین نووی سے ہے کہ وہ تو مسائلِ فقہ میں راہِ انصاف چلتے ہیں اور دیگر شافعیہ کی طرح حنفیہ کے ساتھ تعصب نہیں رکھتے، تو یہ مسئلہ جس میں ہم بحث کررہے ہیں زیادہ انصاف وترک افراط کے لائق تھا اس لئے کہ یہ فعل اولیائے عظام وعلمائے کرام قدست اسرارہم کی طرف منسوب ہے۔

پھر شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے دربارہ صلٰوۃ الرغائب خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک حدیث بحوالہ جامع الاصول کتاب امام رزین سے نقل کی جس کی وضع اس لئے ہے کہ صحاح ستّہ کی حدیثیں جمع کرے اور اس کے آخر میں ابن اثیر سے نقل کیا:

ھذا الحدیث مما وجدتہ فی کتاب رزین ولم اجدہ فی واحد من الکتب الستۃ و الحدیث مطعون فیہ۔[2]

یعنی یہ حدیث میں نے کتاب رزین میں پائی اور صحاح ستہ میں مجھے نہ ملی اور اُس پر جرح ہے۔

پھر فرمایا:

وقد وقع فی کتاب بھجۃ الاسرار ذکر لیلۃ الرغائب فی ذکر سیدنا وشیخنا القطب الربانی وغوث الصمدانی الشیخ محی الدین عبدالقادر الحسینی الجیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اجتمع المشائخ وکانت لیلۃ الرغائب الی اٰخر ما ذکر من الحکایۃ

یعنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکر اقدس میں صلٰوۃ الرغائب کا ذکر آیا ہے کہ شبِ رغائب میں اولیاء جمع ہوئے الی آخر کلماتہ، نیز امام ابوالحسن نورالدین علی قدس سرہٗ نے بسندِ خود حضرات عالیات سیدنا سیف الدین عبدالوہاب وسیدنا

---

[1] ماثبت بالسنۃ حدیث صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارۂ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۶
[2] ایضاً

وذکر ایضا انہ نقل عن الشیخین القدوتین
الشیخ عبد الوہاب والشیخ عبد الرزاق
قالا بکر الشیخ بقا بن بطو سحر یوم الجمعۃ
الخامس من رجب السنۃ ثلث واربعین
وخمسمائۃ الی مدرسۃ والدنا الشیخ محی
الدین عبد القادر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ و
قال لنا الا سألتمونی عن سبب بکوری الیوم
انی رأیت البارحۃ نورا اضاءت بہ الافاق
وعم اقطار الوجود ورأیت اسرار ذوی
الاسرار فمنہا ما یتصل بہ
ومنہا ما یمنعہ مانع من الاتصال بہ وما
اتصل بہ سر الا تضاعف نورہ فطلبت ینبوع
ذلک النور فاذا ہو صادر عن الشیخ عبد القادر
فاردت الکشف عن حقیقتہ فاذا ہو نور
شہودہ قابل نور قلبہ وتقادح ہذان
النوران وانعکس ضیاؤہما علی مرأۃ
حالہ واتصلت اشعۃ المتقادحات من
محط جمعہ الی وصف قربہ فاشرق بہ
الکون ولم یبق ملک نزل اللیلۃ الا اتاہ
وصافحہ واسمہ عندہم الشاہد والمشہود
قالا فاتیناہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وقلنا
لہ اصلیت اللیلۃ صلوۃ الرغائب
فانشد

اذا نظرت عینی وجوہ حبائبی
فتلک صلاتی فی لیالی الرغائب

تاج الدین ابوبکر عبد الرزاق ابنائے حضور پُر نور
سیدنا غوث اعظم رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم سے روایت کی
کہ روزِ جمعہ پنجم رجب ۵۴۳ھ کو حضرت شیخ بقا بن بطو
قدس سرہ العزیز صبح تڑکے مدرسۂ انور حضور پُر نور رضی اللّٰہ
تعالٰی عنہ میں حاضر آئے اور ہم سے کہا مجھ سے پُوچھتے
نہیں کہ اس قدر اوّل وقت کیوں آیا میں نے آج کی رات
ایک نور دیکھا جس سے تمام آفاق روشن ہوگئے اور
جمیع اقطارِ عالم کو عام ہُوا اور میں نے اہلِ اسرار کے
اسرار دیکھے کہ کچھ تو اس نُور سے متصل ہوئے ہیں اور
کچھ کسی مانع کے سبب اتصال سے رُک گئے ہیں جو اس
سے اتصال پاتا ہے اُس کا نور دو بالا ہوجاتا ہے تو
میں نے غور کیا کہ اس نور کا خزانہ و منبع کیا ہے کہاں
سے چمکا ہے ناگاہ کھلا کہ یہ نور حضور پر نور سیدنا شیخ
عبد القادر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے صادر ہوا ہے اب
میں نے اس کی حقیقت پر اطلاع چاہی تو معلوم ہوا کہ
یہ حضور کے مشاہدے کا نور ہے کہ حضور کے نورِ قلب سے
مقابل ہوکر ایک کی جوت دوسرے پر پڑی اور دونوں
کی روشنی حضور کے آئینۂ حال پر منعکس ہوئی اور یہ
آپس میں ایک دوسرے کی جوت بڑھانے والے
نوروں کے بُقعے حضور کے مقامِ جمع سے منزلتِ قرب
تک متصل ہوئے کہ سارا جہان اُس سے جگمگا اٹھا
اور جتنے فرشتے اُس رات اُترے تھے سب نے حضور کے پاس
آکر حضور سے مصافحہ کیا (اور بہجۃ الاسرار شریف میں
فقیر نے یُوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات
زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور جمیع صحابہ سے اللہ راضی ہو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہیں

کما عند مسلم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت بعد ما ذکرت وترہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وھو قاعد[1] ولاحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلیھما بعد الوتر وھو جالس[2]

جیسے کہ مسلم میں ہے حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز وتر ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نماز ادا کرتے۔ اور امام احمد نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نماز ادا فرماتے تھے (ت)

اور کبھی ان میں قعود وقیام کو جمع فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھتے رہے جب رکوع کا وقت آیا کھڑے ہو کر رکوع فرمایا

فلابن ماجۃ عن ام المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع[3]

ابن ماجہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعات نماز اختصار کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرتے تھے اور جب آپ رکوع کا ارادہ فرماتے تو قیام فرماتے پھر رکوع کرتے (ت)

مگر بیٹھ کر پڑھنا دوامًا نہ تھا بلکہ اس بات کے بیان کے لئے کہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ خود ان نفلوں کا پڑھنا بھی اس بیان کے واسطے تھا کہ وتر کے بعد نوافل جائز ہیں اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنے ہوں سب پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا اٰخر صلٰوتکم باللیل وترا۔ رواہ[4]

اپنی نمازِ شب میں سب سے آخر وتر رکھو۔ اسے

---

[1] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۶
[2] مسند احمد بن حنبل حدیث عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا 〃 دار الفکر بیروت ۶/۵۴
[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی رکعتین بعد الوتر جالسًا 〃 آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵
[4] صحیح مسلم باب صلٰوۃ الیل وعدد رکعات النبی الخ 〃 اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۷

وجوہ اذا ما اسفرت عن جمالہا
اضاءت لہا الاکوان من کل جانب
ومن لم یوف الحب ما یستحقہ
فذالک الذی لم یأت قط بواجب اھ[1]

ما نقلہ الشیخ قدس سرہ والذی راٰہ العبد الضعیف غفر اللہ لہ فی البہجۃ الکریمۃ نصہ ھکذا او لم یبق ملک انزل اللیلۃ الی الارض واتاہ وصافحہ[2] الخ

نہ کیا ہو یعنی تمام ملائکہ اللہ زمین پر آئے اور محبوبِ خدا سے مصافحہ کیے) فرشتوں کے یہاں حضور کا نام پاک شاہد مشہود ہے (شاہد کہ مشاہدہ والے ہیں اور مشہود کہ سب ملائکہ ان کے پاس آئے قال تعالٰی ان قراٰن الفجر کان مشہودا[3] ای تشہدہ الملٰئکۃ) دونوں شاہزادگان دوجہاں نے فرمایا ہم یہ سُن کر حضور پُرنور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور سے عرض کی کیا آج کی رات حضور نے صلٰوۃ الرغائب پڑھی (یعنی جس کے انوار یہ چمکے یہ شب شبِ رغائب ہی تھی کہ رجب کی نوچندی شب جمعہ تھی) حضور پُرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُس پر یہ اشعار ارشاد فرمائے، جب میری آنکھ میری پیاریوں کے چہرے دیکھے تو یہ شبہائے رغائب میں میری نماز ہے، وُہ چہرے کہ جب اپنے جمال کا جلوہ دکھائیں تو ہر طرف سے سارا جہان چمک اُٹھے اور جس نے محبت کا حق پُورا نہ کیا وہ کبھی کوئی واجب نہ لایا (پیاریاں عالم قدس کی تجلیاں ہیں) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۵: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد وتر کے نفل جو پڑھے جاتے ہیں اُن کا بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے یا کھڑے ہوکر؟ کتاب مالابدمنہ ہندی میں صفحہ ۵۴ سطر ۵ میں تحریر ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔

الجواب

کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان صلی قائما فھو افضل ومن صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم[3]۔ رواہ البخاری عن عمران بن حصین

اور اگر کھڑے ہوکر پڑھے تو وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے کھڑے ہوکر پڑھنے والے سے نصف ثواب ہے۔ اسے بخاری نے حضرت

---

[1] ما ثبت من السنۃ حدیث صلٰوۃ الرغائب ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۸

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۸ مصطفی البابی مصر ص ۵۸

[3] صحیح البخاری باب صلٰوۃ القاعد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

مسلم عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

مسلم نے ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

امام نووی منہاج پھر علامہ قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ھاتان الرکعتان فعلھما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا لبیان جواز الصلٰوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلک[1]

ان دو رکعات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس لئے بیٹھ کر ادا فرماتے تھے تاکہ وتر کے بعد جوازِ نماز اور بیٹھ کر جوازِ نفل کا اظہار ہو جائے، البتہ آپ نے اس پر ہمیشگی نہیں فرمائی (ت)

بلکہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے جب بھی ہمارے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہوتا کہ یہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے لئے فعل ہوتا اور ہمارے لئے صاف وہ ارشاد قولی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور بیٹھے کا ثواب آدھا ہے، اور اصول کا قاعدہ ہے کہ قول فعل میں ترجیح قول کو ہے کہ فعل میں احتمال خصوصیت ہے نہ کہ یہاں تو صریحاً بیان خصوصیت فرمایا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے: "مجھے حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے، میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھا[2] (اقول یعنی یہ خیال گزرا کہ شاید بخار وغیرہ کے سبب بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں)

وھذا بحمد اللہ منزع نفیس واضح یستغنی بہ عما اطال الطیبی[عہ] وابن حجر و

الحمد للہ یہ بات عمدہ، نفیس اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس طویل گفتگو سے مستغنی کردیتی ہے جو علامہ طیبی، ابن حجر اور

عہ (فوجدتہ یصلی جالسا فوضعت یدی) لعلہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ ثم رأیت

(تو میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہُوئے پایا تو میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھ دیا) شاید یہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کا معاملہ ہو

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] المرقات شرح مشکوٰۃ باب القصد فی العمل فصل اول مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ ملتان ۳/۱۹۳

[2] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائماً وقاعداً الخ 〃 نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۳

والقاری و وقعوا فیما کان لهم مندوحة | ملا علی قاری نے کی اور یہ حضرات طوالت کے باعث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن حجر جزم به وقال بعد فراغه اذ لایظن به الوضع قبله (علی رأسه ای لیتوجه الیه وکانه کان هناك مانع من ان یحضر بین یدیه ومثل هذا لایسمی خلاف الادب عند طائفة العرب لعدم تکلفهم وکمال تألفهم وکذلك فی قولهم له انت دون انتم الذی هو مقتضی حسن الأداب فی معرض الخطاب لایتوجه علی قائله العتاب وتکلف الطیبی هنا فی شرح الکتاب واورد السؤال والجواب ونسب قلة الادب الی الاصحاب وقال علی وجه الاطناب فان قلت الیس یجب علیه خلاف ذلك توقیرا له علیه الصلوٰة والسلام قلت لعله صدر عنه لاعن قصد اولعله استغرب کونه علی خلاف ماحدث عنه واستبعده فاراد تحقیق ذلك فوضع

پھر میں نے دیکھا کہ ابن حجر نے یہ کہتے ہوئے اس پر جزم کا اظہار کیا کہ یہ معاملہ فراغت کے بعد ہوا کیونکہ اس سے پہلے ہاتھ رکھنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا (آپ کے سراقدس پر) یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسکی طرف متوجہ ہوں اور گویا آپ کے سامنے آنے سے وہاں کوئی رکاوٹ تھی اور ایسے طریقے کو بعض عربوں کے ہاں عدمِ تکلف اور کمالِ محبت کی وجہ سے خلافِ ادب تصور نہیں کیا جاتا اور اسی طرح بعض عربوں کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے "انت" (تو) استعمال کرنا نہ کہ "انتم" (تم) جو کہ خطاب کے موقع پر حُسنِ آداب کا مقتضی ہے اس کے قائل پر عتاب کا موجب نہیں بنتا۔ علامہ طیبی نے کتاب کی شرح میں اس مقام پر تکلف کرتے ہوئے سوال وجواب وارد کیا اور صحابہ کی طرف قلتِ ادب کی نسبت کی اور طوالت سے کام لیتے ہوئے سوالاً کہا اگر تو کہے کیا ان پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کے پیش نظر اس کے خلاف عمل لازم نہ تھا؟ جواباً کہا میں کہتا ہوں شاید ان سے یہ معاملہ عدمِ دانستگی میں ہُوا ہو یا ممکن ہے کہ انھوں نے ان سے حادث شدہ واقعہ کے خلاف معاملہ کو نہایت ہی اجنبی اور بعید تصور کیا اور اس کی تحقیق کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

عنه وباللّٰه التوفیق۔

ایسی چیزیں واقع ہوئے جس سے محفوظ رہنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کے لئے مفید تھا (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر! کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ!

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یدہ علی رأسہ ولذلك انکر صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم بقولہ مالك الخ فسماہ ونسبہ الٰی ابیہ وکذا قول عبد اللّٰه وانت تصلی قاعدا فانہ حال مقررۃ لجھۃ الاشکال، ثم رأیت ابن حجر قال کان ذلك فی عادتھم یفعلہ المستغرب الشیئ المتعجب من وقوعہ مع من استغرب منہ ذلك فلاینافی المتعارف الا ان ذلك خلاف الادب ونظیرہ ان بعض العرب کان ربما لمس لحیتہ الشریفۃ عند مفاوضتہ معہ اھ وقد شوھد فی زماننا ان بعض اجلاف العرب یمسك لحیۃ شریف مکۃ ویقول انا فداك یا حسن والحال انہ قد یکون نعلہ معلقا فی اصبعہ[ف] ۱۲ منہ (م)

ارادہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ سر اقدس پر رکھ دیا اسی لئے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند کیا اور فرمایا تجھے کیا ہوگیا ہے؟ الخ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام لیا اور ان کی نسبت ان کے باپ کی طرف کی۔ اور اسی طرح حضرت عبداللہ کا قول کہ آپ بیٹھ کر نماز ادا فرمارہے ہیں کیونکہ یہ حال جہت اشکال کو پختہ کررہا ہے پھر میں نے ابن حجر کو دیکھا کہ انھوں نے یہاں یہ لکھا ہے کہ عربوں کی عادات میں سے ہے کہ جب کوئی ان میں سے کسی سے ایسی چیز دیکھتا ہے جو نہایت اجنبی ہو تو وہ ایسا ہی کرتا ہے تو یہ متعارف کے منافی نہیں البتہ خلاف ادب ہے جو خلاف ادب ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ بعض عرب گفتگو و ملاقات کے وقت آپ کی داڑھی مبارک کو مس کرتے تھے اھ اور ہمارے دور میں اس کا مشاہدہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ بعض بزرگ عرب شریف مکہ کی داڑھی پکڑ کر یہ کہتے ہیں اے حسن میں تجھ پر فدا۔ حالانکہ اس کا جوتا اسکی انگلیوں کے ساتھ لٹک رہا ہوتا ہے ۱۲ منہ (ت)

ف: حاشیہ کی یہ عبارت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے نقل کی گئی ہے مطالعہ کے لئے باب القصد فی العمل جلد سوم مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ص ۱۵۹ ملاحظہ ہو۔

نذیر احمد سعیدی

میں نے سُنا تھا کہ حضور نے فرمایا بیٹھے کی نماز آدھی ہے اور خود حضور بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا: اجل ولکن لست کاحد منکم[1] ہاں بات وہی ہے کہ بیٹھے کا ثواب آدھا ہے مگر میں تمھاری مثل نہیں میرے لئے ہر طرح پورا کامل اکمل ثواب ہے یہ میرے لئے خصوصیت و فضلِ رب الارباب ہے۔

مرقاۃ میں ہے:

یعنی ھذا من خصوصیاتی ان لاینقص ثواب صلواتی علی ای وجہ تکون من جلواتی و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء قال تعالٰی وکان فضل اللہ علیک عظیما[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ میری نماز جس طریقہ پر بھی ہو اس کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی کہ میری نماز میرے خاص تعلق سے ہے اور یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے آپ کی ذاتِ اقدس پر اللہ تعالٰی کا فضلِ عظیم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۶: از بھنڈی بازار کارخانہ کرسی مرسلہ ننھے خاں ولد احمد خاں معمار ۲۹ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کی کیا ترکیب اور اس کا کیا وقت ہے؟

الجواب

اس نماز کی بہت فضیلت اور بڑا ثواب اور اس میں بڑی معافی کی اُمید ہے وہ چار رکعت نفل ہے کہ غیر وقت مکروہ میں ادا کی جائے یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب نکل کر بلند ہونے تک جائز نہیں اور ٹھیک دوپہر کو جائز نہیں، اور جب آفتاب ڈوبنے کے قریب آئے کہ اُس پر نگاہ بے تکلف ٹھہرنے لگے اُس وقت جائز نہیں، نمازِ عصر کے فرض پڑھنے کے بعد شام تک جائز نہیں، جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اُس وقت جائز نہیں غرض جتنے وقت نفل نماز کی کراہت کے ہیں اُن اوقات سے بچ کر جس وقت چاہے پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے[3] کما فی الھندیۃ عن المضمرات عن المعلی (جیسا کہ ہندیہ میں مضمرات اور معلی کے حوالے سے ہے۔ ت) اور افضل دن جمعہ کا ہے اور اُس کا مناسب طریقہ کہ ہمارے ائمہ کرام کے مذہب سے موافق ہے یہ ہے کہ سبحٰنک اللھم پڑھ کر پندرہ[۱۵] بار سُبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ

---

[1] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائماً و قاعداً مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۵۳
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القصد فی العمل فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۹۰
[3] فتاوٰی ہندیہ باب التاسع فی النوافل ر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۳

الا اللہ واللہ اکبر پھر الحمد وسُورت پڑھ کر یہی کلمہ دس بار پھر رکوع میں تسبیحاتِ رکوع کے بعد دس بار پھر رکوع سے کھڑے ہو کر ربنا ولک الحمد کے بعد دس بار پھر سجدہ میں تسبیحوں کے بعد دس بار پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں اُسی طرح دس بار، یہ ایک رکعت میں پچھتّر بار ہُوا، پھر دوسری رکعت کو کھڑا ہو کر الحمد سے پہلے پندرہ بار پھر الحمد وسورت کے بعد دس بار پھر رکوع میں بدستور کہ یہ بھی پچھتّر ہوئے، اسی طرح باقی دونوں رکعتوں میں بھی کہ یہ سب مل کر تین سو بار ہوجائیں گے، سُورت کا اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور بہتر یہ کہ پہلی رکعت میں الھٰکم التکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں قل یاایھا الکٰفرون چوتھی میں قل ھو اللہ۔ یہ نماز ہر روز پڑھے ورنہ ہر جمعہ ورنہ ہر مہینے ورنہ سال میں ایک بار تو ہوجایا کرے اور نہ ہو تو عمر بھر میں ایک بار تو ہوجائے کہ اس میں بڑی دولت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۷: از اروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ جناب محمد صادق علی صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت تراویح یا اور نوافل ایک نیت سے پڑھے قعدہ اولٰی میں درود شریف ودُعا اور تیسری رکعت میں سبحٰنک اللھم پڑھے یا نہیں؟

الجواب

پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لا یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی القعدۃ الاولٰی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا ولایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلٰوۃ۔[1]

ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثنا بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔(ت)

مگر تراویح خود ہی دو رکعت بہتر ہے لانہ ھو المتوارث (کیونکہ طریقہ متوارثہ یہی ہے۔ت) تنویر میں ہے: عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات[2] (بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ پڑھائی جائیں۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۵

[2] ؎ " " " " " " ۱/ ۹۸

سراجیہ میں ہے :

کل ترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین[1] ہر ترویحہ چار رکعتوں کا دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر چار یا زائد ایک نیت سے پڑھے گا تو بعض ائمہ کے نزدیک دو ہی رکعت کے قائم مقام ہونگی اگرچہ صحیح یہ ہے کہ جتنی پڑھیں شمار ہوں گی جبکہ ہر دو رکعت پر قعدہ کرتا رہا ہو۔ عالمگیری میں ہے :

ان قعد فی الثانیۃ قدر التشھد اختلفوا فیہ فعلی قول العامۃ یجوز عن تسلیمتین وھو الصحیح ھکذا فی فتاوی قاضی خان[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اگر دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار نمازی بیٹھ گیا تو اس میں اختلاف ہے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دو سلاموں کے قائم مقام ہے اور یہی صحیح ہے، فتاوی قاضی خاں میں اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۸: مسئولہ علی حسین صاحب از آنولہ محلہ خیل حکیمان معرفت جناب حاجی علیم اللہ صاحب ۱۷ رمضان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ رمضان شریف میں لڑکوں کے پیچھے دن میں دو تین بالغ حافظ وغیرہا نماز کے اندر قرآن مجید سنتے ہیں یہ امر مشروع ہے یا نہیں ؟ بظاہر کتب فقہیہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ نوافل روز میں سرًا پڑھنا واجب ہے بموجب اس کے لڑکا ہو یا بالغ اس کی نماز کراہت تحریمی سے تو خالی نہ ہوگی یہ اور بات ہے کہ لڑکے کے ذمہ اعادہ واجب نہ ہو جیسا کہ لڑکا اگر نماز نفل کو فاسد کر دے گا تو اجماعاً اس کے ذمے قضا نہ آئے گی اور یہ اقتدا لڑکے کے پیچھے مختار مذہب کے موافق تو صحیح ہی نہیں ہے اس کے متعلق جواب باصواب بحوالہ عبارت کتب فقہیہ تحریر فرمائیے، اجر جزیل کے عنداللہ مستحق ہوجئے۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ امر بالاتفاق نامشروع وممنوع ہے مذہب صحیح پر تو اس لئے کہ وہ جماعت باطل ہے لان نفل البالغ مضمون فلا یصح بناء الاقوی علی الاضعف (کیونکہ بالغ کے نوافل اس کے ذمہ لازم ہو جاتے ہیں لہذا اقوی کی بناء اضعف پر صحیح نہیں۔ ت) اور درمختار میں ہے :

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التراویح مطبوعہ نولکشور لکھنؤ بھارت ص ۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما لانہ اشتغال بما لایصح[1] دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل کا ارتکاب ہے جو صحیح نہیں۔ (ت)

اور مذہب ضعیف پر اس لئے کہ دن کے نفل میں اخفا واجب ہے، حدیث میں ہے: صلوٰۃ النہار عجماء[2] (دن کی نماز سِرّی ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

یجھر الامام وجوبا فی الفجر و اولی العشائین الی قولہ ویسر فی غیرھا کمتنفل بالنہار[3] واللہ تعالٰی اعلم امام فجر اور عشائین کی پہلی دو رکعتوں میں جہر کرے (آگے چل کر لکھا) ان کے علاوہ میں امام سِرًّا پڑھے جیسا کہ دن کے نوافل کا معاملہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۴۰: از قصبہ اترولی ضلع علی گڑھ محلہ کٹرہ بر مکان شیخ عبدالحق صاحب رسالدار مسئولہ شیخ عبدالحمید صاحب زاہد نعمانی قادری ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و صوفیائے محققین اس مسئلہ میں کہ بعد نمازِ فجر آفتاب طلوع ہونے پر جو نوافل اشراق (دو لغایت چھ رکعت) اور ایک پہر دن چڑھے پر جو نوافل نمازِ چاشت (دو لغایت بارہ رکعت پڑھے جاتے ہیں شرح مشکوٰۃ میں ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت ہی کو نمازِ ضحٰی لکھا ہے، لیکن ایک بزرگ صوفی مشرب نمازِ ضحٰی کو ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت سے علیحدہ بتاتے ہیں اور خود بھی عرصہ چالیس سال سے اشراق اور چاشت کے علاوہ نمازِ ضحٰی کے نوافل (دو لغایت آٹھ رکعت) علیحدہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے پیرِ طریقت نے علیحدہ پڑھنا بتلایا ہے اور ملک سندھ میں عام آدمی نمازِ ضحٰی کے نوافل نمازِ اشراق اور چاشت کے علاوہ علیحدہ پڑھتے ہیں اور بعض علما سے تصدیق کرلینا بھی ظاہر کرتے ہیں چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوگیا ہے اس لئے استفتاء ہے کہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور نمازِ ضحٰی، اشراق اور چاشت کے نوافل کو کہتے ہیں یا علیحدہ نماز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

نمازِ ضحٰی وہی نمازِ چاشت ہے نوافل پڑھنے کا اختیار ہے تمام اوقات غیر مکروہہ میں اگر نوافل ہی پڑھے کون منع کرتا ہے مگر شرعی معنی میں اپنی طرف سے جدت نکالنا ضرور شنیع و معیوب ہے ہر شخص

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۴

[2] الہدایہ کتاب الصلوٰۃ فصل فی القراءۃ " مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۹۶

[3] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ فصل یجہر الامام مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۹

جانتاہے کہ ضحٰی کا ترجمہ چاشت ہی ہے تو صلوٰۃ الضحٰی نہیں مگر نمازِ چاشت۔ اور ان دو کے سوا کسی تیسری نماز کا اصلاً کسی حدیث سے ثبوت بھی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرتا ہے وہ دلیل لائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵۰ تا ۱۰۵۵: از عثمان پور ضلع بارہ بنکی مسئولہ محمد حسن یار خاں صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز تہجد میں خیر متین ترجمہ حصن حصین کے دیکھنے سے بروایت چار رکعت اور آٹھ رکعت اور تیرہ رکعت نماز تہجد میں ہے، ایک شخص تہجد گزار اجہل سے معلوم ہوا کہ بارہ رکعت تہجد کی اور ترکیب پڑھنے کی یہ ہے کہ اول رکعت میں ایک مرتبہ قل ہو اللہ شریف دوسری میں دو بار بارھویں میں بارہ مرتبہ یا ہر رکعت میں تین تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھا جائے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صحیح کون سا قاعدہ ہے اور تہجد میں کَے رکعت پڑھنا چاہیے اور بعد الحمد کے جیسا کہ نماز میں قاعدہ ہے کہ جو سورہ چاہے ملائے، خیر متین میں قل ہو اللہ پڑھنے کا قاعدۂ مسطورہ بالا نہیں لکھا ہے اور جو بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ان کو بھی تہجد کے وقت میں پڑھنا چاہیے مثل وتر کے یا عشاء کے وقت ادا کرنا چاہیے؟ اور نمازِ صلوٰۃ التسبیح میں کلمۂ تمجید سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم ایک شخص کہتا ہے کہ ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار پڑھنا چاہیے۔ چار رکعت میں دو رکعت کی نیت کی جائے یا چار کی؟ دعائے ماثور کیا ہے معلوم نہیں اور کس موقع پر پڑھی جائے، دعائے تہجد بغرض تصحیح مرسل ہے یا مقلب القلوب قلب قلبی الیك یا مصرف القلوب صرف قلبی علی دینك وطاعتك اور خیر متین میں سنت فجر میں قل یا یھا الکٰفرون اور قل ھو اللہ پڑھنے کو لکھا ہے اس ترکیب سے پڑھنا سنتِ فجر یا نفل میں جائز ہے یا نہیں؟ اور جیسا کہ فرض میں بقید سورہ پڑھنا ناجائز ہے اور سنن ابن ماجہ کے ترجمہ رفع الحاجہ کی دو جلدیں میرے پاس ہیں جن میں تہجد وغیرہ کا ذکر نہیں ہے جلد اول میں ہے اور ایک کتاب وظیفہ میں قلیا اور قل ہو اللہ سنت میں پڑھنے کو لکھا ہے اور دوسری میں الم نشرح اور الم ترکیف لکھا ہے جو فرض و وتر میں بغرض فلاحیت لکھا ہے اور وتر میں اخیر رکعت میں قل ہو اللہ پڑھنا ضرور ہے یا اور سورہ کو ملا کر پڑھنے سے نماز ہوجائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب

عشا کے فرض پڑھ کر آدمی سو رہے پھر اس وقت سے صبح صادق کے قریب جس وقت آنکھ کھلے دو رکعت نفل صبح طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تہجد ہوگیا اقل درجہ تہجد کا یہ ہے اور سنت سے آٹھ رکعت مروی ہے اور مشائخ کرام سے بارہ اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ

دو ہی رکعت پڑھتے اور ان میں قرآن عظیم ختم کرتے ، غرض اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے اتنی اختیار کرے جو ہمیشہ نبھ سکیں اگرچہ دو ہی رکعت ہو کہ حدیث صحیح میں فرمایا :

احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل [1] — اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

قرات کا بھی اختیار ہے چاہے ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ اس کا ثواب ایک ختم قرآن کے برابر ہے خواہ یوں کہ بارہ رکعتیں ہوں پہلی میں ایک بار، دوسری میں دو بار ، یا پہلی میں بارہ دوسری میں گیارہ ، اخیر میں ایک کہ یوں ۲۶ ختم قرآن کا ثواب ہوگا، اور پہلی صورت میں ۳۶ کا ہوتا ۔ اور بہتر یہ ہے کہ جتنا قرآن مجید یاد ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرے کہ اُس کے یاد رہنے کا اس سے بہتر سبب نہیں۔ تہجد پڑھنے والا جسے اپنے اُٹھنے پر اطمینان ہو اُسے افضل یہ ہے کہ وتر بعد تہجد پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جتنے نوافل پڑھنا ہوں وتر سے پہلے پڑھ لے کہ وہ سب قیام اللیل میں داخل ہوں گے اور اگر سونے کے بعد ہیں تو تہجد میں داخل ہوں گے ۔

(۲) صلوٰۃ التسبیح میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہر جگہ دس دس بار پڑھنا چاہیئے ، "گیارہ" بار بتانے والا غلط کہتا ہے مگر ہر قیام میں قرات سے پہلے پندرہ ۱۵ بار ہے۔

(۳) صلوٰۃ التسبیح میں چار رکعت کی نیت کی جائے ۔

(۴) بعد دونوں درودوں کے قبل سلام یہ دعا پڑھے :

اللھم انی اسئلک توفیق اھل الھدیٰ واعمال الیقین ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ وتعبد اھل الورع وعرفان اھل العلم حتی اخافک ۔ اللھم انی اسئلک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل

اے اللہ ! میں تجھ سے اہلِ ہدیٰ جیسی توفیق ، اہلِ یقین جیسے اعمال ، اہلِ توبہ جیسی نصیحت ، اہلِ صبر کا عزم ، اہلِ خشیت کی محنت ، اہلِ رغبت کی طلب ، اہلِ ورع کی عبادت ، اہلِ علم کا عرفان مانگتا ہوں کہ مجھے تیرا خوف نصیب ہو ۔ اے اللہ ! میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایسا خوف عطا فرما جو تیری نافرمانی سے روک لے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب القصد فی العمل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۱۱۰

بطاعتك عملا استحق بہ رضاك وحتی اناصحك بالتوبۃ خوفا منك وحتی اخلص لك النصیحۃ حبالك وحتی اتوکل علیك فی الامور حسن ظن بك سبحٰن خالق النور[1]

حتی کہ میں ایسے عمل کروں جو مجھے تیری رضا کا مستحق بنادے اور حتی کہ میں تیرے خوف کی بنا پر خالصۃً توبہ کروں اور تیرے ساتھ محبت کی بنا پر مخلصانہ تیرے حقوق ادا کروں، حتی کہ تمام امور میں تجھ پر بھروسا کروں تیرے ساتھ مجھے حُسنِ ظن نصیب ہو اے خالقِ نور! تیری ذات تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔ (ت)

(۵) سنتِ فجر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی و ماثور سنت وہی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کٰفرون اور دوسری میں اخلاص اور الم نشرح اور الم ترکیف پڑھنا مشائخ سے بطور عمل مروی ہے جس کا فائدہ دفع اعدا ہے اور یہ کہ نوافل میں اختیار ہے جس طرح جو چاہے پڑھے۔

(۶) وتر میں اخیر رکعت میں قل ھو اللہ احد شریف پڑھنا ماثور ہے مگر ضرور نہیں جو چاہے پڑھے، بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سبح اسم ربك الاعلٰی یا انا انزلناہ اور دوسری میں کٰفرون تیسری میں اخلاص۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵۶: امام نے ظہر کے وقت چار رکعت نماز سنت ادا کرنے کے بعد کلام دنیا کیا بعد اس کے نماز پڑھائی تو اس فرض نماز میں کچھ نقصان آوے گا یا نہیں؟ اور نماز سنت کا ثواب کم ہوجائے گا یا باطل ہوجائے گی؟

الجواب

فرض میں نقصان کی کوئی وجہ نہیں کہ سنتیں باطل نہ ہوں گی، ہاں اس کا ثواب کم ہوجاتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولو تکلم بین السنۃ والفرض لا یسقطھا ولکن ینقص ثوابھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

اگر کوئی سنن وفرائض کے درمیان کلام کرتا ہے تو اس سے سنن ساقط نہیں ہوجاتی مگر ان کے ثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵۷: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں پڑھنے کے بعد اگر گفتگو کی جائے تو پھر اعادہ سنتوں کا کرے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸

[2] درمختار 〃 〃 مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۵

الجواب

اعادہ بہتر ہے کہ قبلی سنتوں کے بعد کلام وغیرہ افعال منافی تحریمہ کرنے سے سنتوں کا ثواب کم ہوجاتا ہے اور بعض کے نزدیک سنتیں ہی جاتی رہتی ہیں تو تکمیلِ ثواب و خروج عن الاختلاف کے لئے اعادہ بہتر ہے جبکہ اُس کے سبب شرکتِ جماعت میں خلل نہ پڑے مگر فجر کی سنتیں کہ اُن کا اعادہ جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵۸ تا ۱۰۵۹: از پیلی بھیت محلہ پنجابیان متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالحکیم صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک مسجد کہ اُس میں فجر کی نماز کے وقت بعد شروع ہوجانے جماعت کے اکثر نمازی آتے جاتے ہیں اور بعد حصول طہارت سنتیں فجر ادا کرکے شریکِ جماعت ہوجاتے ہیں مگر سنتیں فجر کی خلاف قاعدۂ شرعیہ ادا ہوتی ہیں صورت یہ ہے کہ ایامِ گرما میں اندرونی درجۂ مسجد میں تو بسبب گرمی کے جماعت نہیں ہوتی اکثر اوقات دوسرے سائبان مسجد میں ہوا کرتی ہے پس اوقات اندرونی درجہ میں سنتیں ادا کرنے کے واسطے جانے کی گنجائش نہیں رہتی یا بسبب شدت گرمی کے نمازی اندر جانا بھی گوارا نہیں کرتا ایسی شکل میں بعض واقفین تو صحنِ مسجد میں ستونوں کی آڑ میں سنتیں پڑھ لیتے ہیں وُہ بھی چار پانچ شخص بقدر تعداد ستونوں کے پڑھ سکتے ہیں مگر نمازی بعد کو آنے والے زیادہ ہوتے ہیں سب لوگ آڑ ستونوں کی نہیں پاتے اور بعض لوگ بوجہ عدم واقفیت یا کم توجہی کے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات شدتِ گرمی سے صحنِ مسجد میں نماز ہوتی ہے تو ستون بھی سنتوں کی آڑ کو نہیں ملتے اکثر بدون حائل کسی شَے کے سنتیں پڑھی جاتی ہیں مگر از روئے اُس مسئلہ فقہیہ کے کہ جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتیں فجر کی خارج از مسجد ادا کی جائیں ہم کو عمدہ موقع حاصل ہے کہ مسجد سے ملحق چہار طرف مسجد کے چار کمرے مدرسہ کے ہیں اس طرح سے کہ فرش سے فرش ملا ہے حدِ فاصل مابین مسجد اور مدرسہ کے صحنوں کی فصیلیں ہیں جو ایک ہاتھ تخمیناً چوڑی اور ایک بالشت اونچی ہیں اور یہ جملہ مکانات مسجد اور مدرسہ ایک احاطہ کے اندر ہیں اگر ہم ایک صف خواہ چٹائی صحنِ مدرسہ میں یا کسی کمرۂ مدرسہ میں ملحق صحن مسجد کے واسطے ادائے سنتوں فجر کے بچھادیں اور وہ لوگ جو پیچھے آتے ہیں طہارت حاصل کرکے اُس چٹائی پر جو مدرسہ میں خارج از مسجد بچھی ہے سنتیں فجر ادا کرکے شریکِ جماعت ہوتے جائیں تو سنتیں بھی حسبِ قاعدۂ شرعیہ ادا ہوں اور نمازیوں کی بھی سہولت کا باعث ہو مگر زید اس کو دو بنا پر ناجائز کہتا ہے' ایک یہ کہ نمازی جب مسجد کی فصیلوں پر جو وضو کرنے کا موقع ہے بیٹھ کر وضو کرے گا تو لابد مسجد کے صحن میں سے گزر کر مدرسہ کے صحن میں جو چٹائی بچھی ہے سنتیں ادا کرنے کے واسطے جائے گا تو یہ صورت خلاف شرعیہ ہے اس وجہ سے کہ بعد اذان مسجد سے خارج ہونا جائز نہیں اس گناہ کا مرتکب ہوگا سائل کہتا ہے کہ اگر ایسا ہی خارج ہونا ہے تو اس بنا پر اور بھی مسائل متفرع ہوتے

ہیں وُہ یہ ہیں کہ پانی لینے کا کُنواں اور سقاوے اور پاکی حاصل کرنے کا غسل خانہ یہ سب کہ احاطۂ مسجد کے اندر ہیں مگر مسجد کے حدود وفصیلوں سے باہر ہیں نمازی حسبِ عادت مروجہ زمانہ کے اکثر اوّل مسجد میں آتا ہے اپنا کپڑا وغیرہ مسجد میں رکھ کر بعد کو پانی لے کر طہارت وضو وغیرہ کرتا ہے بلکہ یہ عادات زمانہ کی عام مقامات کی مساجد کے موافق ہیں تو کیا یہ سب بعد اذان مسجد سے خارج ہونے کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یا احاطۂ مسجد کے بیرونی دروازہ سے نکلنے والا اور وہ بھی جو مسجد میں واپس آنے کا قصد نہ رکھتا ہو۔

(۲) دوسری وجہ ممانعت زید کی یہ ہے کہ صحنِ مدرسہ کا بھی فرش پختہ ہے اور چھوٹے لڑکے بعض برہنہ پا پیشاب کو یا پاخانہ میں اور غسل خانہ میں جاتے ہیں اور اُسی فرشِ صحنِ مدرسہ پر ہو کر گزرتے ہیں اور فجر کو اکثر شبنم کی کچھ نمی فرش پر ہوتی ہے اور گاہے شب کی بارش کی بھی نمی فرش پر ہوتی ہے پس ایسے مشکوک فرش پر چٹائی کا بچھانا چٹائی کا نجس کرنا اور نیز نمازیوں کی نماز خراب کرنا ہے حالانکہ افضل عبادات کی نماز ہے سائل کہتا ہے پس ایسے شکوک کی وجہ سے صحنِ مدرسہ میں جو چٹائی بچھائی گئی ہے اس پر سنتیں ادا کرنا یا اُس پر سے وضو کر کے جس حالت میں کہ نمازی کے پَیر وضو کے پانی سے ہنوز خشک نہیں ہوئے ہیں گزر کر کمرۂ مدرسہ میں سنتیں ادا کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟ اور وُہ چٹائی نجس ہو گی یا پاک قابل ادائے نماز رہے گی اور پیر اُس نمازی کے جو وضو کر کے اُس مشکوک فرش سے گزرا ہے پاک رہیں گے یا ناپاک ہو جائیں گے؟ اور ایسی چٹائی کا بچھانے والا واسطے اہتمام ادائے سنتوں فجر کے طریقۂ نیک کا جاری کرنے والا ہو گا اور ثواب پائے گا؟ اُن وجوہاتِ مرقومۂ صدر جو باعث ممانعت زید کے ہیں اُن کی وجہ سے بعد اذان مسجد سے نمازیوں کے خارج کرنے کا اور مشکوک فرش پر سنتیں ادا کرنیوالے نمازیوں کی نماز خراب کرانے کا باعث ہو کر عذاب پائے گا یا اس قسم کے شکوک پیدا کر کے تمام نمازیوں کو تنگی میں ڈالنے والا ہو گا؟ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب

زید کے دونوں اعتراض باطل وبے معنی ہیں۔ مسجد سے بے نماز پڑھے باہر جانا دو شرط سے ممنوع ہے ایک[1] یہ کہ وُہ خروج بے حاجت ہو ورنہ بلاشبہہ جائز ہے مثلاً جس شخص کی ذات سے دوسری مسجد کی جماعت کا انتظام وابستہ ہے وُہ بعد اذان بلکہ خاص اقامت ہوتے وقت باہر جا سکتا ہے یونہی جسے دوسری مسجد میں بعد نماز دینی سبق پڑھنا یا سُنّی عالم کا وعظ سُننا ہو اسی طرح پیشاب یا استنجے یا وضو کی حاجتیں۔ دوسرے[2] یہ کہ شروعِ جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ ہو ورنہ مضائقہ نہیں اگرچہ بے ضرورت ہی سہی۔

فی الدر المختار کرہ تحریما للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن

درمختار میں ہے کہ نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہو چکی ہو

فیہ جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیہ اولا الالمن ینتظم بہ امر جماعۃ اخری اوکان الخروج لمسجد حیہ ولم یصلوا فیہ اولاستاذہ لدرسہ او لسماع الوعظ اولحاجۃ ومن عزمہ ان یعود نہر اھ وفی ردالمحتار قولہ للنھی ھو ما فی ابن ماجۃ من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لایرید الرجوع فھو منافق اھ وفیہ عن البحر ولوکانت الجماعۃ یخرجون لدخول الوقت المستحب کالصبح مثلا فخرج ثم رجع وصلی معھم ینبغی ان لایکرہ اھ قال وجزم بذلك کلہ فی النھر لانہ کلامھم علیہ قولہ الالمن ینتظم بہ لہ الخروج ولو عند الشروع فی الاقامۃ وبہ صرح فی متن الدرر و القھستانی وشرح الوقایۃ[2] اھ مختصرا

مکروہ تحریمی ہے یہ غالب پر حکم ہے اور مراد دخولِ وقت ہے خواہ اذان ہُوئی ہو یا نہ ہوئی ہو البتہ اس شخص کو جانے کی اجازت ہے جس نے کسی دوسری جماعت کا انتظام کرنا ہے یا اپنے محلہ کی مسجد کی طرف جانا ہے درانحالیکہ وہاں لوگوں نے نماز ادا نہیں کی یا استاد سے سبق لینا ہے یا وعظ سُننا ہے یا کوئی حاجت ہے اور وہ شخص دوبارہ آجانے کا ارادہ رکھتا ہو نہر اھ ردالمحتار میں قولہ للنھی (یعنی اس پر نہی وارد ہے) سے مراد ابن ماجہ کی وُہ روایت ہے جس میں ہے کہ مسجد میں اذان کو پایا پھر بغیر کسی حاجت وضرورت کے چلا گیا اور واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے اور اسی میں بحر سے ہے کہ اگر جماعت لوگوں نے اس لئے مؤخر کی کہ وقتِ مستحب آجائے مثلاً صبح کی نماز، تو کوئی شخص چلا گیا پھر لوٹ آیا اور ان کے ساتھ نماز ادا کی تو اسے مکروہ نہ قرار دینا ہی مناسب ہے اور نہر میں اس پر کلام علماء کی وجہ سے جزم کا اظہار کیا ہے، ماتن کا قول الالمن ینتظم (مگر جس نے نماز کا انتظام کرنا ہے) وہ نکل سکتا ہے خواہ اقامت شروع ہو چکی ہو، اور اسی پر متن درر، قہستانی اور شرح وقایہ میں جزم کیا گیا ہے اھ اختصاراً (ت)

یہاں دونوں شرطوں سے ایک بھی متحقق نہیں سنتیں بحالِ قیامِ جماعت بیرونِ مسجد پڑھنے کا حاجت شرعی ہونا بھی ظاہر اور قصدِ رجوع بھی بدیہی تو عدمِ جواز وحصولِ گناہ کا حکم صریح باطل قطعی،

فی الدرالمختار[1] اذا خاف فوت الوقت لاشتغالہ بسنتھا ترکھا

درمختار میں ہے جب نمازی کو سنن میں مشغولیت سے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو انھیں

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

[2] ردالمحتار " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۴

والا لابل یصلیھا عند باب المسجد[1] وفی ردالمحتار ای خارج المسجد کما صرح بہ القھستانی وقال فی العنایۃ لانہ لوصلاھا فی المسجد کان متنفلا فیہ عند اشتغال الامام بالفریضۃ وھو مکروہ ومثلہ فی النھایۃ والمعراج[2] اھ مختصرین۔

ترک کرے ورنہ ترک نہ کرے بلکہ انھیں مسجد کے دروازے کے پاس ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے یعنی مسجد سے باہر ادا کرے، جیسا کہ اس پر قہستانی نے تصریح کی ہے۔ عنایہ میں ہے اگر اس نے سنن مسجد میں ادا کیں تو یہ امام کے فریضہ میں مشغول ہونے کے وقت نوافل پڑھنے والا قرار پائے گا جو کہ مکروہ ہے۔ اسی کی مثل نہایہ اور معراج میں ہے اھ دونوں کتابوں کی عبارت اختصاراً منقول ہے (ت)

بعینہٖ یہ صورت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے ایک روز وہ ایسے وقت تشریف لائے کہ جماعتِ فجر قائم ہوچکی تھی انھوں نے ابھی سُنتیں نہ پڑھی تھیں ان کی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حجرۂ مطہرہ مسجد سے ملا ہوا تھا جس کا دروازہ عین مسجد میں تھا وہاں چلے گئے اور سُنتیں حجرہ میں پڑھ کر پھر مسجد میں آکر شاملِ جماعت ہُوئے۔ امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا علی بن شیبۃ ثنا الحسن بن موسٰی ثنا شیبان بن عبدالرحمٰن عن یحیی بن ابی کثیر عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلی الرکعتین قبل صلٰوۃ الصبح فصلاھما فی حجرۃ حفصۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ثم انہ صلی مع الامام ففی ھذا الحدیث[3] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ صلاھما فی المسجد لان حجرۃ حفصۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا من المسجد[3]۔

زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما آئے تو امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے فجر کی دو سُنتیں ابھی ادا نہیں کی تھیں تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں انھیں ادا کیا پھر امام کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس حدیث نے واضح کردیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فجر کی سُنتیں مسجد میں ادا کیں کیونکہ حجرۂ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مسجد کا حصہ تھا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹ - ۱۰۰

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۶

[3] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۸

بلکہ جب وہ مدارس متعلق مسجد حدودِ مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کا امتیاز کردیا ہے تو ان میں جانا مسجد سے باہر جانا ہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کا ایک قطعہ ہے۔

وھذا ما قال الامام الطحاوی ان حجرۃ ام المؤمنین من المسجد[1] فی ردالمحتار عن البدائع لو صعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف لانھا منہ لانہ یمنع فیھا من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد[2]۔

یہی بات امام طحاوی نے فرمائی کہ ام المومنین کا حجرہ مسجد کا حصہ ہے۔ ردالمحتار میں بدائع سے ہے اگر معتکف منارہ پر چڑھا تو بالاتفاق اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ منارہ مسجد کا حصہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر وہ عمل مثلاً بول وغیرہ منع ہے جو مسجد میں منع ہے تو یہ مسجد کے دیگر گوشوں کی طرح ایک گوشہ ٹھہرا۔ (ت)

چٹائی کو اُن خیالات بعیدہ کی بنا پر نجس بتانا محض پیروی اوہام ہے شرع مطہر نے دربارہ طہارت ظاہر ایسے لیت ولعل کو اصلاً گنجائش نہ دی

کما فصلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ والحدیقۃ الندیۃ وبینہ العبد الضعیف غفراللہ تعالٰی لہ فی الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر۔

جیسا کہ اس کی تفصیل طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں ہے اور اسے عبدِ ضعیف غفراللہ تعالٰی نے "الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر" میں بیان کیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

من شك فی انائہ او ثوبہ او بدنہ اصابتہ نجاسۃ اولا فھو طاھر مالم یستیقن وکذا الاٰبار والحیاض والجباب الموضوعۃ فی الطرقات ویستقی منھا الصغار والکبار والمسلمون والکفار[3]۔

اگر کپڑے یا بدن یا برتن کو نجاست لگنے میں شک ہے تو وہ پاک ہوگا جبکہ نجاست کا یقین نہ ہو، یہی حکم ان کنووں، حوضوں اور تالابوں کا ہے جو راستوں میں بنائے گئے ہیں ان سے چھوٹے بڑے، مسلمان اور کفار سبھی پانی حاصل کرتے ہیں (ت)

---

[1] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۸

[2] ردالمحتار باب الاعتکاف " " " " ۲/۴۴۶

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ " مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۱

طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وجد فیھا نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا۔[1]

امام خجندی سے ایک ایسے کنویں کے بارے میں پُوچھا گیا جس میں ایسا جُوتا گرگیا جسے پہنا گیا تھا اور مختلف راستوں پر چلا گیا۔ یہ علم نہ ہوسکا کہ کب گرا ہے اور اس پر اثرِ نجاست نہ تھا تو کیا کنواں ناپاک ہوگا یا نہ؟ فرمایا: ناپاک نہیں ہوگا۔ (ت)

اُنھیں میں ہے:

کذلک حکم الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیہ لان الصبیان لایتوقون النجاسۃ لکن لایحکم بھا بالشك والظن[2] اھ ملخصین۔

یہی حکم ہے اس پانی کا جس میں بچے نے ہاتھ داخل کردیا ہو کیونکہ بچے نجاست سے بچتے نہیں لیکن شک وظن کی بنا پر نجاست کا حکم جاری نہیں ہوگا اھ ملخصین (ت)

نیت مذکور سے چٹائی بچھانے والوں کے لئے امیدِ ثواب ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۰۶۰: از کھنڈوہ ضلع برہان پور مسجد دارالشفا مرسلہ محمد سلم صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیرزادہ سید صاحب نے نماز تراویح میں بہ یک سلام دس رکعت سفر کی حالت میں امامت سے پڑھادے جماعت معترض ہُوئی کہ نماز ناجائز ہوئی۔ سید صاحب نے کہا کہ غنیۃ المصلی میں صاف طور سے بلاکراہت بیک سلام جائز ہے وُہ عبارت یہ ہے:

ولوصلی التراویح کلھا بتسلیمۃ واحدۃ وقد قعد علی راس کل رکعتین جاز ولایکرہ لانہ اکمل ذکرہ فی المحیط۔

اگر تمام تراویح ایک سلام کے ساتھ ادا کیں اور ہر دو رکعت کے بعد نمازی نے قعدہ کیا تو جائز ہے مکروہ نہیں کیونکہ یہ اکمل ہے۔ محیط میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ (ت)

اس پر سید صاحب کو بُرا کہنا اور نماز کو ناجائز وحرام کہنا ان کے حق میں کیسا ہے؟

الجواب

نماز کو ناجائز وحرام کہنا باطل ہے اور سید کی توہین وبے ادبی سخت گناہ ہے اور صحیح اس مسئلہ میں

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الصنف الثانی مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[2] " " النوع الرابع " " " ۲/ ۱۱۷

یہ ہے کہ نماز ہوگئی دسوں رکعتیں تراویح میں شمار ہوں گی مگر خلاف و مکروہ ضرور ہوئیں منیہ کا قول لایکرہ (مکروہ نہیں۔ت) خلافِ صحیح ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے قول المصنف ولایکرہ لانہ اکمل مخالف لما ذکر فی الخلاصۃ وغیرھا انہ یکرہ[1] (مصنف کا قول کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ اکمل ہے خلاصہ وغیرہ کے مخالف ہے کیونکہ وہاں لکھا ہے مکروہ ہے۔ت) حلیہ شرح منیہ میں ہے:

وھو مشکل بانہ خلاف المنقول واذا قالوا بکراھۃ الزیادۃ علی ثمان فی مطلق التطوع لیلاً فلان یکونوا قائلین بکراھتہا فیما کان منہ مسنونا اولٰی فلاجرم ان فی النصاب و خزانۃ الفتاوٰی والصحیح انہ لو تعمد ذلک یکرہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ مشکل ہے کیونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور جب انھوں نے رات کے نوافل مطلقہ کو آٹھ سے زائد پر کراہت کا حکم نافذ کیا ہے تو انھیں تراویح جو کہ مسنون ہیں میں کراہت کا حکم بطریق اولٰی جاری کرنا چاہئے۔ لاجرم نصاب اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ اگر کسی نے عمداً ایسا کیا تو مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۱: از پیلی بھیت مدرسہ پنجابیاں مرسلہ حافظ محمد احسان صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کے پیچھے نمازِ تراویح جائز یا ناجائز اور جس حافظ کا سن چودہ سال کا ہو وہ بلوغ میں داخل ہے یا خارج؟ اور شرعاً حد بلوغ کی ابتداء از روئے سن کے سال سے معتبر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

مسئلہ میں اختلافِ مشائخ اگرچہ بکثرت ہے مگر اصح وارجح واقوی یہی کہ بالغوں کی کوئی نماز اگرچہ نفل مطلق ہو نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

المختار انہ لایجوز فی الصلوات کلہا[3]

مختار یہی ہے کہ تمام نمازوں میں جائز نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۰۵

[2] التعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۹۹

[3] الہدایہ باب الامامۃ ؍؍ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۰۳

وھو قول العامۃ کما فی المحیط وھو ظاھر الروایۃ[1]

اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔ (ت)

اور اقل مدت بلوغ پسر کے لئے بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ سب کے لئے پندرہ برس ہے اگر اس بیچ سال میں اثر بلوغ یعنی انزال منی خواب خواہ بیداری میں واقع ہو فبہا ورنہ بعد تمامی پندرہ سال کے شرعاً بالغ ٹھہر جائیگا اگرچہ اثر اصلاً ظاہر نہ ہو۔

فی التنویر بلوغ الغلام بالانزال فان لم یوجد فیھما شئی منھما فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ھو المختار اھ ملخصاً[2]

تنویر میں ہے لڑکا احتلام سے بالغ ہوجاتا ہے اگر احتلام نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے، کم از کم مدت بارہ سال ہے، یہی مختار ہے اھ ملخصا (ت)

پسر چاردہ سالہ کا بالغ ہونا اگر معلوم ہو (اگرچہ یونہی کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا بالغ ہوجانا اور انزال منی واقع ہونا بیان کرتا ہو اور اُس کی ظاہر صورت وحالت اس بیان کی تکذیب نہ کرتی ہو) تو وہ بالغ مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

فی الدرالمختار فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر کذا قیدہ فی العمادیۃ وغیرھا فبعد سنتی عشرۃ سنۃ یشترط شرطا اخر لصحۃ اقرارہ بالبلوغ وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لایقبل قولہ شرح وھبانیۃ وھما حینئذ کبالغ حکما فلا یقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال حالہ[3] الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے اگر وہ اس عمر کو پہنچے کہ قریب البلوغ ہیں اور دعوٰی کرتے ہیں کہ ہم بالغ ہیں تو ظاہراً کوئی بات ان کی تکذیب نہ کرتی ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، اسی طرح عمادیہ وغیرہ میں اسے مقید کیا گیا ہے اور بارہ سال کے بعد صحت اقرار بلوغ کے لئے ایک اور شرط لگائی گئی ہے کہ اسی طرح کے لڑکوں کو احتلام ہوتا ہو ورنہ ان کا دعوٰی قبول نہ ہوگا شرح وہبانیہ، اور اب وہ دونوں بالغ کے حکم میں ہوں گے احتمال کی وجہ سے اقرار کے بعد ان کا انکار بلوغ قابل قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۹
[2] درمختار فصل بلوغ الغلام " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۹۹
[3] ایضاً

مسئلہ ۱۰۶۲ از اوجین مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۲ ربیع الآخری شریف ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ غیر مقلدین نمازِ تراویح را بدعت عمری قرار دادہ از بست تخفیف نمودہ یازدہ رکعت میخوانند جائز است یانہ؟ بینوا توجروا۔

علماء کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین نے بیس تراویح کو بدعتِ عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قرار دیتے ہُوئے ان میں تخفیف کرکے گیارہ کر لی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

تراویح سنّتِ مؤکدہ است و نزد محققین بترک سنّت مؤکدہ نیز آثم شود خاصہ چوں ترک را عادت گیرد و عددش نزد جمہور علمائے اُمت بست رکعت ست و درروایتے از امام مالک سی و شش رکعت فی الدرالمختار التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین وھی عشرون رکعۃ[1] بازسنّت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ عین سنّت حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ست سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مارا حکم باقتدائے ابوبکر و عمر فرمود رضی اللہ تعالٰی عنہما تاکیدتام باتباع سنت خلفائے راشدین نمود رضی اللہ تعالٰی عنہم احمد و ابوداؤد و الترمذی وابن ماجۃ عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ[2] الترمذی

تراویح سنّتِ مؤکدہ ہے، محققین کے نزدیک سنّتِ مؤکدہ کا تارک گنہگار ہے خصوصاً جب ترک کی عادت بنالے، تراویح کی تعداد جمہور امت کے ہاں بیس ۲۰ ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ۳۶ ہے۔ درمختار میں ہے تراویح سنّتِ مؤکدہ ہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر دوام فرمایا اور وہ بیس رکعات ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سنت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہی سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی اقتدا کا حکم دیا ہے اور خلفاء راشدین کی اتباع سنت میں تاکید کامل فرمائی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اسے دانتوں سے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ترمذی نے

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۸

[2] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۷۹

وحسنہ عن عبد اللہ بن مسعود و احمد والترمذی وابن ماجۃ والرویانی عن حذیفۃ بن الیمان وابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم قالوا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر[1] وآنکہ ایں بے باکاں سنت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ را بکمالیسی روافض بدعت عمری نامند ومتہوران ایشاں خذلہم اللہ تعالٰی تصریح بضلالت حضرت والا ش کنند جوابش محول بروز جزا است وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[2]۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا اور اسے حسن کہا۔ احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور رویانی نے حضرت حذیفہ بن یمان اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم میرے بعد میرے صحابہ ابوبکر وعمر کی اقتدا کرنا۔ یہ بیباک لوگ جو اہل تشیع کی نقل کرتے ہوئے حضرت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی سنت کو بدعتِ عمری کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ دریدہ دہنی کرنے والے حضرت کے عمل کو گمراہی کہتے ہیں اس کا حساب و کتاب بروزِ جزا انھیں دینا ہوگا عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹا کھائیں گے۔ اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۳: از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں پورا کلام اللہ تعالٰی سُننا پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے یا سنت یا مستحب وغیرہ؟ اور بعد سُننے ایک پورے کلام اللہ شریف کے جو لوگ سورہ فیل سے آخر تک دوبارہ پڑھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے یعنی ہر رات رمضان شریف میں تراویح بیس رکعتیں پڑھنا سنت مؤکدہ یا سنت یا مستحب وغیرہ ہے یا کیا ارشاد ہے؟ ایک رات اسی ماہِ صیام میں طبیعت میری نادرست تھی تراویح ایک شب کی مجھ سے نہ ہوئیں اب ان کی قضا کروں یا نہیں اور کروں تو کس وقت؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تراویح میں پورا کلام اللہ شریف پڑھنا اور سُننا سنتِ مؤکدہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ بعد ختم کلام مبارک بھی تمام

---

[1] جامع الترمذی مناقب ابی بکر صدیق مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

لیالی شہر مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، تراویح اگر ناغہ ہوگئیں تو ان کی قضا نہیں کل ذٰلک مصرح بہ فی الکتب الفقھیۃ (ان تمام پر کتبِ فقہ میں تصریح ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶۴: از بلگرام شریف محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۲۳ رمضان شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں تراویح میں بعد سورہ فاتحہ سورہ اخلاص پڑھنا جائز ہے یا مکروہ باوجودیکہ امام اور سورتیں بھی جانتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے بلاکراہت اگرچہ سورہ فیل سے آخر تک تکرار کا طریقہ بہتر ہے کہ اس میں رکعات کی گنتی یاد رکھنی نہیں پڑتی۔ ردالمحتار میں ہے:

فی التجنیس، واختار بعضھم سورۃ الاخلاص فی کل رکعۃ وبعضھم سورۃ الفیل ای البداءۃ منھا ثم یعیدھا وھذا احسن لئلا یشتغل قلبہ بعدد الرکعات[1]۔

تجنیس میں ہے بعض نے ہر رکعت میں سورۃ اخلاص کو مختار کہا بعض نے سورۃ فیل کو یعنی اس سے ابتدا ہو اور پھر تکرار کیا جائے اور سب سے بہتر ہے تاکہ دل تعدادِ رکعات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاباس ان یقرء سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ (الٰی قولہ) ولایکرہ فی النفل شیئ من ذٰلک[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں اسے دوبارہ لوٹایا جائے (یہاں تک) کہ نفل میں ان میں سے کوئی شَے بھی مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۵: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی شجاعت علی صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں ختم قرآن شریف کے لئے ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

الجواب

ہاں — فی المسلم وشرح الفواتح البسملۃ

مسلم اور شرح الفواتح میں ہے کہ بسملہ قرآن کی

---

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷

[2] درمختار آخر فصل یجہر الامام ” مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۱

من القراٰن اٰیۃ فتقرأ فی الختم مرۃ علی ھذا ینبغی ان یقرأھا فی التراویح بالجھر مرۃ ولاتتأدی سنۃ الختم دونھا[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

آیت ہے ختمِ قرآن میں ایک دفعہ اسے پڑھاجانا چاہئے، لہذا تراویح میں اسے ایک دفعہ جہراً پڑھنا لازم ہے کیونکہ اس کے بغیر سنّت کے مطابق ختمِ قرآن نہ ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۶ تا ۱۰۶۸: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی کریم رضا صاحب یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نمازِ تراویح کی جماعت اس طور پر کہ الم ترکیف سے شروع کرتے ہیں اور والناس تک ایک ایک سورہ ایک ایک رکعت میں پڑھتے ہیں اور پھر الم ترکیف سے والناس تک دوبارہ دس رکعتوں میں پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہر ترویحہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کسی حافظ کو اس طور پر نمازِ تراویح کی پڑھائی کہ پہلے ایسی قوم کے ساتھ جو آٹھ رکعتیں تراویح منفرد پڑھ چکے ہوں بارہ رکعتیں ختمِ تراویح پڑھاکر پھر دوسری قوم کے پاس جو بارہ رکعتیں تراویح کی منفرد پڑھ چکے ہوں جاکر آٹھ رکعتیں تراویح کی ہر شب میں پڑھائی جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا بالفقہ والسنۃ والکتاب توجروا من اللہ حسن الماٰب (فقہ اور کتاب وسنت کے مطابق جواب عنایت کرکے اللہ تعالٰی سے اجرِ عظیم پاؤ۔ ت)

الجواب

(۱) جائز ہے

فی الھندیۃ بعضھم اختار قل ھو اللہ احد فی کل رکعۃ وبعضھم اختار قرأۃ سورۃ الفیل الی اٰخر القراٰن وھذا احسن القولین لانہ لایشتبہ علیہ عدد الرکعات ولایشتغل قلبہ بحفظھا کذا فی التجنیس[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم

ہندیہ میں ہے بعض نے ہر رکعت میں قل ھو اللہ احد کو اختیار کیا اور بعض نے سورہ فیل سے آخر تک کو، اور یہ احسن قول ہے کیونکہ اس صورت میں عددِ رکعات میں اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے یاد رکھنے میں مصروف ہوتا ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ قم، ایران ۲/ ۱۴

[2] فتاوٰی عالمگیری الباب التاسع فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۸

(۲) جائز ہے

فی ردالمحتار قال القہستانی فیقال ثلاث مرات سبحٰن ذی الملك والملکوت سبحٰن ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحن الملك الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح لا الٰہ الا اللہ نستغفر اللہ نسألك الجنۃ ونعوذبك من النار کما فی منہج العباد[1]اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ قہستانی نے کہا کہ تین دفعہ یہ کلمات پڑھے جائیں: ملک وملکوت کے مالک تیری ذات پاک ہے اے صاحبِ عزت وعظمت اور جبروت وکبریا تیری ذاتِ اقدس پاک ہے، اے مالک جو زندہ ہے اس پر موت نہیں، تیری ذات پاک ہے تو پاک وقدوس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی مانگتے ہُوئے جنت کا سوال اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں منہج العباد اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنّت عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت بلاعذر شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واساءت ہو اور ان کی جماعت کی مساجد میں اقامت سنّت کفایہ کہ اگر اہلِ محلہ اپنی اپنی مسجدوں میں اقامت جماعت کریں اور اُن میں بعض گھروں میں تراویح تنہا یا باجماعت پڑھیں تو حرج نہیں اور اگر تمام اہلِ محلہ ترک کریں تو سب گنہ گار ہوں، ردالمحتار میں ہے:

اصل التراویح سنۃ عین فلوترکہا واحد کرہ[2]

تراویح سنت عینی ہیں، اگر انھیں کسی نے بھی ترک کیا تو مکروہ ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

والجماعۃ فیہا سنۃ علی الکفایۃ فی الاصح فلوترکہا اھل مسجد اثموا، لا لوترك بعضہم[3]

ان میں اصح قول کے مطابق سنت کفایہ ہے، اگر تمام اہلِ مسجد نے اسے ترک کیا تو گنہ گار ہوں گے اور اگر بعض نے ترک کیا تو گنہ گار نہ ہونگے (ت)

---

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۶
[2] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵
[3] درمختار فصل فی الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۸

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم ھنا ان المسنون کفایۃ اقامتہا بالجماعۃ فی المسجد حتی لواقاموھا جماعۃ فی بیوتھم ولم تقم فی المسجد اثم الکل[1]

یہاں سنت کفایہ سے مراد یہ ہے کہ تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے اگر تمام نے گھروں میں جماعت کے ساتھ ادا کیں اور مسجد میں ادا نہ کیں تو سب گنہگار ہوں گے۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں امام اور دونوں جگہ کے مقتدی تینوں فریق سے جس کے لئے یہ فعل اس شناعت کا موجب ہو اُس کے حق میں کراہت واساءت ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں حرج نہیں مثلاً امام و ہر دو قوم کی مساجد میں جماعتِ تراویح جُدا ہوتی ہے یہ گھروں پر بطور مذکور جماعۃً و انفراداً پڑھتے ہیں تو کسی پر مواخذہ نہیں کہ ہر گروہ مقتدیان نے اگر بعض ترویحات تنہا اور ہر سہ فریق نے مسجد سے جدا پڑھیں مگر جبکہ اُن کی مساجد میں اقامتِ جماعت ہوتی ہے سنّتِ کفایہ ادا ہوگئی، ہاں امام دونوں قوموں کو پُوری تراویح پڑھاتا تو یہ جُدا کراہت ہوتی اس سے صورتِ مستفسرہ خالی ہے۔

فی الھندیۃ امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی المحیط السرخسی والفتوی علی ذلک کذا فی المضمرات[2]

ہندیہ میں ہے ایک امام دو مساجد میں تمام تراویح پڑھاتے ہیں تو یہ جائز نہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے مضمرات میں ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے۔ (ت)

اور اگر اُن میں کسی فریق کی مسجد میں یہی جماعت بطور مذکور ہوتی ہے تو اس کے لئے کراہت ہے کہ اُس کی مسجد میں پُوری تراویح جماعت سے نہ ہوئیں لہٰذا اس صورت میں یہ چاہئے کہ ایک فریق آٹھ یا بارہ رکعتیں دوسرے امام کے پیچھے پڑھ کر باقی میں اس حافظ کی اقتدا کرے اور دوسرا فریق بارہ یا آٹھ رکعات میں دوسرے کا مقتدی ہو کر باقی میں اس کا مقتدی ہو کہ اب دونوں مسجدوں میں پوری تراویح کی اقامت جماعت سے ہوجائے گی اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ بعض ترویحات میں ایک امام کی اقتدا ہو اور بعض دیگر میں دوسرے کی، ہاں یہ ناپسند ہے کہ ایک ترویحہ میں دُو رکعت کا امام اور ہو دو کا اور،

فی الخانیۃ اقاموا التراویح بامامین فصلی

خانیہ میں ہے تراویح دُو اماموں نے پڑھائیں، ہر

---

[1] ردالمحتار مبحث التراویح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

[2] فتاوٰی عالمگیری فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۶

کل امام تسلیمۃ بعضھم جوزوا ذلك والصحیح انه لایستحب وانما یستحب ان یصلی کل امام ترویحة لیکون موافقا عمل اھل الحرمین[1]

امام نے دو رکعات پڑھائیں تو بعض نے اسے جائز کہا اور صحیح یہ ہے کہ یہ طریقہ مستحب نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ہر امام چار رکعات پڑھائے تاکہ اہلِ حرمین کے موافق عمل ہوجائے۔ (ت)

سراج وہاج میں ہے:

ان صلوھا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فان انصرف علی تسلیمة لایستحب ذلك فی الصحیح[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر نماز تراویح دو اماموں نے پڑھائی مستحب یہ ہے کہ ہر ایک کامل ترویحہ کے بعد مصلّی چھوڑے، اگر دو رکعات پر چھوڑتا ہے تو صحیح قول کے مطابق یہ مستحب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۹: از بدایوں محلہ کٹرہ براہم پورہ مرسلہ شیخ عبدالغنی صاحب ۱۱ رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

ایک شخص ایک مسجد میں فرض جماعت سے پڑھا کر تراویح بیس رکعت پڑھاتا ہے پھر وہی شخص دوسری مسجد میں تراویح بیس رکعت جماعت سے پڑھاتا ہے آیا یہ امامت اس کی صحیح ہے یا نہیں؟ اور مقتدیان مسجد دیگر کی تراویح ہوجاتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

مذہب راجح میں امامت صحیح ہے تراویح ہوجاتی ہیں مگر خلاف علماء و اختلاف تصحیح و مخالفت طریقہ متوارثہ سے بچنے کے لئے بے ضرورت اس سے احتراز کیا جائے۔

فی الخانیة والخلاصة والظھیریة وغیرھا اذا صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی المکتوبة او بمن یصلی نافلة غیر التراویح اختلفوا فیه والصحیح انه لایجوز[3] اھ۔ و فی الھندیة امام یصلی التراویح

خانیہ، خلاصہ اور ظہیریہ میں ہے کہ جب تراویح ایسے شخص کے پیچھے پڑھی جو فرائض پڑھا رہا ہے یا اس شخص کی اقتداء میں جس نے تراویح کے علاوہ نوافل پڑھائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں اھ اور ہندیہ میں ہے کہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التراویح مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، بھارت ۱/ ۱۱۰

[2] سراج الوہاج شرح قدوری

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث فی التراویح مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۴

فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز کذا فی محیط السرخسی والفتوی علی ذلک کذا فی المضمرات[1] اھ وفی امامۃ التنویر والدر و متنفل بمفترض فی غیر التراویح فی الصحیح خانیۃ و کانہ لانہا سنۃ علی ہیأۃ مخصوصۃ فیراعی وضعہا الخاص للخروج عن العہدۃ[2] اھ فی رد المحتار ان ما ذکرہ المصنف ھھنا مخالف لما قدمہ فی شروط الصلوۃ بقولہ وکفی مطلق نیۃ الصلوۃ لنفل وسنۃ وتراویح وذکر الشارح ھناک انہ المعتمد ونقلنا ھناک عن البحر انہ ظاھر الروایۃ وقول عامۃ المشائخ وصححہ فی الھدایۃ وغیرھا ورجحہ فی الفتح ونسبہ الی المحققین[3] الخ و الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایۃ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

وہ امام کا دو مساجد میں تمام تراویح پڑھانا ہے جائز نہیں، محیط سرخسی اور مضمرات میں ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے۔ تنویر اور در کے باب الامامت میں ہے کہ نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کی اقتدا، تراویح کے علاوہ صحیح ہے خانیہ، کیونکہ تراویح ہیئت مخصوصہ کے ساتھ سنت ہیں تو عہدہ برآ ہونے کے لئے ان میں اس وجہ مخصوص کی رعایت کرنا ضروری ہے اھ رد المحتار میں ہے مصنف نے جو کچھ یہاں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو اس نے شروط صلوۃ میں یوں ذکر کیا کہ نفل، سنت اور تراویح کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور شارح نے وہاں کہا کہ معتمد یہی ہے اور وہاں بحر سے نقل کیا کہ یہی ظاہر روایت اور اکثر مشائخ کا قول ہے، ہدایہ وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ فتح میں اس کو ترجیح دیتے ہوئے اسے محققین کی طرف منسوب کیا الخ تو جب فتوٰی میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از کیمپ میرٹھ کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب بازار لال کرتی مرسلہ مولوی احسان اللہ صاحب ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ جو اکثر جگہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں شبینہ پڑھا جاتا ہے یعنی ایک یا ایک سے زیادہ رات میں ختم قرآن عظیم

---

[1] فتاوٰی عالمگیری فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶
[2] درمختار باب الامامت " مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۵
[3] ردالمحتار " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹۰

ہوتا ہے اور یہ نوافل باجماعت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؛ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ کلام مجید باجماعت نوافل میں ترتیل کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھا جائے وہ بھی ممنوع ہے اور نیز کہتے ہیں کہ جماعت نوافل کی سوا تراویح کے اصلاً جائز نہیں ہے اور جس حدیث میں تہجد کے وقت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شرکت نوافل تہجد میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے مروی ہے وُہ مثبت صرف اقتدا ایک شخص کی ہے۔ تیسری بات وُہ یہ کہتے ہیں کہ سُنتیں فجر کی اگر رہ جائیں اور فرضوں میں کوئی شامل ہوجائے تو پھر اس کو وہ سنتیں نہ قبل طلوعِ آفتاب پڑھنی چاہییں نہ بعد میں، ان تینوں مسائل کو امید ہے کہ مشرح بیان فرمائیں۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔

الجواب

علمائے بنظر منع کسل و ملال اقل مدت ختم قرآن عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہل قدرت و نشاط بہر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں، بہت اکابر دین سے منقول ہے:

كما بسطه المولى عبد الغني النابلسي قدس سره القدسي في الحديقة الندية وغيره في غيرها[1]

جیسا کہ اس پر تفصیلی بحث علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں کی ہے۔ (ت)

خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو رکعت میں قرآن شریف ختم کیا کما فی الدرالمختار[2] (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتب فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہ جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے نہ کہ گناہ و حرام کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں دی ہے۔ ت) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابر دین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعلِ خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے اُمت و حکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے، درمختار میں ہے:

اما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنفل اصلا لقلة رغبتهم في الخيرات بحر[3]

عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے، بحر۔ (ت)

---

[1] درمختار — مقدمۃ الکتاب — مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت — ۱/ ۹

[2] درمختار — باب العیدین — " " " " — ۱/ ۱۱۴

اُسی میں ہے :

ولایمنع العامة من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبه ناخذ بحر ومجتبی وغیرہ[1]

عوام کو ان (ذوالحج کے) دس دنوں میں بازار میں تکبیرات پڑھنے سے منع نہ کیا جائے، اسی پر ہمارا عمل ہے، بحر، مجتبٰی وغیرہ (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے :

ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلٰوۃ الرغائب بالجماعۃ وصلٰوۃ لیلۃ القدر ونحو ذلك وان صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا فلا یفتی بذلك العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات وقد اختلف العلماء فی ذلك فصنف فی جوازھا جماعۃ من المتاخرین وابقاء العوام راغبین فی الصلٰوۃ اولٰی من تنفیرھم[2]

اسی قبیل سے نماز رغائب کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور لیلۃ القدر کے موقع پر نماز وغیرہ بھی ہیں اگرچہ علماء نے ان کی جماعت کے بارے میں کراہت کی تصریح کی ہے مگر عوام میں یہ فتوٰی نہ دیا جائے تاکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو، علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور متاخرین میں سے بعض نے اس کے جواز پر لکھا بھی ہے عوام کو نماز کی طرف راغب رکھنا انھیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

صبح کی سُنّتیں اگر نہ پڑھیں اور فرضوں میں شامل ہوگیا قبل طلوع وارتفاع شمس تو البتہ ان کی اجازت نہیں اگر پڑھے گا گنہگار ہوگا اور بعد بلندیٔ آفتاب اُن کا پڑھنا ممنوع نہیں ضرور مستحب ہے کلام علماء میں لایقضی (ادا نہ کیا جائے۔ ت) بمعنی نفی مطالبہ ہے نہ مطالبہ نفی، ردالمحتار میں ہے :

اذا فاتت وحدھا لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع اما بعد طلوع الشمس فکذلك عندھما وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی احب الیّ ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر قیل

جب فجر کی سنتیں تنہا فوت ہوجائیں تو انھیں بالاجماع طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا نہ کیا جائے طلوعِ آفتاب کے بعد، شیخین کے ہاں اسی طرح ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے قضا کرلینا پسندیدہ ہے جیسا کہ

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۷
[2] الحدیقۃ الندیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۰

هذا قریب من الاتفاق لان قوله احب الیّ دلیل علی انه لو لم یفعل لا لوم علیه وقالا لا یقضی وان قضی لا باس به کذا فی الخبازیة ومنهم من قال الخلاف فی انه لو قضی کان نفلا مبتدأ او سنة کذا فی العنایة یعنی نفلا عندھما سنة عندہ کما ذکرہ فی الکافی اسمٰعیل[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

دُرر میں ہے کہ یہاں اتفاق ہی ہے کیونکہ امام محمد نے احب کہا جو دلالت کررہا ہے کہ اگر اس نے قضا نہ کیں تو اس پر ملامت وغیرہ نہیں ہوگی، اور جس نے لا یقضی کہا ہے اگر کوئی قضا کرلیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، خبازیہ۔ بعض نے کہا کہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر قضا کرتا ہے تو وہ سنن ہوں گی یا مستقل نوافل، اسی طرح عنایہ میں ہے یعنی شیخین کے نزدیک نفل مگر امام محمد کے نزدیک سنت، جیسا کہ الکافی لاسمٰعیل میں ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱۷: از سنبھل مرسلہ حکیم کفایت اللہ صاحب ۹ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض عشا تنہا ادا کیا اور تراویح جماعت سے اب وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اولٰی کیا ہے؟ مع ادلہ وحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ بینوا توجروا عند اللہ۔

الجواب

جس نے فرض تنہا پڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا کما فی الغنیۃ وجامع الرموز ورد المحتار[1] (جیسا کہ غنیہ، جامع الرموز اور رد المحتار میں ہے۔ ت) جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اولٰی ہے یا تنہا پڑھنا دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ جماعت افضل ہے۔

رجحہ الامام ابن الھمام وصححہ العلامۃ الحلبی فی الغنیۃ[2] وقال خیر الرملی علیہ عامۃ الناس الیوم[3] واللہ تعالٰی اعلم

امام ابن الہمام نے اسے ترجیح دی، علامہ حلبی نے غنیہ میں اس کی تصحیح فرمائی، اور خیر الدین رملی نے فرمایا: آج لوگوں کی اکثریت اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] رد المحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۰
[2] غنیۃ المستملی فصل فی النوافل ” سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰
[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق لخیر الرملی باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶۹

مسئلہ ۱۰۷۲: از بیلپور ضلع بریلی مرسلہ حافظ کلن صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماہِ رمضان شریف میں دو حافظوں نے ایک مسجد میں قرآن عظیم اس ترتیب سے سنایا کہ ایک حافظ نے اول مثلاً دس تراویح میں ایک یا سوا یا ڈیڑھ پارہ الم سے سنایا اور پھر دوسرے حافظ نے آخر دس تراویح میں وہی پارہ ایک یا سوا یا ڈیڑھ الم کا پڑھا یعنی ابتدائے انتہا تک یہی طریقہ قرأت کا رکھا کہ جو کچھ پہلے حافظ نے پڑھا تھا وہی پارہ دوسرے حافظ نے پڑھا اور ایک ہی تاریخ پر مثلاً پچیس۲۵ یا چھبیس۲۶ تک دونوں نے ختم قرآن کریم فرمایا پس از روئے شرع مطہر یہ طریقہ قرآن شریف کے پڑھنے کا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب توجروا بغیر حساب (کتاب وسنت سے جواب دیجئے اور بغیر حساب اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

یہ طریقہ مکروہ ہے اور اگر ثابت ہو کہ بعض مقتدیوں پر گراں گزرنے کا باعث تھا (اور ضرور ہوگا) تو سخت ممنوع ہے کریں دو ختم معاً سنت سے زائد ہیں تو ایک امر زائد از سنت کے لئے مقتدیوں پر گرانی کی گئی اور یہ ناجائز ہے وانما علل عدم ترك ختم بکسل القوم لانه سنة فما زاد یترك لانه فتنه (قوم کی سستی کی وجہ سے ایک ختم قرآن ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ سنت ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ ترک کردیا جائے گا کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷۳: از بلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ وحاجی یعقوب علی ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

رمضان المبارک میں میں نے نمازِ عشاء جماعت سے نہیں پڑھی ہے مسجد میں جاتے وقت جماعت عشاء ہوگئی تھی اور نماز تراویح کی کھڑی تھی میں نے جلدی سے نمازِ عشاء ادا کی اب تراویح کی جماعت میں شامل ہوکر نمازِ تراویح ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یا اکیلے پڑھنا چاہئے؟

الجواب

جس شخص نے نمازِ عشاء تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے تنہا نہ پڑھے، ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر بھی تنہا پڑھے۔ درمختار میں ہے:

فصلیه وحده یصلیها معه[1] ای مصلی الفرض وحده یصلی التراویح مع الامام۔ فرض تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت کے ساتھ پڑھےاھ یعنی تنہا فرض ادا کرنے والا تراویح امام کے ساتھ ادا کرے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب فرض امام کے ساتھ ادا نہیں کئے تو وتر میں اس کی اقتداء نہ کرے۔ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۷۴: از فیض آباد محلہ رکاب گنج مرسلہ فیاض حسین ٹھیکیدار پتھر ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والا دست بستہ سلام مسنون کے بعد عرض ہے تابعدار بخیریت ہے خوشنودی مزاج اقدس درکار از راہِ شفقت مربیانہ معاف فرمایا جاؤں کہ آج سے پہلے عریضہ نہ لکھ سکا اور آج پھر جو موقع ملا ہے وُہ خاص ضرورت سے، براہِ کرم شرع شریف کے مقدس قانون کے مطابق رائے صائب وحکم مناسب سے اطلاع بخشی جائے، میرے وطن اٹاوہ میں ایک بزرگ مفتی قوم میں سے از راہِ خیر وبرکت ختم قرآن شریف کے دن بیسویں رکعت میں الٓمّ تا مفلحون پڑھنے کے بعد چند آیات مختلف ماکان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ تراویح ختم کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے ہیں لیکن اس زمانے کی نئی روشنی اس کے خلاف ہے لہٰذا اس کے جواز کے متعلق جو آیاتِ شریفہ کتبِ احادیث سے پائی جائیں اُن سے اطلاع بخشی جائے تاکہ مخالفین کو سمجھا دی جائیں، براہِ کرم وشفقت مربیانہ بواپسی ڈاک جواب باصواب عریضہ ہذا سے شاد فرمایا جائے کیونکہ اس کی یہاں فوری ضرورت ہے، فقط

الجواب

یہ صورت بلاشبہہ جائز ومباح ہے سننِ ابی داؤد میں ابوقتادہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت بلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سورت سے لیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان یارسول اللہ میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: کلام طیب یجمعہ اللہ

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

بعضہ الٰی بعض یارسول اللہ قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے ملالیتا ہوں اراد ۃ الٰہیہ یونہی ہوتا ہے۔ فرمایا: کلکم قد اصاب[1] تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الانتقال من اٰیۃ من سورۃ الٰی اٰیۃ اخری من سورۃ اخری او اٰیۃ من ھٰذہ السورۃ بینھما اٰیات مکروہ فی الفرائض اما فی النوافل لایکرہ[2] اھ ملتقطا

ایک سورت کی آیت سے دوسری سورت کی آیت یا اسی سورت کی دوسری آیت کی طرف انتقال کرنا جبکہ ان کے درمیان چند آیات ہوں فرائض میں مکروہ ہے مگر نوافل میں مکروہ نہیں اھ ملتقطا (ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قراءۃ اٰیۃ من بین الاٰیات کقراءۃ سورۃ من بین السور فکما لایکون قراءۃ سورۃ متفرقۃ من اثناء القراٰن مغیر التالیف والنظم لایکون قراءۃ اٰیۃ من کل سورۃ مغیرا لہ[3]

آیات میں سے کسی آیت کا پڑھنا ایسے ہی ہے جیسے سورتوں میں سے کسی سورت کا پڑھنا ہے تو جس طرح متفرق سورتوں میں سے قرأت کرنا قرآنی تالیف ونظم میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی اسی طرح ہر سورت سے کسی ایک آیت کا پڑھنا تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اما ضم اٰیات متفرقۃ فلایکرہ کما لایکرہ ضم سور متفرقۃ بدلیل ما ذکرناہ من القراءۃ فی الصلٰوۃ[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

بہرحال آیاتِ متفرقہ کو ملانا مکروہ نہیں جیسا کہ سور متفرقہ کا ملانا مکروہ نہیں اس پر دلیل وہی ہے جو ہم نے قراءۃ فی الصلٰوۃ میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۵: از دھامپور محلہ بندوقچیان ضلع بجنور ۸ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مسئولہ اللہ دیا

جناب فیض انتساب فضائل مآب جناب مولانا صاحب زاد فضلکم بعد آداب گزارش ہے کہ شخص جو

---

[1] سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراءۃ فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الحادی عشر فی القراءۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۹۷

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۰۰

[4] ردالمحتار آخر باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۹

صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے مگر تراویح قصداً چھوڑ دیتا ہے اس کے واسطے وعید ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی تحریر کریں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیوں نہیں پڑھیں ؟ ان پر وعید ہے یا نہیں ؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیہا بالنواجذ[1]

تم پر لازم ہے میری سنّت کا اتباع اور خلفائے راشدین کی سنّت کا، اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔

اور فرمایا :

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[2]۔

ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کی پیروی کرو جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تین شب تراویح میں امامت فرماکر بخوفِ فرضیت ترک فرمادی تو اُس وقت تک وُہ سنتِ مؤکدہ نہ ہوئی تھی، جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُسے اجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر مجتمع ہوئے اس وقت سے وہ سنتِ مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعلِ امیر المومنین سے، بلکہ ارشاداتِ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ________ اب ان کا تارک ضرور تارکِ سنتِ مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲۶: از بنارس رام نگر مرسلہ حافظ امام الدین صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۶ھ

جب احقر کا حافظہ ہوگیا تو لوگوں نے اسی سے پڑھوایا مسجد کے پیش امام صاحب نے بخوشی ۵؍ روپے احقر کو عنایت کئے جسے احقر نے اُسی وقت اپنے استاد مکرم کی نذر کردی میرے ایک مکتبی بھائی کی خواہش تھی کہ ان پانچ میں سے چندۂ تبرک میں کچھ دوں مگر حضرت استاذی کی حالت بمقابلہ تبرک قابلِ ترجیح معلوم ہوتی لہذا میں نے چندۂ تبرک میں اس میں سے کچھ نہ دیا دوسرے سال معلوم ہُوا کہ اب کے سال امام صاحب عہ؍ دیں گے پھر سُنا گیا کہ ۵؍ ہی دیں گے، اس پر قوی خیال کی بنا پر سمجھا گیا کہ انھیں مکتبی بھائی صاحب کی بدولت پانچ کردیا گیا ہے جن کی غرض کے مطابق چندۂ تبرک میں نے نہیں دیا تھا اس لئے میں نے ان سے شکایت کی کہ استاذ

---

[1] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۹

[2] جامع الترمذی مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ” امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی بھارت ۲/ ۲۰۷

میرے بھی ہیں اور آپ کے بھی، پھر آپ ان کی بھلائی کے بجائے ان کی نقصان رسانی کے درپے کیوں ہیں؟ اس پر بات بڑھی اور امام صاحب مسجد کے کانوں تک پہنچی، اس کے بعد مجھے روپے کی گفتگو پر سخت افسوس ہوا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا ثواب زائل ہو جائے اس لئے میں نے باعلان کہا کہ صاحبو میں کوئی اُجرت نہیں مقرر کرتا، یہ جس قدر باتیں ہُوئی ہیں بھائی صاحب سے بات بڑھ جانے کے سبب ہوئیں پھر ختم کے دن امام صاحب نے سات ہی روپے دئے جنھیں لیتے وقت احقر کے دل کی عجب حالت تھی مگر بخیال نفع استاذ مکرم لے لئے اور اُسی وقت اُن کی خدمت میں پیش کر دیا تاہم مجھے ہر وقت اس کا خطرہ رہتا ہے کہ گو ہم اپنے لئے نہیں لیتے پھر بھی لیتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اب استاذ مکرم کو بھروسا رہتا ہوگا کہ اسے سات روپے ملیں گے اور یہ مجھے دے گا اور پھر اس سے میرا فلاں فلاں کام چلے گا لینے سے انکار کرتے بھی نہیں بنتا۔ شبینہ کیسا ہے جو ایک دن میں چند حفاظ مل کر ختم کرتے ہیں۔

الجواب

مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اُجرت لینے سے بچیں آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنّت وحصولِ ثواب کے لئے پڑھتا ہُوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہُوں نہ ہوگا اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اُجرت نہیں ہوسکتی اس کا لینا حلال اور استاذ کو دینا سعادتمندی۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: الصریح یفوق الدلالۃ[1] (صریح کو دلالت پر فوقیت ہے۔ ت) شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصاً اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرعاً شرعی شریک رہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: اذا ام احدکم الناس فلیخفف[2] (جب تم میں کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو تخفیف سے کام لے۔ ت) اور ارشاد فرمایا: لایسأم حتی تسأموا[3] (اللہ تعالٰی ثواب میں کمی نہیں فرماتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷۷: از اوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحی صاحب مدرس ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح کے ہر چار رکعت پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۲/۱۵۹

[2] صحیح البخاری باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۷

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ،، دارالفکر بیروت ۶/۲۴۷

چاہئے یا صرف تسبیح بلا ہاتھ اٹھائے پڑھے ؟

الجواب

تسبیح میں ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت، ہاں کوئی دعا مانگے تو ہاتھ اٹھائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۰۱: از کلکتہ مانک تلہ حاجی زکریا لین ۱ مرسلہ شیخ روشن علی صاحب ۳ شوال ۱۳۳۷ھ

ایک شخص جو اپنے کو اہلسنت سے کہتا ہے اس کا قول ہے کہ نماز تراویح کے اندر دو چیزیں ہیں ایک قراءت قرآن مجید کی جو کہ فرض ہے اور دوسری تراویح سنتِ مؤکدہ۔ جب نماز تراویح میں قرآن شریف پڑھا گیا تو دونوں مذکورہ بالا چیزوں سے ایک ادا ہوئی ایک باقی رہ گئی ہے یعنی تراویح سنت مؤکدہ کا ثواب تو حاصل ہوا مگر قراءت کے ثواب سے محروم رہ گیا جو کہ فرض ہے اس لئے جماعت کے لوگ بعد نماز تراویح کے بیٹھ جائیں کسی سے قرآن شریف سُن لیں تاکہ دونوں ثواب حاصل ہوجائیں، کیا یہ قول زید کا صحیح ہے ؟

الجواب

زید کا قول محض باطل اور دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے، تراویح سنتِ مؤکدہ ہے صرف ایک آیت کا پڑھنا ہر نماز میں ہر مصلی پر ہر وقت میں فرض ہے تمام قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز خاص رمضان شریف میں فرض ہو یہ جہل محض ہے، جب تراویح پڑھیں اور ان میں قرآن عظیم پورا پڑھا سنا دونوں سُنتیں ادا ہوگئیں دونوں کا ثواب بعونہ تعالٰی مل گیا بعد تراویح بیٹھ کر پھر قرآن مجید پورا سننا فرض درکنار نہ واجب نہ سنتِ مؤکدہ نہ غیر مؤکدہ۔ اگر کوئی کرے تو ایک مستحب ہے جیسے اور اوقات میں تلاوت اور اسے فرض یا واجب یا مؤکد سمجھنا حرام و بدعت، اور وہ قرآن کریم کہ تراویح میں پڑھا گیا اسے ناکافی سمجھنا سخت جہالت ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ردالمحتار میں ہے :

قراءۃ الختم فی صلٰوۃ التراویح سنۃ، وصححہ فی الخانیۃ وغیرھا، وعزاہ فی الھدایۃ الی اکثر المشایخ، وفی الکافی الی الجمھور، وفی البرھان، وھو المروی عن ابی حنیفۃ والمنقول فی الاٰثار[1]

تراویح میں ختم قرآن سنت ہے، خانیہ وغیرہ میں اسی کو صحیح کہا ہے، ہدایہ میں اس کی نسبت اکثر مشائخ کی طرف کی ہے، کافی میں جمہور کی طرف کی ہے اور برہان میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے آثار میں منقول ہے۔ (ت)

کافی وہندیہ میں ہے :

السنۃ فی التراویح انما ھو الختم

تراویح میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے تو قوم

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۶

مرۃ فلایترك لکسل القوم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم
کی سُستی اور کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۹: از قصبہ کاشی پور محلہ قاضی باغ ضلع نینی تال مسؤلہ جناب شیخ اللہ بخش و محمد وزیر خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کے اندر جو ایک سو چودہ سورتیں ہیں اگر حافظ قرآن تراویح میں ہر سُورہ میں بسم اللہ شریف پڑھے تو جائز ہے یا نہیں، یا کیا نفع نقصان ہے؟ ایک شخص یہاں پر ہر سُورہ میں بسم اللہ شریف ظاہر کرکے پڑھتے ہیں تو اُن پر اعتراض واجب ہے یا نہیں؟ ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہر سورہ میں بسم اللہ شریف پڑھتے ہیں ہم نے کسی حافظ اور عالم کو ظاہر کرکے بسم اللہ پڑھتے ہُوئے نہیں دیکھا۔

الجواب

نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنا منع ہے صرف تراویح میں جب ختم کلام مجید کیا جائے سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک کسی ایک سورہ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پُورا ہو، ہر سورۃ سے آواز سے پڑھنا ممنوع ہے اور مذہب حنفی کے خلاف۔ گنگوہ وغیرہ کے بعض جاہلوں نے جو اس کے خلاف فتوٰی دیا ہے حماقت وجہالت ہے والتفصیل فی رسالتنا وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح (اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح" میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۰: از دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسؤلہ عبدالرحیم ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح حافظ کے نہ ہونے سے سورۂ الم ترکیف سے پڑھی جائیں بیس رکعت، لیکن اس طریق سے کہ ایک ایک رکعت میں ایک سورۃ دوسری میں قل ھو اللہ یہاں تک کہ بیس رکعت میں نو سورہ الم ترکیف سے اور گیارہ سورہ قل ہو اللہ پڑھی جائیں مگر گیارھویں رکعت میں جبکہ سورۂ اذاجاء پڑھی جائے اور بارھویں میں قل ہو اللہ تو ایک سورہ تبت بیچ میں رہ جاتی ہے اور اسی طرح سے جب انیسویں رکعت میں قل ہو اللہ اور بیسویں میں ناس تو فلق رہ جاتی ہے اس صورت میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ دونوں صورتیں وجہ کراہت ہوں گی کہ بیچ میں چھوٹی سُورت کا چھوڑ دینا مکروہ ہے یہ آسان ہے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۷

دش رکعتوں میں سُورۂ فیل سے سورۂ ناس تک پڑھے پھر انھیں کا اعادہ کرے،

اما ما فی الدرالمختار، ولایکرہ فی النفل شیئ من ذلک[1] فمع قطع النظر عما اورد علی ھذہ الکلیۃ لم یثبت ان النفل ھھنا یشمل السنۃ المؤکدۃ بل ھو مقابلھا وقد قالہ فی الدرالمختار قبیلہ، وفی الحجۃ یقرأ فی الفرض بالترسل حرفا حرفا وفی التراویح بین بین وفی النفل لیلا لہ ان یسرع بعد ان یقرأ کما یفھم[2] اھ وفی الغنیۃ الاصح کراھۃ اطالۃ الثانیۃ علی الاولٰی فی النفل ایضا الحاقا لہ بالفرض فیما لم یرد فیہ التخصیص من التوسعۃ کجوازہ قاعدا بلاعذر ونحوہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم

درمختار میں جو ہے کہ ان میں سے کوئی شَے نوافل میں مکروہ نہیں، تو اس پر واردشدہ اعتراض سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل سنّتِ مؤکدہ کو بھی شامل ہے بلکہ وہ اس کے مقابل ہے، اس سے تھوڑا پہلے درمختار میں یہی بات کہی، حجہ میں ہے کہ فرائض میں قرأت آہستہ آہستہ حرف حرف پڑھے اور تراویح میں ترسل و اسراع کے درمیان درمیان اور رات کے نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکتا ہے جو سمجھ آسکے اھ۔ غنیہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ نوافل میں بھی دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر طویل کرنا مکروہ ہے یہ حکم نفل کو فرض کے ساتھ ان امور میں ملحق کرنے کی بنا پر ہے جن میں نفل کے لئے تخصیصِ وسعت وارد نہیں ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۱: از مین پوری مسؤلہ حکیم محمد احمد صاحب علوی شب ۱۰ ارشوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ شبینہ پڑھنا یعنی ایک شب میں قرآن مجید ختم کرنا تراویح یا تہجد یا نفل میں جائز ہے یا نہیں اور جو شخص اس طرح پر کہ نہایت صحت اور قواعد کے ساتھ صاف صاف پڑھتا ہے اُس کی اقتدار میں اگر کچھ لوگ ذوق و شوق اور خلوص و ہمّت سے داخل ہو کر شرکت کریں تو ان مقتدیوں اور امام کی بابت کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ شبینہ مطلقاً ناجائز ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ حرام ہے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں کبھی نہیں ہُوا، اور یہ جو بعض بزرگوں کی نسبت مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے ایک رات میں اتنے اتنے ختم کئے بالخصوص حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت وہ محض خصوصیات میں اُن کا یہ

---

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۱
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۱/ ۸۰
[3] غنیۃ المستملی کراھیۃ الصلوٰۃ فصل فی بیان مایکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۵۶

فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہے، بکر کہتا ہے کہ نفسِ شبینہ جائز اور مباح ہے بلکہ بزرگانِ دین کا معمول ہے یہ اور بات ہے کہ اگر منہیاتِ شرع اس میں شامل ہوں یا لوگ اُس کو اچھی طرح نہ سنیں بلکہ اُس وقت بیٹھے باتیں کریں یا حقہ اور چائے پینے میں مشغول رہیں یا قرآن مجید ایسا غلط اور جلد جلد پڑھا جائے کہ سمجھ میں نہ آئے تو بیشک ایسی صورت ناجائز ہوگی بلکہ ایسی صورت اگر تراویح میں واقع ہو تو تراویح کے لئے کیا حکم نہ ہوگا کیا نفسِ تراویح ان عوارض کی وجہ سے ناجائز ٹھہرے گی؟ زید کہتا ہے شبینہ پڑھنے والے اور سننے والے کو پانسو جُوتے لگانے چاہئیں، امسال رمضان مبارک ۱۳۳۹ھ میں ہم چند مسلمانانِ مین پوری نے اپنے اپنے ذوق وشوق سے چند حافظ بلوائے جو نہایت عمدہ اور صاف پڑھنے والے تھے سب نے مل کر نفل نماز میں ستائیسویں شب کو ایک قرآن مجید ختم کیا جس میں نہ منہیاتِ شرعیہ تھے نہ کسی پر بار ہوا سب نے نہایت مستعدی اور سکون سے سنا اس پر زید کو بہت غصہ آیا زید امام جامع مسجد ہے انھوں نے بالاعلان ہم سب مسلمانوں پر اسی جامع مسجد میں بعد نماز مغرب مصلے پر کھڑے ہو کر ماں بہن کی گالیاں دیں اور کہا شبینہ سُننا اور وہاں جانا سب گناہ ہے کوئی شبینہ کو جائز ثابت کر دکھائے تو پچاس روپیہ دُوں گا ایسے شخص کی نسبت جو اس قسم کے سب وشتم مسلمانوں کو دے بازاری اور فحش کلمات اس کے زبان زد رہتے ہوں اور مسلمانوں کو جو اس کے مقتدی نہیں ماں بہن کی گالیاں دے، چنانچہ اسی بنا پر وہ کل مقتدی اُس سے ناخوش ہوں اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

فقیر ۲۹ شعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدتِ گرما گزارنے کو پہاڑ پر آیا ہوا ہے وطن سے مہجور اپنی کُتب سے دُور، لہذا زیادہ شرح وبسط سے معذور مگر حکم مسئلہ بفضلہ تعالٰی واضح ومیسور۔ شبینہ فی نفسہٖ قطعاً جائز وروا ہے اکابر ائمہ دین کا معمول رہا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر افترا ہے، امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیس برس کامل ہر رات ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الحافظ الذہبی قد تواتر قیامہ باللیل وتہجدہ وتعبدہ، ای ومن ثم کان یسمی بالوتد لکثرۃ قیامہ باللیل، بل احیاہ بقراءۃ القراٰن فی رکعۃ ثلٰثین سنۃ[1]

حافظ ذہبی نے فرمایا کہ آپ کا قیام اللیل، تہجد اور تعبد تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو وتد (کیل) کہا جاتا کیونکہ آپ کے قیامِ لیل میں کثرت تھی بلکہ آپ تیس سال تک رات کو ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کرتے (ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲

بلا دلیل شرعی کسی حکم کو بعض عباد سے خاص مان لینا جزاف ہے اور یہ کہنا کہ اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں ادب کے خلاف محض لاف ہے، ان کا فعل حجت نہ ہوگا تو کیا زید و عمرو کا ہوگا! جواہر الفتاوی امام کرمانی پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

انما یتمسك بافعال اھل الدین۔[1] اہل دین کے افعال سے تمسک کیا جائے گا (ت)

علمائے کرام نے فرمایا ہے سلف صالحین میں بعض اکابر دن رات میں دو ختم فرماتے بعض چار بعض آٹھ، میزان الشریعۃ امام عبدالوہاب شعرانی میں ہے کہ سیدی علی مرصفی قدس سرہٗ نے ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم فرمائے[2] آثار میں ہے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بایاں پاؤں رکاب میں رکھ کر قرآن مجید شروع فرماتے اور دہنا پاؤں رکاب تک نہ پہنچتا کہ کلام شریف ختم ہوجاتا۔ بلکہ خود حدیث میں ارشاد ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے گھوڑے زین کرنے کو فرماتے اور اتنی دیر سے کم میں زبور یا توراۃ مقدس ختم فرمالیتے۔ توراۃ شریف قرآن عظیم سے حجم میں کئی حصے زائد ہے

والحدیث رواہ احمد والبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال خفف علی داؤد القراٰن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقرأ القراٰن من قبل ان تسرج دوابہ۔[3]

امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث شریف روایت کی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالٰی نے تلاوت آسان فرمادی تھی آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین رکھی جاتی تو آپ زین رکھنے سے پہلے زبور تلاوت کرلیتے۔ (ت)

یہ سب روایات اور ان سے زائد ہماری کتاب "الفیوض المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" میں ہیں ان افعال کریمہ کو حجت نہ ماننا کیسی گستاخی ہے، جاہل وہ کہ اُسوت اور حجت میں فرق نہ جانے، ہم ان میں اقتدار پر قادر نہیں مگر وہ حجتِ شرعیہ ضرور ہیں کہ فی نفسہٖ یہ فعل حسن ہے کراہت یا ممانعت اگر آئے گی تو عوارض

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر فی الغناء نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

[2] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان بعض ما اطلعت علیہ من کتب الشریعۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۹

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء قول اللہ آتینا داؤد زبورا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۵

سے، اور وہ یہاں پانچ ہیں :

اوّل عدمِ تفقہ یعنی جلدی کی وجہ سے معانیٔ قرآن کریم میں تفکر و تدبر نہ ہو سکے گا، اصل وجہ منصوص فی الحدیث یہی ہے سنن دارمی وابی داؤد و ترمذی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

لم یفقہ من قرأ القراٰن فی اقل من ثلاث[1] جس نے تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے سمجھ کر نہ پڑھا۔

یہ وجہ صرف نفیِ افضلیت کرتی ہے جس سے کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ولہذا عالمگیری میں کراہت شبینہ کے قول کو بصیغۂ ضعف و مرجوحیت نقل کیا

حیث قال افضل القراءۃ ان یتدبر فی معناہ حتی قیل یکرہ ان یختم القراٰن فی یوم واحد[2] یہاں الفاظ یہ ہیں کہ افضل قرأت یہ ہے کہ اس کے معانی میں تدبر ہو حتی کہ یہ کہا گیا ہے کہ ایک دن میں ختم قرآن مکروہ ہے۔ (ت)

اقول پھر یہ بھی ان کے لئے ہے جو تفکر معانی کریں یہاں کے عام لوگ کہ کتنا ہی دیر میں پڑھیں تفکر سے محروم ہیں اُن کے لئے دیر بے سُود ہے اور وہ مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ اسی لئے مقصود ہے اُن کے لئے معتدل جلدی ہی کا افضل ہونا چاہئے کہ جس قدر جلد پڑھیں گے قرأت زائد ہو گی اور قرآن کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں سَو کی جگہ پانسو حرف پڑھے تو ہزار کی جگہ پانچ ہزار نیکیاں ملیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من قرأ حرفا من کتاب اللّٰہ فلہ حسنۃ و الحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الٓمّ حرف ولکن الف حرف ولام حرف و میم حرف[3] رواہ الدارمی والترمذی و صححہ عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔ جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس نیکیاں، میں نہیں فرماتا کہ الٓمّ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اسے دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب القراءۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۱۵

اور ہر ثواب فہم پر موقوف نہیں، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رب عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کی : اے میرے رب ! کیا چیز تیرے بندوں کو تیرے عذاب سے نجات دینے والی ہے ۔ فرمایا : میری کتاب ۔ عرض کی : یارب بفہم او بغیر فہم اے میرے رب ! سمجھ کر یا بے سمجھ بھی ۔ فرمایا : بفہم و بغیر فہم سمجھ کر اور بے سمجھے ۔

دوم کسل ، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں : ان اللہ لایسأم حتی تسأموا[1] بیشک اللہ تعالٰی ثواب دینے میں کمی نہیں فرماتا جب تک نہ اکتاؤ ۔

اقول یہ وجہ عام عوام کو عام ہے اور احکام فقہیہ میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے کما بیناہ فی رسالتنا کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین و رسالتنا جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالے کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین اور اپنے رسالے جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور میں بیان کیا ہے ۔ ت) مگر اس وجہ کا مفاد صرف کراہت تنزیہی ہے ، علماء نے تصریح فرمائی کہ کسلِ قوم کے سبب تراویح میں قرآن نہ چھوڑیں ۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے :

الختم مرۃ سنۃ ولا یترک الختم لکسل القوم[2] ایک دفعہ ختم قرآن سنّت ہے لہذا اسے قوم کی سُستی کی بنا پر ترک نہ کیا جائے (ملخصاً) (ت)

اگر کراہت تحریم ہوتی اُس سے احتراز احترازِ سنت پر مقدم رہتا اور مکروہِ تنزیہی جواز و اباحت رکھتا ہے نہ کہ گناہ و حُرمت کما حققناہ فی رسالتنا جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ میں اس کی تحقیق کی ہے ۔ ت)

سوم ہذرمہ گھاس کاٹنا ۔ درمختار میں ہے :

یاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشہد[3] (بان یاتی بالدعوات بحر ، ش) الا ان یمل امام اور مقتدی ہر شفع میں ثنا پڑھیں اور امام تشہد پر اضافہ کرے (بایں طور کہ دعائیں پڑھے ، بحر ، ش)[4] مگر قوم اکتا جائے تو صلوٰۃ پڑھ لے اور

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/ ۲۴۷

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۸

[3] " " " ۱/ ۹۹

[4] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷

القوم فیاتی بالصلوات ویترك الدعوات و یجتنب المنکرات ھذرمۃ القراءۃ وترك تعوذ وتسمیۃ وطمانینۃ وتسبیح و استراحۃ[1]

اور دعائیں ترک کردے، ممنوعات سے اجتناب کرے مثلاً بہت زیادہ تیز قرأت کرنا، تعوذ وتسمیہ کو ترک کرنا، اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہ کرنا، تسبیح اور جلسۂ استراحت کا ترک کرنا۔ (ت)

بعض لوگ ایسا جلد پڑھتے ہیں علیم یا حکیم، یعقلون، تعلمون غرض لفظ ختم آیت کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نفس سنت کا فانی اور بدعت شنیعہ اور اساءت ہے۔

چہارم ترک واجبات قراءۃ مثل مد متصل، یہ صورت گناہ ومکروہ تحریمی ہے۔

پنجم امتیاز حروف متشابہ مثل ث س ص، ت ط، ز ذ ظ وغیرہا نہ رہنا، یہ خود حرام و مفسد نماز ہے مگر ہندوستان کی جہالتوں کا کیا علاج، حفاظ وعلماء کو دیکھا ہے کہ تراویح درکنار فرائض میں بھی اس کی رعایت نہیں کرتے، نمازیں مفت برباد جاتی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شبینۂ مذکورۂ سوال کہ ان عوارض سے خالی تھا اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جماعت نفل میں تداعی نہ ہوئی ہو کہ مکروہ ہے۔ مسلمانوں کو فحش گالیاں دینا خصوصاً ماں بہن کی خصوصاً مسجد میں سخت فسق ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی[2] رواہ احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وحسنہ و ابن حبان والحاکم فی صحیحھما عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلمان نہیں ہوتا بہت طعنہ کرنے والا بہت لعنت کرنے والا نہ بے حیا فحش گو۔ اسے امام احمد، بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی نے اسے حسن کہا۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

خصوصاً جو اس کا عادی ہے اُس کے سخت فاسق معلن ہونے میں کلام نہیں اُسے امام بنانا گناہ ہے اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یأثمون[3] (اگر فاسق کو امامت کے لئے مقدم کردیا تو تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ ت)

---

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی اللعنۃ 〃 امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹

[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ 〃 سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے : لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً[1] (کیونکہ اس کی امامت کے لئے تقدیم میں تعظیم ہے حالانکہ شرعاً اس کی اہانت لازم ہے ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۲ از گھوسی ضلع اعظم گڑھ محلہ کریم الدین پور مرسلہ جامع فنون عقلیہ ونقلیہ فقیہ ملت مولٰنا حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی رحمۃ اللہ علیہ مصنف بہارِ شریعت ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والابرکت دامت برکاتہم بعد سلام ونیازِ غلامانہ معروض حافظ نے تراویح میں فاتحہ اور سورۃ توبہ کے درمیان اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار الخ بالجہر قصداً پڑھا اب دریافت طلب امر ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں ؟ اور ہوئی تو کیسی ؟ اگر نماز واجب الاعادہ ہو تو ان دونوں رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ختم کے پورا ہونے میں اُس کا اعادہ بھی ضرور ہے یا کیا ؟

الجواب

سورۃ توبہ شریف کے آغاز پر بجائے تسمیہ یہ تعوذ محدثاتِ عوام سے ہے شرع میں اس کی اصل نہیں، خیر بیرونِ نماز اُس میں حرج نہ تھا۔ رہی نماز اگر سُورۃ فاتحہ کے بعد ہی سُورۃ توبہ شروع کی اور اس سے پہلے وُہ اعوذ پڑھی تو نماز مکروہِ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی کہ واجب ضم سورۃ بوجہ فصل بالاجنبی ترک ہوا مگر اعادہ تراویح سے اعادہ قرآن لازم نہیں یہ جب تھا کہ تراویح باطل ہوجاتی اور اگر فاتحہ کے بعد کچھ آیات انفال پڑھ کر توبہ شروع کی اور اُس سے پہلے وہ تعوذ پڑھا تو اگرچہ کراہت تحریم ووجوب اعادہ نہیں مگر جماعت تراویح میں مثل جماعت فرائض وواجبات یہ فعل مکروہ وخلافِ سنت ضرور ہے اور اس کا جہر سے پڑھنا اور زیادہ نادانی وقلت شعور ہے اُن دو رکعتوں کا اعادہ اولٰی ہے قرآن عظیم کے اعادہ کی اصلاً حاجت نہیں۔ درمختار میں ہے :

الامام لایشتغل بغیر القراٰن وما ورد حمل علی النفل منفرداً[2]۔ امام قرآن کے علاوہ میں مشغول نہ ہو اور جو دعائیں وغیرہ منقول ہیں وُہ اس صورت پر محمول ہیں جب اکیلا آدمی نفل پڑھ رہا ہو۔(ت)

ردالمحتار وحلیہ میں ہے :

اما الامام فی الفرائض فلما ذکرنا من انہ فرائض میں امام کا معاملہ تو وہی ہے جو ہم ذکر کرآئے

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۴

[2] درمختار فصل یجہر الامام " مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یفعلہ فیھا، وکذا الائمۃ من بعدہ الٰی یومنا ھذا فکان من المحدثات، ولانہ تثقیل علی القوم فیکرہ، واما فی التطوع فان کان فی التراویح فکذلک[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں ایسا فعل نہیں کیا اسی طرح آپ کے بعد آج تک ائمہ نے بھی نہیں کیا تو اب اس کے خلاف کرنا بدعت ہوگا، اور دوسرا یہ بھی ہے کہ قوم پر ثقل ہوگا لہذا مکروہ ہے رہا معاملہ نوافل کا تو اگر تراویح میں تو وہاں بھی یہی حکم ہے الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۳: از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کہے کہ نماز تراویح میں قرآن شریف کے سننے سے ذکرِ ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سُننا اچھا ہے، آیا یہ شخص غلطی پر ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر کریں۔

الجواب

اگرچہ قرآن عظیم وتہلیل وتکبیر وتسبیح وذکر شریف حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب ذکرِ الٰہی ہیں کہ ورفعنالک ذکرک کی تفسیر میں حدیث قدسی ہے:

جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی[2]

یعنی رب العزت عزوعلا اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمھیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جس نے تمہارا ذکر کیا اُس نے میرا ذکر کیا۔ (ت)

مگر قرآن عظیم اعظم طرق اذکار الٰہیہ ہے حدیث قدسی میں ہے سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں رب عزوجل فرماتا ہے:

من شغلہ القرآن عن ذکری ومسألتی اعطیتہ افضل من اعطی السائلین، وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام

جسے قرآن عظیم میرے ذکرودعا سے روکے یعنی بجائے ذکرودُعا قرآن عظیم ہی میں مشغول رہے اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں اور کلام اللہ کا فضل

---

[1] رد المحتار فصل فی القرأۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۴۵

[2] کتاب الشفاء الفصل الاول من الباب الاول مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ دولت عثمانیہ ترکی ۱/۱۵

کفضل اللّٰہ علی خلقہ[1] رواہ الترمذی وحسنہ۔

سب کلاموں پر ایسا ہے جیسا اللہ عزوجل کا فضل اپنی مخلوق پر۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔ (ت)

خصوصاً تراویح کا ایک ختم کہ سنّتِ جلیلہ ہے اور مجلس میلاد مبارک عمل مستحبات، اور سنّت مستحب سے بلاشبہہ افضل، ہاں اگر کسی شخص کے لئے کوئی عارض خاص پیدا ہو تو ممکن کہ ذکر شریف سُننا اُس کے حق میں قرآن مجید سننے بلکہ اصل تراویح سے بھی اہم وآکد ہوجائے مثلاً اس کے قلب میں عدو رجیم نے معاذ اللہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کچھ وساوس ڈالے اور ایک عالم دین مجلس مبارک میں ذکر اقدس فرما رہا ہے اُس کا سننا اس وساوس کو دور کرے گا اور دل میں معاذ اللہ معاذ اللہ اُن کے جم جانے کا احتمال ہے تو قطعاً اس پر لازم ہوگا کہ ذکر شریف میں حاضر ہوکہ محبت وتعظیم حبیب کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اصل کار و مدارِ ایمان ہے، معاذ اللہ یہ نہ ہو تو پھر نہ قرآن مفید نہ تراویح نافع، نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کا سوال کرتے ہیں۔ ت)

مسئلہ ۱۰۸۴: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھرا مرسلہ مولوی مہدی صاحب ۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ درماہِ رمضان المبارک جماعت وتر نمودن وہر روز از جماعتِ موجودہ بیروں رفتن شرعاً جائز است یانہ وتارکِ جماعتِ وتر را فاسق وفاجر وغیرآں خواندہ شود یانہ، حسبِ شرع چہ حکم ست۔ بیّنوا توجروا۔

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ماہِ رمضان میں جماعتِ وتر میں شرکت نہ کرنا اور ہر روز جماعتِ موجودہ سے باہر چلا جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وتر کی جماعت کے تارک کو فاسق وفاجر وغیرہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کا حکم کیا ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب

جماعتِ وتر نہ واجب ست نہ مؤکد ودر ترک او ہیچ بزہ کاری نیست بلکہ اختلاف در انست کہ افضل جماعت ست یا وتر تنہا گزاردن فی الدرالمختار ھل الافضل فی الوتر

جماعتِ وتر نہ واجب نہ سنّتِ مؤکدہ، اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جماعت افضل ہے یا تنہا وتر ادا کرنا۔ درمختار میں ہے کہ کیا وتر جماعت کے ساتھ افضل

---

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۶

[2] سنن الدارمی باب فضل کلام اللہ تعالٰی الخ حدیث ۳۳۵۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/۳۱۷

الجماعۃ ام المنزل تصحیحان[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم
ہیں یا گھر پر تنہا پڑھنا، دونوں قولوں کی تصحیح ہوئی ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۵: از موضع خورد مئو ڈاک خانہ بدو سرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ کچھ قید ہے کہ نمازِ وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ اخلاص ہی ضم ہو دوسری سورۃ نہ ہو؟

الجواب

کوئی قید نہیں اختیار ہے جو سورۃ چاہے پڑھے یا چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۶: از مولوی عبد اللہ صاحب مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

وتروں میں مشابہ سے دعائے قنوت بھول جانے پر کیا پڑھنا چاہئے؟ اور ایسی حالت میں سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب

ہر دعا پڑھنے سے واجبِ قنوت ساقط ہوجاتا ہے، ہاں اگر بالکل کوئی دعا بھول کر نہ پڑھی تو سجدۂ سہو کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۷: از شہر مراد آباد محلہ مغلپورہ حصہ اول مرسلہ مولٰینا مولوی سید اولاد علی صاحب ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں کے مسبوق کو اپنے فوت شدہ رکعت میں قنوت پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

مسبوق کی اگر وتر کی تینوں رکعتیں فوت ہوئیں اخیر میں قنوت پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی ملی ہے اگرچہ تیسری کے رکوع ہی میں شامل ہوا تو اب باقی نماز میں قنوت نہ پڑھے گا۔ درمختار میں ہے:

المسبوق فیقنت مع امامہ فقط ویصیر مدرکا بادراک الرکوع الثالثۃ[2] واللہ تعالٰی اعلم
مسبوق امام کے ساتھ صرف قنوت پڑھے اور وہ تیسری رکعت کا رکوع پانے سے مدرک ہوجائیگا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۹

[2] " " " " " " " " ۱/۹۴

مسئلہ ۱۰۸۸: مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا حکم ہے اہلِ شریعت کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وتر کی تیسری رکعت میں بعد الحمد و قُل کے تکبیر کہہ کر دعائے قنوت کے بدلے میں تین۳ بار قل ھو اللہ شریف پڑھ لیتا ہے اور دعائے قنوت اُس کو نہیں آتی ہے پس اُس کی نماز وتر کی صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وُہ ہر روز سجدۂ سہو کر لیا کرے تو نماز وتر اُس کی صحیح ہو جایا کریگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نماز صحیح ہو جانے میں تو کلام نہیں، نہ یہ سجدۂ سہو کا محل کہ سہواً کوئی واجب ترک نہ ہوا، دعائے قنوت اگر یاد نہیں یاد کرنا چاہئے کہ خاص اُس کا پڑھنا سنت ہے اور جب تک یاد نہ ہو اللّٰھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھ لیا کرے، یہ بھی یاد نہ ہو تو اللّٰھم اغفرلی تین بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آتا ہو تو صرف یارب تین۳ بار کہہ لے واجب ادا ہو جائے گا، رہا یہ کہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب ادا ہُوا کہ نہیں، اتنے دنوں کے وتر کا اعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ادا ہوگیا کہ وُہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے

بل قال العلامۃ القاری وغیرہ من العلماء کل دعاء ذکر وکل ذکر دعاء[1] وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الدعاء الحمد للہ۔ رواہ الترمذی[2] وحسنہ والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم وصححہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما ھذا ولیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔

بلکہ علامہ علی قاری اور دیگر علماء نے فرمایا ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے سب سے افضل دُعا الحمد للہ ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح کہا اسے محفوظ کرلو اور غور کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب ثواب التسبیح والتحمید الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/ ۱۱۲

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۳

مستدرک علی الصحیحین باب افضل الذکر الخ " دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۸

اجتناب العمال عن فتاوی الجہال

(قنوتِ نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوٰی کا رَد)

مسئلہ ۱۰۸۹ تا ۱۰۹۵ از شہر دمن علداری رنگیز مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۲۶ جمادی الاُخرٰی ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہابی نے اوّل چند رسائل عقائد وہابیت و گستاخی شان معظمان دین پر مشتمل طبع کئے جس پر علمائے بمبئی وغیرہ نے ۱۳۱۲ھ میں اُس کی وہابیت پر فتوٰی دیا اُس نے باصرار جماعت اہلسنّت مجبور ہوکر اپنے تحفظ کے لئے ربیع الاول ۱۳۱۴ھ اُس وقت ایک پرچہ باظہار توبہ چھاپ کر شائع کردیا جب اہلسنّت اُس کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو اُس نے اپنے اُسی زمانہ سابق وہابیت کی تحریرات سے ایک تحریر حال کی بناکر ظاہر کی جس کا تاریخی نام "ضروری سوال" لکھا ہے جس سے وہی ۱۳۱۳ھ پیدا ہے اگرچہ آخر میں ۱۳۱۵ھ لکھ دیا ہے اس تحریر پر وہ طالب مباحثہ ہے اور چند شرائطِ بحث لکھے ہیں وُہ تحریر خاص اُس کے قلم کی لکھی ہُوئی مع توبہ نامہ و شرائط مباحثہ حضرات علمائے اہلسنّت کے ملاحظہ میں حاضر کرکے چند امور کا استفسار ہے:

(۱) اس تحریر میں جو حکم اُس نے قرار دیا کہ نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا وقت فتنہ وفساد وغلبۂ کفار جائز و باقی وغیر منسوخ ہے اور باقی کسی سختی مثل طاعون و وبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں، یہ حکم تفصیلی ہمارے ائمہ کا ہے یا اُس کا اپنا اختراع ہے۔

(۲) طاعون یا وبا کے لئے قنوت ماننے کو کذب وبہتان بتانا علمائے کرام وفقہائے اعلام کی شان میں گستاخی ہے یا نہیں؟

(۳) اس تحریر کے مضامین والفاظ وطرزِ بیان و املاو انشا سے اس شخص کا بے علم وجاہل ومنصب فتوٰی کے ناقابل ہونا ظاہر ہے یا نہیں۔

(۴) اگر ظاہر ہے تو نااہل کو مفتی بننا حلال ہے یا حرام اور اس کے فتوے پر عوام کو اعتماد چاہئے یا نہیں؟

(۵) اُس نے اس تحریر میں جو سندیں تقریر میں لکھی ہیں اگر ان سے اُس کا مطلب ثابت نہیں تو آیا یہ امر صرف اُس کی جہالت و بے علمی سے ہے یا کہیں بددیانتی اور عوام کو فریب دہی بھی پیدا ہوتی ہے؟

(۶) جو اس تحریر ضروری سوال کو صحیح و درست بتائے وہ جاہل و نافہم ہے یا نہیں؟

(۷) شرائطِ مباحثہ جو اُس نے لکھے ہیں وہ اُس کے اگلے اشتہار توبہ کے خلاف ہیں یا نہیں اور اُس سے اُس کی قدیم وہابیت کی بُو پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

اللھم لك الحمد تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں، ضروری سوال میں جو حکم اختیار کیا محض خلافِ تحقیق ہے ہمارے ائمہ کرام کی تصریحاتِ کتبِ متون دیکھئے تو عمومًا یہ ارشاد ہے کہ غیر وتر میں قنوت نہیں ان میں وقتِ غلبۂ کفار کا بھی کہیں استثنا نہیں اور اگر تحقیقاتِ جمہور شارحین پر نظر ڈالئے تو مطلقًا نازلہ کے لئے قنوت لکھتے ہیں خاص فتنہ وغلبۂ کفار کی ہرگز قید نہیں لگاتے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لا یقنت عندنا فی صلٰوۃ الفجر من غیر بلیۃ فاذا وقعت فتنۃ اوبلیۃ فلا باس بہ[1]۔

یعنی امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا نمازِ فجر میں ہمارے یہاں قنوت نہ ہونا اُس وقت ہے کہ کوئی بلاو مصیبت نہ ہو جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلا واقع ہو تو نمازِ صبح میں قنوت پڑھنا مضائقہ نہیں۔

شرح نقایہ برجندی میں ہے: فی الملتقط قال الطحاوی فذکر نحوہ[2] یعنی امام ناصر الدین محمد سمرقندی نے ملتقط میں امام طحاوی کا قول مذکور نقل فرمایا۔ بحرالرائق میں ہے:

وفی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام[3] الخ۔

یعنی علامہ شمنی نے شرح نقایہ میں بحوالہ غایہ امام سروجی بیان کیا کہ اگر مسلمانوں پر (معاذ اللہ) کوئی سختی آئے تو امام قنوت پڑھے الخ

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی صلٰوۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰

[2] شرح نقایہ برجندی فصل الوتر 〃 نولکشور لکھنؤ ۱/۱۳۰

[3] بحرالرائق شرح کنزالدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴

منحۃ الخالق میں ہے:

كذا فی شرح الشيخ اسمعيل لكنه عزاه الى غاية البيان ولم اجد المسألة فيها فلعله اشتبه عليه غاية السروجی لغاية البيان لكنه نقل عن البناية ما نصه اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلوٰة الجهرية وقال الطحاوی لايقنت عندنا فی صلوٰة الفجر فی غير بلية اما اذا وقعت فلا باس به اھ[1]

یعنی اسی طرح یہ مسئلہ شرح شیخ اسمٰعیل للدرر والغرر میں ہے انھوں نے اُسے غایۃ البیان علامہ اتقانی کی طرف نسبت کیا مگر مجھے غایۃ البیان میں نہ ملا، شاید غایۃ سروجی سے اشتباہ ہوا لیکن اس نے بنایہ سے نقل کیا جس کی عبارت یہ ہے جب کوئی سختی آئے تو امام جہری نماز میں قنوت پڑھے، اور طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک فجر میں بلا مصیبت نہ پڑھے تاہم جب مصیبت نازل ہو تو حرج نہیں اھ۔

اور انھیں نے غایۃ امام عینی سے نقل کیا کہ جب کوئی سختی واقع ہو امام قنوت پڑھے اور امام طحاوی کا وہی ارشاد ذکر فرمایا ۔ اُسی میں ہے:

(قوله ولهما انه منسوخ) قال العلامة نوح أفندی هذا على اطلاقه مسلم فی غير النوازل واما عند النوازل فی القنوت فی الفجر فينبغی ان يتابعه عند الكل لان القنوت فيها عند النوازل ليس بمنسوخ على ماهو التحقيق كما مر الخ[2]

یعنی علامہ نوح آفندی نے فرمایا جب حنفی کسی شافعی کے پیچھے نمازِ فجر پڑھے تو بغیر کسی نازلہ کے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ وہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے لیکن بلاؤں کے وقت صبح میں ہمارے سب اماموں کے ہاں مقتدی کو باتباعِ امام قنوت پڑھنا چاہئے کہ تحقیق یہی ہے کہ سختیوں کے وقت نماز صبح میں قنوت منسوخ نہیں۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

فی فتح القدير ان مشروعية القنوت للنازلة مستمرة لم تنسخ[3]

یعنی فتح القدیر میں ہے کہ سختی کے لئے قنوت پڑھنے کی شرعاً اجازت برابر چلی آئی ہے منسوخ نہ ہوئی۔

اُسی میں ہے:

ذكر فی السراج الوهاج قال الطحاوی[4] الخ

سراج الوہاج میں امام طحاوی کا وہ ارشاد ذکر کیا کہ کوئی بلا آئے تو قنوت فجر میں حرج نہیں۔

---

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

[2] " " " " " " " ۲/ ۴۵

[3] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۹۲-۲۶۱

[4] " " " " " " ۲/ ۹۳-۲۶۲

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں غایۃ سروجی کا کلام نقل کرکے مثل علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ فرمایا :

فتکون مشروعیتہ مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم بعد وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی الخ[1]

یعنی سختیوں کے وقت قنوت کا مشروع ہونا باقی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بعد وفات اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو قنوت پڑھی اُس کا موقع یہی ہے یعنی سختی کے وقت پڑھتے تھے ، ہمارا اور جمہور ائمہ کا یہی مذہب ہے ، امام طحاوی فرماتے ہیں کوئی فتنہ یا بلا ہو تو قنوت میں مضائقہ نہیں ۔

حاشیہ مراقی السید الطحطاوی میں ہے :

قولہ وھو محمل الخ ای حصول نازلۃ قولہ وھو مذھبنا ای القنوت للحادثۃ[2]

اس کا قول "وہ موقع ہے الخ" یعنی سختی کے وقت ۔ اس کا قول "وہ ہمارا مذہب ہے" یعنی کسی سختی کے واقع پر ۔ (ت)

درمختار میں ہے :

لایقنت لغیرہ الا لنازلۃ[3] یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے مگر کسی سختی کے لئے ۔

فتح اللہ المعین حاشیہ کنز للعلامۃ السید ابی السعود الازہری میں امام طحاوی کا ارشاد مذکور کہ کسی بلا کے وقت قنوتِ فجر میں حرج نہیں نقل کرکے فرمایا :

وظاھرہ انہ لوقنت فی الفجر بلیۃ انہ یقنت قبل الرکوع حموی[4]۔

یعنی علامہ سید احمد حموی نے فرمایا امام طحاوی کے اس ارشاد سے ظاہر یہ ہے کہ اگر کسی بلا کے سبب نمازِ فجر میں قنوت پڑھے تو رکوع سے پہلے پڑھے ۔

طحطاوی حاشیہ در میں ہے :

قال العلامۃ نوح بعد کلام قدمہ فعلی

یعنی علامہ نوح نے ایک کلام ذکر کرکے فرمایا تو اس

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " " " " " " " " "

[3] درمختار باب الوتر والنوافل " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[4] فتح اللہ المعین " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۲

هذا لایکون القنوت فی صلوٰۃ الفجر عند وقوع النوازل منسوخا بل یکون امرا مستمرا ثابتا ویدل علیہ قنوت من قنت من الصحابۃ بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیکون المراد بالنسخ نسخ عموم الحکم لانسخ نفس الحکم قال فی الملتقط قال الطحاوی الخ (ثم قال) قال بعض الفضلاء ھو مذھبنا وعلیہ الجمھور[1]۔

تقدیرِ بلائیں اُترتے وقت نمازِ فجر میں قنوت منسوخ نہ ہوگی بلکہ باقی وثابت ہوگی اور اس کی دلیل صحابہ کا بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قنوت پڑھنا ہے تو ہمارے علماء جو قنوتِ فجر کو منسوخ بتاتے ہیں اس کی مراد یہ ہے کہ سختی وغیر سختی ہر صورت میں قنوت کا عموم منسوخ ہوگیا نہ یہ کہ قنوت رہا ہی نہیں ملتقط میں ہے امام طحاوی نے فرمایا کوئی فتنہ یا بلا ہو تو فجر میں قنوت پڑھ سکتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

ردالمحتار میں عباراتِ بحر و شرنبلالی و شرح شیخ اسمٰعیل و بنایہ و اشباہ و غایہ و غنیہ ذکر کرکے فرمایا: قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلٰوۃ الفجر[2] سختی کے لئے قنوت ہمارے نزدیک نمازِ فجر سے خاص ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال الخطابی فیہ دلیل علی جواز القنوت فی غیر الوتر قلت لکن یقید بما اذا نزلت نازلۃ وحینئذ لاخلاف فیہ[3]۔

یعنی نمازِ فرض میں قنوت خاص اس صورت میں ہے جب کوئی سختی اُترے اُس وقت اُس میں خلاف نہیں،

کلام یہاں مسئلہ قنوت نوازل اور اس کے اجماعی یا خلافی ہونے کے بحث میں نہیں۔

وقد تقدم عن الشرنبلالی والحلبی و نوح أفندی والطحطاوی بنسبۃ الی الجمھور المشعرۃ بحصول خلاف و افاد الامام ابن الھمام فی الفتح وتبعہ الحلبی فی الغنیۃ ان قنوت النوازل امر

پہلے شرنبلالی، حلبی، نوح آفندی اور طحطاوی سے جمہور کی نسبت گزرا جو اختلاف کی طرف مشعر ہے، امام ابن ہمام نے فتح میں اور حلبی نے ان کی اتباع میں غنیہ میں کہا کہ قنوتِ نازلہ اجتہادی معاملہ ہے اور دونوں طرف کے دلائل

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۸۳

[2] ردالمحتار مطلب فی قنوت النازلۃ ؍؍ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت، الفصل الاول ؍؍ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۷۹

مجتہد فیہ وذکر کلام الناظرین۔ ذکر کئے۔(ت)

کلام اس میں ہے کہ **اولاً** ان سب عبارات میں نازلہ بلیۂ حادثہ سب لفظ مطلق ہیں کسی میں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی تخصیص نہیں نازلہ ہر سختی زمانہ کو کہتے ہیں جو لوگوں پر نازل ہو۔ اشباہ میں ہے:

قال فی المصباح النازلۃ المصیبۃ الشدیدۃ تنزل بالناس انتہی وفی القاموس النازلۃ الشدیدۃ انتہی وفی الصحاح النازلۃ الشدیدۃ من شدائد الدھر تنزل بالناس[1] انتہی

مصباح میں ہے کہ قنوت نازلہ اس وقت پڑھی جائیگی جب لوگوں پر شدید قسم کی مصیبت نازل ہو انتہی قاموس میں ہے نازلہ کا معنی شدیدۃ انتہی، صحاح میں ہے کہ نازلہ اسے کہتے ہیں جو شدائد دہر میں لوگوں پر نازل ہوں انتہی۔(ت)

خود مصنفِ ضروری سوال کو اقرار ہے کہ عند النازلۃ (سخت مصیبت کے وقت۔ت) کی قید سے ہر سختی سمجھی جاتی ہے باایں ہمہ برخلاف اطلاقاتِ علماء اپنی طرف سے خاص فتنہ وفساد وغلبۂ کفار کی قید لگانا اور کہنا کہ "ہر ایک نازلہ نہیں" کلامِ علماء میں تصرف بیجا ہے۔

ثانیاً "میں اطلاق سے احتجاج کرتا ہوں کلمات علماء میں صاف تعمیم موجود ہے عامہ عبارات مذکورہ دیکھئے لفظ نازلۃ یا بلیۃ نکرہ موضع شرط میں واقع ہوا کہ اگر کوئی سختی یا کسی قسم کی بلا آئے تو نمازِ فجر میں قنوت پڑھے یہ صراحۃً ہر مصیبتِ ناس کو عام ہے" لما نصوا ان النکرۃ فی حیز الشرط تعم" (کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ نکرہ شرط کے تحت ہو تو عام ہوتا ہے۔ت) تو زید کا ان کے معنی میں وہ حکم لگا دینا کلماتِ علماء کا بگاڑنا بدلنا ہے۔

ثالثاً ابن حبان نے اپنی صحیح بالتقاسیم والانواع میں بطریق ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سعید و ابی سلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الصبح الا ان یدعوا لقوم او علی قوم[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔

فتح القدیر وغنیہ ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا، وھو سند صحیح[3] یہ سند صحیح ہے۔ خطیب بغدادی

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۶۲-۹۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی ؍ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۸۲

[3] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ۳/۱۸۲

نے کتاب القنوت میں بطریق محمد بن عبد اللہ الانصاری ثنا سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایقنت الا اذا دعا لقوم او دعا علی قوم۔[1]

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے یا کسی قوم پر دعا فرمانی ہوتی۔

کتب ثلٰثہ مذکورہ میں ہے: ھذا سند صحیح قالہ صاحب تنقیح التحقیق[2] یہ سند صحیح ہے صاحب تنقیح التحقیق نے اس کی تصریح کی۔ امام زیلعی نصب الرایہ میں یہ دونوں حدیثیں ذکر کرکے فرماتے ہیں:

قال صاحب التنقیح وسند ھذین الحدیثین صحیح وھما نص فی ان القنوت مختص بالنازلۃ۔[3]

یعنی صاحب تنقیح نے کہا ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے اور ان میں صاف تصریح ہے کہ قنوت وقت مصیبت کے ساتھ خاص ہے۔

یہ دونوں حدیثیں بھی مطلق ہیں ان میں کوئی تخصیص فتنہ وغلبۂ کفار کی نہیں اور شک نہیں کہ مثلاً رفع طاعون، دفع وبا، زوالِ قحط کے لئے دعا بھی "دعا لقوم" کے اطلاق میں داخل کہ یہ بھی مسلمانوں کے لئے دعائے نفع ہے، تو صحیح حدیثوں سے اس کا جواب ثابت ہوا۔

فان اعتل بحمل المطلق علی المقید، قلنا لیس ھذا محلہ فان ذکر واقعۃ عین داخلۃ فی اجمال بیان لا یحصرہ فیھا عند احد علی انہ انما ھو مسلک الشافعیۃ وانت تظھر من نفسک الاعتماد علی مذھب الحنیفۃ وقد انبأت فی غضون کلامک انک ھھنا بصدد اثبات مذھبھم وصرحت فی اٰخر الرسالۃ انھا علی اصول مذھب

اگر کوئی یہ علت بیان کرے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا گیا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اس حمل کا محل ہی نہیں اگر کوئی مخصوص الیسا واقعہ ذکر کرے جو بیانِ اجمال میں داخل ہو تو اس بات کا حصر مخصوص واقعہ میں کسی کے ہاں درست نہیں، علاوہ ازیں یہ شوافع کا مسلک ہے حالانکہ آپ مذہب حنفیہ پر اعتماد کا اظہار کررہے ہیں، آپ کی یہ گفتگو آگاہ کررہی ہے کہ آپ احناف کا مذہب ثابت کرنے کے درپے ہیں، حالانکہ آخرِ رسالہ میں آپ نے یہ تصریح کی ہے

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۸۲

[2] " " " " " " " " " "

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ باب احادیث القنوت فی الفجر مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲/۱۳۰

امامنا الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن مقلدیھم اھ بلفظك مع ان الصحیح فی المسئلۃ الاصولیۃ قولنا فقد اقام ائمتنا علیھا براھین لاقبل لاحد بھا فیتم الالزام ولایبقی لاحد مجال کلام۔

یہ رسالہ ہمارے امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ کے اور ان کے مقلدین کے اصولوں پر ہے اھ یہ تمہارے اپنے الفاظ ہیں باوجودیکہ صحیح مسئلہ اصول میں ہمارا قول ہے ہمارے ائمہ نے اس پر ایسے دلائل قائم کئے ہیں کہ کوئی ان پر قیل وقال نہیں کرسکتا، پس الزام تام ہوا اور اس کے بعد کسی کو کلام کی مجال و طاقت نہیں (ت)

رابعًا مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

قال ابن حجر اخذ منہ الشافعی انہ یسن القنوت فی اخیرۃ سائر المکتوبات للنازلۃ التی تنزل بالمسلمین عامۃ کوباء قحط وطاعون اوخاصۃ ببعضھم کاسر العالم اوالشجاع ممن تعدی نفعہ و قول الطحاوی لم یقل بہ فیھا غیر الشافعی غلط منہ بل قنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المغرب بصفین اھ و نسبۃ ھذا القول الی الطحاوی علی ھذا المنوال غلط، اذ اطبق علماءنا علی جواز القنوت عند النازلۃ[1]۔

ابن حجر نے فرمایا کہ امام شافعی نے یہاں سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اس وقت تمام فرائض کی آخری رکعت میں قنوتِ نازلہ پڑھنا سنت ہے جب عام مصیبت مسلمانوں پر مثلاً وبا قحط، طاعون نازل ہو یا خاص مصیبت بعض لوگوں پر نازل ہو مثلاً کسی عالم یا بہادر جس کے نفع کثیر ہوں، کا مقید ہوجانا، اور امام طحاوی کا یہ قول کہ نازلہ میں اس بات کا قول امام شافعی کے علاوہ کسی نے نہیں کیا یہ ان کی طرف سے غلطی ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقامِ صفین پر مغرب کے وقت قنوت پڑھی ہے اھ اور اس قول کی اس طریق پر امام طحاوی کی طرف نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ ہمارے علماء شدید مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پر متفق ہیں۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال الامام النووی القنوت مسنون

امام نووی نے فرمایا فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت سنت

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۷۸

31

31

فی صلوۃ الصبح دائما واما فی غیرھا ففیہ ثلثۃ اقوال والصحیح المشہور انہ اذا نزلت نازلۃ کعدو او قحط او وباء او عطش او ضرر ظاھر فی المسلمین ونحو ذلک قنتوا فی جمیع الصلوات المکتوبۃ والا فلا ذکرہ الطیبی وفیہ ان مسنونیتہ فی الصبح غیر مستفادۃ من ھذا الحدیث[1]

ہے اس کے علاوہ باقی نمازوں کے بارے میں تین اقوال ہیں، صحیح اور مشہور یہ ہے کہ جب کوئی شدید مصیبت آئے مثلاً دشمن کا حملہ، قحط، وبا، پیاس یا کوئی ضرر مسلمانوں پر غالب ہو تو تمام فرائض نمازوں میں قنوت پڑھیں ورنہ نہیں، اس کو طیبی نے ذکر کیا۔ اور اُسی میں ہے کہ اس حدیث سے نماز صبح کے اندر قنوت کی سنیت مستفاد نہیں ہو سکتی۔ (ت)

دیکھو مولٰنا علی قاری نے امام ابن حجر مکی سے تصریح صریح نقل فرمائی کہ جس نازلہ کے لئے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ وباء وقحط وطاعون وغیرہا سب کو شامل ہے، اور امام طیبی سے انھوں نے امام اجل ابوزکریا نووی سے نقل کیا کہ نازلہ میں قحط ووبا وتشنگی وغیرہا سب داخل ہیں اور ان اقوال کو مسلّم ومقرر رکھا اور بعض بیان کہ خلافِ مذہب سمجھے اُن پر اعتراض کردیا اسے برقرار رکھا بلکہ نازلہ کے معنی مذکور نقل کرکے صاف فرمادیا کہ امام طحاوی کی طرف قنوت نازلہ کا انکار اس طرح نسبت کردینا ٹھیک نہیں کہ اُس کے جواز پر تو ہمارے علما کا اتفاق ہے اس سے صاف مفہوم کہ وہی نازلہ جس کے معنی ابھی بیان ہوچکے کہ قحط ووباء وطاعون سب اس میں داخل ہیں اسی کے لئے ہمارے علماء جوازِ قنوت کے قائل ہیں۔

خامساً کیوں راہ دور سے نشان معنی مقصود دیجئے، کلماتِ علماء سے صاف صریح تصریحیں لیجئے، اسی مرقاۃ شریف میں ہے:

قال ابن الملک وھذا یدل علی ان القنوت فی الفرض لیس فی جمیع الاوقات بل اذا نزلت بالمسلمین نازلۃ من قحط وغلبۃ عدو وغیر ذلک[2]

یعنی علامہ ابن ملک نے فرمایا اس حدیث سے ثابت ہے کہ فرض میں قنوت ہمیشہ نہیں بلکہ خاص اس وقت ہے جب معاذ اللہ مسلمانوں پر کوئی سختی آئے، جیسے قحط اور دشمن کا غلبہ وغیرہ۔

علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن محمد مصری نے کتاب الاشباہ میں غایہ وشمنی وفتح کی عبارات کہ نوازل میں قنوت رواہے نقل کرکے فرمایا:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۷۹

[2] " " " " " " " ۳/ ۱۸۱

فالقنوت عندنا فی النازلة ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل[1]۔

یعنی ان عبارات علماء سے ثابت ہُوا کہ ہمارے نزدیک بلا سختی کے وقت قنوت پڑھنا ثابت ہے اور وہ یہی ہے کہ اُس بلا کے دفع کی دعا کی جائے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیۂ نور الایضاح اور علامہ سید محمد دمشقی نے حاشیہ شرح تنویر میں دفع طاعون کے لئے قنوت پڑھنے کی تصریح فرمائی اور انھیں بحر محقق صاحب بحر کا حوالہ دیا ان کی عبارت ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور ثانی نے زیر قولِ شارح مدقق لایقنت لغیرہ الا لنازلۃ (شدید مصیبت کے بغیر قنوت نہ پڑھی جائے۔ت) فرمایا:

قال فی الصحاح النازلة الشدیدة من شدائد الدھر ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ[2]۔

صحاح میں ہے نازلہ اس مصیبت کو کہا جاتا ہے جو شدائد دہر میں سے ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون شدید ترین مصیبتوں میں سے ہے اشباہ (ت)

تنبیہ: ان بیانوں سے چند امر روشن ہُوئے:

اوّل یہ کہ طاعون و وبا اور ان کے مثل ہر بلیہ عامہ کے لئے قنوت صحیح حدیثوں کے اطلاقات سے ثابت ہے تو زید یعنی مصنفِ "ضروری سوال" کا قنوت نوازل کو جائز و ثابت مان کر اُسے بعض نازلہ سے خاص کرنا اور باقی کی نسبت کہنا جب تک شریعت سے کسی کام کی اصل نہ ملے وہ کام یا تو بدعت ہوگا یا گناہ محض بے معنی ہے کیا اطلاقِ احادیث اس شخص کے نزدیک کوئی اصلِ شرعی نہیں کہ اس کے حکم کو بے اصل و گناہ مانتا ہے۔

دوم قنوت طاعون و وبا کو نہ صرف اطلاقات کلام علما بلکہ اُن کی صاف تعمیمیں شامل جن میں خود امام اجل ابوجعفر طحاوی بھی داخل، تو اس کی بنا پر زید کا ادعا کہ "نہ اقوالِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت اور نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین کے اقوال سے، وہ ایک زائد بات ہے" صریح نافہمی ہے۔

سوم اطلاق و عموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص کما بینہ خاتم المحققین سیدنا الجد قدس سرہ الامجد فی کتابہ المستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (جیسا کہ ہمارے والد گرامی خاتم المحققین قدس سرہٗ نے اپنی مبارک کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعا لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱

میں بیان کیا ہے۔ت) مثلاً اس اخیر زمانہ فتن میں طرح طرح کے نشے، قسم قسم کے باجے ایسے پیدا ہوئے جن کی حُرمت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ اقوالِ ائمہ میں، مگر انھیں حرام ہی کہا جائے گا کہ وہ کل مسکر حرام (ہر نشہ آور شئے حرام ہے۔ت) کے عموم اور یہ حدیث یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف[1] (وہ ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے۔ت) وکریمۂ من الناس من یشتری لھو الحدیث[2] (اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔ت) کے شمول واطلاق میں داخل، اب اگر کوئی جاہل کہہ اُٹھے کہ یہ تو تم قیاس کرتے ہو احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین سے ہمارا تمھارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے تو اس سے یہی کہنا چاہئے کہ اے ذی ہوش! یہ قیاس نہیں بلکہ جب ایک مطلق یا عام احادیث وکلماتِ علمائے کرام میں وارد ہے تو اس کے دائرے میں جو کچھ داخل سب کو وُہ حکم محیط وشامل، تو ثابت ہُوا کہ زید کا "ضروری سوال" میں خود ہی یہ سوال قائم کرنا کہ "جب قنوت عندالنازلہ ثابت اور جائز ہوئی تو ہر قسم کی بلا اور مصیبت پر جائز ہونی چاہئے" اور اس کا یہ مہمل جواب دینا کہ "ہمارا تمھارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے توابعین کے اقوال سے" صریح نادانی ہے۔

چہارم اگر صرف یہی اطلاق وعموم احادیث واقوال ائمہ ہوتے تو ثابت کہنے کے لئے کافی تھے ایسے مسئلے کو ہرگز کذب وبہتان نہیں کہہ سکتے، دوسرے دلائل کی نظر سے راجح اور ارجح کا اختلاف دوسری بات ہے مگر آپ اوپر سُن چکے کہ طاعون ووبا وقحط وغیرہا کے لئے قنوت کی صاف صریح تصریحیں امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم شریف (جن کی جلالتِ شان پر علمائے جمیع مذاہب حقہ کا اجماع ہے) اور امام جلیل شرف الدین حسن بن محمد طیبی شارح مشکوٰۃ و امام شہاب الحق والدین احمد بن حجر مکی ہاشمی و علامہ عبداللطیف بن عبدالعزیز شہیر با بن فرشتہ از اجلہ علمائے حنفیہ ومحقق فقیہ زین بن نجیم مصری عمدہ حنفیہ ومولٰنا علی محمد سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی و فاضل جلیل سید احمد مصری طحطاوی حنفی و عالم نبیل سید محمد آفندی شامی حنفی نے فرمائیں اور امام ابن حجر مکی نے اسے امام مجتہد عالم قریش سیدنا امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا تو مصنفِ "ضروری سوال" کا قول کہ "طاعون یا وبا کے لئے قنوت ثابت نہیں وُہ ایک قسم کا کذب اور بہتان ہے اگر خطاءً ایسا کلمہ بے موقع کسی سے سرزد ہو جائے جنابِ الٰہی میں توبہ واستغفار جلد کرلے" محض کذب و بہتان اور ان ائمۂ کرام وعلمائے اعلام کی جناب میں گستاخی وتوہینِ شان ہے، زید پر لازم ہے کہ اپنی اس خطا اور بے موقع کلمے سے جنابِ الٰہی میں توبہ واستغفار کرے اگر بالفرض باطل یہ قنوت نوازل صرف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہوتا اور ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بالاتفاق اس سے انکار فرماتے تو غایت یہ کہ یہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاشربہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷ [2] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

اختلافیہ اور ہمارے مذہب کے خلاف ہوتا، اسے کذب و بہتان کہنا اس حالت میں بھی حلال نہ تھا نہ کہ اس صورت میں کہ خود ہمارے ائمہ وعلماء کے بھی اطلاق وعموم وخصوص سب کچھ موجود، اور اگر اسے خصوص نقل فعل کا منکر ٹھہرائیے تو اولاً تو یہاں اس کا محل نہیں کہ اس خصوص کا مدعی کون تھا جس کے رَد میں زید یہ الفاظ لکھتا۔

ثانیاً اوپر واضح ہوچکا کہ عدم نقل فعل نہ زید کو مفید نہ اس کے مخالف کو مضر، تو اس کا ذکر محض فضول و نادانی ہے بالجملہ آفتاب کی طرح واضح ہُوا کہ زید نے اس تحریر "ضروری سوال" میں نہ ہمارے متون مذہب کے ظاہر پر عمل کیا نہ ہمارے شارحین اعلام کا قول لیا بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا فتوٰی گھڑدیا۔

بلی قد وقع ما یوھمہ فی کلام بعض ائمۃ الحدیث فی تقریر مذھب الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی کلام بعض ائمتنا فی توجیہ مذھب بعض الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم ثم لم یعتمدہ ولاجعلہ مذھب علمائنا ولا ذکرہ فی تقریر کلامھم مع انہ قد اشرنا التعمیم صریحا فیحتمل ان یکون القصر ھھنا وقع وفاقا لاقصدا وایا ما کان فجعل ھذا مذھبا لا سلف لزید فیہ فیما اعلم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

ہاں مذہب امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفصیل کرتے ہوئے بعض ائمہ حدیث کے کلام اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب کی توجیہ کرتے ہوئے ہمارے بعض ائمہ کے کلام میں کچھ ایسی گفتگو واقع ہوئی ہے جو ایسا وہم پیدا کرتی ہے پھر اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا نہ ہمارے علماء کا مذہب ہے اور نہ ہی یہ ان کے کلام میں مذکور ہے باوجودیکہ ان کی عموم پر تصریح منقول ہے لہذا ممکن ہے کہ یہاں قصر اتفاقاً واقع ہوگیا ہو اور حصر مقصود نہ ہو، جو بھی ہُوا اسے ہمارا مذہب بنا دیا گیا میرے علم کے مطابق اس میں زید کے لئے کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

"ضروری سوال" کے اظہار خطا کو اسی قدر بس تھا بے حاجت شرعیہ ناقصوں قاصروں کی جہالتوں سفاہتوں کا شمار اپنا شیوہ نہیں لقولہ تعالٰی واعرض عن الجھلین (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے کہ جاہلوں سے رُوگردانی کیجئے۔ ت) مگر امور متعلقہ بدین میں بعد سوال سائل بیان امر حق ضروری، اور یہاں مصلحت دینی اُس کی طرف داعی کہ جب ایک ایسا بے علم و کم فہم و مشکوک و متہم شخص اپنے آپ کو مفتی و مصنف بنائے ہُوئے ہے اور بعض عوام اسے عالم و قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں تو اس کے پُر جہل و نا اہل ہونے کا آشکارا کرنا اِن شاء اللہ دین عوام کو نافع اور ضلالت وجہالت میں پڑنے کا دافع ہوگا وباللہ التوفیق زید کی ترکیب و بندش الفاظ و انشاء املا میں اگرچہ خطا ہائے فاحشہ موجود ہیں مگر ان سے تعرض داب محصلین نہیں

لہذا انھیں چھوڑ کر اُس کے باقی کثیر و بسیار اغلاط و جہالت سے صرف بعض کا اظہار کیا جاتا ہے :

جہالت ۱ : حدیث مذکور ابن حبان کہ زید کے دعوٰیِ تخصیص کا صاف رَد تھی براہِ نادانی اپنی دلیل بنا کر لکھی اور اس پر فائدہ یہ جما دیا کہ "یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نصرت چاہئے طاعون کے لئے قنوت ثابت نہیں" عقلمند سے پُوچھا جائے کہ اس حدیث میں ظلم کفار کی تخصیص کہاں ہے اور اس کے ذکر نے سوا فرد کے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔

جہالت ۲ : قنوتِ فجر کے بارے میں ہمارے مشائخ کرام تصریح فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے ولہذا حکم دیتے ہیں کہ حنفی اگر فجر میں شافعی کی اقتدا کرے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ منسوخ میں پیروی نہیں، اس قدر پر تو کلماتِ علماء متفق ہیں، ہاں محلِ نظر یہ ہے کہ یہاں عموم نسخ ہے یا نسخ عموم ۔ عموم نسخ یہ کہ نازلہ بے نازلہ کسی حال میں قنوتِ فجر کی مشروعیت باقی نہیں عموماً نسخ ہوگیا ، اور نسخ عموم یہ کہ نازلہ و بے نازلہ ہر حال میں عموماً قنوت کا پڑھا جانا یہ منسوخ ہوا صرف بحالتِ نازلہ باقی رہا ، نسخ عموم پر تو بہت احادیث صحیحہ دلیل ہیں جن کی تفصیل امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمائی اور مسند احمد و صحیح مسلم و سنن نسائی و ابن ماجہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت شہرا یدعو علی احیاء من احیاء العرب ثم ترکہ[1] زاد ابن ماجۃ فی صلٰوۃ الصبح[2] وھو عند البخاری فی مغازیہ بزیادۃ بعد الرکوع و ترک ثم ترکہ[3]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مہینے تک نمازِ صبح میں قنوت پڑھی ، عرب کے کچھ قبیلوں پر دُعائے ہلاکت فرماتے تھے پھر چھوڑ دی ۔ ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا کہ نمازِ صبح میں قنوت پڑھتے تھے ۔ بخاری کے مغازی میں یہ اضافہ ہے کہ قنوت رکوع کے بعد تھی "پھر اسے ترک کردیا" کے الفاظ کو انھوں نے ترک کر دیا۔(ت)

اور صحاح ستّہ میں بضمنِ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ ترک کا سبب نزول آیہ کریمہ لیس لک من الامر شیئ اویتوب علیھم اویعذبھم فانھم ظلمون[4] (آپ کے ہاتھ میں معاملہ نہیں چاہے تو

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۷

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۹

[3] صحیح بخاری باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان " قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶-۵۸۶

[4] القرآن ۳/ ۱۲۸

اللہ تعالٰی ان کی توبہ قبول فرمائے یا انھیں عذاب دے کیونکہ یہ ظالم ہیں۔ ت) ہے، یہاں نظر دو طرف جاتی ہے اگر معنی آیت مطلقاً ممانعت اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترک فرمانا بربنائے ارتفاعِ شریعت ہو یعنی فجر میں قنوت اصلاً مشروع نہ رہی تو عموم نسخ ثابت ہوگا اور اب قنوتِ نازلہ بھی منسوخ ٹھہرے گی، اور اگر معنی آیت اُن خاص لوگوں پر دعائے ہلاکت سے ممانعت ہو کہ اُن میں بعض علم الٰہی میں مشرف باسلام ہونیوالے تھے اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ترک اُنھیں کے بارے میں ہوا نہ مطلقاً تو صرف نسخ عموم ہی ثابت ہو گا اور قنوتِ نازلہ مشروع رہے گی، یہی دونوں نظریں امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر پھر ان کی تبعیت سے علامہ محقق حلبی نے شرح کبیر میں افادہ فرمائیں، ان دونوں کتابوں اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

واذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من رواية ابی جعفر (هو الرازی) و نحوه (کدینار بن عبد الله خادم انس رضی الله تعالٰی عنه ما زال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا) اما علی الغلط (لان الرازی کثیر الوهم قاله ابو زرعة و دینار وقد قیل فیه ما قیل) او علی طول القیام فانه یقال علیه ایضا او یحمل علی قنوت النوازل و یکون قوله (ای قول انس رضی الله تعالٰی عنه) ثم ترك فی الحدیث الاٰخر (المراد فی الصحاح) یعنی الدعاء علی اولئك القوم لا مطلقاً[1] اھ مختصرا مزیدا منی ما بین هلالین۔

جب نسخ ثابت ہو تو اس روایت کو جسے حضرت انس سے ابوجعفر (رازی) یا اس کی مثل دیگر روایات (مثلاً دینار بن عبداللہ حضرت انس کے خادم ہیں) سے مروی ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصال تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے) یا غلطی پر محمول کیا جائے گا (کیونکہ بقول رازی ابوزرعہ کثیر الوہم ہیں، اور دینار کے بارے میں بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ ہی کچھ ہے) یا طولِ قیام پر محمول کیا جائیگا کیونکہ قنوت کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے یا اسے قنوتِ نازلہ پر محمول کیا جائے گا اور ان (حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا قول دوسری حدیث (جو صحاح میں موجود ہے) میں کہ پھر اسے ترک کردیا گیا یعنی قوم کے خلاف دُعا ترک کردی نہ کہ ہر دعا اھ اختصاراً اور میری طرف سے وہ اضافہ ہے جو ہلالین کے درمیان ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۸۲

نیز کتابین مذکورین میں ہے:

فیجب کون بقاء القنوت فی النوازل مجتهدا فیه وذلك ان هذا الحدیث (ای حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه بطریق حماد بن ابی سلیمان وابی حمزة القصاب عن ابراهیم عن علقمة عنه قال لم یقنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الصبح الاشهرا ثم ترکه لم یقنت قبله ولا بعده ولفظ حماد لم یر قبل ذلك ولا بعد) لم یؤثر عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قوله ان لا قنوت فی نازلة بعد هذه، بل مجرد العدم بعدها فیتجه الاجتهاد بان یظن ان ذلك انما هو لعدم وقوع نازلة بعدها تستدعی القنوت فتکون شرعیة مستمرة وهو محمل قنوت من الصحابة بعد وفاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم، او ان یظن رفع الشرعیة نظرا الی سبب ترکه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو انه لما نزل قوله تعالٰی لیس لك من الامر شیئ ترکه۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ اھ بزیادة۔[1]

مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کو باقی رکھنے کے معاملے کو اجتہادی قرار دینا واجب ہے کیونکہ یہ حدیث (یعنی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دو طریقوں سے مروی ہے حماد بن ابی سلیمان، ابوحمزہ قصاب نے ابراہیم سے انھوں نے علقمہ سے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھا پھر آپ نے اسے ترک فرمادیا اس سے پہلے بھی آپ نے قنوت فجر میں کبھی نہ پڑھی اور نہ بعد میں۔ حماد کے الفاظ یہ ہیں کہ اس سے پہلے بھی نہ دیکھا اور نہ بعد میں) اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے کہ شدید مصیبت میں اس کے بعد قنوت نہیں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے بعد محض عدم منقول ہوا لہٰذا اس معاملہ میں اجتہاد ہوگا بایں طور کہ غالب گمان ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی شدید مصیبت ہی نازل نہ ہوئی جو قنوت کا تقاضا کرتی لہٰذا قنوت دائماً جائز ہوگی اور یہی محمل ہے اس قنوت کا جو حضور علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے منقول ہے یا بایں طور کہ گمان یہ ہے کہ اس کا جواز ختم ہونا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ترک کے باعث ہے سبب یہ کہ جب اللہ تعالٰی کا قول لیس لك من الامر شیئ نازل ہو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو ترک کردیا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم اھ بزیادۃ۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب صلوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

روشن علم تو یہ ہے مگر مصنّف "ضروری سوال" کی سخت نافہمی کہ دو متنافی باتوں کو ایک کردیا اور کچھ نہ سمجھا، خود اُسی کا ایک کلام دوسرے کو رَد کردے گا مسلک تو وُہ اختیار کیا کہ قنوتِ نازلہ باقی ہے منسوخ نہیں اگرچہ نازلہ کے معنی خاص فتنہ وفساد وغلبۂ کفار کے لئے، ایک جگہ لکھا عند النازلہ بدعت نہیں مداومت بدعت اور دین میں نیا کام ہے۔ پھر لکھا" دلیل اوپر نسخِ قنوت کے مداومت کے طور پر اور دلیل واسطے جواز قنوت کے عند النازلہ"۔ پھر لکھا مداومت کے طور پر منسوخ اور عند النازلہ غیر منسوخ"۔ اور مزے سے وہی آیۂ کریمہ اور وہی حدیث بحوالہ صحیحین ذکر کرکے کہہ دیا "اسی آیت سے اور حدیث متفق علیہ سے نسخِ قنوت عموماً ثابت ہُوا سوائے قنوت وتر کے"۔ ذی ہوش سے پُوچھا جائے کہ اس حدیث سے کس چیز پر قنوت مذکور تھی، نازلہ پر اور نزولِ آیت کس قنوت کے بارے میں ہوا قنوت نازلہ میں اگر آیت وحدیث سے اس کا نسخ ثابت مانتا ہے تو قنوت نازلہ کہاں باقی رہی، وہی تو صراحۃً ان سے منسوخ ہوئی، یہ طرفہ تماشا ہے کہ وہی منسوخ وہی باقی، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

جہالت ۳ : حدیث طارق اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارہ انکارِ قنوتِ فجر (جس طرح معمولِ شافعیہ ہے) نسائی نے اس طرح روایت کی کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نماز پڑھی کسی نے قنوت نہ پڑھی وُہ بدعت ہے۔[1]

اور ترمذی وابن ماجہ نے یُوں کہ ان کے صاحبزادے سعد ابو مالک نے اُن سے پوچھا آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا: نئی نکالی ہُوئی ہے۔[2]

ایک ہی حدیث مضمون ایک ہی صحابی ایک ہی مخرج، اور مصنّف "ضروری سوال" نے اسے بلفظ اول ذکر کرکے نسائی وابن ماجہ وابن ترمذی سب کی طرف نسبت کیا اور لفظ دوم کو بے نسبت چھوڑ کر کہہ دیا: "ان دونوں حدیثوں میں لفظ بدعت اور محدث کا وارد ہے"۔ ایسی حدیث کو دو حدیثیں کہنا اصطلاحِ فقہا درکنار اصطلاحِ محدثین پر بھی ٹھیک نہیں آسکتا یہ زید کی بے خبری وغفلت ہے۔

جہالت ۴ : قنوت مذکورہ ائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حدیث مذکور سے بدعت بتا کر آگے حاشیہ جمایا: "اور حکم بدعت کا یہ ہے کہ کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" (ہر نو پیدا چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی دوزخ میں جائے گی۔ ت) قطع نظر اس سے کہ

---

[1] سنن النسائی | باب لعن المنافقین فی القنوت | مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور | ۱/ ۱۲۸

[2] جامع الترمذی | باب فی ترک القنوت | " امین کمپنی دہلی | ۱/ ۵۳

سنن ابن ماجہ | باب ماجاء فی القنوت فی صلوٰۃ الفجر | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۸۹

جملہ اولیٰ حکم بدعت نہیں حکم بہ بدعت ہے، اجتہادیاتِ ائمۂ دین کو ایسے احکام کا مورد قرار دیں کیسی بے باکی وجرأت ہے حاشا ائمۂ کرام اہلسنّت کا کوئی مسئلہ ضلالت وفی النار کا مصداق نہیں وہ سب حق وہدایت وسبیلِ جنّت ہے۔

جہالت ۵ تا ۸ : حدیث عاصم بن سلیمٰن ذکر کی :

قلنا لانس بن مالك ان قوما یزعمون ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یزل یقنت فی الفجر فقال کذبوا انما قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھرا واحدا یدعو علی احیاء من احیاء المشرکین۔[1]

اور اس کا ترجمہ کیا "ہم نے پوچھا انس بیٹے مالک سے یہ کہ مقرر ایک قوم گمان کرتی ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے نمازِ فجر میں، سو جواب دیا مالک نے کہ وُہ لوگ اپنے گمان میں جھُوٹے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ قنوت پڑھی آپ نے مہینا ایک، سو بھی بددعا کرنے کو اوپر قبیلوں کے قبیلوں سے مشرکین کے"۔

اوّلاً محاورۂ عرب میں زعم بمعنی مطلق قول بھی شائع یہاں تک کہ صحیح حدیث میں زعم جبریل تک واقع۔

ثانیاً کلام نامحقق یا خلافِ تحقیق بھی مراد ہو تو یہ حکم اس قائل کے نزدیک ہوتا ہے جو اسے بلفظِ زعم تعبیر کرتا ہے اس سے یہ مستفاد نہیں کہ وہ زاعم خود بھی اُسے مشکوک یا مظنون سمجھتا ہے، زید نے زبردستی یزعمون کے معنی یہ بنالئے کہ جو قنوتِ فجر کی بقاکے قائل ہیں خود بھی اُسے شک وگمان کے مرتبے میں جانتے ہیں اور اسی بنا پر کذبوا کا ترجمہ کیا "کہ وُہ اپنے گمان میں جھُوٹے ہیں" یہ نیوجا کر اب اس پر فائدہ جڑا اس حدیث سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ زمانۂ تابعین میں قنوت کا فقط گمان ہی گمان تھا یقینی امر نہ تھا، پس جتنی روایات ان روایات کے مخالف ہیں وہ سب ظنیات ہونی چاہئیں واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ افسوس کہ جو کہنا چاہا تھا وہ بھی کہہ نہ جانا عقلمند سے پُوچھا جائے کہ قائلانِ قنوت مالکیہ وشافعیہ نے کس دن کہا تھا کہ قنوتِ فجر یقینی ہے یا مانعانِ قنوت حنفیہ وحنبلیہ کب کہہ سکتے ہیں کہ عدمِ قنوت قطعی ہے مسائلِ اجتہادیہ دونوں طرف ظنیات ہوتے ہیں پھر یہ کون سا فائدہ آپ نے نکالا اور اس سے بحث میں کیا نفع حاصل ہو۔

ثالثاً اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان قوما یزعمون میں لفظ قوم نکرہ حیزِ اثبات میں ہے جس کا مفاد صرف اس قدر ہوگا کہ کچھ لوگ بطور وہم بقائے قنوت مانتے ہیں اس سے کب لازم ہوا کہ زمانۂ تابعین میں سب قائلانِ قنوت اُسے اسی درج میں جانتے ہیں۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ بحوالہ قصاب باب القنوت فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۸۲
مسند احمد بن حنبل ۳/ ۱۶۷ مسلم شریف ۱/ ۲۳۷ بخاری شریف ۱/ ۱۳۶

جہالت ۹ : حدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن القنوت فی الفجر[1]	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قنوتِ فجر سے منع فرمایا ۔

جس میں تین راوی ضعیف و شدید الضعیف ہیں ذکر کر کے تضعیفِ رواۃ کا جواب دیا کہ "امام صاحب کی تحقیق کو وُہ مانع نہیں ۔

" دوم یہ کہ انس بن مالک نے بدعت اور محدث کہا تو گمان یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس نہی کی ضرور خبر ہو گی اگرچہ بدعت اور محدث کی جگہ لفظِ نہی کا نہ ذکر کیا ہو اور اسی پر اکتفا کیا ، قطع نظر اس سے کہ بدعت یا محدث کے قائل حضرت طارق اشجعی ہیں نہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نو پیدا کہنے سے اس گمان کی راہ کدھر سے ملی ضرور انھیں اس نہی کی خبر ہو گی انھوں نے صراحۃً نو پیدا ہونے کی وجہ ارشاد فرما دی تھی کہ میں نے سیدِ عالم و خلفاءِ کرام صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم سب کے پیچھے نماز پڑھی اے فرزند! وُہ نئی نکلی ہے اس میں نہی پر اطلاع کی بُو بھی نہیں نکلتی نہ کہ اس سے گمان ہو کہ ضرور نہی معلوم ہو گی بلکہ انصافاً اس سے یہی متبادر کہ نہی یا تو واقع ہی نہ ہوئی یا ہُوئی تو انھیں خبر نہ تھی ورنہ عدم فعل کا ذکر نہ کرتے صاف جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اسے منع فرما چکے ہیں جواب مسند میں دلیل اقوی کا ترک کیوں کیا جاتا ۔

جہالت ۱۰ : ایک حدیث کی سند ذکر کی ، عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' اور ترجمہ میں بھی لکھا " اس نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "۔ عالم صاحب کو اتنی خبر نہیں کہ صحابیت درکنار مسعود سرے سے مسلمان ہی نہ ہوا ، جاہلیت میں مرا ۔ اُسے رضی اللہ عنہ میں شامل کرنا کیسی جہالت ' اور دانستہ ہو تو سخت تر آفت ۔

جہالت ۱۱ : آگے لکھا فتح القدیر میں تحت حدیث عبد اللہ بن مسعود کے بیان کیا ہے چنانچہ

لو یکن انس نفسہ یقنت فی الصبح کما رواہ الطبرانی و اذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من روایۃ ابی جعفر اما علی الغلط او علی طول القیام ، فانہ یقال علیہ ایضًا فی الصحیح عنہ علیہ الصلوٰۃ	خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے ' اور جب نسخ ثابت ہو گیا تو وہ روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابو جعفر سے مروی ہے یا تو اسے غلطی پر محمول کیا جائے گا یا طولِ قیام پر

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلوٰۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۹

والسلام افضل الصلٰوۃ طول القنوت ای القیام[1]

کیونکہ حدیث صحیح میں اس پر قنوت کا اطلاق موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں افضل ترین عمل طولِ قنوت یعنی قیام ہے۔ (ت)

قطع نظر اس سے کہ تحت حدیث فلاں یا زیر آیت چناں اہل علم کے محاورہ میں اس معنی پر بولا جاتا ہے کہ اُس آیت وحدیث کی تفسیر وشرح یا اُس کی بحث میں ایسا کہا یہاں مبحوث عنہ حدیث ابی جعفر رازی ہے اُسی کے تحت اُسی کی بحث میں حدیث ابن مسعود و حدیث طبرانی وغیرہما مذکور ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے تحت میں عبارت فتح کا صاف مطلب جسے ہر حرف شناس عربی بے تکلف پہلی ہی نگاہ میں سمجھ لے یہ ہے کہ حدیث ابی جعفر میں جو دوام قنوت مذکور ہوا ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے طولِ قیام مراد ہو کہ لفظِ قنوت اس معنٰی پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو حدیث صحیح میں ارشاد ہُوا کہ بہتر نماز طول قنوت ہے یعنی جس میں قیام دیر تک ہو مصنّفِ "ضروری سوال" ایسی سلیس عبارت کے واضح معنی کو خاک نہ سمجھا لفظ ایضا کو کہ صراحۃً "یقال" کی طرف ناظر تھا اس سے قطع نظر کرکے مابعد سے ملایا اور "ایضا فی الصحیح" کو سند جداگانہ ٹھہرایا و لہذا لفظ "ایضا" پر نشان (-) کہ علامت فصل ہے لگایا اور عبارت کا ترجمہ یُوں فرمایا "کیونکہ وہ لفظ قنوت کا مقرر بولا گیا ہے اوپر طول قیام کے اور بھی بیچ حدیث کے وہ لفظ قنوت کا آیا ہے جو مروی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ افضل ترین نمازوں کی وہ نماز ہے جس میں قنوت یعنی قیام دراز ہو" اس جہالت کی کچھ حد ہے اور ذرا یہ حُسنِ ادا بھی قابلِ لحاظ کہ "بیچ صحیح حدیث کے وہ لفظ قنوت کا آیا ہے" گویا یہاں اس کی بحث تھی کہ حدیث میں کہیں لفظِ قنوت آیا ہی نہیں۔

جہالت ۱۲: اسی عبارت فتح کے آخر میں تھا:

والاشکال نشأ من اشتراك لفظ القنوت بین ما ذکر وبین الخضوع والسکوت والدعاء وغیرھا[2]۔

یہاں اشکال قنوت کے ان معانی میں اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے یعنی مذکورہ شئ (طول قیام)، خضوع، سکوت اور دعا وغیرہ کے درمیان لفظِ قنوت مشترک ہے۔ (ت)

یہاں ماذکر سے مراد وہی طول قیام تھا اور اُس کے معطوفات خضوع وسکوت و دعا وغیرہا یعنی قنوت کا

---

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷
[2] ایضاً

لفظ جبکہ ان سب معانی پر بولا جاتا ہے اس وجہ سے حدیث ابی جعفر میں قائلان قنوتِ فجر کو اشتباہ پیش آیا اس سے دعا سمجھ لئے حالانکہ مراد طولِ قیام تھا کہ ہمیشہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں قیام طویل فرمایا یہ ایسے صاف معنی ہیں کہ عربی کا ہر بتدی بے تامل سمجھ لے، اب مصنف صاحب کا علم دیکھئے عبارت صرف "ماذکر" تک نقل کی اور ترجمہ فرمادیا" اور جو مشکلیں پیدا ہوتی ہیں وہ لفظ قنوت کے مشترک المعنی کے سبب اور وجہ سے درمیان اُس چیز کے جو مذکور ہوئی یعنی اپنے محل پر پورا ہوا ترجمہ فتح القدیر کی عبارت کا"۔ گویا آپ کے نزدیک بین صرف شئے واحد پر داخل ہوتا ہے معطوف کی حاجت ہی نہیں ما ذکر کے معنی یہ کہ اپنے محل پر مذکور ہوتی ہے اسی پر مطلب تمام ہوگیا۔

جہالت ۱۳: سوال قائم کیا" جب نسخ قنوت ثابت ہُوا تو عند النازلہ جواز کہاں رہا" اور اس کے جواب میں لکھا" جواب بصورت اجمالیہ اجماعیہ یہ ہے فی فتح القدیر وتر و نوافل کی بحث میں قولہ ان مشروعیۃ القنوت فی النازلۃ مستمرۃ لم تنسخ[1] الخ تحقیق کے جائز ہونا قنوت کا بیچ وقت سختی منسوخ نہیں" فتح القدیر سے استناد اور قنوتِ نازلہ کے اجماعی ہونے کا ادعا بکف چراغ دارد کا تماشا ہے فتح القدیر کی اسی عبارت میں صراحۃً فرمایا کہ نازلہ میں بقائے قنوت مجتہد فیہ ہے منسوخ ہونا نہ ہونا دونوں طرف نظر جاتی ہے وقد تقدم نصہ فی بیان الجہالۃ الثانیۃ (اس کے الفاظ کا تذکرہ جہالت نمبر۲ میں ہو چکا ہے۔ ت) اسی عبارت منقولہ زید کے بعد بلا فصل فرمایا تھا" وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث[2]" (محدثین کی ایک جماعت نے یہی قول کیا ہے۔ ت) کہاں ایک گروہ محدثین کا قول ہونا اور کہاں اجماع۔

جہالت ۱۴: "جو قنوت دونوں حضرات نے نمازِ فجر میں پڑھی وہ بارادہ اصلاح ذات البین کے تھی نہ بدعا" بددعا نہیں مگر دعائے وصول مکروہ، اور شک نہیں کہ فریقین میں ہر ایک کو اپنی مغلوبی مکروہ ہوتی ہے اور شک نہیں کہ دونوں جماعتیں اپنا غلبہ مانگتی تھیں مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہے:

انہ لما قنت فی صلوۃ الصبح انکر الناس علیہ فقال انما استنصرنا علی عدونا[3]۔

جب اُنھوں نے نمازِ فجر میں قنوت پڑھی تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے دشمن پر مدد مانگی ہے۔ (ت)

---

[1] و [2] فتح القدیر، باب صلوۃ الوتر، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، من کان لایقنت فی الفجر، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳

محررِ مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

قال ابراھیم (ھو النخعی) وان اھل الکوفۃ انما اخذوا القنوت عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنت یدعو علی معویہ حین حاربہ، واما اھل الشام فانما اخذوا القنوت عن معویۃ رضی اللہ عنہ قنت یدعو علی علی رضی اللہ عنہ حین حاربہ قال محمد و بقول ابراھیم ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ[1]

حضرت ابراہیم (نخعی) نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کوفہ نے قنوت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اخذ کی ہے کیونکہ انھوں نے اس وقت قنوت پڑھی جب حضرت معاویہ سے ان کی جنگ ہوئی، اور اہل شام نے حضرت معاویہ سے قنوت اخذ کی ہے کیونکہ وہ بھی جنگ علی رضی اللہ عنہ کے وقت قنوت پڑھا کرتے تھے، امام محمد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے قول پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ (ت)

جہالت ۱۵: "بعید نہیں کہ اُن حضرات نے قنوت اس مضمون کی پڑھی ہو" کہ اللھم اصلح بیننا و بین قومنا فانھم اخواننا بغوا علینا (اے اللہ! ہمارے اور قوم کے درمیان صلح پیدا فرما کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کردی ہے۔ ت) امیر المومنین کی طرف سے یہ قنوت محتمل کیا امیر معٰویہ بھی معاذاللہ امیر المومنین کو باغی کہتے تھے یہ نرا جاہلانہ افترا ہے امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے صاف تصریح بسند صحیح موجود ہے کہ مجھے خلافت میں نزاع نہیں نہ میں اپنے آپ کو مولٰی علی کا ہمسر سمجھتا ہوں،

وانی لاعلم انہ افضل منی واحق بالامر ولکن لستم تعلمون ان عثمٰن قتل ظلما وانا ابن عمہ ولیہ اطلب بدمہ[2] رواہ یحیی بن سلیمن الجعفی استاذ الامام البخاری فی کتاب صفین بسند جید عن ابی مسلم الخولانی۔

میں خوب جانتا ہوں کہ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰے وجہہ مجھ سے افضل واحق بہ امامت ہیں مگر تمھیں خبر نہیں کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظلماً شہید ہوئے ہیں اُن کا ولی اور ابن عم ہوں اُن کا قصاص مانگتا ہوں۔ اسے امام بخاری کے استاد یحیی بن سلیمن الجعفی نے کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ ابومسلم خولانی سے روایت کیا ہے۔

---

[1] کتاب الآثار باب القنوت فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۴

[2] کتاب صفین

جہالت ۱۶: خود ہی سوال میں لکھا "جب قنوت عند النازلہ جائز ہوئی تو ہر مصیبت پر جائز ہونی چاہئے جس طرح قلتِ باراں وسیلاب، زلزلہ، آندھی، امراض مختلفہ خاص کر وبا اور طاعون کہ وہ اشد النازلہ ہے" اور جواب دیا "ہمارا تمہارا قیاس بیکار ہے ان مصیبتوں کے لئے شارع علیہ السلام نے جُداجُدا طریقہ بتادیا اور اُن کا حکم بھی سنادیا چنانچہ کتب فقہ ان سے مملو ہیں الخ" اس کو قیاس بتاتے کی جہالت اوپر مذکور ہوچکی مگر طاعون کو خود "اشد النازلہ" لکھنے سے رہا سہا اور بھی جہل کا پردہ کھول دیا جب قنوت نازلہ ثابت اور طاعون سب سے سخت تر نازلہ ہے تو اس کے لئے بدلالۃ النص قنوت ثابت اور دلالۃ النص سے اثبات کو قیاس بتانا سخت جہالت، اب مصنف "ضروری سوال" کی مثال اس ذی ہوش کی طرح ہے جس سے کہا جائے والدین کو مارنا حرام ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: لاتقل لھما اُف ماں باپ سے "ہوں" نہ کہہ۔ جب ہوں کہنے سے ممانعت ہے تو مارنا اس سے سخت تر ہے بدرجۂ اولٰی منع ہے وہ کہے "ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے" قرآن میں تو کہیں والدین کو مارنے کی ممانعت نہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جہالت ۱۷: قطع نظر اس سے قلت وکثرتِ باراں وسیلاب وزلازل ورِیاح وامراض مختلفہ سب کے لئے جداجدا طریقہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہاں بتایا، اگر اس بیان پر مصنف سے مطالبہ کیا جائے تو خود ہی اپنی جہالت کا اقرار کرنا پڑے، بالفرض جداجدا طریقے ارشاد بھی ہوئے ہوں تو سب کے لئے ایک طریقہ عامہ ہونے کی کیا منافی ہے پھر اس باب سے سوا اپنے اظہار علم اور کیا حاصل ہوا۔

جہالت ۱۸: اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے کہ ۹۹۹ھ نوسوننانوے میں مصر القاہرہ میں لوگوں نے مجھ سے پُوچھا تھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے، سومیں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا، چنانچہ

قولہ سئلت عنہ فی الطاعون سنۃ تسع وتسعین وتسعمائۃ بالقاھرۃ فاجبت بانی لم ارہ صریحا[1]۔

ان کا قول کہ قاہرہ میں مجھ سے طاعون کے وقت قنوت پڑھنے سے متعلق ۹۹۹ھ میں سوال کیا گیا تو میں نے جواباً کہا اس پر تصریح میرے مطالعہ میں نہیں آئی۔ (ت)

صاحبِ اشباہ رحمہ اللہ کا انتقال ہشتم رجب ۹۷۰ھ کو ہوا۔ علامہ حموی شرح اشباہ فن ثانی کتاب الوقف میں نقل فرماتے ہیں:

قد توفی المصنف رحمہ اللہ لثمان مضین

مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات رجب ۹۷۰ھ

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعا لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۹۲-۲۶۱

من رجب سنة سبعين وتسعمائة۔[1] | میں ہوئی (ت)
آپ ۹۹۹ھ کا واقعہ اُن سے لکھوا رہے ہیں حقیقۃً اشباہ میں یہاں سنة تسع وستين وتسعمائة[1] یعنی ۹۶۹ھ نوسو انہتر جسے آپ ۹۹۹ھ بتا رہے ہیں۔

جہالت ۱۹: اور پھر بیان کیا (یعنی صاحبِ اشباہ نے) کہ اگر کوئی قنوت پڑھا چاہے تو اکیلا دو رکعت نماز نفل کی نیت کرکے پڑھے چنانچہ

یقنت للطاعون لانه اشد[عہ۱] النوازل بل ذکرہ[عہ۲] انه یصلی رکعتین فرادی فرادی وینوی رکعتی[عہ۳] لدفع الطاعون۔[2]

قنوت پڑھے واسطے طاعون کے مقررہ وہ بڑی سخت ہے سختیوں سے مگر جماعت سے نہ پڑھے بلکہ پڑھے دو دو رکعتیں اکیلے اکیلے اور نیت کرے دو رکعت نفل کی واسطے دفع طاعون، پورا ہوا حاصل مطلب اشباہ والے کا۔

قطع نظر اس سے کہ یہ عبارت اشباہ کی نہیں بلکہ صاحبِ اشباہ[عہ۴] سے ناقل کی ہے اور اس میں بل ذکر کی ضمیر خود

عہ۱ "ضروری سوال" میں یونہی لکھا اور اسی غلطی کی بنا پر طاعون کو خود ہی اشد النوازل کہا حالانکہ اشباہ میں من اشد النوازل ہے ۱۲ (م)

عہ۲ ھکذا بخطہ وصوابہ بل ذکر ۱۲ (م) | یہ ان کی تحریر ہے اور درست "بل ذکر" ہے (ت)

عہ۳ ھکذا بخطہ وصوابہ رکعتین (م) | یہ ان کی تحریر ہے درست "رکعتین" ہے۔ (ت)

عہ۴ ظاہراً کہیں طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح دیکھنے کو مل گئی اس میں انھوں نے فرمایا تھا:

فی الاشباہ یقنت للطاعون لانہ من اشد النوازل بل ذکر انہ یصلی لہ رکعتین فرادی وینوی رکعتا رفع الطاعون[3]

اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جائے کیونکہ یہ شدید مصائب میں سے ہے بلکہ یہ ذکر کیا کہ دو رکعات الگ الگ ادا کی جائیں اور ان کی نیت طاعون کے دفع کے لئے دو رکعات کی کی جائے۔ (ت)

یہ صاحب اپنی خوش فہمی سے سمجھے کہ یہ سب عبارت فی الاشباہ کے تحت میں داخل ہے ۱۲ (م)

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ فن ثانی، کتاب الوقف مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸

[2] " " " " " " "

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح " باب الوتر " نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

صاحبِ اشباہ ہی کی طرف ہے جسے آپ نے چنانچہ لکھ کر عبارت اشباہ ہونے کا اشعار کیا اور بل ذکر کا مطلب کچھ نہ بنا لہذا اُسے ترجمہ سے خارج کر دیا طرفہ سخت جہالت فاحشہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھنے کے مسئلے کو مسئلہ قنوت کا تتمہ بنادیا کہ "قنوت پڑھنا چاہے تو اکیلا دو رکعت نفل کی نیت کرکے پڑھے" اور اسی لئے اپنی طرف سے ترجمے میں "مگر" تراش لیا کہ "مگر جماعت سے نہ پڑھے" حالانکہ کوئی کم علم بھی عبارتِ اشباہ خواہ عبارت مذکورہ ناقل عن الاشباہ دیکھ کر کسی طرح اس جہالت کا گمان بھی نہ کرے گا، اشباہ میں تو قنوت طاعون ثابت فرما کر نماز طاعون کا مسئلہ ہی جدا شروع فرمایا اور جُداگانہ دلیلوں سے اُس کا ثبوت دیا۔

حیث قال صرح فی الغایۃ بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الفجر فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت ولا شک ان الطاعون من اشد النوازل وفی السراج الوھاج قال الطحاوی لایقنت فی الفجر عندنا من غیر بلیۃ فان وقعت فلاباس بہ کذا فی الملتقط انتھی فان قلت ھل لہ صلوۃ قلت ھو کالخسوف لما فی منیۃ المفتی فی الخسوف والظلمۃ فی النہار واشتداد الریح والمطر والثلج والافزاع وعموم المرض یصلی وحدانا انتھی ولا شک ان الطاعون من قبیل عموم المرض فتسن لہ رکعتان فرادی[1] اھ مختصرا

الفاظ یہ ہیں کہ غایہ میں تصریح ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت اُترے تو امام نمازِ فجر میں قنوت پڑھے، پس بڑی مصیبت کے وقت قنوت ہمارے نزدیک ثابت امر ہے اور بیشک طاعون بڑی مصیبتوں میں سے ہے السراج الوہاج میں ہے کہ طحاوی نے فرمایا کہ بغیر کسی مصیبت کے ہمارے نزدیک فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے اور اگر کوئی مصیبت نازل ہوجائے تو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ملتقط میں ہے انتہی اگر آپ پوچھیں کہ اس کے لئے نماز ہے تو میں کہتا ہوں کہ طاعون کا معاملہ خسوف کی طرح ہی ہے۔ منیۃ المفتی کے باب الخسوف میں ہے کہ سخت تاریکی، شدید طوفان، شدید بارش یا شدید ژالہ باری، شدید خوف یا مرض عام لاحق ہوجائے تو تنہا نماز ادا کریں' انتہی' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون ایسی مرض ہے جو عام لوگوں کو لاحق ہوجاتی ہے لہذا اس کے رفع کے لئے بھی دو رکعات تنہا ادا کرنا سنّت ہوگا اھ مختصراً (ت)

اور ناقل نے بھی بل ذکر لکھ کر اُسے جُدا کر دیا تھا مگر جب آدمی کو سہل سہل عبارات کا ترجمہ سمجھنے کی لیاقت نہ ہو تو مجبور ہے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

جہالت ۲۰ : اس سے بھی سخت تر جہالت یہ کہ صاحبِ اشباہ کا مطلب وہ ٹھہرایا "کہ طاعون میں قنوت کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا" اور عبارت یہ نقل کی کہ یقنت للطاعون جس کا آپ ہی ترجمہ کیا کہ "قنوت پڑھے واسطے دفعِ طاعون کے"۔ کیوں حضرت! کیا یہ حکم نہ ہوا، واقعی جو بزرگوار اپنا لکھا آپ نہ سمجھ سکے پُورا معذور ہے، یہ سرِ دست بیس جہالتیں ہیں، اور شروع کلام میں اولاً سے خامسًا اور اس کے تنبیہ میں اوّل سے چہارم تک جو سخت وجوہ قاہرہ سے "ضروری سوال" کی بطالتیں جہالتیں ثابت کی گئیں انھیں شامل کیجئے تو یہاں تک **۲۹ جہالات شدیدہ** بیان ہوئیں اب **تیسویں جہالت** سب سے بڑھ کر سفاہت ملاحظہ ہو۔ "ضروری سوال" کی ساری محنت وجانکاہی اپنے اس ادعائے باطل کے اثبات کو تھی کہ فتنہ وغلبۂ کفار کے سوا طاعون وغیرہ نوازل کی قنوت کذب باطل وبہتان بے ثبوت وگناہ وبدعت وضلالت وفی النار ہے جو اُسے ثابت مانے اس پر حکمِ تعجیل توبہ واستغفار ہے ساڑھے پانچ ورق کی تحریر میں دس صفحے اسی مضمون میں سیاہ کئے یہ سب کچھ لکھ لکھا کر اب چلتے وقت حاشیہ پر ایک فائدہ کا نشان دیا " **ف** زمانۂ طاعون میں نماز پڑھنے کی ترکیب " اور متن میں لکھا "ھذہ الکیفیۃ لصلوٰۃ الطاعون (یہ نمازِ طاعون کا طریقہ ہے۔ ت) پہلے دل میں نیت کرکے زبان سے کہے نویت ان اصلی للہ تعالٰی رکعتین صلوٰۃ النفل لدفع الطاعون متوجھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللہ اکبر (میں اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے دفعِ طاعون کی خاطر دو رکعات ادا کرتا ہوں اس حال میں کہ میں کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ ت) پھر دوسری رکعت کے آخر رکوع[1] میں جو قنوت ماثورہ[2] ہو پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے، اور اگر ایسی قنوت اس کو یاد ہی نہ ہو تو ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وقنا ربنا عذاب النار پڑھے یہ آیہ وافی ہدایہ جامع جمیع ادعیہ کی ہے"۔ اللہ تعالٰی دلوں کے ارادے سب جانتا ہے، چلتے وُہ اگلا پچھلا لکھا لکھایا بھولنا درکنار یہی یاد نہ رہا کہ "ضروری سوال" کی تحریر کس غرض کے لئے تھی، کس بات کا دعوٰی، کاہے سے انکار تھا، اپنے زعم میں جنت کا راستہ کیا طریق نار تھا خود ہی کذب وبہتان بنانے لگے ضلالت و فی النار کی ترکیبیں بنانے لگے، یارب مگر اسے اختلالِ حواس کے سوا کیا کہئے، طرفہ یہ کہ اُوپر سوال قائم کیا تھا "بارادہ دفعِ طاعون یا وبا کون سی قنوت ہے" اور جواب دیا تھا "کہیں پتا نہیں"۔ اب حکم ہوتا ہے کہ قنوت ماثورہ پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے"۔ اب خدا جانے کہاں سے اُس کا پتا لگ گیا۔ **تصحیف اغلاط یعنی** عبارت کچھ ہے اور پڑھیں کچھ، یُوں تو زیادت ونقص وتبدیل ہر قسم کی خطا اس "ضروری سوال" میں موجود ہے یہیں

---

[1] یہ ترکیب بھی نئی ہے قنوت میں علما مختلف ہیں کہ قبل رکوع ہے یا بعد، آپ فرماتے ہیں خود رکوع میں پڑھے ۱۲ (م)

[2] تحریر زید میں یُونہی ہے جیسے کچہریوں میں پنچ کو پنچ مقبولہ لکھتے ہیں ۱۲ (م)

"قنا ربنا عذاب النار" کو آیت بنا دیا حالانکہ قرآن عظیم میں قنا کے بعد لفظ ربنا کہیں نہیں، من اشد النوازل سے من اڑا کر طاعون کو "اشد النازلۃ" کہا اور اپنے ہی پاؤں پر تیشہ مارا،[1] عبارتِ اشباہ میں سبعین کو تسعین بنایا مگر زیادہ اظہارِ علم کو تصحیفین یہ ہیں شیبان بن فروخ کو اصل عبارت سند اور ترجمہ دونوں میں شیبان بن فوخ[عـــه۱] لکھا یہ نام صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی میں خدا جانے کتنی جگہ آیا ہے اگر یہ کتابیں پڑھی ہوتیں تو ایسی غلطی شائدنہ ہوتی اللھم اشدد وطأتک علی مضر دو جگہ آیا دونوں جگہ وطائک بہمزہ[عـــه۲] بجائے تا بنایا،[2] اور قبیلۂ قارہ کو کہ یہ لفظ بھی دو جگہ وارد ہوا تھا دونوں جگہ صاف فارہ[عـــه۳] بحرف فا بجائے قاف تحریر کیا اور سب میں اخیر کا لطیفہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مناجات مروی ہے:

اللھم لاقابض لما بسطت ولاباسط لما قبضت ولاھادی لما ضللت ولا مضل لمن ھدیت، ولا معطی لما منعت و لامانع لما اعطیت، ولامقرب لما باعدت ولا مباعد لما قربت۔[3]

اے اللہ! جس چیز کو تُو نے کشادہ کیا اسے کوئی سمیٹنے والا نہیں، اور جسے تُو نے بند کر دیا اسے کوئی کھولنے والا نہیں، اور جس کو تُو نے ہدایت دی اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو تُو نے گمراہ کیا اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اور جو تُو نے عطا کیا اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جو تُو نے روک لیا اُسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور جس کو تُو نے دُور کر دیا اس کو قریب کرنے والا کوئی نہیں، جس کو تُو نے قریب کیا اُسے دُور کرنے والا کوئی نہیں۔ (ت)

آپ اُسے لکھتے ہیں اللھم لاقابض لما بسطت ویا باسط لما قبضت۔ اہلِ علم کی غلطی اس طرح کی نہیں ہوتی، اتنا بھی نہ سمجھا کہ یُوں ہوتا تو یا قابضا لما بسطت ویا باسطا لما قبضت نصب کے ساتھ ہوتا نہ بالضم کہ بوجہ حصول معمول کلمۂ شبہ مضاف ہوکر مفرد نہ رہا اور نصب واجب ہُوا کقولک یا طالعا جبلا ویا خیرا من زید، اور یہ جو حدیث نقل کی جس میں یہ مناجات مذکور ہُوئی

عـــه۱ یعنی چُوزہ ۱۲ (م)　　عـــه۲ یعنی نشیب ۱۲ (م)　　عـــه۳ یعنی چُوہا ۱۲ (م)

---

[1] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ الزرقی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۲۴

[2] دُرِ منثور تحت آیت ولکن اللہ حبب الیکم الایمان مطبوعہ منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۶/ ۸۹

[3] کنز العمال غزوۂ اُحد حدیث ۳۰۰۴۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۳

علمائے ناقدین اسے سخت منکر بتاتے ہیں، یہاں تک کہ امام ذہبی فرماتے ہیں: اخاف ان لایکون موضوعا میں ڈرتا ہوں کہیں موضوع نہ ہو۔ خاتم الحفاظ امام جلیل سیوطی جمع الجوامع میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں۔ اغلاط ترجمہ گزری جہالتوں کے بیان میں متعدد جگہ واضح ہُوا کہ زید کو سیدھی سادی عربی سمجھنے اور اُس کا ٹھیک ترجمہ کرلینے کی استعداد نہیں اور میں ایسے ترجموں کا شاکی بھی نہیں کہ ان یدعو لقوم اور علی قوم کے ترجمے میں لکھا: "واسطے دُعا کرنے کے کسی قوم کے لئے یا اوپر بد دعا کرنے کے کسی قوم پر" یا "سندہ صحیح" کا ترجمہ "سند اس حدیث کی بہت صحیح ہے" یا "عن ابی مالک سعد بن طارق الاشجعی" کا ترجمہ "روایت کی مالک سعید بیٹے طارق اشجعی نے"۔ لطیف خوش فہمیوں کے ترجمے وُہ ہیں جن کا بیان جہالات ۵ و ۶ و ۸ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۹ میں گزرا علی الخصوص ثلثہ اخیرہ، اور اسی قبیل سے ہے: اللھم انج الولید بن الولید و مسلمۃ بن ھشام و عیاش بن ابی ربیعۃ و المستضعفین من المؤمنین و غفار غفر اللہ لھا و اسلم سالمھا اللہ[1] کا ترجمہ "اے پروردگار خلاصی بخش ولید اور مسلمہ اور عیاش کو اور ناتواں مومنوں کو اور قبیلۂ غفار کو مغفرت کرے اللہ اُن کی اور قبیلۂ اسلم کو سلامت رکھے اللہ ان کو یعنی شر سے اعدا کے غفار غفر اللہ لھا و اسلم سالمھا اللہ" دو مستقل جملے جداگانہ خبریہ یا دُعائیہ ہیں۔

عہ سالمھا اللہ کا ظاہر ترجمہ اللہ نے اُن سے صلح کی، علیہ درج فی اشعۃ اللمعات وفی الصراح مسالمۃ مصالحۃ وفی القاموس سالما صالحا وفی تاج العروس ومنہ الحدیث اسلم سالمھا اللہ وھو من المسالمۃ و ترک الحرب وفی مجمع البحار اسلم سالمھا اللہ ھو المسالمۃ و ترک الحرب ۱۲ (م)

اسی معنی کو اشعۃ اللمعات میں بیان کیا، اور صراح میں ہے مسالمۃ مصالحۃ کو کہتے ہیں۔ اور قاموس میں ہے سالما کا معنی صالحا ہے۔ اور تاج العروس میں ہے کہ اسی سے حدیث اسلم سالمھا اللہ ہے۔ اس کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے۔ اور مجمع البحار میں ہے اسلم سالمھا اللہ کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے ۱۲ (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶
عمدۃ القاری شرح بخاری " " " " ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۷/ ۲۶

اقول والاول عندی اولی لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسلم سالمہا اللہ وغفار غفر اللہ لہا اما و اللہ ما انا قلتہ ولکن اللہ قالہ[1]۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ واحمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم عن سلمۃ بن الاکوع وابوبکر بن ابی شیبۃ عن خفاف بن ایماء الغفاری وابویعلی الموصلی عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اقول میرے نزدیک پہلا احتمال اولٰی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلم سے اللہ تعالٰی نے مصالحت فرمائی اور غفار کے لئے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی، خبردار! خدا کی قسم میں نے یہ بات خود نہیں کی لیکن اللہ تعالٰی نے فرمائی ہے۔ اس کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام احمد نے اور طبرانی نے کبیر میں اور امام حاکم نے سلمہ بن اکوع اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے خفاف ابن ایماء غفاری سے اور ابویعلٰی موصلی نے ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مصنف "ضروری سوال" نے اپنی نادانی سے غفار و اسلم کو ولید پر معطوف اور انج کے نیچے داخل سمجھا گویا یہ قبائل انصار بھی مثل ولید و سلمہ و عیاش و ضعفائے مومنین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین دستِ کفار میں گرفتار تھے ان سب کی نجات کے لئے دعا فرمائی جاتی تھی حالانکہ یہ حدیث اس حدیث سے جدا ہے صحیح بخاری شریف صفۃ الصلوٰۃ میں بے ذکر غفار و اسلم صرف حدیثِ اول روایت فرمائی اور استسقاء میں کہ اسے اس کے ساتھ روایت کیا صاف فصل بتادیا

حیث قال عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا رفع رأسہ من الرکعۃ الاخرۃ یقول اللھم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اللھم انج سلمۃ بن ھشام اللھم انج الولید بن الولید اللھم انج المستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتک علی مضر

جہاں فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری رکعت سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے اے اللہ! نجات دے عیاش بن ابی ربیعہ کو، اے اللہ! نجات دے سلمۃ بن ہشام کو، اے اللہ! نجات دے ولید بن ولید کو، اے اللہ! نجات دے مومنین میں سے ضعیفوں کو، اے اللہ! تو اپنی سخت گرفت فرما مضر پر، اے

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل غفار و اسلم الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۰۶
مسند احمد بن حنبل حدیث سلمہ بن الاکوع " دار الفکر بیروت ۴/ ۴۸

اللھم اجعلھا سنین کسنی یوسف وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ تعالٰی۔

اﷲ! ان پر قحط مسلط فرما جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط ہوا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: غفار کے لئے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی ہے اور اسلم سے اللہ تعالٰی نے صلح فرمائی ہے۔ (ت)

فتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری میں ہے:

قولہ وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ حدیث اخر وھو عند (البخاری) بالاسناد المذکور کانہ سمعہ ھکذا فاوردہ کما سمعہ زاد العینی وقد اخرجہ احمد کما اخرجہ البخاری[2]

قولہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ یہ دوسری حدیث ہے اور یہ بخاری کے ہاں مذکورہ سند سے ہی مروی ہے، گویا انھوں نے اسی طرح سن کر شامل کرلیا۔ اور عینی نے یہ بات زیادہ لکھی کہ اس کو امام احمد نے بھی تخریج کیا جس طرح اس کو امام بخاری نے تخریج کیا۔ (ت)

ذی ہوش نے یہ بھی نہ دیکھا کہ روایت میں غفار مرفوع ہے نہ منصوب نہ ولید پر عطف کیونکر ممکن **اغلاط روایت** "ضروری سوال" میں واقعہ بئر معونہ بطور خود ذکر کیا جسے بے اصل اغلاط سے بھر دیا، خلاصہ عبارت یہ ہے ایک عامر بیٹا مالک کا دو گھوڑے دو اونٹ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہدیہ لایا حضور نے فرمایا ہم کافر کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، وہ اسلام تو نہ لایا مگر انکار بھی نہ کیا اور بولا اے حبیب خدا! میرے پیچھے ایک قوم ہے آپ چند اصحاب ہمراہ دو تو امید کہ وہ سب مسلمان ہوجائیں، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستر یا چالیس جوان انصار[ع] سے جو سب کے سب قرآن مجید کے حافظ تھے عامر کے ہمراہ کردئے اور ایک راہبر بھی ہمراہ ہولیا ان

ع سب انصاری نہ تھے بعض مہاجر تھے خمیس میں ہے: کان اکثرھم من الانصار واربعۃ من المھاجرین[3] (ان میں اکثر انصار تھے اور چار مہاجرین۔ ت) (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری " " " مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۷/ ۲۶

فتح الباری " " " " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۱۰

ارشاد الساری " " " " " " دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۳۶

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر بن عمرو الٰی بئر معونۃ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

پر منذر کو سردار کیا اور بنام عامر بن طفیل ایک خط لکھوا کر حوالہ منذر کے کر دیا، یہ صحابہ بئر معونہ کے قریب پہنچ کر وہیں قیام کیا پھر ایک شخص کے ہاتھ وہ خط عامر بن طفیل کے پاس بھجوا دیا، جب وہ خط عامر بن طفیل نے پڑھا آگ کا شعلہ بن گیا اور جھپٹ کر خط پہنچانے والے کو قتل کر ڈالا، پھر اپنے تمام حلیفوں اور قبیلوں کی کمک کے ساتھ اُن صحابہ کو قتل کر ڈالا اور منذر کو زندہ قید کر لیا، قطع نظر اس سے **اوّلاً** عامر بن مالک ابو برام نے " اے حبیبِ خدا " ہرگز نہ کہا کہ یہ خاص کلمہ اسلامی تھا۔

ثانیاً " ہمراہ ہو لیا " سے ظاہر یہ کہ بطور خود ساتھ ہو لیا حالانکہ حدیث میں ہے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مُطّلب سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبری کے لئے ہمراہ فرما دیا تھا۔

فقد اخرج الطبرانی من طریق عبد اللہ ابن لھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ قال ثم بعث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المنذر بن عمرو الساعدی وبعث معہ المطلب السلمی لیدلھم علی الطریق الحدیث ذکر فی الاصابۃ فی ترجمۃ المطلب[1]۔

طبرانی نے اس کی تخریج عبد اللہ بن لہیعہ کے طریق سے انھوں نے ابو الاسود انھوں نے عروہ سے روایت کیا، کہا کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منذر بن عمرو الساعدی کو بھیجا اور ان کے ساتھ مطلب اسلمی کو بھی بھیجا تاکہ ان کو راستہ بتائیں، الحدیث۔ اس کو الاصابہ میں مطلب کے عنوان کے تحت ذکر کیا۔ (ت)

ثالثاً فرمانِ اقدس خاص بنام عامر بن طفیل نہ تھا بلکہ رؤسائے نجد و بنی عامر کے نام تھا، خمیس میں ہے: وکتب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مدارج میں ہے: اکثر ایشاں انصار بودند و بعضے از مہاجران[2] (ان میں اکثر انصار تھے اور کچھ مہاجر تھے۔ ت) نیز خمیس میں ہے:

لم یکن القراء المذکورون کلھم من الانصار بل کان بعضھم من المھاجرین مثل عامر بن فھیرۃ مولی ابی بکر الصدیق و نافع بن بدیل بن ورقاء الخزاعی وغیرھما رضی اللہ تعالیٰ عنہم[3]۔

مذکور تمام قراء انصار نہ تھے بلکہ کچھ مہاجر بھی تھے، جیسا کہ عامر بن فہیرہ مولیٰ ابو بکر الصدیق اور نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم مہاجر تھے۔ (ت)

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابۃ بحوالہ الطبرانی ترجمہ عبد المطلب السلمی ۸۰۲۹ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] مدارج النبوۃ سریۂ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۳

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر الیٰ بئر معونۃ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

کتاباً الٰی رؤساء نجد وبنی عامر[1] (اور آپ نے نجد کے رئیسوں اور بنی عامر کے نام خط لکھا۔ ت) مدارج میں ہے:
مکتوبے برؤسائے نجد وبنی عامر نوشت[2]

رابعاً حافظِ قرآن کے اگر یہ معنی کہ قرآن مجید سے کچھ یاد تھا تو اس میں ان صحابہ کی کیا خصوصیت اُنھیں قرّا نام رکھنے کی یہ وجہ نہیں ہوسکتی، اور اگر یہ مراد کہ جس قدر قرآن عظیم اُس وقت اُترا وہ سب اُن سب کو یاد تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ انھیں قرّاء کہنے کی وجہ یہ کہ شب کو درس وتلاوتِ قرآن مجید میں بکثرت مشغول رہتے۔ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: یتدارسون القراٰن باللیل ویصلون[3] (رات کو قرآن اور نماز پڑھتے۔ ت)
عمدۃ القاری کتاب الجہاد باب العون بالمدد میں ہے: سموا بہ لکثرۃ قراءتھم[4] (قرّاء اس لئے انھیں کہا گیا کہ کثرت سے قرآن پاک پڑھتے تھے۔ ت)

خامساً عامر بن طفیل کے خاص اپنے قبیلۂ بنی عامر نے ہرگز کمک نہ دی بلکہ صاف انکار کردیا کہ تیرا چچا عامر بن مالک انھیں اپنی پناہ میں لے چکا ہے ہم اس کا ذمہ ہرگز نہ توڑیں گے۔ مواہب لدنیہ میں ہے:

استصرخ علیھم بنی عامر فلم یجیبوہ، وقالوا لن نخفر ابا براء، وقد عقد لھم عقدا وجوارا[5]۔	عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو عامر قبیلہ کو مدد کے لئے آواز دی پس انھوں نے مدد سے انکار کیا اور انھوں نے صاف کہہ دیا ہم تیرے چچا ابو براء کا معاہدہ نہیں توڑیں گے کیونکہ اس نے ان مسلمانوں کو پناہ دینے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ (ت)

---

[1] تاریخ الخمیس	سریۃ المنذر بن عمرو الٰی بئر معونہ	مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت	۴۵۲/۱
[2] مدارج النبوۃ	سریہ بئر معونہ	؍؍ نوریہ رضویہ سکھر	۱۴۳/۲
[3] صحیح بخاری	کتاب الجہاد	؍؍ قدیمی کتب خانہ کراچی	۴۳۱/۱
صحیح بخاری	کتاب المغازی	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	۵۸۲/۲
مسند احمد بن حنبل	از مسند انس رضی اللہ عنہ	؍؍ دار الفکر بیروت	۲۳۵/۳ و ۲۷۰
شرح الزرقانی علی المواہب	سریہ بئر معونہ	؍؍ دار المعرفۃ بیروت	۷۵/۲
[4] عمدۃ القاری شرح بخاری	باب العون بالمدد	؍؍ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت	۲۱۰/۱۴
[5] مواہب لدنیہ	سریہ بئر معونہ	؍؍ المکتب الاسلامی بیروت	۴۲۶/۱

ف: صحیح بخاری میں یہ حدیث دو جگہوں پر منقول ہے اس میں یتدارسون کی جگہ یحطبون کا لفظ ہے البتہ بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شرح الزرقانی میں موجود ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد سعیدی

سیرت ابن ہشام میں ہے :

استصرخ علیهم بنی عامر فابوا ان یجیبوہ الی مادعاهم الیه وقالوا لن نخفر الی أخر عامر[1]۔

عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو عامر کو اپنی مدد کے لئے پکارا تو انہوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تیرے چچا کا معاہدہ نہیں توڑیں گے الخ (ت)

خمیس میں ہے :

استصرخ عامر بن الطفیل بنی عامر علی المسلمین فامتنعوا وقالوا لا نخفر ذمة ابی براء عمك الخ[2]

عامر بن طفیل نے بنو عامر کو مسلمانوں کے خلاف کارروائی کے لئے آواز دی تو انھوں نے انکار کیا اور کہا تیرے چچا ابو براء کے ذمہ کو نہیں توڑیں گے الخ (ت)

مدارج میں ہے : تمامہ بنی عامر از جنگِ مسلمانان ابا آوردند[3] تمام بنو عامر نے مسلمانوں سے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ت)

سادساً عامر بن طفیل کا حاملِ فرمان اقدس حرام بن ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرنا بھی خلاف تحقیق ہے بلکہ ان کا قاتل اور شخص تھا کہ بعد کو اسلام لے آیا کما رواہ الطبرانی عن ثابت البنانی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه (جیسا کہ طبرانی نے ثابت بنانی سے انھوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ت) اور عدو اللہ عامر بن طفیل کفر پر مرا کما فی صحیح البخاری عن اسحٰق بن ابی طلحة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه (جیسا کہ صحیح بخاری میں اسحٰق بن ابی طلحہ سے انھوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے :

جعل یحدثهم فاومأوا الی رجل فاتاہ من خلفه فطعنه[4]۔

یعنی حرام رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کافروں کو پیام اقدس پہنچاتے اور ان سے باتیں فرما رہے تھے کہ انھوں نے کسی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آکر نیزہ مارا۔ (ت)

امام حافظ الشان عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا : لم اعرف اسم الرجل الذی طعنه[5] مجھے اُس

---

[1] سیرت ابن ہشام — سریہ بئر معونہ — مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/۱۸۵
[2] تاریخ الخمیس — سریہ المنذر الی بئر معونہ — ” موسسۃ شعبان بیروت ۱/۴۵۲
[3] مدارج النبوۃ — سریہ بئر معونہ — ” نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۴۴
[4] صحیح بخاری — غزوۃ الرجیع و رعل وذکوان الخ — ” قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۵۸۶
[5] فتح الباری شرح البخاری — ” ” ” ” — ” مصطفی البابی مصر ۸/۳۹۱

نیزہ مارنے والے کا نام معلوم ہوا ۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے :

فی الطبرانی من طریق ثابت عن انس ان قاتل حرام بن ملحان اسلم و عامر بن الطفیل مات کافرا کما تقدم انتہی من الفتح[1]۔

طبرانی میں ثابت کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حرام بن ملحان کا قاتل مسلمان ہوگیا اور عامر بن طفیل کفر پر مرا جیسا کہ پہلے فتح الباری سے گزرا انتہی۔ (ت)

سابعاً ان سب سے قطع نظر کے بعد اُس میں ایک غلطی یہ ہے کہ "جب وہ خط عامر نے پڑھا آگ بگولہ ہوگیا"۔ کتب سیر میں تصریح ہے کہ اُس خبیث نے فرمانِ اقدس دیکھا تک نہیں۔ سیرتِ ابن اسحٰق وسیرتِ ابن ہشام و مواہب لدنیہ میں ہے : لما اتاہ لم ینظر الی الکتاب[2] (جب اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط ملا تو اس نے خط نہ پڑھا۔ ت)

ثامناً سخت غلطی فاحش یہ ہے کہ "منذر کو زندہ قید کرلیا" حالانکہ منذر رضی اللہ تعالٰی عنہ عین معرکہ میں شہید ہوئے، معالم التنزیل میں ہے :

قتل المنذر بن عمرو واصحابہ الا ثلثۃ نفر کانوا فی طلب ضالۃ لھم[3] الخ

منذر بن عمرو اور اس کے ساتھی شہید ہوئے صرف وہ تین بچے جو ایک گمشدہ کی تلاش میں گئے تھے الخ (ت)

مدارج میں ہے :

تمام اصحاب شہید شدند الا منذر بن عمرو باو گفتند اگر خواہی ترا امان دہیم او امان ایشاں را قبول نہ کرد و با ایشاں مقاتلہ کرد تا شہید شد[4]۔

تمام صحابہ شہید ہوگئے مگر منذر بن عمرو کو انھوں نے کہا اگر تو چاہے تو ہم تجھے امن دیں مگر اس نے ان کا امن قبول نہ کیا اور ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے (ت)

سیرتین ابنائے اسحاق و ہشام میں ہے :

لما رأوھم اخذوا سیوفھم ثم قاتلوھم حتی قتلوا من عند اخرھم یرحمھم اللہ

جب کفار نے مسلمانوں کو دیکھا تو کفار نے ان سے تلواریں چھین لیں اور پھر ان کو شہید کردیا مگر انہوں نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب — سریہ بئر معونہ — مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۷۶

[2] مواہب لدنیہ — " — " المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۶

تاریخ الخمیس — سریہ منذر بن عمرو الی بئر معونہ — " موسسۃ شعبان بیروت ۱/۴۵۳

[3] معالم التنزیل

[4] مدارج النبوۃ — سریہ بئر معونہ — مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۴۴

ف : معالم التنزیل میں منذر بن عمرو کا ذکر دو جگہ (ص ۴۱، و ۳۸۴) پر نظر سے گزرا ہے وہاں یہ عبارت نہیں مل سکی البتہ تاریخ الخمیس میں معالم التنزیل کے حوالے سے بعینہٖ یہی عبارت نقل کی ہے اس لئے تاریخ الخمیس سے حوالہ نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

الاکعب بن زید اخا بن دینار بن النجار فانھم ترکوہ وبہ رمق فارتث من بین القتلی فعاش حتی قتل یوم الخندق شہیدا یرحمہ اللہ۔[1]

کعب بن زید، دینار بن نجار کے بھائی کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا اور لاشوں میں سے وہ زندہ رہے اور بعد میں وُہ اپنی زندگی میں جنگِ خندق میں شریک ہوئے اور وہاں وہ شہید ہُوئے، رحمہ اللہ تعالٰی (ت)

مواہب میں ہے: قتلوا الی اخرھم الاکعب بن زید[2] الخ (انھوں نے سب کو شہید کردیا صرف کعب بن زید زندہ بچے الخ۔ ت) خمیس میں ہے: قتلوا من عند اخرھم الاکعب بن زید[3] الخ (انھوں نے کعب بن زید کے علاوہ سب کو موقعہ پر شہید کردیا الخ۔ ت) خود حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی:

ان اخوانکم لقوا المشرکین فاقتطعوھم فلم یبق منھم احد وانھم قالوا ربنا بلغ قومنا انا قد رضینا ورضی عنا ربنا فانا رسولھم الیکم قد رضوا ورضی عنھم[4] رواہ الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تمھارے بھائی مشرکین سے مقابلہ کرتے ہُوئے شہید ہوگئے ان میں سے کوئی نہ بچا اور انھوں نے شہید ہوتے ہوئے یہ دعا کی کہ اے ہمارے ربّ! ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ھم اللہ تعالٰی سے راضی ہوگئے اور اللہ تعالٰی ہم سے راضی ہوا، حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان کا پیغام تمھیں پہنچا رہا ہُوں کہ وُہ بھی اور اللہ بھی راضی ہوا۔ اس کو حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

فریب دہی عوام جہالت واغلاط کثیرہ کے ساتھ فریب دہی عوام بھی "ضروری سوال" میں ضرور ہے:

فریب ۱: حدیث مذکور ابن حبان ذکر کی جو صراحۃً مطلق تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے نفع یا ضرر کی دعا فرمانی ہوتی تو مصنفِ "ضروری سوال" نے اس کا ترجمہ لکھ کر معاً جوڑ لگادیا "یعنی سوا اس کے پیمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور کسی مصیبت پر قنوت نہیں پڑھتے تھے" جس سے عوام سمجھیں حدیث میں کسی خاص مصیبت کا ذکر ہے اسی کے لئے قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے

---

[1] سیرت ابن ہشام سریہ بئر معونہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۵

[2] مواہب لدنیہ " " المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶

[3] تاریخ الخمیس " " مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[4] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجہاد قول الشہدا ربنا بلغ الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۱۱

باقی بے ثبوت۔ اس مغالطے سے جو فائدہ اٹھانا چاہا اسے یہیں ظاہر بھی کر دیا کہ "اب یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نمازِ فجر میں نصرت چاہے طاعون یا وبا کے لئے قنوت ثابت نہیں" حالانکہ ہر ابجد خواں عربی بتا سکتا ہے یہ محض دھوکا دیا ہے حدیث میں اصلاً کسی مصیبت خاص کا نام نہیں جس کے غیر پر نفی قنوت ہو۔

فریب ۲: قنوتِ نازلہ خود بھی تو غیر منسوخ مانی ہے اگرچہ خاص ایک نازلے میں۔ اب جو اس پر سند پیش کرنی ہوئی تو علامہ طحطاوی وعلامہ شامی ومحقق سامی بحر طامی صاحبِ اشباہ نامی کا دامن پکڑا کہ "چنانچہ حاشیۂ درمختار طحطاوی وشامی والاشباہ والنظائر وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے" حالانکہ اوپر واضح ہو چکا کہ یہ علمائے کرام تو نہ صرف تعمیم نوازل بلکہ خاص طاعون ہی کے لئے قنوت ثابت کرتے ہیں جس کے سبب معاذ اللہ اس شخص کے نزدیک کذب وبہتان میں پڑے ہیں ان کے کلام پورے طور نقل نہ کرنا درکنار جو عبارت اُن کے نام سے نقل کی اُس میں دو کارروائیاں کیں: ایک یہ کہ خود اُن کے ترجمۂ کلام میں وہ الفاظ ملا دئے جو اپنے ساختہ مذہب کے مطابق تھے، دوسرے یہ کہ ایک عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اُس کلام سے ملا دی اور سب کا ایک ساتھ ترجمہ کر دیا جس سے ناواقف کو دھوکا ہو کہ یہ سارا کلام ان علمائے کرام کا ہے، وُہ نقل وترجمہ ملخصاً یہ ہے: "وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ

وقد قنت ابوبکر الصدیق وعمر وعلی ومعٰویۃ فالقنوت فی النازلۃ ثابت فافھم واغتنم قلت والمراد بالنازلۃ ھناك ھو الذی مذکور فی الاحادیث ولا یقاس علی غیرہ واللہ اعلم۔

ترجمہ اور مقرر قنوت پڑھی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور حضرت علی اور حضرت معٰویہ نے پس قنوت بیچ واقع ہونے سختی اور فتنہ اور فساد اور غلبۂ کفار اشرار کے ثابت ہے سو سمجھ اور غنیمت جان، اب کہتا ہوں میں کہ مراد نازلہ سے اس جگہ وہی نازلہ مراد ہے جو مذکور ہوا ہے حدیثوں میں، اور نہیں خیال[عہ] کیا جاوے گا اوپر غیر اُس نازلہ کے اعنی ہر ایک نازلہ نہیں۔"

ترجمۂ اصل میں 'فتنہ وفساد وغلبۂ کفار اشرار' لفظ بڑھا دئے کہ نرے بے علم کہیں دیکھو جو بات مولوی صاحب نے کہی تھی وہی ان کتابوں میں لکھی ہے ورنہ اصل عبارتِ علما میں نہ ان لفظوں کا اصلاً پتا نہ اُس غرض فاسد کے سوا ترجمہ میں اس پیوند کا کوئی منشا، پھر قلت سے آخر تک ایک عبارت عربی گھڑ کر عبارت سے ملا دی اور اس کا ترجمہ اردو کیا کہ ناواقف کم علم جانیں یہ قلت اُنہی علما نے فرمایا ہے

عہ اس خوبیِ علم کو دیکھئے کہنا یہ مقصود ہے کہ لایقاس علیہ غیرہ اور نازلہ اس پر قیاس نہ کیا جائیگا اور کہا یہ کہ لایقاس علی غیرہ نہ قیاس کیا جائیگا اوپر غیر اس نازلہ کے۔ (م)

ورنہ یہ کہیں کا دور نہیں کہ اردو رسالے میں جو بات اُردو ہی زبان میں ظاہر کرنی ہو اُسے پہلے عربی میں بولیں پھر اپنی عربی کی اُردو کریں اور کلامِ علما میں قلت ہزار جگہ ہوتا ہے تو صاف اسی طرف ذہن جائیگا کہ یہ کلام بھی اُنہی کا ہے۔

فریب ۳: اشباہ میں فرمایا تھا:

فائدہ فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنہ فاجبت بانی لم ارہ صریحا۔[1]

یعنی فائدہ طاعون دُور ہونے کی دعا میں مجھ سے اس کا سوال ہُوا تھا میں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح میں نے نہ دیکھی۔

پھر غایہ دُشمنی و فتح القدیر کی وُہ عبارتیں نقل فرمائیں کہ نازلہ کی قنوت پڑھے، پھر فرمایا:

فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت، ولا شك ان الطاعون من اشد النوازل۔[2]

یعنی ان عبارات سے واضح کہ ہمارے نزدیک بلا میں قنوت ثابت ہے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

پھر اس دعوے کے ثبوت کو کہ نازلہ ہر شدت وسختی کو عام ہے مصباح و قاموس وصحاح کی عبارات مذکورۂ سابق نقل فرمائیں پھر عبارت سراج وہاج وملتقط و کلام امام طحاوی سے ثبوت مؤکد قائم فرمایا کہ جو کوئی بلا ہو اُس کے لئے قنوت پڑھنے میں حرج نہیں کسی عاقل غیر مجنون کے نزدیک اس کلام کے معنی سوا اس کے کچھ نہیں ہوسکتے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جانے کو فرمارہے ہیں، لاجرم علامہ سید شریف طحطاوی نے حاشیۂ مراقی الفلاح میں فرمایا:

فی الاشباہ یقنت للطاعون لانہ من اشد النوازل۔[3]

یعنی اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھے اس لئے کہ وُہ سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اب مصنفِ "ضروری سوال" کی سُنئے "اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے لوگوں نے مجھ سے پُوچھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے سو میں نے جواب دیا کہ صریح مسئلہ اس کا کہیں نہیں دیکھا میں حکم کر نہیں سکتا" اول تو سوال خاص قنوت طاعون سے ہونا بنایا کہ جو جواب گھڑا جائے گا وہ بالتخصیص صراحۃً اسی پر وارد ہو، پھر جواب میں یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھا دئے کہ "میں حکم کر نہیں سکتا" حالانکہ عبارت اشباہ

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۶۱

[2] " " " " " " " ۲/۲۶۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر " نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

میں اس کا وجود مفقود بلکہ بالتصریح اُس میں قنوت کا حکم دینا موجود، اسے کس درجہ کی تحریف و بددیانتی و مغالطہ و فریب دہی کہا چاہئے والعیاذ باللہ رب العلمین ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مخالفت توبہ نامہ خود اس "ضروری سوال" سے بھی پیدا **اولاً** اُس میں اپنے طرفداروں کے ایک رسالے کی نسبت لکھا تھا کہ "اُس میں سادات کرام و علمائے عظام کی شان و عظمت کے خلاف الفاظ رکیکہ برتے گئے ہیں واقعی یہ کمال درجے کی بے ادبی میرے طرفداروں سے تو گویا مجھی سے ہوئی میں للہ اُن کل حضرات بابرکات سے معافی چاہتا ہوں خواہ حضرات سادات و علماء اہل سورت خواہ اہل بمبئی خواہ آفاقی" وہاں تو آج کل کے علما کو جو آپ کے طرفداروں نے کچھ الفاظ رکیکہ لکھے اُس سے معافی چاہی اور "ضروری سوال" میں خود آپ اکابر سابقین علمائے عظام و فقہائے کرام و سادات فخام مثل امام نووی و امام ابن حجر و امام طیبی و علامہ ابن ملک و محقق زین العابدین ابن نجیم و مولٰنا علی قاری مکی و سید علامہ شامی و امثالہم کو معاذ اللہ کذب و بہتان کی طرف نسبت فرما رہے ہیں شاید یہ الفاظ رکیکہ نہ ہوں گے۔

ثانیاً اُس میں لکھا تھا "واللہ باللہ میں مذاہب اربعہ حقہ کو سچے دل سے حق جانتا ہوں" یہاں صراحۃً قنوتِ فجر کو کہ مذہب امام مالک و امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے بدعت و ضلالت و فی النار بتایا، ادھر قنوتِ طاعون و وبا کو کذب و بہتان ٹھہرایا شراح حنفیہ سے قطع نظر بھی کیجئے تو ائمہ شافعیہ کے یہاں اُس کی صریح تصریحیں موجود، اور امام ابن حجر مکی نے خود امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان مذہب میں اُسے ذکر فرمایا۔

ثالثاً اُسی میں لکھا تھا: "جمہور علماء کا اتباع اختیار کیا اولیائے کرام نذر و نیاز عرفی میں جبکہ فقہائے کرام نے تصفیہ کر دیا ہے اور مستحسن کر رکھا ہے تو ہم انھی کی پیروی کریں یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے لیکن بندہ اپنے پُرانے خیالات سے باز آ کر اولیاء کی نذر و نیاز عرفی جو فی زماننا خاص عوام میں مروج ہے کہ اس کو مستحسن جانتا ہوں سوائے اس کے میری تصانیف میں جو بات خلاف اقوال جمہور علما ہو اُس کو واپس لیتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ علمائے کرام کے مخالف کوئی مسئلہ نہیں کہوں گا" اور یہاں نہ ظاہر ارشاد جمیع متون پہ اقتصار لیا نہ طریقۂ مصرحۂ جمہور شارحین اختیار کیا سب کے مخالف مسئلہ لکھ دیا یہ "ضروری سوال" کی مخالفتیں تھیں۔

رابعاً شرائط بحث میں تو صراحۃً اس توبہ کو توڑ دیا نذر و نیاز عرفی اولیائے کرام قدست اسرارہم جو فی زماننا مروج ہے ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں اس پر کوئی نزاع قائم نہ ہوئی نہ اس کا کوئی تصفیہ اُس وقت کے فقہائے کرام نے کیا تو لاجرم توبہ نامے میں جمہور علمائے متاخرین ہی کی پیروی کو لکھا اور ان کی مخالفت کا عہد کیا تھا اب شرائط ثلثہ کی بحث میں قرون ثلثہ کے متاخرین متقدمین سب کو بالائے طاق رکھ کر صاف لکھ دیا کہ سند دین میں اصول و فروع مسائل میں زمانہ خیر القرون کی ہونی چاہئے یعنی صحابہ و تابعین

تبع تابعین اور اُس پر عمل بھی جاری ہُوا ہُوئے وہابیت پیدا ہونے کو **اوّلاً وثانیاً** ضروری سوال ہی کی وُہ تقریریں کہ "یہ ارشاد فقہا کذب و بہتان ہے اور وُہ مذہب ائمہ بدعت و ضلالت و فی النار ہے" کافی تھیں۔

ثالثاً مگر شرائط بحث میں تو صاف وہی معمولی تقریر وہابیہ کہ "قرون ثلثہ کی سند معتبر ہے باقی سب باطل صراحۃً لکھ دی اور اس کے ساتھ اور تنگی بڑھا دی کہ صحابہ و تابعین کی سند بھی مقبول نہیں جب تک اُس پر عمل نہ جاری ہوا ہو یہ باتیں ضرور وہابیت کی ہیں۔

رابعاً اور شرط لگائی کہ "کوئی مسئلہ کسی کتاب میں بے سند لکھا ہو وُہ بغیر اسناد کے تسلیم نہ کیا جائے گا" ہر شخص جانتا ہے کہ کتب فقہیہ متون و شروح و فتاوٰی کسی میں ذکرِ اسناد نہیں ہوتا تو اس شرط میں صاف بتا دیا کہ کتبِ فقہ مہمل و ناقابلِ عمل ہیں اُن کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے گا یہ اول نمبر کی وہابیت غیر مقلدی ہے ان وجوہ سے ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ زید اپنی قدیم وہابیت پر باقی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

بالجملہ ان تمام بیانات جلیلہ سے واضح ہُوا کہ "ضروری سوال" کی تحریر ہمارے علمائے کرام کے خلاف ہے وہ سراسر غلطیوں سے بھری ہے جو اسے صحیح و درست بتائے سخت جاہل و نافہم ہے ضروری سوال کا مصنف علمِ دین سے بہرہ نہیں رکھتا وہ نہ عبارت سمجھ سکتا ہے نہ ترجمہ کی لیاقت رکھتا ہے پھر مطلب سمجھنا تو بڑا درجہ ہے وُہ خود اپنا لکھا نہیں سمجھتا نہ نافع و مضر میں تمیز کرتا ہے اور اس کے علاوہ کلمات علماء کو بدلنا، گھٹانا، بڑھانا، مغالطہ عوام کو کچھ کا کچھ مطلب بنانا علاوہ ہے ایسا بے علم و کج فہم ہرگز فتوٰی دین کی قابلیت نہیں رکھتا نہ اُس کے فتوٰی پر اعتماد ہوسکتا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد و جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتخذ الناس رؤساجھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1] لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے ان سے مسئلے پُوچھے جائیں گے وُہ بغیر علم کے فتوٰی دیں گے آپ بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بتائیں گے۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ جو ایسے شخص کے فتوے پر اعتماد کرے گا گمراہ ہوجائے گا نیز اُس کے اقوال و کلمات سے یہ بھی ظاہر ہُوا کہ وہ فقہائے کرام کی شان میں گستاخ ہے ارشاداتِ علماء کو کذب و بہتان بتاتا اور مذہبِ اہلِ حق کو ضلالت و فی النار بتاتا اور تمام کتب فقہ کو مہمل و بیکار ٹھہراتا ہے اسے اپنی توبہ توڑی اور قدیمی وہابیت اب تک نہ چھوڑی مسلمانوں کو اس کی صحبت سے احتراز چاہئے کہ بحکم صحیح گمراہی میں پڑنے کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰
صحیح مسلم باب رفع العلم وقبضہ الخ " نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۰

اندیشہ ہے ایسی حالت میں جو اس کی اعانت کرے گمراہی کی بنیاد قائم کرتا ہے ہاں اگر وہ پھر از سر نو ان تمام حرکات سے تائب ہو اور ایک زمانہ ممتد گزرے جس میں اس سے وہ باتیں صادر ہوں جن سے اس کی توبہ دوم کا برخلاف توبہ اول سچا ہونا ظاہر ہو تو اس وقت اس سے تعرض نہ کیا جائے گا مگر اس کے فتوے پر اعتماد پھر بھی نہیں ہوسکتا کہ اس قدر سے اس کا جہل زائل ہو کر عالم نہ ہو جائے گا لاکھوں عوام سنّی المذہب بحمد اللہ ایسے ہیں جن سے تمام عمر میں کبھی کوئی بات بد مذہبی یا گستاخی شان ائمہ و فقہاء و کتب فقہیہ کی صادر ہی نہ ہوئی مگر جبکہ وہ بے علم ہیں مفتی نہیں بن سکتے۔ اللہ عزوجل خذلان سے بچائے اور بطفیل خاکپائے بندگان بارگاہ بیکس پناہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفیق علم و عمل عطا فرمائے آمین آمین آمین والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین آمین۔

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم کتبہ محمد المعروف بحامد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم۔

اور اللہ تعالٰی پاک و بلند زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم اتم اور زیادہ محکم ہے۔ اس کو لکھا محمد المعروف حامد رضا بریلوی نے، اللہ تعالٰی اس کو اپنے پیارے اُمّی نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم کے وسیلہ سے معاف فرمائے۔ (ت)

فی الواقع یہ تفصیل کہ قنوت نازلہ جائز ہے مگر اس کا جواز صرف ایک نازلہ سے خاص، باقی اس میں ناجائز، ہمارے ائمہ کرام کا مذہب نہیں، مصنف "ضروری سوال" کی تحریروں سے اُس کی جہالت و بطالت صاف ظاہر ہے بیشک ایسے شخص کو مفتی بنانا حلال نہیں، نہ اس کے فتوے پر اعتماد جائز، مجیب سلمہ القریب المجیب نے جو امور بالجملہ میں لکھے ضرور قابل لحاظ و مستحق عمل ہیں مسلمانوں کو ان کی پابندی چاہئے کہ باذنہٖ تعالٰی مضرت دینی سے محفوظ رہیں،

وباللہ العصمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اللہ کی رحمت سے ہی حفاظت ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ زیادہ علم والا ہے۔ اس کو گنہگار بندے احمد رضا بریلوی نے لکھا اُسے حضرت محمد مصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلہ سے معافی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۹۶: از رنگون گلی نمبر ۲۵، دکان نمبر ۵۴ مسئولہ حافظ محمد یوسف صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

ہمارے سنی حنفی عالم لوگ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اس شہر میں ایک مسجد کا امام صاحب دو تین روز سے فجر کے فرض دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھتا ہے یعنی

سلطان کے واسطے دُعا مانگتا ہے اور سب مقتدی لوگ بلند آواز سے پکارتے ہیں پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ ہمارا مذہب حنفی ہے یہ امام صاحب کیسے ہیں اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے ؟

الجواب

اگرچہ متون میں مطلق حکم ہے کہ لا یقنت فی غیرہ[1] غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے، مگر محققین شراح نے باتباعِ امام طحاوی وقت نازلہ وحدوث بلائے عام نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت دی ہے لہذا یہ مسئلہ ایسا نہیں جس کی بنا پر اُس عالم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج ہو جبکہ وہ واقع میں سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے، اور اگر غیر مقلد ہے تو آپ ہی گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز محض کما حققناہ فی النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید عن الصلوۃ وراء التقلید" میں تحقیق کی ہے۔ ت)

درمختار میں ہے: لا یقنت لغیرہ الا لنازلۃ[2] (صرف مصیبت میں قنوتِ نازلہ پڑھے۔ ت) غنیہ میں ہے: ھو من ھذا وعلیہ الجمھور[3] (یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔ ت) ردالمحتار میں کلامِ امام طحاوی نقل کرکے فرمایا:

ھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلوۃ الفجر دون غیرھا من الصلوۃ الجھریۃ والسریۃ[4]	یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز کے لئے مختص ہے دوسری جہری یا سری نمازوں میں نہیں۔ (ت)

امام کو چاہئے کہ یہ قنوت بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی دعا ہی میں پڑھیں، ہاں اگر امام قنوت بآواز پڑھے تو مقتدی آمین کہیں مگر بآواز نہ کہیں بلکہ آہستہ کہ جہراً آمین نماز میں مکروہ ہے، پھر علماء کو اختلاف ہوا کہ یہ قنوت رکعت ثانیہ کے رکوع کے بعد ہو یا پہلے، اور تحقیق یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھل المقتدی مثلہ ام لا وھل القنوت قبل الرکوع	کیا قنوتِ نازلہ پڑھنے میں مقتدی بھی امام کی طرح پڑھے یا نہیں، اور کیا قنوت رکوع سے قبل پڑھی جائے

---

[1] کنزالدقائق | باب الوتر والنوافل | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱/۴۱
[2] الدرالمختار | " " " | " مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۹۴
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی | صلوۃ الوتر | " سہیل اکیڈمی لاہور | ص ۴۲۰
[4] ردالمحتار | باب الوتر والنوافل | " مصطفی البابی مصر | ۱/۴۹۶

اوبعدہ لمارہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ماقلناہ واللہ تعالٰی اعلم[1]

یا بعد میں، مجھے یہ تفصیل نظر نہیں آئی، مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام کی اتباع کرے لیکن جب امام قنوت پڑھنے میں جہر کرے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ آمین کہے، اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے اس کے بعد مجھے شرنبلالی کا قول مراقی الفلاح میں ملا جس میں انھوں نے رکوع کے بعد کی تصریح کی ہے اور حموی نے رکوع سے قبل کو ظاہر قرار دیا لیکن زیادہ واضح یہی ہے جو میں نے کہا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول بل الاحق بالقبول ما قال السید الحموی لقول الفتح ولما ترجح ذلک خرج مابعد الرکوع من کونہ محلا للقنوت اھ وقال ایضا وھذا تحقیق خروج القومۃ عن المحلیۃ بالکلیۃ الا اذا اقتدی بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فانہ یتابعہ اتفاقا[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول ــــ بلکہ حموی کا قول زیادہ مقبول ہو کیونکہ فتح القدیر کا قول یہ ہے کہ "جب رکوع سے قبل کو ترجیح ہے تو رکوع کے بعد قنوت کا محل نہ رہا" اھ اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ قومہ کلیۃً قنوت کی محلیت سے باہر ہے تحقیق یہی ہے ہاں اگر کوئی ایسے امام کی اقتدا کرلیں ہے جو رکوع کے بعد وتر میں قنوت پڑھتا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ وہ اس امام کی اتباع کرے اس میں اتفاق ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹۷ از کراچی کاڑی حاطہ مولینا نہ میمن محلہ رام باغ مرسلہ نور احمد ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا حنفی امام نمازِ فجر میں دعائے قنوت و دیگر دعاؤں کو بآوازِ بلند پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

حنفی مذہب میں وتر کے سوا اور نمازوں میں قنوت منع ہے متون کا مسئلہ ہے ولایقنت فی غیرہ (غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے۔ت) مگر جب معاذ اللہ کوئی بلائے عام نازل ہو جیسے طاعون و وبا وغیرہ، تو امام اجل طحاوی و امام محقق علی الاطلاق وغیرہ شراح نے نمازِ فجر میں دعائے قنوت جائز رکھی ہے کما فصلناہ فی فتاونا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹۸ سائل مذکور الصدر

حنفی امام بسم اللہ و آمین آہستہ حنفی طریقہ پر نہ پڑھے اور دعائے قنوت و دیگر دعاؤں کو شافعی

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۴

طریقہ سے پڑھے تو نماز اور ایسے امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ یہ فعل امام نے متواتر تین روز بغیر اطلاع مقتدیوں کے کیا جس سے مقتدیوں کی جداگانہ حالتیں مثلاً کوئی رکوع میں کوئی قیام میں اور کوئی سجدہ میں تھا یہ نماز ہوتی یا نہیں؟

الجواب

(۱) بے صورت نازلہ جو کوئی ایسا کرے گا موجبِ کراہت ہوگا اُسے منع کیا جائے گا اگر نہ مانے اُس کی اقتداء نہ کریں۔

(۲) جس نے امام سے پہلے کوئی فعل کیا اور امام سے پہلے ہی فارغ ہولیا اور پھر امام کا اُس میں ساتھ نہ دیا مثلاً وہ متوجہ قنوت ہوا اور یہ رکوع میں گیا اور امام رکوع میں نہ آنے پایا تھا کہ اس نے سر اٹھا لیا اور پھر امام کے ساتھ یا بعد رکوع نہ کیا تو ایسے مقتدی کی نماز نہ ہُوئی ورنہ ہوگئی اور اُس میں جو بدنظمی ہُوئی اُس کا وبال امام کے سر ہے' ائمّہ دین نے تو جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو معاف رکھا ہے جبکہ جماعت کثیر ہو کہ ہر قسم کے لوگوں کا مجمع ہوگا بعض کو باعثِ وحشت ہوگا کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ وہ بعد ختمِ نماز ہے نہ کہ عین وسطِ نماز میں' بے اطلاعِ مقتدیان ایسی نئی حرکت کس قدر باعثِ فتنہ ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹۹: از کراچی بندر صدر بازار دوکان سیٹھ حاجی احمد حاجی کریم محمد شریف جنرل مرچنٹ مرسلہ عبداللہ ولد حاجی ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

امام حنفی المذہب در وقت حدوث حادثہ و نازلہ طاعون و وبا در رکعت اخیر نماز فرض فجر دعا قنوت شفعویہ مع چند الفاظ دعائے عربیہ دافع الوبا سہ روز یا ہفت روز خواند آیا دریں صورت ایں فعل امام مطابق مذہب جمہور حنفیہ است یا نہ و اگر کسے ایں امام را بباعث مرتکب شدن فعل صدر وہابی وغیر مقلد خواند پس حکم او چیست۔

کسی حادثہ یا طاعون کی وباء وغیرہ کے پھیلنے کے موقع پر حنفی امام فجر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت مرویہ اور اس کے ساتھ چند مزید عربی الفاظ جو دافع بلاء کے لئے تین یا سات روز پڑھے تو کیا یہ فعل جمہور احناف کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص امام کے مذکور عمل کی بنا پر امام کو وہابی اور غیر مقلد کہہ دے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قنوت در نازلہ محققین حنفیہ مثل امام طحاوی و امام ابن الہمام وغیرہما کبرائے اعلام اثبات کردہ اند عمل بروہیچ علاقہ بوہابیت

حنفی محققین مثلاً امام طحاوی، امام ابن ہمام وغیرہما بڑے حضرات نے مصیبت کے نزول پر قنوتِ نازلہ کے عمل کا اثبات کیا ہے، اور اس معاملہ میں وہابیت

وغیر مقلدی ندارد و ہر کہ باین طعنہ زند جاہل ست تفہیم باید کرد آنجا کہ مجمع ہمچو عوام باشد اقدام باین کار نباید کرد کہ باعث تنفیر و فتح باب غیبت نشود قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا[1] ائمہ منع فرمودہ اند کہ پیش جہال قراءتہائے کہ گوش او باو آشنا نیست نخوانند تا منجر بفتنہ ایشاں نشود اگر چہ ہمہ قراءتہا یقیناً حق ست کما فی غنیۃ العلامۃ ابراھیم الحلبی وغیرھا واللہ تعالٰی اعلم۔

اور غیر مقلدیت کا کوئی دخل نہیں، جو یہ طعنہ دے وُہ جاہل ہے اسے سمجھانا چاہئے، اور عوام کے مجمع میں ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو عوام میں نفرت پیدا کرے اور غیبت بنے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے نفرت کی بجائے خوشی کا سامان بنو۔ اسی لئے ائمہ کرام نے ایسی قرارت جو لوگوں میں معروف و مانوس نہیں ہے پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں میں شکوک و شبہات کا فتنہ نہ بنے اگرچہ تمام قراءات برحق ہیں، جیساکہ علامہ ابراہیم حلبی کی غنیہ وغیرہا میں ذکر فرمایا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰۲ از بمبئی ۳ مسئولہ محمد سعد اللہ گلی خطیب زکریا مسجد ۳ صفر ۱۳۳۹ھ

ماقولکم دام فضلکم (علمائے کرام اللہ تعالٰی تمہارے فضل و کرم کو قائم و دوام فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) نظر بمصائب حاضرہ جنھوں نے آج کل بالخصوص سلطنت اسلامیہ عثمانیہ اور بالعموم تمام مسلمانانِ عالم کو گھیر رکھا ہے بعض مفتیین جہری فرض نمازوں میں باآوازِ بلند قنوت خوانی کا فتوٰی دیتے ہیں نمونتاً فتوٰی مولوی کفایت اللہ دہلوی کا لفافہ ہذا ہے علمائے احناف اہلسنّت کے نزدیک:

(۱) وقت نازلہ قنوت تمام جہری فرض نمازوں میں ہے یا صرف فجر میں؟

(۲) بعد سمع اللہ لمن حمدہ ہاتھ اٹھا کر بجہر پڑھی جائے یا کس طرح؟

(۳) یہ وقت اس کا مقتضی ہے یا نہیں کہ قنوت پڑھی جائے؟ بینوا اجرکم اللہ

الجواب

قنوت نازلہ امام طحاوی وغیرہ شراح نے جائز رکھی ہے وہ صرف نماز فجر میں ہے اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت کا محل ہی نہیں قبل رکوع چاہئے کما نص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیساکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ت) اس ہندوستان میں اسلام اس وقت خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں سے سخت نزع میں ہے قنوت کا وقت ہے واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

وہ رکعت ثانیہ میں بعد قراءت ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور امام و مقتدی سب آہستہ قنوت پڑھیں جس مقتدی کو یاد نہ ہو آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰۳ از دھامپور محلہ موچیاں ڈاک خانہ خاص ضلع بجنور مسئولہ غلام محمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

جناب مولوی صاحب رہنمائے گمرہان دام افضالہ، بعد ادائے نیازمندانہ کے معروض خدمت ہے یہاں قصبہ دھامپور میں زمرہ خلافت نے نماز میں ایک نیا طریقہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز میں اخیر فرض میں رکوع کرکے کھڑے ہوجاتے ہیں اور امام صاحب دُعا بآوازِ بلند پڑھتا ہے اور مقتدی بآوازِ بلند کئی کئی مرتبہ آمین کہتے ہیں بلکہ بیس بیس مرتبہ سے زیادہ مقتدی آمین کہتے ہیں بعدہ سجدہ میں جاکر سلام پھیرتے ہیں۔ عالی جاہ! ہمارے امام صاحب حنفی کے طریقہ میں یہ نماز جائز ہے یا ناجائز؟ یا کہ کسی صاحب نے یا کہ اماموں میں سے کسی نے پڑھی ہے؟ اور اس طریقہ سے نماز ہوتی ہے یا کہ فاسد ہوجاتی ہے؟ ہم کو اس نماز میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

یہ طریقہ قنوت نازلہ کا ہے جو متونِ مذہب حنفی کے خلاف ہے مگر بعض شراح نے اجازت دی ہے اُس سے بھی چار باتوں میں مخالف ہے۔

اوّل بعد رکوع ہمارے نزدیک محلِ قنوت ہی نہیں کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت)

دوم امام کا جہر سے دُعا پڑھنا مخالف قرآن کریم و مذہب حنفی ہے۔

سوم یُونہی مقتدیوں کا آمین بالجہر۔

چہارم قنوتِ نازلہ ہمارے یہاں صرف نمازِ فجر میں ہے اور بعض کتب میں نمازِ جہر واقع ہوا، پانچوں نمازوں میں ہونا ہمارے یہاں کسی کا قول نہیں تو ہمارے نزدیک اس کے سبب تاخیر فرض لازم آئے گی اور اس کے سبب نماز واجب الاعادہ ہوگی ایسی نماز میں شرکت نہ کی جائے جبکہ خالص حنفی جماعت مل سکتی ہو اور شرکت کی ہو ظہر و عصر بلکہ عند التحقیق غیر فجر کا اعادہ کرلیں بلکہ فجر کا بھی جبکہ لوگ بعد رکوع قنوت کریں کہ مذہب حنفی میں خلاف محل ہے اگرچہ شامی و شرنبلالی کو شبہہ ہُوا وہ مذہب میں صاحبِ قول نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰۴ و ۱۱۰۵ از کوہ کسوٹی کمسریٹ روٹی گودام مسئولہ عبداللہ ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عرصہ ایک سال سے میں سُنا کرتا ہوں کہ:

(۱) اس جگہ اور دیگر شہروں میں ایک نماز رواجاً پڑھی جارہی ہے جس کا ثبوت مجھ کو آج تک کسی نے نہ دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ حدیث کی کتابوں میں دیکھو تو تم کو معلوم ہوجائے گا، نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ ہر ایک فرضی نماز کی آخر رکعت میں بعد رکوع امام کچھ پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں اور استفسار کرنے پر کہ امام کیا پڑھتا ہے یہ جواب ملتا ہے کہ دُعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اور اگر دعائے قنوت کی عربی دریافت کی جاتی ہے تو اس سے صاف جواب۔ سخت حیرت اور تعجب کا مقام، میں مسجد جانے سے قاصر بلکہ مستثنٰی، اس وجہ سے یہ مسئلہ حل طلب بہت ضروری ہے۔

(۲) اس خادم کی نظر سے "ربع اوّل مظاہر حق" جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب القنوت مندرجہ ذیل احادیث گزریں جس سے بالکل حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امر ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے امت کے لوگوں کو امر کیا ہو کہ وہ بھی اس کو پڑھا کریں بلکہ حدیث خود ظاہر کر رہی ہے کہ حضور نے بفرمانِ ربی اس کو ترک کردیا، فصل اوّل کتاب مذکور:

وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا اراد ان یدعو علٰی احد او یدعو لاحد قنت بعد الرکوع فربما قال اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اللھم انج الولید وسلمۃ بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعۃ اللھم اشدد وطأتک علٰی مضر سنین کسنی یوسف یجھر بذٰلک وکان یقول فی بعض صلوتہ اللھم العن فلانا وفلانا لاحیاء من العرب حتی انزل اللہ لیس لک من الامر شیئ الاٰیۃ متفق علیہ وعن عاصم الاحول قال سئلت عن انس بن مالک عن القنوت فی الصلوٰۃ کان قبل الرکوع

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں دعا فرمانے کا ارادہ فرماتے تو کبھی رکوع کے بعد سمع اللہ کہہ کر یوں فرماتے: اے اللہ! ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ، ان پہ قحط نازل فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط نازل ہوا، اور یہ بددعا بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی آپ کسی نماز میں یوں پڑھتے، اے اللہ! فلاں و فلاں پر لعنت فرما۔ اس سے مراد عرب کے بعض قبائل مراد ہوتے، حتی کہ اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے پیارے حبیب! یہ معاملہ آپ کے ذاتی اختیار میں نہیں ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور حضرت عاصم احول رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا

او بعدہ قال قبلہ انما قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد الرکوع شہرا انہ کان بعث اناسا یقال لہم القراء فاصیبوا فقنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد الرکوع شہرا یدعوا علیہم متفق علیہ فصل ثانی کتاب مذکور عن ابن عباس قال قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہرا متتابعا فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الاخیرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم، رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمن من خلفہ رواہ ابوداؤد. وعن انس ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت شہرا ثم ترکہ۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔

کہ کیا نماز میں قنوت رکوع سے پہلے تھی یا بعد میں، تو انھوں نے فرمایا پہلے تھی۔ حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی کیونکہ آپ نے قراء کی ایک جماعت کو تعلیم کے لئے بھیجا تو ان کو راستہ میں شہید کردیا گیا، تو اس واقعہ پر حضور علیہ السلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد قاتلین پر بددُعا فرمائی (متفق علیہ) کتاب مذکور کی دُوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھی، اور جب۔ نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس وقت عرب کے قبائل بنی سلیم، رعل، ذکوان اور عصیہ پر بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ قنوت ایک ماہ پڑھ کر پھر چھوڑ دی، اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (ت)

چونکہ حنفی مذہب کے مطابق آمین آواز سے کہنا روکا گیا ہے مگر اب تو پُورے پندرہ منٹ آمین اس زور سے کہی جاتی ہے کہ مسجد گونج اُٹھتی ہے بلکہ نماز جمعہ میں لوگوں کی کثرت سے آمین کا شور تو حد درجہ بڑھ جاتا ہے اس بستی میں صرف ایک مسجد ایک قبرستان ہے، مذہب حنفی کے سب پیرو ہیں، امام مسجد جن سے اس کا رواج ہوا ہر شخص کو مجبور کر رہے ہیں کہ اس کی ادا میں اگر کوئی قاصر ہوگا اسلام سے خارج سمجھا جائیگا اُس کا جنازہ مسلمان نہیں اٹھائیں گے بسبب ملازمت لوگ باہر سے آتے ہیں اُن کے لئے ایسا نادرشاہی حکم بہت ہی گراں ہو رہا ہے اور بے وقت پردیس میں موت ہونے کے لحاظ سے مجبورًا ادا کر رہے ہیں وہی مثل کہ "زبردست مارے رونے نہ دے"، اور حنفیہ "قہرِ درویش برجانِ درویش" کے مصداق

ہو رہے ہیں۔ والسلام

الجواب

(۱) اصل مسئلہ متون یہ ہے کہ وتروں کے سوا کسی نماز میں دعائے قنوت نہیں، تنویر الابصار وغیرہ میں ہے:
ولا یقنت فی غیرہ[1] (غیر میں قنوت نہ کرے۔ ت) مگر امام طحاوی وغیرہ شراح نے معاذ اللہ کسی نازلہ یعنی عام مصیبت کے وقت اس کے دفع کے لئے بھی قنوت جائز رکھی، اسی بارے میں حدیث ہے:
قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھرا علی عدۃ قبائل من الکفار[2] حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عرب کے چند قبائل کے خلاف قنوت ایک ماہ پڑھی۔ (ت)
اس کے لئے کوئی دعا مخصوص نہیں بلکہ جو بلا مثل طاعون ووبا یا غلبۂ کفار والعیاذ باللہ تعالٰی اس کے دفع کی دعا کی جائے گی تحقیق یہ ہے کہ قنوت صرف نمازِ فجر میں ہے وما وقع فی بعض الکتب فی صلوۃ الجھر فمصحف من صلوۃ الفجر (جو بعض کتب میں آیا ہے کہ جہر والی نماز تو یہ "جہر" بدل گیا ہے اصل فجر ہے۔ ت) اور تحقیق یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں بعد قراءت قبل رکوع ہو لان مابعد الرکوع قد خرج عن محلیۃ القنوت کما حققہ المحقق فی الفتح (کیونکہ رکوع کے بعد قنوت کا محل نہیں ہے جیسا کہ محقق نے اسے فتح میں ثابت کیا ہے۔ ت) اور امام ومقتدی سب آہستہ پڑھیں لان الدعاء وسنۃ الدعاء الاخفاء (کیونکہ وہ دعا ہے اور دعا کا طریقہ اخفاء ہے۔ ت) جن مقتدیوں کو یاد نہ ہو وہ آہستہ آہستہ آمین کہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اوپر بیان ہوا کہ اس قنوت کا جواز ہی ظاہر متون مذہب حنفی کے خلاف ہے نہ کہ معاذ اللہ اُس پر ایسا اصرار کہ جو نہ کرے خارج از اسلام سمجھا جائے اور مسلمان اُس کا جنازہ نہ اٹھائیں، یہ ظلم اور اشد ظلم ہے اور سخت کبیرہ ہے اور اللہ و رسول پر افتراء اور نئی شریعت دل سے گھڑنا اور مسلمانوں کو ناحق معاذ اللہ کافر بنانا اور بحکم ظواہر احادیث خود کافر بننا ہے قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد باء بہ احدھما (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، دونوں میں سے ایک اس کو اپنے پر وارد کرے گا۔ ت) اور آمین بالجہر مذہب حنفی میں کہیں نہیں، ہاں شراح وقت نازلہ قنوت اُسی طریقہ پر روا رکھتے ہیں جس کی تحقیق اوپر بیان ہوئی اور حدیث فعلی بھی مثل حدیث قولی حجت ہے لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی[3] (اس لئے کہ حضور علیہ الصلوۃ

---

[1] کنز الدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۱
[2] شرح معانی الآثار باب القنوت فی صلوۃ الفجر وغیرہا " " " " ۱/۱۲۸
[3] سنن الدار قطنی باب فی ذکر بالاذان والاقامۃ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۷۳

والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسے نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ت) اور ترک دعا بوجہ قضائے حاجت یا بعض مخصوصین پر دعا سے رب عزوجل کی ممانعت نفسِ دُعا سے منع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۰۶ از دمن قریب سورت بخدمت جناب مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی (رحمہ اللہ تعالٰی) وازانجا بغرض تحقیق نزد فقیر ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعائے قنوت کا کس مصیبت کے نازل ہونے کے وقت فرائض پنجگانہ میں پڑھنا یا خاص کسی وقت کے فرض نماز میں پڑھنا شرع شریف سے ثابت ہے یا نہیں؛ خاص کر ایام وبائے طاعون میں اور اُس کے پڑھنے کا محل فرض کی آخری رکعت میں قبل رکوع کے یا قومہ میں امام اور مقتدی دونوں پڑھیں یا صرف امام بآواز بلند پڑھے اور مقتدی آمین آہستہ آہستہ کہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ اللّٰھم لک الحمد (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے۔ ت) عامہ بلکہ عام متون مذہب میں دربارہ وتر ارشاد ہوا؛

لایقنت فی غیرہ وکذا صححوا ان الماموم لایتبع امامہ القانت فی الفجر وعللوہ بانہ منسوخ وانہ محدث[1]

غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مقتدی اس امام کی جو فجر میں قنوت پڑھتا ہے پیروی اس معاملہ میں نہ کریں، اور انھوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ منسوخ ہے لہذا یہ نئی چیز ہے۔ (ت)

اور محققین شراح مثل امام ابن الہمام وعلامہ سروجی وامام عینی شارحین ہدایہ وعلامہ شمنی شارح نقایہ وعلامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ وعلامہ زین بن نجیم شارح کنز وعلامہ شرنبلالی شارح نور الایضاح وعلامہ علائی شارح تنویر وعلامہ سید حموی شارح اشباہ وعلامہ نوح آفندی وعلامہ سید ابو السعود ازہری محشی کنز وعلامہ سید محمد شامی محشیان درر وغیرہ بہ تبعیت امام اجل حافظ الحدیث ابو جعفر طحاوی ہنگام نزول نوازل مثل طاعون وغیرہ (والعیاذ باللہ تعالٰی) صرف نماز فجر میں تجویز قنوت کی تنقیح وتنقید اور اطلاق متون کی اس سے تقیید فرماتے ہیں غنیۃ المستملی و مراقی الفلاح وغیرہما میں ہے؛

وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور[2] اھ وقد صح

یہی ہمارا مذہب ہے اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں اھ

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] غنیۃ المستملی صلٰوۃ الوتر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰ ۴

به الحديث في الصحيحين وغيرهما عن انس وابي هريرة وغيرهما رضي الله تعالیٰ عنهم قالوا وهو محمل ماروی من قنوت امراء المؤمنين الصديق و الفاروق والمرتضیٰ ومعٰوية وغيرهم رضوان الله تعالیٰ عليهم قلت وليست المسئلة مما تجري فيه المماكسة۔

اور اس بارے میں صحیح حدیث بخاری اور مسلم وغیرہما میں موجود ہے اور وہ حضرت انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور حضرت امیر المومنین صدیق اکبر، عمر فاروق، علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا قنوت کے بارے میں عمل اس حدیث کے مطابق تھا، میں کہتا ہوں یہ وہ مسئلہ نہیں جس میں کھچاؤ پایا جائے۔ (ت)

پھر بر تقدیر قنوت بلاشبہہ سبیل وہی ہے جو فاضل مجیب سلمہ المجیب نے اختیار فرمائی کہ امام و مقتدی سب آہستہ پڑھیں۔

اقول وما وقع من الخلف بين ائمتنا الكرام ومشائخنا الاعلام في قنوت الوتر هل يجهر به امر يسر وهو المختار، كما في الهداية وهو الاصح كما في المحيط والصحيح، كما في شرح الجامع الصغير لقاضي خان وهل يؤمن المامور امر يقنت وهو الصحيح المختار، كما في المحيط والشرح المذكور وغيرهما فانما منشؤه ان لقنوت الوتر اللّٰهم انا نستعينك الخ شبهة القراٰن على ما ذكروه فكما يجهر الامام بالقراٰن فكذا بما فيه شبهته وكما لا يقرؤ المؤتم القراٰن فكذا ماله شبهته كما قرره في الحلية و الغنية والبحر وغيرها

اقول ہمارے ائمہ کرام سے متاخرین اور ہمارے مشائخ عظام نے وتر کی قنوت کے بارے بحث میں جو فرمایا کہ یہ قنوت جہر پڑھی جائے یا آہستہ، تو آہستہ پڑھنا ہی مختار ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ اور یہ کہ کیا مقتدی صرف آمین کہیں یا وہ بھی قنوت پڑھیں؟ تو ان کا قنوت پڑھنا صحیح و مختار ہے جیسا کہ محیط اور مذکور شرح وغیرہما میں ہے۔ اور اس بات کی وجہ یہ ہے کہ قنوتِ وتر جو کہ اللّٰھم انا نستعینك الخ ہے کی قرآن سے مشابہت ہے جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ لہذا جس طرح قرآن کا جہر کرتا ہے اسی طرح قرآن کے مشابہ چیز کا بھی امام جہر کرے اور جس طرح مقتدی قرآن کی قراءت نہیں کرتا اسی طرح قرآن کی مشابہت والی چیز کی بھی مقتدی قراءت نہ کرے جیسا کہ حلیہ، غنیہ، بحر وغیرہا میں تقریر کی گئی ہے

ولاکذٰلک قنوت النوازل وانما ھو دعاء محض فیشترك فیه الامام و الماموم ویخفیانه کسائر الادعیة فانه ھوالمندوب الیه فی الدعاء۔

جبکہ قنوت نوازل کا یہ مقام نہیں ہے وہ تو محض دعا ہے جس میں امام اور مقتدی مساوی شریک ہیں لہذا دونوں اس کو آہستہ پڑھیں گے، جس طرح تمام دعاؤں میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے (ت)

مگر اخفاء واجب نہیں کہ جہر گناہ ہو،

وقد صرحوا بانه اذا جھر سھوا بشیئ من الادعیة والاثنیة لایجب علیه السجود[1] کما فی ردالمحتار ولو وجب لوجب کمالایخفی۔

جبکہ فقہاء نے تصریح کی ہے اگر کوئی شخص بھول کر کوئی دعا وثناء جہر سے پڑھے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اگر قنوت نازلہ یا دعا کا اخفاء واجب ہوتا تو اس کے جہر سے سجدۂ سہو واجب ہوتا جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

پھر اگر امام جہر کرے تو بنظرِ حشمت امامت مقتدیوں کا اُس کی دُعا پر آہستہ آمین کہنا ہی اُس سے جُدا اپنی اپنی متفرق دعا میں مشغول ہونے سے اولٰی ہے کما استظھرہ العلامة الشامی (جیسا کہ علامہ شامی نے اس کو ظاہر قرار دیا ہے۔ ت) رہا یہ کہ قول بقنوت نازلہ پر اُس کا محل قبل رکوع ہے یا بعد، مشائخ مذہب وعلمائے متقدمین سے اس باب میں کوئی قول منقول نہیں متاخرین شراح کی نظر مختلف ہوئی، علامہ شرنبلالی کے کلام سے بعد رکوع ہونا ظاہر، علامہ شامی نے اسی کو اظہر کہا، علامہ سید حموی نے فرمایا، قبل رکوع چاہئے، علامہ ازہری نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا، مقتضائے نظر تخییر ہے چاہے قبل پڑھے یا بعد۔ شرح نورالایضاح میں ہے:

قال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه اللّٰه تعالٰی انما لایقنت عندنا فی الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة اوبلیة فلاباس به فعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ای بعد الرکوع کما تقدم[2]۔

امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک کسی مصیبت وبلاء کے نزول کے بغیر فجر کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھی جائے، اور اگر کوئی فتنہ یا بلاء واقع ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یعنی رکوع کے بعد پڑھے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۷

فتح اللہ المعین میں بعد نقل قول امام طحاوی ہے :

ظاهره انه لوقنت فی الفجر لبلیة انه یقنت قبل الرکوع[1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نزولِ بلاء کے موقعہ پر قنوت پڑھے تو رکوع سے قبل پڑھے۔ (ت)

طحطاوی حاشیہ مراقی میں ہے :

قال الحموی وینبغی ان یکون القنوت قبل الرکوع فی الرکعة الاخیرة ویکبر له[2]

حموی نے کہا ہے کہ مناسب یہ ہے قنوت آخری رکعت کے رکوع سے قبل پڑھے اور اس کے لئے تکبیر بھی کہے۔ (ت)

قول شرنبلالی ای بعد الرکوع (یعنی بعد رکوع۔ت) پر لکھا : هذا یخالف ما قدمناه عن الحموی[3] (یہ حموی سے مروی کے خلاف ہے۔ت) رد المحتار میں ہے :

الذی یظهر لی ان المقتدی یتابع امامه الا اذا جهر فیؤمن وانه یقنت بعد الرکوع لا قبله بدلیل ان ما استدل به الشافعی علی قنوت الفجر وفیه التصریح بالقنوت بعد الرکوع حمله علماؤنا علی القنوت للنازلة ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانه بعده واستظهر الحموی انه قبله والاظهر ما قلناه[4]

میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کی پیروی میں پڑھے لیکن اگر امام قنوت پڑھنے میں جہر کرے تو پھر مقتدی صرف آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے، پہلے نہ پڑھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فجر میں قنوت پڑھنے پر استدلال کیا ہے اس حدیث میں بعد از رکوع کی تصریح ہے۔ اس حدیث میں بعد از رکوع قنوت کو قنوت نازلہ پر ہمارے علماء نے محمول کیا ہے، پھر میں نے دیکھا کہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں بعد از رکوع کی تصریح کی ہے اور حموی نے قبل از رکوع کو ظاہر قرار دیا ہے جبکہ زیادہ واضح وہ ہے جو میں نے کہا ہے (ت)

---

[1] فتح المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر ۔ " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

[3] " " " " " " ۲۰۷

[4] رد المحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ " مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

قلت قد ورد فعلہ قبلہ وبہ قال الامام مالک وبعدہ وبہ قال الامام الشافعی فمقتضی النظر التخییر وذکر الشرنبلالی انہ یقنت بعد الرکوع[1]

میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل قبل از رکوع کے بارے میں مروی ہے یہ امام مالک کا قول و مسلک ہے اور دوسری روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا عمل بعد از رکوع مروی ہے، اور یہ امام شافعی کا قول و مسلک ہے، غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرح کا اختیار رہے، اور شرنبلالی نے بعد از رکوع کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

اقول اس قضیہ نظر میں نظر ظاہر ہے

فلیس اختلاف المجتہدین قاضیا بالتسویۃ عندنا اذاکان احد القولین الیق بمذھبنا واقعد باصولنا۔

ہمارے نزدیک مجتہدین کے اختلاف کا مطلب دونوں طرح کی مساوات نہیں ہے جبکہ ہمارے مذہب اور ہمارے اصول کی ایک قول تائید کرتا ہے تو وہ راجح ہے۔ (ت)

اور فقیر کے نزدیک اقرب وانسب مختار سید علامہ حموی ہے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

لما ترجح ذلک خرج ما بعد الرکوع من کونہ محلا للقنوت فلذا روی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ لوسھی عن القنوت فتذکرہ بعد الاعتدال لایقنت[2]

جب قبل از رکوع قنوت پڑھنا ترجیح پاچکا ہے تو اب رکوع کے بعد قنوت کا محل ختم ہوگیا اسی لئے امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص قبل از رکوع قنوت پڑھنے کو بھول جائے اور رکوع سے کھڑا ہوجائے تو اب یاد آئے پر قنوت نہ پڑھے (ت)

ہاں اس میں شک نہیں کہ برتقدیر قنوت نوازل مقتدی قبلیت و بعدیت میں اتباع امام کرے گا اور اگر امام بعد رکوع پڑھے تو یہ بھی بعد ہی پڑھے گا

فانہ اذاکان یتابعہ فی قنوت الوتر بعد الرکوع مع نص المذھب انہ قبل الرکوع فھذا اولی۔

کیونکہ جب وتر کی قنوت میں مقتدی رکوع کے بعد پڑھنے میں امام کی پیروی کرسکتا ہے حالانکہ ہمارے مذہب میں قبل از رکوع قنوت پر تصریح موجود ہے تو اس قنوت نازلہ میں بطریق اولٰی امام کی پیروی کرسکتا ہے (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۸۱

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر " نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

فتح القدیر میں ہے:

هذا یحقق خروج القومة عن المحلیة بالکلیة الا اذا اقتدی بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فانه یتابعه اتفاقا[1] والله تعالٰی اعلم۔

یہ بات ثابت کرتی ہے کہ قومہ قنوت کے محل سے خارج ہے مگر جب ایسے امام کی اقتداء کی ہو جو وتروں میں بعد از رکوع قنوت پڑھنے کا قائل ہو تو پھر امام کی پیروی کرے، باتفاق یہ حکم ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفعِ طاعون و وباء کے لئے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وقتِ نزولِ نوازل وحلولِ مصائب اُن کے دفع کے لئے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت اور مشروعیت اس کی مستمر غیر منسوخ۔

روی الامام البخاری والامام مسلم فی صحیحیهما والحافظ النسائی فی سننه واللفظ للبخاری قال اخبرنا احمد بن یونس ثنا زائدة عن التیمی عن ابی مجلز عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال قنت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهرا یدعو علی رعل وذکوان[2] ولفظ المسلم من طریق المعتمر عن سلیمٰن التیمی عن ابی مجلز عن انس ابن مالك رضی الله تعالٰی عنه قنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهرا بعد الرکوع فی صلٰوة الصبح یدعوا علی رعل و ذکوان ویقول عصیة عصت الله ورسوله[3] وفی صحیحه

بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اور حافظ نسائی نے اپنی سنن میں اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں، احمد بن یونس نے خبر دی کہ زائدہ نے تیمی اور انھوں نے ابومجلز سے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قنوت پڑھتے ہُوئے رعل اور ذکوان پر ایک ماہ بددعا فرمائی، اور مسلم نے معتمر عن سلیمٰن التیمی عن ابی مجلز عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ، یہ الفاظ کہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد رعل، ذکوان اور عصیہ کے خلاف قنوت کے ذریعہ بددعا فرمائی اور فرمایا عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور امام مسلم کی صحیح میں بھی یہ ہے کہ محمد بن

---

[1] فتح القدیر باب الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۴

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۵۸۷

[3] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۷

ایضاحدثنا محمد بن مهران الرازی فذکر باسنادہ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ حدثھم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت بعد الرکعۃ فی صلوٰۃ شھرا، اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ یقول فی قنوتہ اللھم انج الولید بن الولید، اللھم نج سلمۃ بن ھشام، اللھم نج عیاش بن ابی ربیعۃ، اللھم نج المستضعفین من المؤمنین، اللھم اشدد وطأتک علی مضر، اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف، قال ابوھریرۃ ثم رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترک الدعاء بعد، فقلت اری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد ترک الدعاء لھم، قال فقیل وما تراھم قد قدموا۔[1]

مہران نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ سے انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر قنوت پڑھی اور قنوت میں یہ پڑھا اے اللہ! نجات دے ولید کو، اے اللہ نجات دے سلمہ بن ہشام کو، اے اللہ نجات دے عیاش بن ابی ربیعہ کو، اے اللہ نجات دے ضعیف مومنوں کو۔ اے اللہ! اپنی سخت پکڑ فرما مضر پر، اے اللہ! ان پر قحط مسلط فرما جتنے سال یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط نازل ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ نے بددعا چھوڑ دی تو میں نے دل میں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا چھوڑ دی اور کہا کہ مجھے کہا گیا کہ وہ حفاظ آ گئے تمھارا کیا خیال ہے۔ (ت)

عبدالرزاق، حاکم، دارقطنی باسناد صحیح بطریق امام باقر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یزل یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ قنوت تاحیات پڑھتے رہے۔ (ت)

یہ حدیث اور دیگر احادیث قنوت فجر برخلاف شافعیہ کہ انھیں فجر میں دوام قنوت کی دلیل ٹھہراتی ہیں صریح نوازل میں وارد اُن پر محمول۔ پس حاصل یہ کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وقت نزول شدائد دواماً قنوت پڑھی اور جب وہ بلا دفع ہو جاتی بوجہ ارتفاع ضرورت ترک فرماتے اور مشروعیت

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۷

[2] المصنف لعبدالرزاق باب القنوت حدیث ۴۹۶۴ " المکتب الاسلامی بیروت ۲/۱۱۰

سنن الدارقطنی باب صفۃ القنوت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/۳۹

اس قنوت کی کتب حنفیہ میں بھی مصرح جیساکہ اشباہ و درمختار و بحرالرائق و غایہ و ملتقط و سراج وہاج و شرح نقایہ شمنی و فتح القدیر ابن الہمام وکلام رئیس الحنفیہ امام ابوجعفر بن سلامہ طحاوی وغیرہ سے ثابت، متون میں غیر وتر میں قنوت پڑھنا ممنوع ٹھہرایا شارحین کرام نے قنوت نوازل کو اس سے استثنا فرمایا۔

فی الدر المختار ولا یقنت فی غیرہ الا لنازلۃ فیقنت الامام فی الجھریۃ وقیل فی الکل[1] وفی البحر الرائق فی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلٰوۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کلھا[2] وفی الاشباہ والنظائر فائدۃ فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنہ فی طاعون سنۃ تسع وستین وتسعمائۃ بالقاھرۃ، فاجبت بانی لم ارہ صریحا، ولکن صرح فی الغایۃ وعزاہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوٰۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کلھا انتھی، وفی فتح القدیر ان مشروعیۃ القنوت للنازلۃ مستمرۃ لم تنسخ، وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث وحملوا علیہ حدیث ابی جعفر

درمختار میں ہے کہ غیر وتر میں صرف قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے اور قنوت نازلہ امام جہری نماز میں پڑھے، اور بعض نے کہا تمام نمازوں میں پڑھے، اور بحرالرائق میں ہے کہ شرح نقایہ میں غایہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نمازِ فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور محدثین نے کہا کہ قنوتِ نازلہ تمام نمازوں میں جائز ہے اور الاشباہ والنظائر ــــ "طاعون کو ختم کرنے میں دعا کا فائدہ" ہے، قاہرہ میں ۹۹۹ھ میں طاعون کے موقعہ پر مجھ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے جواب میں کہا کہ میں نے صریح طور پر اس بارے میں نہیں دیکھا لیکن غایہ میں تصریح ہے کہ شمنی نے اس بات کو صاحبین کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نمازِ فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور اہلحدیث نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں قنوت جائز ہے انتہی، اور فتح القدیر میں ہے قنوتِ نازلہ جاری ہے منسوخ نہیں ہے اور اہل حدیث کی جماعت کا یہ قول ہے اور انہوں نے ابوجعفر کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

---

[1] درمختار ـــ باب الوتر والنوافل ـــ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ـــ ۱/ ۹۴

[2] بحرالرائق شرح کنز الدقائق ـــ باب الوتر والنوافل ـــ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ـــ ۲/ ۴۴

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہما زال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقنت حق فارق الدنیا ای عند النوازل، وما ذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقرر فعلھم ذلك بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد قنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم مسیلمۃ الکذاب وعند محاربۃ اھل الکتٰب، وکذلك قنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وکذلك قنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ معاویۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما، وقنت معاویۃ فی محاربتہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انتھی، فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان طاعون من اشد النوازل، قال فی المصباح النازلۃ المصیبۃ الشدیدۃ تنزل بالناس انتھی، وذکر فی السراج الوھاج قال الطحاوی ولا یقنت فی الفجر عندنا من غیر بلیۃ فان وقعت بلیۃ فلا باس بہ کما فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قنت شھرا فیھا یدعو علی رعل وذکوان وبنی لحیان ثم ترکہ کذا فی الملتقط[1] انتھی (ملتقطا)۔

مروی حدیث اسی معنی پر محمول کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تاحیات قنوتِ نازلہ مصیبت پر پڑھتے رہے۔ اور خلفاء کے عمل کے بارے میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ عمل جاری رکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسیلمہ کذاب سے صحابہ کی جنگ اور اہل کتاب سے جنگ میں قنوت پڑھی، اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قنوت پڑھی اور ایسے ہی علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے دوران پڑھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنگوں کے دوران قنوت پڑھی انتہی پس قنوتِ نازلہ ہمارے ہاں مصیبت کو ختم کرنے کے لئے دعا کے طور پر ثابت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ طاعون بھی بڑی مصیبت ہے، اور مصباح میں فرمایا کہ نازلہ، لوگوں پر شدید مصیبت کے نزول کو کہتے ہیں انتہی، اور سراج الوہاج میں ذکر ہے کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ نزولِ مصیبت کے بغیر نمازِ فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے لیکن اگر مصیبت نازل ہو تو ہمارے نزدیک قنوت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ قنوت پڑھی اور اس میں رعل، ذکوان اور بنولحیان پر بددعا فرمائی اور پھر آپ نے ترک کر دی۔ ملتقط میں اسی طرح ہے انتہی ملتقطا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث فائدۃ فی الدعاء لرفع الطاعون ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۶۱ و ۲۶۲

یہاں سے ظاہر کہ اختلاف شافعیہ وحنفیہ دربارہ قنوت فجر کہ وہ علی الدوام حکم دیتے اور ہم انکار کرتے ہیں غیر نوازل میں ہے، نہ قنوت نوازل میں اور بلاشبہ طاعون ووبا اشد نوازل سے ہیں اور ان کے عموم میں داخل کما مر من الاشباہ (جیسا کہ اشباہ سے گزرا۔ ت) پس اگر امام دفع طاعون ووبا کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھے تو اس کے جواز و مشروعیت میں کوئی شبہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰۷ ۸ جمادی الاخرٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جسے امام کے پیچھے نماز وتر میں بھی رکعتیں فوت ہوئیں اور قنوت بھی وہ جب اپنی باقی نماز پڑھنے کو کھڑا ہو تو اخیر رکعت میں دعائے قنوت دوبارہ پڑھے یا وہی جو امام کے پیچھے پڑھی کافی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اُسی پر اکتفا کرے دوبارہ نہ پڑھے کہ تکرار قنوت مشروع نہیں،

فی الدر اما المسبوق فیقنت مع امامہ فقط[1] اھ فی ردالمحتار لانہ اٰخر صلٰوتہ وما یقضیہ اولہا حکما فی حق القراءۃ وما اشبہہا واذا وقع قنوتہ فی موضعہ بیقین لایکرر لان تکرارہ غیر مشروع شرح المنیۃ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

دُر میں ہے کہ مسبوق (جس کی کوئی رکعت جماعت سے رہ جائے) صرف امام کے ساتھ قنوت پڑھے اھ۔ ردالمحتار میں ہے کیونکہ امام کے ساتھ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور جس کو قضا کر رہا ہے وہ قراءۃ وغیرہ کے اعتبار سے حکماً نماز کا اوّل ہے، اور جب قنوت امام کے ساتھ اپنے محل میں ادا ہوچکی ہے تو اس کا تکرار نہ کیا جائے کیونکہ اس کا تکرار جائز نہیں، شرح منیہ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰۸ از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

دو سہ مردم در آں مسجد کہ امام بجماعت تراویح مشغول تام ست حاضر گردیدند آنہا نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا جداگانہ خوانندہ ملحق جماعت تراویح شوند و باز دو

دو تین آدمی مسجد میں آئے تو امام نماز تراویح میں مصروف تھا، کیا یہ آنے والے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت کرائیں یا علیحدہ علیحدہ پڑھیں اور اس کے بعد

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴
[2] ردالمحتار " " " مصطفی البابی بمصر ۱/۴۹۶

راہمراہ امام بخوانند یا تنہا چرا کہ امام را بجماعت فرض نیافتہ، بینوا توجروا

تراویح کی جماعت میں شامل ہوں، اور کیا یہ لوگ وتر امام کے ساتھ جماعت سے ادا کریں یا اس امام کی جماعت کے ساتھ فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے وتر علیحدہ پڑھیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

جماعت تراویح مانع جماعت فرض نیست لان قیام جماعة انما یمنع اقامة جماعة اخری فی زمانها ومکانها اذا کانت الاولی داعیة لکل من یأتی الی الدخول فی نفسها وجماعة التراویح لاتدعو من لم یصل الفرض الی الدخول فیها فان الصحیح المعتمد بطلان التراویح قبل اداء الفرض ولذا قال فی جامع الرموز اذا دخل واحد فی المسجد والامام فی التراویح یصلی فرض العشاء اولا ثم یتابعه[1] پس آنانکہ از پس رسیدند چوں شرعاً مامورند باداے فرض پیش از تراویح چرا ممنوع باشند از جماعت حالانکہ چوں امام درتراویح ست محراب مشغول باشد پس عدول از وکہ مبدل ہیأت و بر مذہب صحیح ومفتی بہ نافی کراہت ست کما نص علیہ فی مواضع من ردالمحتار اینجا خود حاصل ست پس برمذہب صحیح ایناں را ہیچ مانع از اقامت جماعت نیست آرے ہر قدر کہ توانند دور از جماعت قوم جماعت فرض برپا کنند تا ہم خویشتن از التباس افعال واشتغال بال ایمن باشند وہم بر اہل تراویح

تراویح کی جماعت، فرض کی جماعت کے لئے مانع نہیں ہے کیونکہ دوسری جماعت کے لئے وہ موجودہ جماعت مانع ہوتی ہے جو کہ تمام آنے والوں کے لئے یہ پہلی موجودہ جماعت اپنے اندر داخل ہونے کی داعی ہو، جبکہ بعد میں آنے والے ان لوگوں کو جنھوں نے فرض نماز نہیں پڑھی، کے لئے یہ موجودہ جماعتِ تراویح داعی نہیں ہے کہ اس میں شامل ہوں، کیونکہ فرض ادا کرنے سے قبل تراویح کا پڑھنا صحیح مذہب میں باطل ہے، اسی بناپر جامع الرموز میں کہا ہے کہ جب کوئی ایک شخص جماعتِ تراویح ہوتے وقت آئے تو اس کو پہلے عشا کے فرض پڑھنے ہوں گے اور اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہو، پس بعد میں آنے والے لوگ جب اس بات کے پابند ہیں کہ وہ پہلے فرض ادا کریں اور بعد میں تراویح پڑھیں تو شرعاً ان کو فرض کی ادائیگی جماعت کرانے میں کیا مانع ہے خصوصاً جبکہ امام تراویح پڑھاتے ہوئے محراب میں ہے تو بعد میں آنے والے اپنی جماعت کو محراب سے ہٹ کر کرائیں گے جس سے پہلی جماعت کی ہیئت تبدیل ہو جائے گی اور دوسری جماعت کی کراہت ختم ہو جائیگی جیسا کہ ردالمحتار

---

[1] جامع الرموز الوتر والنوافل مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۱۴

خصوصاً امام تالی قرآن تلبیس نمایند هذا کله مما لایخفی علی من له مساس بالفقه۔ باز آنکس کہ فرض بجماعت گزاردہ است خواہ خود امام بود یا بامام دیگر غیر ایں امام اقتدا نمودہ او را میرسد کہ در وتر بایں امام اقتدا کند آرے ہر کہ فرض بہ تنہائی ادا نمود او را در وتر ہم منفرد باید بود علامہ شامی در ردالمحتار فرمود لوصلاھا (یعنی صلٰوۃ العشاء) جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراھۃ تأمل[1] ومن فقیر ایں مسئلہ را در فتاوٰی خودم بر ہمہ تمام تر رنگ تفصیل دادہ ام۔ واللہ تعالٰی اعلم

کی تصریح کے مطابق صحیح اور مفتی بہ مذہب یہی ہے جب کراہت کی وجہ خود بخود ختم ہوگئی تو ان لوگوں کی جماعت کے لئے کوئی بھی مانع نہ رہا، ہاں ممکن حد تک ان کو چاہئے کہ تراویح کی جماعت سے دُور اپنی جماعت کریں تاکہ آپس میں قراءت اور افعال میں اشتباہ نہ پیدا ہو اور اطمینان قلبی سے نماز ادا ہوسکے، نیز تراویح کے امام جو کہ تلاوت میں مصروف ہے کو اشتباہ سے بچایا جاسکے۔ فقہ سے مس رکھنے والے کو یہ تمام معاملہ معلوم ہے، اور پھر جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے ادا کرچکا ہو خواہ اپنی جماعت کرائی ہو یا کسی اور امام یا اس تراویح والے کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا ہو اس کو تراویح اور وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، ہاں جس نے فرض بغیر جماعت اکیلے پڑھے ہوں اس کو وتر اکیلے پڑھنے چاہئیں۔ علامہ شامی نے ردمحتار میں فرمایا کہ اگر کسی نے عشاء کی نماز کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت سے ادا کی ہو تو وہ بلاکراہت اس امام کے ساتھ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے غور کیجئے، جبکہ اس فقیر نے اس مسئلہ کو ہمہ پہلو تفصیل کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۰۹: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ازمکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

بقلم خجستہ رقم عبارت فتاوٰی صاحب چنیں ترقیم آمدہ است کہ ہر آنکس کہ نماز فرض بجماعت گزاردہ است خود امام بود یا بامام دیگر غیر ایں امام اقتدا نمودہ او را میرسد کہ در وتر اقتدا بکند آرے ہر کہ فرض بہ تنہائی ادا نمود او را در وتر ہم منفرد باید بود بدیں طور علامہ شامی در ردالمحتار فرمودہ است فقط صاحبا

آپ کے مبارک قلم سے فتوٰی یُوں جاری ہُوا ہے کہ جو شخص عشاء کی نماز یعنی فرض جماعت سے پڑھ چکا ہے خواہ خود امام بنا یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھ چکا ہو اس کو اس امام کے ساتھ با جماعت وتر پڑھنے کا اختیار ہے، ہاں جو شخص اکیلے فرض ادا کرے اس کو وتر بھی اکیلے پڑھنے چاہئیں

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۳

در فوائد الاعمال تصنیف قاضی محمد تقی صاحب فیروزپوری کہ فیروزپورہ از توابع ملک میوات ست و ایں کتاب در علم فقہ معتبرست ارقام فرمودہ کہ بعد نماز فرض درجہ واجب ست پس بسبب سنت جماعت واجب را ترک نماید و سنت را ادا سازد کے روا بود بل لازم و واجب ست بعد ادائے نماز وتر تراویح باقیماندہ ادا کند اگرچہ بجماعت فرض بشمول نشدہ باشد ہمیں ست حکم کتب الفقہ و در شامی جلد اول صفحہ ۴۷۶ و در طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷ و در درالمختار و تزکیۃ القیام مصنفہ مولٰنا صاحب عبدالحق محدث دہلوی نوشتہ است کہ اگرچہ جماعت فرض بدست نیامدہ باشد تاہم وتر را ضرور بجماعت ادا سازد لابد ست پس بعد عدم جماعت فرض وتر را بجماعت ادا نمودن درست ست یا قطعی حکم ممانعت ست مطلع فرمایند و ایں گستاخی کہ ازیں احقر البریہ رفتہ است معاف فرمایند و بخوف طول اصل عبارت موقوف داشتہ۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں یونہی بیان کیا ہے فقط حالانکہ فوائد الاعمال جوکہ قاضی محمد تقی فیروزپوری کی تصنیف ہے اور فیروزپور میوات کے علاقہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کتاب علم فقہ میں معتبر ہے، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ فرض کے بعد واجب کا درجہ ہے لہذا سنتِ جماعت کی وجہ سے واجب کو یعنی وتر کو ترک کرنا اور سنت یعنی تراویح کو ادا کرنا کب جائز ہوسکتا ہے اس لئے لازم ہے کہ وتر باجماعت ادا کرکے باقی تراویح کو بعد میں پڑھے اگرچہ اس نے فرض اکیلے ہی پڑھے ہوں، یہی حکم کتبِ فقہ میں ہے اور شامی جلد اول صفحہ ۴۷۶ اور طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷، اور درمختار اور تزکیۃ القیام مصنفہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی میں لکھا ہے کہ اگرچہ فرض جماعت سے ادا نہ کئے ہوں تب بھی ضروری ہے کہ وتر جماعت سے ادا کرلے۔ اب سوال یہ ہے کہ فرض باجماعت ادا نہ کئے ہوں تب بھی وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہیں یا جائز نہ ہونے کا قطعی حکم ہے، مطلع فرمائیں، اس فقیر سے اگر گستاخی ہُوئی ہو تو معاف فرمائیں اور طوالت کے ڈر سے اصل عبارت موقوف کردی ہے (ت)

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، مہربانا حکم مسئلہ ہماں ست کہ فقیر نوشت وآنچہ از چار کتاب آوردہ اند کہ جماعت وتر مطلق ضروری و لابدی ست در سہ پیشین اعنی حاشیہ شامی و طحطاوی و درمختار زنہار ازیں معنی نشانے نیست و

اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائی فرما۔ میرے مہربان اس مسئلہ کا حکم وہی ہے جو اس فقیر نے لکھا ہے، اور انھوں نے جن چار کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وتر کو جماعت سے پڑھنا مطلقاً ضروری ہے ان میں سے پہلی تین یعنی شامی، طحطاوی اور درمختار میں قطعاً اس مفہوم کا کوئی نشان تک نہیں ہے اور

تزکیۃ القیام را فقیر گاہے ندیدہ بلکہ نامش نشنیدہ ام اگر از تصانیف شیخ محقق قدس سرہ العزیز ست یقین دارم کہ ایں حکم درو ہرگز نباشد و چساں گمان بردہ آید کہ عالمے معتمد ہمچو شیخ مستند ایں چنیں کلامے بے سند برخلاف اجماع رقم زند ضروری و لابدی بودنش در کنار علمارا اختلاف ست کہ افضل در وتر جماعت ست یا بخانۂ خویش تنہا گزاردن ائمۂ افتا ہردو قول را تصحیح فرمودہ اند طرفہ آنکہ در مختار ہمیں قول اخیر یعنی افضلیت انفراد را مذہب قرار داد و شیخ محقق در ماثبت بالسنۃ ہموں را مختار گفت و آنانکہ افضلیت جماعت را مرجح داشتند ہیچ نگاشتند کہ جماعت در وتر سنتے بیش نیست بلکہ سنیت او از سنیت جماعت تراویح نازل ست و در بحر الرائق وغیرہ ہمیں بلفظ استحباب تعبیر رفت۔ اینک عبارت در مختار ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ ما یقتضی ان المذھب الثانی و اقرہ المصنف وغیرہ[1] شیخ فرماید اختلفوا فی الافضل فقال بعضھم

تزکیۃ القیام نام کی کتاب اس فقیر نے نہ دیکھی نہ سنی، اگر واقعی یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے تو پھر مجھے یقین ہے کہ اس کتاب میں یہ حکم ہرگز نہ ہوگا حضرت شیخ جیسے قابلِ اعتماد عالم کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ایسی بے سند بات اور خلافِ اجماع تحریر کردی ہے چہ جائیکہ انھوں نے ضروری اور لابدی قرار دیا ہو۔ علماء میں تو یہ اختلاف ہے کہ رمضان میں وتر با جماعت پڑھنا افضل ہے یا تنہا گھر میں جبکہ ائمہ کرام نے دونوں باتوں کو صحیح قرار دیا ہے، اور پھر تماشا یہ ہے کہ درمختار میں دوسرے قول یعنی گھر میں اکیلے پڑھنے کو احناف کا مسلک قرار دیا ہے اور شیخ محقق نے بھی اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ لوگ جو وتر کو جماعت سے پڑھنے کو افضل کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی وتر با جماعت، سنت سے زیادہ نہیں بلکہ یہ سنت ان کے ہاں تراویح کے سنت سے کم درجہ ہے، اور بحر الرائق میں تو اس کو استحباب سے تعبیر کیا ہے۔ درمختار کی عبارت یہ ہے کیا وتر کی جماعت افضل ہے یا گھر میں پڑھنا، دونوں کی تصحیح موجود ہے۔ لیکن وہبانیہ کے شارح نے جو نقل کیا اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ دوسرا قول مذہب و مسلک ہے اسی کو مصنف وغیرہ نے ثابت کیا ہے، اور شیخ عبدالحق نے یوں فرمایا ہے علماء نے وتر کے بارے میں اختلاف

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الافضل الجماعۃ وقال الآخرون الافضل ان یوتر فی منزلہ منفردا وھو المختار[1]۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی فرمودہ رجح الکمال الجماعۃ فی شرح المنیۃ والصحیح ان الجماعۃ فیھا افضل الا ان سنیتھا لیست کسنیۃ جماعۃ التراویح اھ ملخصاً[2]۔ علامہ طحطاوی زیر قولش فی رمضان یصلی الوتر بھا ای بالجماعۃ "تحریر نمودہ" ای استحبابا کما فی البحر وظاھر ما سیاتی لہ انھا فیہ سنۃ کالتراویح[3] پس روشن شد کہ نسبت کلام مذکور باین علما غلط بودہ است واگر از حکم ضروری ولابدی بودن جماعت قطع نظر نمودہ آید تاہم نسبت بعلامہ شامی نسبت بمخالف ست زیراکہ او رحمہ اللہ تعالٰی تصریح فرمودہ است کہ ہرکہ در فرض منفرد بود در وتر ہم اقتدا نکند از علامہ شمس قہستانی آورد واذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر[4] باز خود گفت ینبغی ان یکون قول القہستانی

کیا کہ افضل جماعت ہے یا افضل یہ ہے کہ گھر میں اکیلے پڑھے، اور یہ دوسرا قول ترجیح یافتہ ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ کمال نے جماعت والے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور منیہ کی شرح میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت افضل ہے، لیکن وتر کی جماعت سنت، تراویح کی جماعت کی سنت کی طرح نہیں ہے اھ ملخصاً
اور علامہ طحطاوی نے ماتن کے اس قول کہ "رمضان میں وتر جماعت سے پڑھے" کے بعد لکھا ہے کہ یہ استحباب ہے جیسا کہ بحر میں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جو ان سے آگے آئیگا کہ رمضان میں وتر کی جماعت سنت ہے جیسے تراویح سنت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مذکورہ بات ان علما کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے
اور لابدی اور ضروری حکم سے قطع نظر بھی علامہ شامی کی طرف اس بات کو منسوب کرنا ایک مخالف چیز کو منسوب کرنا ہے کیونکہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ اگر فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے' اور علامہ قہستانی کے حوالے سے انھوں نے کہا ہے کہ جب فرض امام کی اقتدا میں نہ پڑھے ہوں تو وتر میں اس کی اقتداء نہ کرے، اور علامہ نے خود فرمایا کہ علامہ قہستانی کا یہ کہنا کہ

---

[1] ماثبت بالسنۃ الفصل السابع ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ٣٠٢
[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مصطفی البابی مصر ١/٥٢٥
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ١/٢٩٧
[4] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ١/٥٢٤

معہ احترازعن صلوتہا منفردا اما لو صلاہا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراہۃ تامل[1] اھ ودر درمختار ایں مسئلہ را اصلاً ذکرے نیست۔ مصنف وشارح اعظم اللہ تعالٰی اجورھما وافاض علینا نورھما ہمیں نوشتہ اند کہ ہر کہ تراویح منفرد بود در جماعت وتر داخل می تواند شد حیث قالا لولم یصلہا ای التراویح بالامام او صلاہا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ[2] ایں مسئلہ را با مسئلہ ما چہ علاقہ کہ اینجا کلام در منفرد فی الفرض ست نہ منفرد فی التراویح وضرور نیست کہ ہر کہ تراویح تنہا گزاردہ است در فرض نیز منفرد بودہ باشد باز شارح رحمہ اللہ تعالٰی سوالے آوردہ است کہ اگر ہمہ اہل جماعت تراویح را ترک کردہ باشد آیا ایشاں را می رسد کہ وتر بجماعت گزارند اینجا ہیچ حکمے ننمود وامر بمراجعت کتب فرمود حیث قال بقی لو ترکہا الکل ہل یصلون الوتر بجماعۃ فلیراجع[3] آرے

اُس امام کے پیچھے فرض نہ پڑھے ہوں" کا مطلب یہ ہے اکیلے پڑھے ہوں، لیکن اگر اس نے فرض کسی دوسرے امام کی اقتداء میں پڑھے ہوں تو پھر وتر میں امام کے ساتھ جماعت میں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے" غور کراھ اور درمختار میں اس مسئلہ کا بالکل ذکر نہیں ہے مصنف اور شارح (اللہ تعالٰی ان کے اجر کو عظیم فرمائے اور ان کے نور کا ہم پر فیضان فرمائے) دونوں نے لکھا ہے کہ کسی نے صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔ انھوں نے یوں فرمایا اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کو اس امام کے ساتھ وتر پڑھنا جائز ہیں لیکن اس مسئلہ کا ہمارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارا مسئلہ تو اکیلے فرض پڑھنے والے کے بارے میں ہے نہ کہ اکیلے تراویح پڑھنے کے بارے میں ہے، کیونکہ تراویح اکیلے پڑھنے کو یہ لازم نہیں کہ فرض بھی اکیلے پڑھے ہوں۔ اس کے بعد شارح نے خود سوال اٹھایا کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح باجماعت نہ پڑھی ہوں تو ان کو یہ جائز ہوگا کہ وہ وتر باجماعت ادا کریں۔ شارح نے یہ سوال بیان کرکے کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہا اس بارے میں کتب کو دیکھا جائے، انھوں نے اس کو یوں بیان فرمایا "یہ بات باقی ہے کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح کی

---

[1] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۴

[2] و [3] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

علامہ حلبی محشی در جواب ایں سوال از رائے و فہم خود چناں بحث کرد کہ گو جماعت تراویح یکسر متروک باشد تاہم مقتضائے تعلیل آن ست کہ جماعت وتر روا باشد زیرا کہ او نماز مستقل بنفسہ است وھذا نصہ علی ما نقل العلامۃ الطحطاوی قولہ فلیراجع قضیۃ التعلیل فی المسئلۃ السابقۃ بقولھم لانھا تبع ان یصلی الوتر بجماعۃ فی ھذہ الصورۃ لانہ لیس بتبع للتراویح ولا للعشاء عند الامام رحمہ اللہ تعالٰی ایں جا نیز چنانکہ دیدی کلام در منفرد فی الفرض نیست نعم ربما یوھم قولہ ولا للعشاء جواز جماعۃ الوتر وان ترکوا جماعۃ الفرض اصلا لکنہ کما علمت خلاف المنقول وما کان لبحث ان یقبل علی خلاف المنصوص لاسیما وھو غیر مستقیم فی نفسہ اذ لیس قضیۃ التعلیل ما مر کما افادہ العلامۃ الشامی واجاد حیث قال قولہ بقی الخ الذی یظھر ان جماعۃ الوتر

جماعت کو ترک کیا ہو تو وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں تو اس مسئلہ میں کتب کو دیکھا جائے، ہاں علامہ حلبی محشی نے از خود اس سوال کے جواب میں اپنی رائے اور فہم سے یہ بحث کی ہے کہ اگرچہ تراویح کی جماعت متروک ہوگئی مگر اب وتر کی جماعت کو ترک نہ کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وتر ایک مستقل علیحدہ نماز ہے، اور ان کا بیان یہ ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی نے ان کا بیان نقل کیا ہے "کتب کی طرف رجوع کرو" یہ اس علت کا قرینہ ہے جو انہوں نے سابقہ مسئلہ میں بیان کی ہے کہ تراویح تابع ہیں اس لئے اس کو جائز ہے کہ وہ وتر با جماعت پڑھے، کیونکہ وتر نہ تو تراویح کے تابع ہیں اور نہ ہی عشاء کے۔ امام صاحب کے قول میں رحمہ اللہ تعالٰی، آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہاں بھی فرض اکیلے پڑھنے والے کے بارے میں بات نہیں ہے۔ ہاں اس کا قول "عشاء کے بھی تابع نہیں" وہم پیدا کرتا ہے کہ وتر کی جماعت جائز ہے اگرچہ سب حضرات نے فرض کی جماعت کو ترک کر دیا ہو، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہ بات نقل کے خلاف ہے اور منقول کے خلاف کوئی بحث قابلِ قبول نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ وُہ بحث خود بھی درست نہ ہو، کیونکہ علت والا معاملہ وُہ نہیں جو بیان ہوا، جیسا کہ علامہ شامی نے خوب بیان فرمایا جہاں انھوں نے یہ کہا "یہ بات باقی ہے الخ" ان کا یہ سوال اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ وتر کی جماعت

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۷

تبع لجماعة التراویح وان کان
الوتر نفسہ اصلا فی ذاتہ
لان سنۃ الجماعۃ فی الوتر
انما عرفت بالاثر تابعۃ للتراویح
علی انھم اختلفوا فی افضلیۃ
صلاتھا بالجماعۃ بعد التراویح
کما یأتی اھ ومن فقیر در فتوی عربیہ
کہ بجواب سوال مولوی محمد عبداللہ صاحب
پنجابی ھزاری بتاریخ نوزدہم شہر ربیع الآخر
۱۳۰۶ ہجریہ نوشتہ ام ایں مقام را باقصائے
مراتب تنقیح وتوضیح رسانیدہ ام وباللہ التوفیق
سخن گفتن ماند از کتاب فوائد الاعمال مہربانا معتبر
بودن کتابے نزد بعض معتقدین چیزے ومعتبر
بودنش فی نفسہ چیزے دیگرست، باز اعتبار
کتابے مستلزم آں نیست کہ ہرچہ درو مذکور
ست مختار ومنصورست، زنہار در کتب اجلہ
ائمہ ہیچ یک کتابے نیابی کہ در بعض مواضع مجال
نقد وتنقیح نداشتہ باشد تا بتالیف ما احداث
ہند چہ رسد، مؤلفش اگر ایں مسئلہ
را از پیش خود گفتہ است بجوئے نیرزد ورنہ
برو لازم بود کہ نص کتاب آوردے یا لا اقل
نام کتاب بردے، تنہا گفتنش کہ ہمیں
ست حکم کتب الفقہ، چگونہ قبول افتد

تراویح کی جماعت کے تابع ہے اگرچہ وتر فی نفسہٖ مستقل
نماز ہے، کیونکہ وتر کی جماعت کا سنت ہونا یہ نقل
سے ثابت ہے کہ یہ تراویح کے تابع ہے یہ علیحدہ
بات ہے کہ علماء نے تراویح کے بعد وتر باجماعت
پڑھنے کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے، جیسا کہ
آئندہ آرہا ہے اھ اور مجھ فقیر نے عربی فتوی جو کہ
مولوی عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری کے سوال
کے جواب میں بتاریخ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۰۶ھ لکھا ہے
اس میں اس مقام پر خوب اعلٰی تنقیح وتوضیح سے کام
لیا ہے وباللہ التوفیق، فوائد الاعمال کے متعلق بات کرنا
باقی ہے، میرے مہربان کسی کتاب کا معتقدین کے
ہاں معتبر ہونا ایک بات ہے اور اس کتاب کی
اپنی حیثیت میں معتبر ہونا اور بات ہے نیز کسی کتاب
کے معتبر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں جو کچھ
موجود ہے وہ تمام معتبر ومختار ہو ہرگز ایسا نہیں
ہے کیونکہ بڑے بڑے ائمہ کرام کی کتابوں میں سے
کوئی بھی کتاب ایسی نہیں کہ اس کے بعض مقامات
قابلِ تنقید وتنقیح نہ ہوں، تو ہم نئے لوگوں کی
کتابوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ
ان میں سب کچھ درست ہے۔ فوائد الاعمال کے
مصنف نے اگر یہ مسئلہ خود اپنی طرف سے کہہ دیا
تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ورنہ ان پر لازم
تھا کہ وہ کسی ایک کتاب کا ہی حوالہ ذکر کردیتے اور

حالانکہ در کتبِ فقہ ہمچو غنیۃ الفقہاء و غنیہ و شرح
نقایہ و ردالمحتار تنصیص بخلافش می یابیم
باز اگر بر خاطر احباب گراں نیاید سخن
از نقد کلامش رانم و بر ہمگناں واضح و لائح
گردانم کہ ایں کلام چہ قدر از پایۂ فقاہت
دور و مہجور افتادہ است **اوّلاً** باید دانست
کہ علماء را در وقت تراویح دو قول ذیل بطراز
تصحیح ست یکے آنکہ وقتش ما بین عشاء و وتر ست
تا آنکہ بعد وتر روا نبود چنانکہ بیش از فرض روا
نیست صححہ فی الخلاصۃ ورجحہ
فی غایۃ البیان بانہ
الماثور المتوارث[1] اھ ش عن
البحر دوم آنکہ بعد عشاء تا طلوع
فجر و ہمیں ست ارجح التصحیحین
عزاہ فی الکافی الی الجمہور
وصححہ فی الہدایۃ و
الخانیۃ والمحیط[2] اھ ش عن
الزین بر مذہب اول ہر کرا
چیزے از تراویح باقی ماند و امام بوتر برخاست
حکم ہمیں ست کہ بہ بقیہ تراویح
اشتغال نماید و بجماعت وتر در نیاید
زیرا کہ نزد ایشاں پس از وتر وقت تراویح

صرف یہ کہہ دینا کہ کتبِ فقہ کا یہ حکم ہے، کیسے قابلِ قبول
ہوسکتا ہے حالانکہ کتبِ فقہ مثلاً غنیۃ الفقہاء، غنیہ،
شرح النقایہ اور ردالمحتار میں ہم اس کا خلاف
پاتے ہیں پھر اگر دوستوں پر گراں نہ گزرے تو ہم اس کا
تنقیدی جائزہ پیش کریں، اور ان پر واضح کردیں کہ ان
کے بیان کی کیا حیثیت ہے اور یہ کہ فقہ سے اس کا
کوئی تعلق نہیں ہے **اوّلاً** معلوم ہونا چاہئے کہ
تراویح کے وقت کے بارے میں علماء میں اختلاف
ہے اور اس میں دو قول ہیں جو کہ تصحیح کے معیار پر
آتے ہیں: ایک یہ کہ تراویح کا وقت، نماز یعنی فرضِ
عشاء اور وتر کے درمیان ہے اس بنا پر فرض سے
قبل تراویح جائز نہیں جس طرح کہ وتر کے بعد جائز
نہیں، اس قول کو خلاصہ میں صحیح قرار دیا ہے، اور
غایۃ البیان نے اس کو زمانہ بزمانہ منقول کہہ کر ترجیح
دی ہے اھ۔ یہ شارح نے بحر سے نقل کیا ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا وقت بعد از عشاء
تا طلوعِ فجر ہے، یہی قول صحت میں راجح ہے اور
کافی میں اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور
ہدایہ، خانیہ اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اھ۔
یہ شارح نے زین سے نقل کیا ہے اب پہلے قول کے
مطابق اگر کسی کی کچھ تراویح رہتی ہوں اور امام وتر
شروع کرچکا ہے اس کو یہ حکم ہے کہ وہ امام کے

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۱
[2] " " " " " " " " " "

فوت می شود امام طاہر بن احمد بخاری درخلاصہ فرمود یشتغل بالترویحۃ الفائتۃ لانہ لایمکنہ الاتیان بہا بعد الوتر[1] وبرمذہب دوم بہر دو امر مخیر ست اما اختلاف در افضل افتاد ہر کہ در وتر انفراد را بہتر دانستہ نزد او اشتغال بترویحہ فائتہ احسن باشد وہر کہ جماعت نیکوتر گفتہ پیش او بجماعت وتر در ساختن وترویحہ فائتہ را لپس انداختن خوشتر وما نا کہ ہمیں احب باشد وفقیر گویم چوں صحیح دوم جانب عدم صحت تراویح بعد وتر است ینبغی انسب مراعات آں باشد واللہ تعالٰی اعلم قال فی الدر المختار ووقتہا بعد صلاۃ العشاء الی الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الاصح فلوفاتہ بعضہا وقام الامام الی الوتر اوتر معہ ثم صلی مافاتہ[2] اھ قال فی ردالمحتار قولہ فلوفاتہ بعضہا الخ تفریع علی الاصح لکنہ مبنی علی ان الافضل فی الوتر الجماعۃ لاالمنزل

ساتھ وتر نہ پڑھے بلکہ بقیہ تراویح کو پہلے پڑھے کیونکہ اس قول والوں کے ہاں وتر کے بعد تراویح کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ امام طاہر بن احمد بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ وہ بقیہ تراویح ادا کرے کیونکہ وتر کے بعد اس کو تراویح پڑھنا ممکن نہیں۔ اور دوسرے قول کے مطابق اس کو دونوں طرح اختیار ہے کہ بقیہ تراویح وتر سے پہلے پڑھے یا بعد۔ لیکن افضل ہونے میں ضرور اختلاف ہے کہ جو لوگ وتر تنہا پڑھنا افضل کہتے ہیں کہ تراویح پہلے پڑھے اور جو جماعت کو بہتر جانتے ہیں انکے نزدیک پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ کر اسکے بعد باقیماندہ تراویح پڑھے، یہ تسلیم ہے کہ پسندیدہ امر یہی ہے لیکن ایک قول میں وتر کے بعد تراویح جائز نہیں ہے، اس لئے یہ فقیر کہتا ہے کہ اُس قول کی رعایت زیادہ مناسب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں کہا کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد تا طلوع فجر ہے وتر سے قبل یا بعد، اصح قول ہے۔ پس اگر کچھ تراویح رہ جائیں اور امام وتر کے لئے کھڑا ہوجائے تو اسے چاہیے کہ وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے اور فوت شدہ تراویح اس کے بعد پڑھے اھ۔ اس پر ردمحتار میں کہا (قولہ فلوفاتہ بعضہا الخ) یعنی ماتن کا قول کہ اگر کچھ تراویح رہ جائیں، یہ اصح قول کی تفریع ہے لیکن یہ تفریع اس بات پر مبنی ہے کہ وتر گھر کی بجائے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی — الفصل الثالث فی التراویح — مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ — ۱/ ۶۳

[2] درمختار — باب الوتر والنوافل — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۹۸

وفیہ خلاف سیاق قولہ اوترمعہ ای علی
وجہ الافضلیۃ الخ بالجملہ بریک مذہب راہ ہمین
ست کہ بجماعت وتر ترک نکند و برمذہب دیگر نزد
بعضے افضل ہمین ست و نزد بعضے اگرچہ اقتدا افضل
اما وجوب ولزوم اقتدا کہ صاحب فوائد نوشت مذہب
ہیچ عالمے نیست نہ زنہار از شرع بروے دلیلے۔
ثانیاً قول او پس بسبب سنت، جماعت واجب
را ترک نماید و سنت را واسازد کے روا بود
طرفہ استدلالے ست اگر لفظ واجب صفت جماعت
ست بداہۃ غلط و باطل بالا گفتہ ایم کہ جماعت
وتر نزد ہیچ کسے واجب نیست و اگر مضاف الیہ
است پس دلیل واضح الاختلال سخن در ترک
جماعت ست نہ در ترک وتر پس قول او "کے روا بود"
کے روا بود الحاصل حکم ہمان ست کہ فقیر در فتوائے
پیشیں نوشتہ ام و از رد و قدح ہمچو کلمات سکوت
اولیٰ بود اگر ایضاح صواب و کشف ارتیاب مقصود
نبودے باز در ضمن بیان، مسائل نافعہ کہ بروئے
کار آمد نفع خوبی ست کہ حامل بریں تحریر می تواند شد
مہربانا سخن برانچہ نقل فرمودہ اند رواں کردم وز
فقیر کتاب فوائد الاعمال ہم ندیدہ ام، ندانم کہ اصل
عبارتش چیست و مؤلفش کیست واللہ تعالیٰ اعلم

باجماعت پڑھنا افضل ہے اور اس میں اختلاف ہے جو
آگے آرہا ہے۔ اور اس کا قول کہ امام کے ساتھ وتر
پڑھے یعنی مستحب یہ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ایک
قول میں یہ متعین ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ وتر نہ پڑھے
اور دوسرے مذہب پر افضل یہ ہے کہ وتر باجماعت
نہ پڑھے ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے
مطابق اگرچہ اقتدا، اور جماعت افضل ہے تاہم
جماعت کا لازم ہونا اور واجب ہونا وتر کے لئے کسی
عالم کا مذہب اور قول نہیں جیسا کہ فوائد الاعمال والے
نے لکھا ہے اور نہ ہی شرع میں اس پر کوئی دلیل ہے۔
ثانیاً اس کا یہ کہنا کہ سنت کی وجہ سے جماعت واجب
کا ترک کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، یہ عجیب استدلال
ہے اس میں لفظ واجب اگر جماعت کی صفت ہے
تو یہ غلط اور باطل ہے کیونکہ وتر کی جماعت کسی کے
ہاں بھی واجب نہیں ہے اور لفظ واجب جماعت کا
مضاف الیہ ہے یعنی واجب کی جماعت، تو پھر یہ دلیل
واضح طور پر خلل والی ہے کیونکہ بات تو ہو رہی ہے جماعت
کے ترک میں نہ کہ واجب یعنی وتر کے ترک میں، اس کا
یہ کہنا کہ "کیسے جائز ہوسکتا ہے"، کیسے جائز اور درست
ہوسکتا ہے! الحاصل یہ کہ اس مسئلہ کا حکم وہی ہے
جو اس فقیر نے پہلے فتوے میں لکھا ہے، ایسی باتوں
پر بحث کرنے سے سکوت بہتر تھا، اگر درست موقف کی وضاحت اور شکوک کو دفع کرنا مقصود نہ ہوتا نیز بحث میں
ضمنی مسائل ہیں جو کہ بڑے کارلانے میں مفید ہوسکتے تھے جن کی وجہ سے میں نے یہ بحث کی ہے ورنہ ضرورت نہ تھی،

۱؎ ردالمحتار   باب الوتر والنوافل   مطبوعہ مصطفی البابی مصر   ۱/۵۲۱

مہربانوں نے جیسے عبارت نقل کی اس کے مطابق میں نے تسلیم کرتے ہُوئے جواب لکھ دیا ورنہ اس فقیر نے کتاب فوائد الاعمال نہیں دیکھی اور نہ یہ معلوم کہ اصل عبارت کیا اور کتاب کا مصنف کون ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱۱ مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری مدرس اول مدرسہ عربیہ بریلی ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۶ھ

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الرجل الذی اقتدی بالامام فی التراویح وقد صلی الفرض فی بیتہ اومع غیر ذلک الامام ھل یصلی الوتر بالجماعۃ ام لا والوتر بالجماعۃ تابع لرمضان ام لجماعۃ الفرض بینوا توجروا۔

اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جس نے فرض اکیلے گھر میں پڑھے یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے کیا وہ شخص باجماعت تراویح والے امام کے پیچھے وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور وتر باجماعت رمضان کے تابع ہے یا فرض کی جماعت کے تابع ہیں، بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

من صلی الفرض منفردا لایدخل فی جماعۃ الوتر ومن صلاھا جماعۃ ولو خلف غیر ھذا الامام فلہ ان یأتم بہ فی الوتر ای وان لم یکن ادرک التراویح معہ ھو الصحیح المعتمد فی الغنیۃ شرح المنیۃ للعلامۃ ابراھیم الحلبی اذا لم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکرابیسی انہ لایتبعہ فی التراویح ولا الوتر وکذا اذا لم یتابعہ فی التراویح لایتابعہ فی الوتر وقال ابو یوسف الباقی اذا صلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معہ الوتر وکذا اذا

جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شریک نہ ہو اور جس نے فرض جماعت سے ادا کئے ہوں اگرچہ کسی دوسرے کی جماعت کے ساتھ پڑھے ہوں وہ اس وتر پڑھانے والے کے ساتھ جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اگرچہ اس نے اس امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، یہی صحیح اور قابلِ اعتماد ہے، منیہ کی شرح غنیہ میں علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا کہ جب فرض جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو عین الائمہ کرابیسی سے روایت ہے کہ وہ تراویح اور وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے اور یوں اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہو تو بھی وہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے، اور ابو یوسف البانی نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے اور یوں ہی اگر اس نے تراویح

لو لم يدرك معه شيئا منها وكذا اذا صلى
التراويح مع غيره له ان يصلى
الوتر معه وهو الصحيح ذكره
ابو الليث وكذا قال ظهير الدين
المرغيناني لو صلى العشاء وحده
فله ان يصلى التراويح مع الامام
وهو الصحيح حتى لو دخل بعد ما صلى
الامام الفرض وشرع فى التراويح
فانه يصلى الفرض اولا وحده ثم
يتابعه فى التراويح وفى القنية
لو تركوا الجماعة فى الفرض
ليس لهم ان يصلوا التراويح جماعة
لانها تبع للجماعة[1] اھ وقال فى رد المحتار
عند قوله لو لم يصلها (اى التراويح) بالامام
له ان يصلى الوتر معه، فى
التاترخانية عن التتمة انه سئل
على بن احمد عمن صلى الفرض و
التراويح وحده او التراويح فقط
هل يصلى الوتر مع الامام فقال لا اھ ثم
رأيت القهستاني ذكر تصحيح ما ذكره
المصنف (اى من جواز الوتر جماعة
لمن صلى التراويح منفردا اى و
الفرض جماعة قال الشامي

جماعت سے کچھ بھی نہ پڑھی ہوں تو وُہ شریک ہوسکتا
ہے، اور اگر اس نے ایسے ہی تراویح کسی دوسرے
امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وُہ وتر کی جماعت میں شریک
ہوسکتا ہے، یہی صحیح ہے اس کو ابولیث نے ذکر
کیا ہے اور ظہیر الدین مرغینانی نے بھی یہی کہا ہے کہ
اگر اس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں تو تراویح امام کے
ساتھ پڑھ سکتا ہے یہی صحیح ہے حتی کہ اگر وہ امام کے
فرض پڑھا لینے کے بعد اور تراویح میں شروع ہونے کے
بعد مسجد میں آیا تو اس کو چاہئے کہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کر
بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو۔ اور قنیہ میں ہے
اگر کچھ لوگوں نے فرض کی جماعت ترک کردی تو ان کو
تراویح باجماعت نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ تراویح فرض
باجماعت کے تابع ہیں اھ اور ردالمحتار میں اس کے
قول پر، اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں
تو اس کو وتر امام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے"۔
تاتارخانیہ میں تتمہ سے نقل ہے کہ علی بن احمد سے سوال
کیا گیا کہ وہ شخص جس نے فرض اور تراویح اکیلے پڑھے ہوں
یا صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں کیا وہ وتر امام کے ساتھ پڑھ
سکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب میں کہا کہ نہیں پڑھ
سکتا اھ۔ پھر میں نے قہستانی کو مصنف کی تصحیح ذکر
کرتے ہُوئے پایا، یعنی جس نے تراویح اکیلے اور فرض
جماعت سے پڑھے ہوں تو اس کو وتر جماعت سے
پڑھنے کی اجازت ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب التراویح مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰

ثم قال (یعنی القھستانی) لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لایتبعہ فی الوتر[1] اھ **قلت** وعزاہ القھستانی للمنیۃ وھی منیۃ الفقہاء لامنیۃ المصلی کما ظنہ بعض المتصدین للفتوی فی عصرنا فنسبہ الی عدم مطابقۃ النقل للمنقول عنہ قال الشامی فقولہ (یعنی المصنف) ولولم یصلھا ای وقد صلی الفرض معہ لکن ینبغی ان یکون قول القھستانی معہ احترازا عن صلوتھا منفردا[2] **قلت** فیکون علی وزان قول الغنیۃ المار اذا لم یدرک معہ شیئا منھا فانما اراد بہ الانفراد لامایشمل الادراک مع غیرہ بدلیل قولہ عطفا علیہ "وکذا اذا صلی التراویح مع غیرہ"، قال الشامی اما لوصلاھا (یعنی الفریضۃ) جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراھۃ تأمل[3] انتھی **اقول** معلوم ان الضمیر فی قولہ لایتبعہ للامام مطلقا لالخصوص

قہستانی نے پھر فرمایا، لیکن اگر فرض اس نے جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر بھی باجماعت نہ پڑھے اھ میں کہتا ہوں کہ اس بات کو قہستانی نے منیہ کی طرف منسوب کیا ہے یاد رہے کہ یہ منیۃ الفقہاء مراد ہے منیۃ المصلی نہیں جیسا کہ بعض معاصر فتوٰی نویسوں کو یہاں غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے نقل کو اصل کے مطابق نہ ہونے کی شکایت کی ہے علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف کا قول کہ اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یعنی فرض امام کے ساتھ پڑھے ہوں لیکن مناسب یہ ہے کہ قہستانی کا "معہ" کہنا یہ تراویح اکیلے پڑھنے کی صورت کو جدا کرنا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ غنیہ کے گزشتہ قول "جب امام کے ساتھ کچھ تراویح نہ پڑھے" کے انداز پر ہے کہ اس سے مراد اکیلے پڑھنا ہے نہ کہ وہ معنی جس میں کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھنا شامل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے دوسرے امام کے ساتھ پڑھنے کو علیحدہ عطف کے ذکر کیا ہے۔ اور علامہ شامی نے فرمایا، اور اگر اس نے فرض کسی اور امام کے ساتھ جماعت میں پڑھا ہو اور پھر وتر اس امام کے پیچھے پڑھ لے تو کوئی کراہت نہیں، غور کر، انتہی۔ میں کہتا ہوں یہ بات واضح ہے کہ "لایتبعہ" میں ضمیر کا مرجع خاص امام نہیں

---

[1] رد المحتار باب الوتر والنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۲
[2] " " " " " " "
[3] رد المحتار " " " " " " "

هذا الامام فان من صلى الفريضة منفردا ليس له ان يدخل فی جماعة الوتر لا مع هذا الامام ولا مع غیرہ فکذلك فی قوله معه وبالجملة فالتحصل شیئان احدھما ان المنفرد فی الفرض ینفرد فی الوتر او ما وقع فی "منهية الدر الفريد فی مسائل الصيام والقيام للعيد" للفاضل المفتی محمد عنایت احمد علیه رحمة الاحد ان لم یصل الفرض بجماعة فله ان یدخل فی جماعة الوتر وعزاہ لحاشية الطحطاوی فسھو۔ وانا قد راجعت المعزی الیه فلم اجدہ ناصا بما ظن نعم قد تشم من بعض کلماته رائحة ذلك حیث قال عند قول الدر المختار لو ترکها الکل (یعنی جماعة التراویح) ھل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع[1] قضية التعلیل فی المسئلة السابقة (ای لو ترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة) بقولھم لانھا تبع ان یصلی الوتر جماعة فی ھذہ الصورة لانه لیس بتبع

بلکہ کوئی بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ کسی امام کے ساتھ وتر باجماعت نہیں پڑھ سکتا خواہ یہ امام ہو یا کوئی اور ہو، اور اسی طرح اس کے قول "معه" میں بھی ضمیر کا مرجع عام ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں حاصل ہوئیں، ایک یہ کہ جس نے فرض اکیلے پڑھے وہ وتر بھی اکیلے پڑھے۔ درر الفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید جو کہ فاضل مفتی محمد عنایت احمد علیہ الرحمۃ کی کتاب ہے، کے منہیہ میں جو مذکور ہے کہ اگر کسی نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے' اور اس بات کو انھوں نے حاشیہ طحطاوی کی طرف منسوب کیا ہے، تو یہ سہو ہے۔ حالانکہ میں نے حاشیہ طحطاوی کو دیکھا ہے میں نے اس میں یہ بات صراحۃً مذکور نہ پائی، ہاں علامہ طحطاوی کی ایک عبارت سے اس بات کی بو آتی ہے، جہاں انھوں نے درمختار کے اس قول "اگر سب نے جماعتِ تراویح کو ترک کردیا ہو تو کیا وہ وتر جماعت سے ادا کرسکتے ہیں، اس بارے میں رجوع کرنا چاہئے" پر لکھا ہے کہ سابقہ مسئلہ کی تعلیل کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ ہے یعنی وہ سابقہ مسئلہ یہ ہے کہ "اگر فرض باجماعت کو انھوں نے ترک کیا ہو تو تراویح جماعت سے ادا نہ کریں" اس مسئلہ کی تعلیل یہ ہے، جس کو انھوں نے یوں بیان کیا ہے، کیونکہ تراویح تابع

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

للتراويح ولا للعشاء عند الامام رحمه الله تعالى انتهى[1] حلبي انتهى فقد يوهم قوله "ولا للعشاء" جواز الوتر بجماعة ولو لم يصل هو بل الكل الفرض بها لكنه كما علمت خلاف المنصوص فان الذى فى ردالمحتار عن شرح النقاية عن المنية ان لم يحمل على ما مركان ادخل فى الرد على هذا الايهام واما ما ذكر انه ليس بتبع عند الامام فنعم ونعم الجواب عنه ما افاد المولى المحقق ابن عابدين ان اصالته فى ذاته لاتنافى كون جماعته تبعا **قلت** الاترى ان الظهر والعصر من اعظم الفروض المستقلة والجمع بينهما من توابع الوقوف بعرفة ولو فى حجة نافلة فافهم قال الشامى انهم اختلفوا فى افضلية صلاتها بالجماعة بعد التراويح اھ[2]

ہیں، وہ وتر کو اس صورت میں جماعت کے ساتھ پڑھے کیونکہ وتر تراویح کے تابع ہیں اور نہ ہی عشاء کے تابع ہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، انتہی حلبی انتہی۔ اس میں اس کا قول کہ وتر عشاء کے تابع نہیں ہے، وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کے یا سب کے فرض با جماعت پڑھے بغیر وتر کو با جماعت پڑھنا جائز ہے لیکن یہ بات علماء کی نص کے خلاف ہے ردمحتار میں شرح نقایہ سے اور اس نے منیہ سے نقل کرتے ہوئے جو ذکر کیا ہے اگر اس کو گزشتہ مفہوم پر محمول نہ کیا جائے تو وہ اس وہم کا بہترین رد ہے اور یہ بیان کہ وتر امام صاحب کے نزدیک عشاء کے تابع نہیں ہیں، ہاں یہ درست ہے۔ اور اس کا بہترین جواب وہ ہے جس کو آقا محقق ابن عابدین نے بیان فرمایا ہے کہ وتر فی ذاتہٖ اصل ہیں اور ان کی جماعت کا عشاء کے تابع ہونا فی ذاتہٖ اصل ہونے کے منافی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ظہر اور عصر کے فرض عظیم اصل اور مستقل ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں فرضوں کو مقام عرفات کے تابع قرار دے کر جمع پڑھا جاتا ہے خواہ نفل حج ہی کیوں نہ ہو۔ غور کر۔ علامہ شامی نے ماتن کی اس عبارت پر کہ "وتر کو تراویح کے بعد باجماعت پڑھنے کی افضلیت میں اختلاف ہے" پر فرمایا

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ بیروت ۱/۲۹۷

[2] ردالمحتار " " " مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۸

ای فکانت جماعته ادون حالا من جماعة التراویح المسنونة عند الجمهور حتی لو ترکها الکل اثموا فکیف بجماعة الفرض الواجبة علی الصحیح الرجیح فساغ ان یکون تبعا فی الجماعة وان کان اصلا فی الذات حتی افسد تذکرہ المکتوبات **قلت** علی ان التعلیل بالقضیة المذکورة تعلیل بالنفی وھو عندنا من التعلیلات الفاسدة کما صرحوا به فی الاصول و حصر العلة فی التبعیة ممنوع محتاج الی البیان ھذا **والاخران** من صلی الفرض بجماعة یجوز له الدخول فی جماعة الوتر سواء صلی الفرض خلف ھذا الامام او خلف غیرہ کما قررالشامی وسواء صلی التراویح وحدہ او خلف ھذا الامام او غیرہ کما نصوا علیه **قلت** بل ومن لم یصلھا راسا کما یشمله اطلاق قوله ولو لم یصلھا بالامام له ان یصلی الوتر معه فانه یصدق بانتفاء القید و المقید جمیعا ولیحرر اما ما ذکروا ان جماعة الوتر ھل ھی تبع

یعنی وتر کی جماعت تراویح کی جماعت سے ادنیٰ ہے کیونکہ تراویح کی جماعت جمہور کے ہاں مسنون ہے حتی کہ اگر تمام لوگ تراویح کی جماعت کے تارک ہوں تو سب گنہ گار ہوں گے، تو جماعتِ وتر کا فرض کی جماعت سے جو کہ راجح قول کے مطابق واجب ہے، کیا مقابلہ ہے، پس یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وتر اگرچہ فی ذاتہٖ مستقل نماز ہیں لیکن ان کی جماعت عشاء کی نماز فرض کے تابع ہے اس لئے اگر وتر کی جماعت میں یاد آئے کہ عشاء کے فرض باقی ہیں تو وتر فاسد ہوجائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ شامی کا متن کے قول مذکور کو علت قرار دینا یہ تعلیل بالنفی ہے جبکہ ہم احناف کے ہاں تعلیل بالنفی فاسد ہے جیسا کہ اصولِ فقہ میں اس کی انھوں نے تصریح کی ہے پھر اس کلام کو وتر کی جماعت کا فرض کے تابع بنانے کے لئے ہی علت ماننا محتاجِ بیان ہے، اس کو محفوظ کر۔ اس بحث سے حاصل شدہ دُوسری چیز یہ ہے کہ جس نے فرض باجماعت ادا کئے ہوں خواہ کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے تو اس کو اس امام کے ساتھ باجماعت وتر پڑھنا جائز ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تقریر کی ہے خواہ اس نے تراویح باجماعت اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں یا تراویح اکیلے پڑھی ہوں جیسا کہ فقہائے نے اس کو صراحۃً بیان فرمایا۔ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) خواہ اس نے تراویح سرے سے پڑھی ہی نہ ہوں کیونکہ اس کا یہ قول کہ "اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو بھی وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے" مطلق ہے، جو اس صورت کو

لجماعة التراویح اولا، جنح الفاضلان الحلبی والطحطاوی فی حواشی الدر الی الثانی کما سمعت واستظهر الشامی الاول قائلا ان سنۃ الجماعۃ فی الوتر انما عرفت تابعۃ للتراویح[1] قلت و ھذا ھو الاظھر فان مشروعیۃ جماعتہ لوکانت لاصالتہ فاصالتہ دائمۃ لا تختص برمضان، ثم رأیت العلامۃ البرجندی نص فی شرحہ للنقایۃ ان الجماعۃ فیہ لما کانت بتبعیۃ التراویح علی ما ھو المشھور[2] اھ فقد ثبت روایتہ واعتضد درایتہ و ترجح شھرۃ فانقطع النزاع، فاعلم[عہ] ان ھذا کلہ فیما لو ترک الکل جماعۃ التراویح کما قدمنا من الغنیۃ عن القنیۃ، اما اذا جمع

36

بھی شامل ہے کیونکہ مقید کلام کی نفی سے قید اور مقید دونوں کی نفی بھی ہوسکتی ہے (جس سے تراویح نہ پڑھنے کی صورت بھی سمجھی جاتی ہے) اس کو نوٹ کر۔ لیکن علماء کا یہ بیان کہ وتر کی جماعت کیا تراویح کی جماعت کے تابع ہے یا نہیں، تو حلبی اور طحطاوی دونوں کا رجحان یہ ہے کہ تابع نہیں ہے' یہ بات انھوں نے درمختار کے حاشیہ میں کہی ہے جیسا کہ تو سماعت کرچکا ہے'، اور علامہ شامی نے پہلے احتمال یعنی تابع ہونے کو ظاہر قرار دیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ وتر کی جماعت کا سنت معلوم ہونا' تراویح کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ علامہ شامی کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اگر وتر کی جماعت خود اصل ہوتی تو پھر یہ جماعت پورا سال ہوتی صرف رمضان کی تخصیص نہ ہوتی، پھر اس کے بعد میں نے یہی بات علامہ برجندی سے صراحۃً پائی کہ انھوں نے اپنی نقایہ کی شرح میں کہا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے جیسا کہ یہی مشہور ہے اھ ان کی روایت ثابت اور ان کی درایت مضبوط اور شہرت کو ترجیح ہے لہذا یہ اختلاف ختم ہوگیا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں تھی جبکہ تمام نے تراویح کی جماعت کو ترک کیا ہو جیسا

عہ جواب اما فی قولہ اما اذا ذکروا ۱۲ (م)

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التراویح " منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۳۸

القوم و تخلف عنها ناس ثم ادرکوا الوتر مع الامام، فلا شك ان لهم الدخول فی جماعة الوتر اذا کانوا صلوا الفرض بجماعة کما سمعت، نعم ذهب بعض کالامام علی بن احمد وعین الائمة الکرابیسی الی تبعیة لجماعة التراویح فی حق کل مصل بمعنی ان من لم یدرکها مع الامام لایتبعه فی الوتر، لکنه کما علمت قول مرجوح؛ **قلت** وبهذا التحقیق ظهر التوفیق بین کلام العلامة البرجندی المذکور وکلام الفاضل شیخی زادہ فی مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر حیث قال لو لم یصلها (یعنی التراویح) مع الامام صلی الوتر به لانه تابع لرمضان وعند البعض لا لانه تابع للتراویح عنده، وفی القهستانی و یجوز ان یصلی الوتر بالجماعة وان لم یصل شیئا من التراویح مع الامام او صلاها مع غیره وهو الصحیح[1] اھ ما فی المجمع فانه صریح فی ان القول

کہ ہم نے غنیہ سے قنیہ کے حوالے سے پہلے بیان کر دیا ہے لیکن اگر لوگوں کی جماعتِ تراویح سے کچھ لوگ رہ گئے ہوں اور یہ لوگ بعد میں آکر امام کو وتر کی جماعت میں پائیں تو کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں بشرطیکہ انھوں نے فرض باجماعت پڑھے ہوں جیسا کہ تُو سن چکا ہے، ہاں بعض حضرات جیسا کہ علی بن احمد اور عین الائمہ کرابیسی اس طرف گئے ہیں کہ وتر کی جماعت تراویح باجماعت کے تابع ہے لہٰذا ہر نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تراویح باجماعت پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو لیکن تو معلوم کر چکا ہے کہ یہ بات مرجوح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تحقیق سے، علامہ برجندی کے کلام اور فاضل شیخی زادہ کی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ذکر کردہ کلام میں موافقت واضح ہوگئی فاضل نے وہاں یہ کہا کہ اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ بھی پڑھی ہوں تو وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے کیونکہ وتر کی جماعت رمضان کے تابع ہے، بعض کے نزدیک وہ وتر امام کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ اگر کسی نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وہ بھی وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے، یہی صحیح ہے اھ۔ مجمع کا بیان اس بات میں صریح ہے کہ وتر کی جماعت کا تراویح کے تابع ہونے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی التراویح مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۳۸

بتبعية للتراويح قول مرجوح خلاف الجمهور وصريح ما فی البرجندی انه هو القول المشهور ووجه التوفيق ان التبعية فی كلام المجمع ماخوذة بالنظر الی كل احد فی خاصة نفسه ولذا ابنی عليه منع من لم يدركها مع الامام عن دخوله فی الوتر، و فی كلام البرجندی بمعنی وقوعه بعد اقامة الناس جماعة التراويح وان لم يدركها بعض انقوم فليكن التوفيق و بالله التوفيق ثم انما المعنی بتبعيته لرمضان ان جماعته غير مشروعة الا فيه لاسلب تبعيته عما سواه مطلقا حتی ينافی تبعيته لجماعة التراويح بل والفرض فان فيه ما قد علمت ، فاذن لاخلاف بين التبعيتين الا علی قول البعض المرجوح ، هكذا ينبغی التحقيق و الله تعالٰی ولی التوفيق ، نعم وقع فی شرح المنية الصغير ، ما نصه اذا لم يصل الفرض مع الامام قيل لايتبعه فی التراويح ولا فی الوتر وكذا اذا لم يصل معه التراويح لايتبعه فی الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه

کا قول مرجوح ہے اور جمہور کے خلاف ہے۔ اور برجندی کا بیان یہ ہے کہ یہ قول مشہور ہے۔ اور موافقت کی وجہ یہ ہے کہ مجمع کے کلام میں جس تابع کو مرجوح کہا ہے اس سے مراد وُہ صورت ہے جبکہ تراویح کی جماعت بالکل نہ ہُوئی ہو اور کسی نے بھی تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں اسی لئے اس نے وتر کی جماعت میں شامل ہونے کی ممانعت کی بنا اس بات کو بنایا ہے کہ امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، جبکہ علامہ برجندی کا یہ کہنا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہونا مشہور قول ہے اس سے مراد وُہ صورت ہے کہ جب بعض نے تراویح کی جماعت کی ہو اور بعض لوگ اس جماعت سے رہ گئے ہوں، یُوں توفیق ہوگئی اللہ کی دی ہوئی توفیق سے، پھر وتر کی جماعت کا رمضان کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے بغیر وتر کی جماعت جائز نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ کسی اور چیز کے تابع نہیں تاکہ اس کا تراویح اور فرض کے تابع ہونے کی نفی ہو سکے، کیونکہ یہ مطلب لینے میں اعتراض ہے، لہذا دونوں کے تابع ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے ماسوائے ایک مرجوح قول کے، تحقیق یُوں چاہئے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ہاں غنیہ صغیر میں یہ بات مذکور ہے کہ جس نے فرض با جماعت نہ پڑھے ہوں وُہ تراویح اور وتر کی جماعت میں ایک قول کے مطابق شریک نہ ہو اور وُہ بھی جو اس امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہُوا تو وہ بھی اس امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں،

فی ذلك كله حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح، وفی القنیة لو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعة[1] اھ فاوھم ذلك عند بعض الناس ان الحلبی صحح جواز اتباع الامام فی الوتر وان لم یتبع فی الفرض، وانا **اقول** لیس ھو رحمه اللّٰه تعالٰی من اصحاب التصحیح وانما وظیفته النقل عن ائمة الترجیح ومعلوم ان شرحه الصغیر انما ھو ملخص من شرحه الکبیر و ھذه عبارة الکبیر بمرأی عین منك لو تری فیه تصحیحا اصلاً ناظرا الی ھذا المتوھم وانما فیه تصحیحان **الاول** من الامام الفقیه ابی اللیث بجواز اتباع الامام فی الوتر سواء صلی التراویح کلھا او بعضھا معه او مع غیرہ او وحده منفردا وھذا مجمل قوله "یجوز ان یتبعه فی ذلك کله" **والثانی** عن الامام ظھیر الدین المرغینانی لجواز الاتباع فی التراویح وان لم یتبعه فی الفرض

شریک نہ ہو لیکن یہ بات درست نہیں، کیونکہ ان مذکور تمام صورتوں میں وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے، حتی کہ امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد اگر مسجد میں آیا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کر پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے اور قنیہ میں ہے کہ اگر لوگ فرض کی جماعت کے تارک ہوں تو وہ تراویح باجماعت امام کے ساتھ نہ پڑھیں اھ۔ اس سے بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے کہ حلبی نے فرض باجماعت کے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت کو صحیح قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ اصحاب تصحیح میں سے نہیں، ان کا کام صرف ائمہ ترجیح کے قول کو نقل کرنا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ان کی شرح صغیر ان کی کبیر شرح کا خلاصہ ہے اور کبیر شرح کی عبارت آپ کے سامنے ہے اس میں اس وہم کے متعلق کوئی تصحیح نظر نہیں آتی، اس مسئلہ میں صرف دو تصحیحیں موجود ہیں ایک امام فقیہ ابواللیث کی جو کہ کسی طرح بھی تراویح پڑھ لینے والے کو خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ، پھر یہ کہ تمام تراویح یا بعض باجماعت پڑھی ہوں، وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے بارے میں ہے اور اس کو بطور اجمال حلبی نے اپنے اس قول سے تعبیر کیا کہ اس وتر کی جماعت میں شرکت کی ادا، تمام صورتوں میں جائز ہے۔ اس بارے میں دوسری تصحیح امام ظہیر الدین مرغینانی کی ہے جو کہ امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شرکت کے جواز سے

---

[1] حلبی شرح منیۃ المصلی فروع خاتمۃ تروا، الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱۰

وعليه يتفرع الفرع المذكور في الشرحين معاً حتى لو دخل بعد ما صلى الامام الفرض" فالتوهم الحاصل في عبارة الشرح الصغير انما منشؤه ما وقع فيه ههنا من الاختصار المخل الا ترى انه اقتصر في التفريع المذكور كاصله الكبير على قوله "يتابعه في التراويح"، ولو كان مراده بقوله في ذلك كله ما يشمل المتوهم لزاد ايضا والوتر، وبالجملة فالمعروف المعلوم من تصحيحات الائمة هو الذي بينه في الشرح الكبير، وهذا المتوهم لا يعرف له تصحيح ولا ترجيح فلا يعارض ما نص عليه في منية الفقهاء وحكم به حكما جازما من دون ذكر خلاف فعليك بالتبصر والانصاف ولك ان تقول ان "الامام" معرف باللام وضمير "يتبعه" راجع اليه والمعرفة اذا اعيدت معرفة كان المراد عين الاول غالبا فالمعنى اذا لم يصل الفرض مع هذا الامام فله ان يتبعه في الوتر اى لا يجب لاتباعه في الوتر ان يكون اتبع هذا الامام بعينه في الفرض،

متعلق ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اس امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں، اسی تصحیح پر صغیر و کبیر شرحوں کی تفریع مرتب ہے کہ کوئی شخص امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں آیا الخ لہٰذا شرح صغیر کی عبارت سے جو وہم پیدا ہوا وہ اس اختصار کی وجہ سے پیدا ہوا، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ انھوں نے تفریع بیان کرتے ہُوئے صرف اتنا کہا کہ وُہ فرض پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ تراویح میں شامل ہوجائے، اور شرح کبیر میں بھی اتنا ہی ذکر ہے، اور اگر اس کے قول " ان سب صورتوں میں" وُہ صورت بھی شامل ہوتی جس کا وہم ہوا ہے تو پھر تفریع میں، تراویح میں شامل ہونے کے ساتھ وتر میں شامل ہونے کو بھی ذکر کرتے، الحاصل ائمہ کرام کی تصحیحات سے صرف وہی بات معلوم ہوتی ہے جو کہ شرح کبیر میں ہے حالانکہ وہم شدہ کی اس میں کوئی تصحیح یا ترجیح نظر نہیں آتی، لہٰذا شرح کبیر کی عبارت منیۃ الفقہاء کی صریح عبارت کے معارض نہیں ہوسکتی جبکہ اس منیہ میں جزمی حکم ہے اور اس میں کسی اختلاف کا اس بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے، تجھے غور و فکر میں انصاف چاہئے، اور تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ شرح صغیر کی عبارت میں لفظ 'الامام' معروف باللام ہے اور لفظ یتبعہ' میں ضمیر کا مرجع وہی امام ہے، اور اکثر طور پر معرفہ کو جب دوبارہ معرفہ ذکر کیا جائے تو وہی ایک مراد ہوتا ہے، تو اس قاعدہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ جب اس خاص امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے تو اس امام مذکور کے ساتھ وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یعنی کسی امام کے

وھذا اصحیح لاشك ویؤید ھذا الفھم ان القھستانی لما قال اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] احتاج الشامی الی ابانة مرادہ وان المقصود مع امام ما لا مع خصوص ھذا الامام، وان جادل مجادل فنقول الشرح الصغیر مطالب بتصحیح نقل ھذا التصحیح الذی لایعلم له اثر اصلا فی کتاب قبله حتی فی الکبیر الذی کان اصله، واللہ الموفق فقد تحرر بما تقرر ان جماعة الوتر تبع لجماعة الفرض فی حق کل احد من المصلین، ولجماعة التراویح فی الجملة لا فی حق کل، ولرمضان بمعنی انھا تکرہ فی غیرہ لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد[2] کما فی الدر عن الدرر

ساتھ وتر پڑھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ فرض بھی اسی کے ساتھ باجماعت پڑھے ہوں، اور یہ مفہوم بلاشک وشبہ صحیح ہے، اس مفہوم کی تائید قہستانی کے اس قول سے ہوتی ہے جس کی مراد کو علامہ شامی نے واضح کیا ہے، وہ یہ کہ جب قہستانی نے کہا جب امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں تو وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے اس پر علامہ شامی نے مراد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اس امام سے مراد کوئی امام ہے یعنی اگر کسی بھی امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے تو پھر وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے، اگر کوئی اس وہم پر بحث کا اصرار کرتا ہے تو اس کو یہ کہہ دیا جائے کہ صغیر شرح کا یہ صحیح کہنا باعثِ مطالبہ ہے کہ اس نے یہ کیوں کہا جبکہ اس سے قبل کسی کتاب میں اس تصحیح کا نام ونشان نہیں ہے حتی کہ ان کی اپنی کتاب کبیر میں بھی نہیں جو اس صغیر کا اصل ہے، واللہ الموفق۔ پس اس تقریر سے یہ بات صاف ہوگئی کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے تابع ہے تمام نمازیوں کے لئے اور وتر کی جماعت، تراویح کی جماعت کے تابع ہے کچھ نمازیوں کے لئے (یعنی بعض حضرات نے بھی تراویح باجماعت پڑھ لیں تو دوسروں کو وتر کی جماعت میں شرکت جائز ہے) اور وتر کی جماعت رمضان کے بھی تابع ہے لیکن اس معنی میں کہ غیر رمضان میں یہ جماعت مکروہ ہے جب یہ غیر رمضان میں وتر کی جماعت بطور دعوت و اہتمام ہو یعنی چار افراد ایک امام کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے،

[1] جامع الرموز باب الوتر والنوافل مطبوعہ گنبد ایران تہران ۱/۲۱۶

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

حتی جاز اقتداء ثلثة بامام بلاکراھة فی الاصح[1] کما فی حاشیة العلامة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح للعلامة الشرنبلالی رحمة اللہ تعالٰی علی العلماء جمیعا، تقن ھذا فلعلك لاتجد ھذا التحریر فی غیر ھذا التقریر وماتوفیقی الا بالعلیم الخبیر واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

جیسا کہ درمختار میں دُرر سے منقول ہے، حتی کہ اگر تین آدمی وتر کی جماعت میں ایک امام کی اقتداء کریں تو یہ اصح قول کے مطابق بلاکراہت جائز ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح شرح نور الایضاح کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ نور الایضاح علامہ شرنبلالی کی کتاب ہے۔ اللہ تعالٰی تمام علماء پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر کو مضبوط کرو، ہوسکتا ہے کہ تجھے دوسری جگہ یہ مفصل بحث نہ ملے وماتوفیقی الا باللہ العلیم الخبیر واللہ تعالٰی سبحٰنہ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۱۱: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہو یا نہیں اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ اولٰی میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے،

فی ردالمحتار لو تطوع بثلاث بقعدة واحدة کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوة المغرب، لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد مااتصلت بہ القعدة وھو الرکعة الاخیرة، لان التنفل بالرکعة الواحدة غیر مشروع فیفسد ماقبلھا[2]۔

ردالمحتار میں ہے کہ اگر کسی نے تین نفل ایک قعدہ کے ساتھ پڑھے مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہونا چاہئے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نفل جائز نہیں کیونکہ اس کی آخری رکعت جس کے بعد قعدہ کیا ہے وہ فاسد ہے کیونکہ وہ دو پر زائد ایک رکعت نفل رہ گئی جبکہ ایک رکعت نفل جائز نہیں لہذا اس آخری رکعت کے فساد سے پہلی دو رکعت بھی فاسد ہوجائیں گی۔ (ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولٰی نہ کیا تو مذہب مفتٰی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۱۱

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل ؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲

کماصرح به فی ردالمحتار عن النھر الفائق عن الزاھدی (جیسا کہ ردالمحتار میں نہرالفائق اس نے زاہدی سے وضاحت کردی گئی ہے۔ت) اور دونوں قعدے کئے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہوگئیں۔

ولاکراھة ایضا کمایفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل مثنی مثنی کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

چار رکعت نفل دو قعدوں اور ایک سلام سے جائز ہیں اور کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ ردالمحتار کی بیان کردہ علت سے حاصل ہے تاہم نفل دو دو پڑھنا افضل ہے جیسا کہ واضح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱۲ ازجوالاپور ضلع سہارن پور مرسلہ سید یاد علی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جماعت تراویح میں مشغول ہے اب چند آدمی آئے وہ فرض جماعت سے پڑھیں تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صحیح یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں،

ولوفی مسجد محلة حیث لم یکرر والاذان وعدلوا عن المحراب کما ھو معلوم مشاھد۔

اگرچہ محلّہ کی مسجد ہی میں جبکہ دو بارہ اذان نہ دیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کرائیں جیسا کہ معلوم و معروف ہے۔ (ت)

طحطاویہ میں ہے:

اذاکررت بغیر اذان فلاکراھة مطلقا وعلیه المسلمون[1]۔

جب تو جماعت کا تکرار اذان کے بغیر کرے تو کوئی کراہت نہیں ہے، مسلمانوں کا یہی عمل ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

عن ابی یوسف اذالم یکن علی الھیئة الاولی لایکرہ والایکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیأة کذا فی فتاوی البزازیة[2]۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دوسری جماعت پہلی جماعت کی طرز پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کر کرنے سے پہلی جماعت کی طرز بدل جاتی ہے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ایسے ہی ہے (ت)

مگر جہاں تک ممکن ہو جماعت تراویح سے دُور جماعت کریں اور ان کا امام ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرے تاکہ تخلیط وتلبیس سے ایمن رہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامة مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۰

[2] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی احکام المسجد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۵

۱۳ ۵

انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار

(صلٰوۃ الاسرار کے پانی سے انوار کی نہریں)

(نمازِ غوثیہ کے ثبوت میں تحقیقِ رضوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۳ از دہلی کھڑکی فراش خانہ مسجد حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ مرسلہ جناب مستطاب مولانا مولوی حافظ شاہ سراج الحق محمد عمر صاحب قادری اواخر ربیع الاول شریف ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلٰوۃ الاسرار یعنی نمازِ غوثیہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اور شرع میں جائز ہے یا نہیں؟ زید اس کی روایت کو بے اصل اور اسے بہجۃ الاسرار میں کسی فاسق بدعتی کا الحاق بتاتا اور تصانیف شیخ اکبر و امام شعرانی کی نظیر دیتا ہے کہ ان میں الحاق ہوئے۔ اور کہتا ہے کہ نماز فرض کے بعد قبلے سے انحراف اور کسی مزار و ولی کی تعیین سمت اور بہیأتِ نماز یا تعظیم اُس طرف چلنا تذلل و خشوع تمام کرنا ہرگز درست نہیں، اور کہتا ہے آنجناب یعنی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کتاب و سنّت و سیرتِ صحابہ کے اتباع اور احکامِ شرع پر قیام اور محدثات سے اجتناب تام اور طاعات میں اخلاص اور ہر حال میں خدا پر توکل و اعتماد میں استقامت کاملہ تھی وہ ان امور کے خلاف کیونکر فرماتے کہ بعد نمازِ مغرب عراق کی طرف بتعظیم تمام چلو اور دل سے متوجہ ہوکر میرا نام لے کر حاجت چاہو یہ فعل کتاب و سنّت و طریقہ خلفائے راشدین کے خلاف ہے اور سیرت و عمل صحابہ کے موافق نہیں اور تابعین و تبع تابعین و دیگر اسلافِ کرام و ائمہ عظام سے اس کا مثل منقول نہیں، عوام کہ اسے عملِ مشائخ کہتے ہیں قابلِ التفات نہیں مشائخ میں جو اہلِ علم فقہاء و ائمہ ہوئے کسی نے اس کے مثل تصریح نہ کی اور قول و فعل بعض غیر موثوق پر عمل نہ چاہئے بلکہ سوادِ اعظم کا اتباع

چاہئے، صحابہ محبت و تعظیمِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہم سب سے زیادہ اور ثواب و حسنات پر بہت حریص تھے اگر یہ عمل موجبِ ثواب و قربتِ الی اللہ ہوتا تو سلفِ کرام بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ مدینہ منورہ کی طرف کرتے، آیا یہ کلام اُس کا غلط ہے یا صحیح؟ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی حسن بلائہ، ملأ ارضہ وملأ سمائہ، وملأ ما شاء فی قدرہ وقضائہ، والشکر للمصطفٰی علی نعمائہ، شکرا یوافی حسن آلائہ، ویکافئ عنا مزید عطائہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی ابنائہ، وازواجہ واصحابہ واحبائہ ووارث علمہ ومجدہ وسنائہ، غوثنا الاعظم رافع لوائہ، ومشایخنا الکرام وسائر اولیائہ، صلٰوۃ تکشف لنا الاسرار، وتصرف عنا اذی الاشرار، وتکون عدۃ لیوم لقائہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ شھادۃ موجبۃ لرضائہ، واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الصادع بالحق بعد خفائہ، صلی اللہ تعالٰی وسلم علیہ، وعلی کل عبد مرضی لدیہ، صلٰوۃ تأتی علی قدر کبریائہ، وسلاما یدوم بدوامہ و

سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے اچھے امتحان پر، زمین وآسمان کو عجائبات سے بھرنے اور اپنی قدرت وقضاء میں جسے چاہے بھرنے پر اور شکر مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ان کے انعامات پر ایسا شکر جو ان کی بہترین نعمتوں کو پورا ہو اور ان کی مزید عطاؤں کو ہماری طرف سے کفایت کرے، اللہ تعالٰی ان پر اور ان کے صاحبزادوں اور ازواج اور اصحاب اور آپ کے علم، بزرگی اور بلندی کے وارث ہمارے غوثِ اعظم پر جو آپ کے جھنڈے کو بلند کرنے والے ہیں، اور تمام اولیاء پر رحمت نازل فرمائے، ایسی رحمت جو ہمارے لئے اسرار کو کھول دے اور شریر لوگوں کی اذیت کو ہم سے پھیر دے، اور اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری کے دن کے لئے ذخیرہ بنے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی وحدہٗ لاشریک ہے ایسی گواہی جو اس کی رضا کی موجب ہو، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جو حق کو خفا سے ظاہر کرنے والے ہیں صلی اللہ تعالٰی وسلم آپ پر اور اس کے دربار میں تمام پسندیدہ بندوں پر، وہ صلٰوۃ جو اس کی کبریائی کے شایانِ شان ہو اور وہ سلام جو اس کی بقاء اور

بقائه ، أمين أمين ، الٰہ الحق امین یا راحم العبد وسامع دعائه ، قال العبد الذلیل ، للمولی الجلیل ، ابومحمد عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی ، لطف بہ اللہ فی شدته و رخائه ، مستعینا باللہ فی دفع الارتیاب ، ورفع الحجاب ، عن وجه الصواب ، مسمیا للجواب ، بعلم یعلو عام املائه ، انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار ، جعلها اللہ ذخیرۃ لدیه ، و ذریعة الیه ، یوم تشرق الارض بنور ربها وجمیل ضیائه ، امین ، والحمد للہ رب العلمین ، اللّٰھم ھدایة الحق والصواب ۔

دوام تک دائم ہو ، آمین آمین اے اللہ برحق آمین ، بندے پر رحم کرنے اور اس کی دعا کو سننے والے ، اپنے جلیل القدر آقا کے سامنے حقیر اور ناتواں بندہ ابومحمد عبدالمصطفٰے احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالٰی اس کی شدت وسہولت میں لطف و مہربانی فرمائے) نے اللہ تعالٰی سے امداد چاہتے ہوئے اور حق وصواب کے چہرے سے پردہ اٹھاتے اور شک کو دُور کرتے ہُوئے جواب کا ایسا نام جو اس کی تحریر کے سال کو ظاہر کرے "انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار" رکھتے ہُوئے کہا کہ اللہ تعالٰی اس کو ذخیرہ اور ذریعہ اپنے دربار میں بنائے جس دن زمین اپنے رب کے نُور سے چمک جائے ــــــــــ اور خوب روشن ہوجائے ، آمین ، الحمدللہ رب العالمین ، اے اللہ حق وصواب کی رہنمائی فرما ۔ (ت)

فی الواقع یہ مبارک نماز حضرات عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیزہ کی معمول اور قضائے حاجات وحصولِ مرادات کے لئے عمدہ طرق مرضی ومقبول اور حضور پُرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ وسلامہ علٰی جدہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول ، اجلۂ علما واکابر کملا اپنی تصانیف علیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر ومسلم معتبر رکھتے آئے ، امام اجل ہمام اجل سیدی ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی قدس اللہ سرہ العزیز بسند خود بہجۃ الاسرار[1] شریف میں اور شیخ شیوخ علماء الہند شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ زبدۃ الآثار[2] لطیف میں اور دیگر علمائے کرام وکملائے عظام رحمہم اللہ تعالٰی اپنے اپنے اسفار منیف میں اُس جناب ملائک رکاب علیہ رضوان العزیز الوہاب سے راوی وناقل کہ ارشاد فرمایا :

من صلی رکعتین (زید فی روایة) بعد المغرب (وزادا) یقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة سورة الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم اتفقوا فی المعنی واللفظ للامام ابی الحسن

جو بعد مغرب دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورۂ اخلاص یازدہ بار پھر بعد سلام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام یاد اور اپنی حاجت

قال ثم یصلی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد السلام ویسلم علیہ ویذکرنی ثم یخطوا الیٰ جہۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانہا تقضی (زاد الشیخ) بفضل اللہ وکرمہ (وقال اٰخر) قضی اللہ تعالیٰ حاجتہ[1]

ذکر کرے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کی مراد پوری ہو۔ اس عبارت میں "مغرب کے بعد" ایک روایت میں زائد ہے اور صاحب بہجۃ الاسرار اور صاحب زبدۃ الآثار نے "ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ" زائد ذکر کیا، پھر شیخ عبدالحق نے "بفضل اللہ وکرمہ" کو بھی اور دوسرے نے صرف "قضی اللہ تعالیٰ حاجتہ" ذکر کیا۔ (ت)

اسی طرح امام جلیل علامہ نبیل امام عبداللہ یافعی مکی طیب اللہ ثراہ صاحب خلاصۃ المفاخر فی اختصار مناقب الشیخ عبدالقادر نے روایت کی[1]، یونہی فاضل کامل مولانا علی قاری ہروی نزیل مکہ معظمہ صاحب شروح فقہ اکبر ومشکوٰۃ اکرم اللہ نزلہٗ نے نزہۃ الخاطر میں ذکر فرمایا زبدۃ مبارکہ میں اپنے شیخ واستاذ احسن اللہ مثواہ کا اس نماز کی اجازت دینا اور اپنا اجازت لینا بیان کیا اور حضرت شیخ محقق تغمدہ اللہ برحمتہ سے اس نماز مبارک میں خاص ایک رسالہ نفیس تصنیف[1] عجالہ ہے اُس سے ثابت کہ حضرت وَرِع سراپا سعادت حامل شریعت کامل طریقت سیّدی عبدالوہاب متقی مکی برد اللہ مضجعہ نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار کو معتمد ومعتبر اور اس مبارک روایت کو مسلّم ومقرر فرمایا اور مولانا شیخ وجیہ الدین علوی احمد آبادی علیہ رحمۃ الرؤف الہادی کہ سالِ[2] وفات امام اجل علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ میں متولد ہوئے، حضرت شیخ غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الملک الباری کے مرید سعید اور حضرت شیخ محقق کے استاذ مجید اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے شیخ سلسلہ اور صاحب مقاماتِ رفیعہ وتصانیف کثیرہ بدیعہ ہیں، بیضاوی وہدایہ وتلویح وشرح وقایہ ومطول ومختصر و

---

[1] نقلہا برمتہا مولٰنا سراج الحق محمد عمر القادری حفظہ اللہ تعالیٰ ابن الفاضل الجلیل مولانا فرید الدین الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ ریاض الانوار من شاء فلیرجع الیہا ۱۲منہ

یہ تمام مولانا سراج الحق محمد عمر قادری ابن فاضل جلیل مولانا فرید الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "ریاض الانوار" میں نقل کیا ہے جو چاہے اسے دیکھے ۱۲ (ت)

[2] یعنی سنہ ۹۱۱ھ ووفاتہ لسلخ صفر سنہ ۹۹۸ھ ۱۲منہ

یعنی سنہ ۹۱۱ھ اور ان کی وفات ماہِ صفر کے آخر سنہ ۹۹۸ھ۔ (ت)

---

[1] بہجۃ الاسرار فصل اصحابہ وبشراہم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

شروح عقائد مواقف وغیرہا پر حواشی مفیدہ رکھتے ہیں اور کبرائے منکرین نے بھی اپنے رسائل میں اُن سے استناد کیا نہایت شدومد سے اس نماز مبارک کی اجازت دیتے اور اس پر بتاکید اکید تحریص وترغیب فرماتے، یونہی شیخ نے اخبار الاخیار شریف اور مولنا ابو المعالی محمد مسلمی عالمہ اللہ تعالٰی بلطفہ نے جنھیں رسالہ مذکورہ شیخ محقق میں علمائے سلسلہ علیہ سے شمار کیا تحفہ شریفہ اور حضرت سیدنا ومولنا اسد الواصلین جبل العلم والیقین حضرت سید شاہ حمزہ عینی قادری فاطمی حسینی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کاشف الاستار شریف میں اسے نقل وارشاد فرمایا اور امام یافعی بل اللہ تربتہ (اللہ تعالٰی ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ت) تصریح فرماتے ہیں کہ حضور پُر نور غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الاکرم وعلیہ وسلم کے اصحاب کرام عطر اللہ ضرائحھم المقدسۃ (اللہ تعالٰی ان کی قبروں کو معطر فرمائے۔ت) اس نماز کو عمل میں لاتے اور زبدۃ الآثار میں اولیائے طریقۂ علیہ عالیہ روحت ارواحھم (ان کی روحیں معطر ہوں۔ت) کے آداب میں فرمایا: و ملازمتہ صلوٰۃ الاسرار التی بعدھا التخطی احدی عشرۃ خطوۃ[1] یعنی اس خاندانِ پاک کے آداب سے ہے صلوٰۃ الاسرار کی مداومت کرنی جس کے بعد گیارہ قدم چلنا ہے۔ باینہمہ اس کا اعمالِ مشائخ کرام سے ہونا نہ ماننا آفتاب روشن کا انکار کرنا ہے اور خود کون سی راہ ہے کہ ان ائمہ و اکابر کو خواہی نخواہی جھٹلایئے اور عیاذ باللہ بدعتی وناحق کوش ٹھہرایئے، پھر یہ مقبولانِ خدا صرف اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اُسے خاص حضور پُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بتاتے ہیں اور حضور کے ارشاد واجب الانقیاد پر رَدّ وایراد اگر انجانی سے نہ ہو تو معاذ اللہ وہ آتشِ سوزاں وبلائے بے درماں وقہر بے امان ہے جس کا مزہ اس دار الغرور والالتباس میں نہ کھلا تو کل کیا دُور ہے "ان موعدھم الصبح الیس الصبح بقریب[2]" ○ (بیشک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے کیا صبح قریب نہیں۔ت) حضور خود ارشاد فرماتے ہیں:

تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم وسبب لذھاب دنیاکم واخراکم۔	میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمھارے دین کے لئے زہر قاتل اور تمھاری دنیا وعقبٰی دونوں کی بربادی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور ان اکابرانِ ملت وعلمائے اُمت کو نقل وروایت میں بھی غیر موثوق جاننا اسی دار الفتن ہندوستان میں آسان ہے جہاں نہ کسی مُنہ کو لگام نہ کسی زبان کی روک تھام۔ یہ امام ابو الحسن نور الدین علی شطنوفی قدس سرہٗ

---

[1] بحوالہ زبدۃ الاسرار خاتمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع بکسلنگ کمپنی دہلی ص ۱۲۶

[2] القرآن ۱۱/۸۱

کہ بہجۃ الاسرار شریف کے مصنف اور برطرز حدیث بسند متصل اس روایت جلیلہ کے پہلے مخرّج ہیں اجلۂ علما وائمۂ قراءت و اکابر اولیاء و سادات طریقت سے ہیں امام اجل شمس الدین ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کہ اجلۂ محدثین و علمائے قراءت سے ہیں جن کی حصن حصین مشہور و معروف دیار و امصار ہے اُس جناب کے سلسلۂ تلامذہ میں ہیں اُنھوں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند و اجازت حاصل کی اپنے رسالہ طبقات[1] القراء میں فرماتے ہیں:

انی قرأت ھذا الکتاب اعنی بھجۃ الاسرار بمصر وکان فی خزانۃ سلطان المصر، علی الشیخ عبد القادر وکان من أجلۃ مشایخ مصر فاجازنی روایتہ[1] الخ

یعنی میں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار مصر میں خزانۂ شاہی سے حاصل کرکے شیخ عبد القادر سے کہ اکابر مشائخ مصر سے تھے پڑھی اور انھوں نے مجھے اس کی روایت کی اجازت دی الخ۔

امام شمس الدین ذہبی مصنف میزان الاعتدال کہ علم حدیث و نقد رجال میں اُن کی جلالت شان عالم آشکار، اُس جناب کے معاصر تھے اور باآنکہ حضرات صوفیہ کرام کے ساتھ اُن کی روش معلوم ہے سامحنا اللہ تعالٰی وایاہ (ہم پر اور ان پر اللہ تعالٰی نرمی فرمائے۔ ت) امام ابو الحسن ممدوح کی ملاقات کو اُن کی مجلس تدریس میں گئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں اُن کی مدح و ستائش سے رطب اللسان ہوتے فرماتے ہیں:

علی بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد[ع] نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریۃ ابو الحسن اصلہ من الشام ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ و تصدر للاقراء بجامع الازھر وغیرہ تکاثر علیہ الطلبۃ وحضرت مجلس اقرائہ فاعجبنی سمتہ وسکوتہ وکان ذا عزام

یعنی علی بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا ہیں نور الدین لقب ابو الحسن کنیت بلاد مصر میں علمائے قراءت کے استاد ہیں اصل اُن کی شام سے ہے ۶۴۴ھ میں قاہرۂ مصر میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر وغیرہ میں مسند اقراء پر صدر نشینی کی بکثرت طلبہ ان کے پاس جمع ہوئے میں اُن کی مجلس درس میں حاضر ہوا ان کی نیک روش و کم سخنی مجھے پسند آئی حضور شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ

ع: لعینہٖ اسی طرح امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں اُس جناب کو الامام الاوحد لکھا یعنی بے مثل امام ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] رسالہ طبقات القراء

بالشیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ و جمع اخبارہ و مناقبہ فی نحو ثلث مجلدات[1] اھ ملخصا

تعالٰی عنہ کے شیدائی تھے انھوں نے حضور کے فضائل تین مجلد کے قریب میں جمع کیے ہیں۔

پُرظاہر کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالٰی کے مثل سے یہ کلمات جلیلہ اُس جناب کی کمال وثاقت و عدالت و وفورِ علم و جلالت پر شاہد عدل و دلیل فصل ہیں اور خود امام اوحد یعنی بے مثل امام یکتا، کا لفظ اجل و اعظم تمام فضائل و مناقب جلیلہ کا یکتا جامع اکمل و اتم ہے وہ جناب سند عالی رکھتے اور زمانۂ اقدس حضور پُرنور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نہایت قریب ہیں انھیں حضور اقدس تک صرف دو واسطے ہیں قاضی القضاۃ امام اجل حضرت سیدنا ابوصالح نصر قدس سرہٗ کے اصحاب سے ہیں اور وہ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا ابوبکر تاج الملۃ والدین عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالٰی اور وہ اپنے والد ماجد حضور پُرنور سید السادات غوث الافراد قطب الارشاد غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلیفہ و مرید و صاحب و مستفید ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم و شریف و مشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قراءت سے عالم معروف و مشہور اور ان کے احوالِ شریفہ کتابوں میں مذکور و مسطور، پھر ذہبی و ابن الجزری کے وہ اقوال نقل فرمائے اور رسالۂ مذکورۂ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں اسی نماز مبارک کے بارے میں مرقوم،

اقوٰی دلائل و اوضح مسائل دریں باب کتاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار کہ معتبر و مقرر و مشہور و مذکور ست و مصنف ایں کتاب از مشاہیر مشائخ و علماست میانِ وے و حضرت شیخ یعنی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است و مقدم است برامام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشاں نیز از منتسبان سلسلۂ شریفہ و محبان جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] (ملتقطا)

اس باب میں اقوٰی دلیل "بہجۃ الاسرار" معدن الانوار ہے جو کہ معتبر اور مشہور ہے، اس کتاب کے مصنف اور حضرت شیخ یعنی غوث اعظم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور یہ امام یافعی سے مقدم ہیں جبکہ امام یافعی خود سلسلہ قادریہ سے متعلق ہیں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عقیدت رکھتے ہیں (ت)

ہیں، امام یافعی و علامہ علی قاری و حضرت شیخ محقق دہلوی وغیرہم اکابر کی امامت و جلالت و وثاقت عدالت سے کون آگاہ نہیں۔

---

[1] طبقات المقرئین

[2] رسالہ متعلق بصلوٰۃ الاسرار لعبد الحق المحدث الدہلوی

وکیف یصح فی الاعیان شیئ   اذا احتاج النہار الی دلیل

(جب روزِ روشن دلیل کا محتاج ہوجائے تو پھر کسی چیز کا وجود کیسے ثابت ہوسکتا ہے)

بالجملہ ایسے اکابر کی روایاتِ معتمدہ کو بے وجہ وجیہ رَد کر دینا یا سخت جہالت ہے یا خبث وضلالت والعیاذ باللہ سبحنہ وتعالٰی اور بے دلیل دعوٰی الحاق محض مردود، ورنہ تصانیفِ ائمہ سے امان اُٹھ جائے اور نظامِ شریعت درہم و برہم نظر آئے جو سند پیش کیجئے مخالف کہہ دے یہ الحاقی ہے، چلئے تمسک واستناد کا دروازہ ہی بند ہوگیا "ہیہات" کیا بزورِ زبان کچھ کہہ دینا قابلِ قبول ہوسکتا ہے، حاشا وکلا ادعائے بے دلیل مطرود وذلیل، ہاں ہم کو مسلّم کہ بعض کتابوں میں بعض الحاق بھی ہوئے مگر اس سے ہر کتاب کی ہر عبارت تو مطروح یا مشکوک نہیں ہوسکتی کسی خاص عبارت کی نسبت یہ دعوٰی زنہار مسموع نہیں جب تک بوجہ وجیہ اُس میں الحاق ثابت نہ کردیں جس کے لئے امثال عــہ مقام میں صرف دو طریقے متصور، ایک تو یہ کہ اُس کتاب کے صحیح معتمد عمدہ قدیم نسخے اس عبارت سے خالی ملیں یا خاص مصنف کا اصل مسودہ پیش کیا جائے جس میں اس عبارت کا نشان نہ ہو، حضرت

عــہ اشارۃ الی انہ قد یعلم ذلک بالرجوع الی المتکلم وانکارہ عند من لا یتھمہ ویعرف تارۃ باعتراف المفتری کما وقع بعض الوضاعین، ویقبل اخری اذا نص علی ذلک من یرجع الیہ لعظمہ وفضلہ، ولا ینکر علیہ لثقتہ وعدلہ وکذلک یحکم بہ اذا لم یأت ذلک الا من طریق من عرف بالکذب کقول المحدثین ان ھذا موضوع ای فی سندہ وضاع او کذاب وھذا انما یعطی عدم الجزم لا الجزم بالعدم الا اذا ضم الیہ دلیل اٰخر فالکذوب قد یصدق واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ الحاق کبھی خود متکلم کی طرف رجوع کرنے پر اور اس کا ایسے شخص کے سامنے الحاقی عبارت سے انکار کرنا جس کو کذب سے متہم نہیں کیا جاسکتا اور کبھی خود اقرار کرنے والے کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض ایسے لوگوں سے اعتراف واقع ہوا ہے اور کبھی ایسی معظم اور افضل شخصیت جس کے تقوٰی اور عدل کی بنا پر اُس کی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی الحاق کا حکم تب کیا جاتا ہے جب کہ اس بات کو صرف جھوٹ بولنے میں مشہور شخص ہی بیان کرے جیسا کہ محدثین کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں من گھڑت اور کذاب راوی ہے، یہ آخری وجہ صرف عدمِ لزوم کا فائدہ دیتی ہے اور جزم بالعدم کا نہیں کیونکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے، ہاں اگر کوئی اور دلیل ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو پھر جزم بالعدم کا فائدہ ہوسکتا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

جناب شیخ اکبر و امام شعرانی قدس سرہما کی تصانیف میں الحاق یُونہی ثابت ہوا، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لواقح الانوار میں فرماتے ہیں :

قدم علینا الاخ العالم الشریف شمس الدین السید محمد ابن السید ابی الطیب المدنی المتوفی سنہ ۹۵۵ سنۃ خمس وخمسین و تسعمائۃ فذاکرتہ فی ذلک فاخرج الی نسخۃ من الفتوحات التی قابلہا علی النسخۃ التی علیہا خط شیخ محی الدین نفسہ بقونیۃ فلم ار فیہا شیئا مما توقفت فیہ وحذفتہ فعلمت ان النسخ التی فی مصر ان کلہا کتبت من النسخۃ التی دسوا علی الشیخ فیہا ما یخالف عقائد اھل السنۃ والجماعۃ کما وقع لہ ذلک فی کتاب الفصوص وغیرہ[1] الخ

یعنی ہمارے دوست عالم شریف سید شمس الدین محمد بن سید ابو الطیب مدنی جن کی وفات ۹۵۵ھ میں ہُوئی ہمارے یہاں آئے میں نے فتوحاتِ شیخ اکبر قدس سرہٗ کا تذکرہ کیا اُنھوں نے ایک نسخۂ فتوحات نکالا جسے اُنھوں نے اس نسخے سے مقابلہ کیا تھا جو شہر قونیہ میں کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کا وطن ہے خاص شیخ قدس سرہٗ کے دستخط شریف سے مزین ہے اس نسخے میں مَیں نے کہیں ان عبارتوں کا نشان نہ پایا جن میں مجھے تردد تھا اور میں نے فتوحات کے انتخاب میں قلم انداز کر دی تھیں تو مجھے یقین ہوا کہ اب جس قدر نسخے مصر میں ہیں سب اسی نسخے سے نقل ہُوئے ہیں جس میں لوگوں نے عقائد اہلسنت و جماعت کے خلاف عبارتیں شیخ پر افترا کرکے ملا دی ہیں جیسا کہ ان کی فصوص وغیرہ کے ساتھ بھی یہی واقع ہوا۔ الخ

اس کے بعد امام شعرانی نے دو تحریریں نقل فرمائیں جو عالم ممدوح سید شریف مدنی مرحوم نے نسخۂ مذکورۂ قونیہ پر خود حضرت شیخ و دیگر عمائد رحمہم اللہ تعالٰی کے دستخطوں سے لکھی دیکھیں اور بیان کیا کہ یہ نسخہ خود حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالٰی کا وقف فرمایا ہُوا ہے شیخ نے اپنی علامت وقف یُوں تحریر فرمائی ہے :

وقف محمد بن علی بن عربی الطائی ھذا الکتاب علی جمیع المسلمین[2]

یہ کتاب محمد بن علی بن عربی طائی نے تمام مسلمانوں پر وقف کی۔

اور اُس کے آخر میں قلم شیخ رحمۃ اللہ تعالٰی سے یہ تحریر ہے :

قد تم ھذا الکتاب علی ید منشئہ وھو

یہ کتاب بقلم مصنّف تمام ہُوئی اور یہ میرے

---

[1] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیہ من الفتوحات المکیہ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ۲/۱۲۳۸

[2] " " " " " " " " " ۲/۱۲۳۹

النسخۃ الثانیۃ منہ بخط یدی وکان الفراغ منہ بکرۃ یوم الاربعاء الرابع و العشرین من شھر ربیع الاول سنۃ ست و ثلثین وستمائۃ ٦٣٦ وکتبہ منشؤہ[1]۔

خط سے دوسرا نسخہ ہے اس کی تحریر سے روز چہار شنبہ وقت صبح بتاریخ بست وچہارم ماہ مبارک ربیع الاول ٦٣٦ھ فراغ لکھا ہوا ہے اس کے مصنف نے، رحمہ اللہ تعالٰی۔

اور سید موصوف نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سینتیس[3] مجلد میں ہے اور اس میں اس نسخے سے جس میں ملحدوں نے عقائد شنیعہ الحاق کئے ہیں عبارت زیادہ ہے اور اس کی پشت پر نام کتاب بخط مصنف علیہ الرحمہ لکھا ہے اس کے نیچے شیخ صدر الدین قونوی رحمہ اللہ تعالٰی کے خط سے یہ عبارت تحریر ہے:

انشاء مولانا شیخ الاسلام وصفوۃ الانام محی الدین بن عربی[2]۔

یہ کتاب ہمارے آقا سردار مسلماناں برگزیدۂ جہاں محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے۔

اور اس کے نیچے لکھا ہے: ملک ھذہ المجلدۃ لمحمد بن اسحٰق القونوی[3] یہ مجلد محمد بن اسحٰق قونوی کی ملک میں آیا۔ اس کے نیچے شیخ صدر الدین ممدوح کے خط سے محمد بن ابی بکر تبریزی کی روایت کہ ان سے بطریق سماع حاصل ہوئی مکتوب ہے اور محمد بن اسحٰق قونوی کی شرح دستخط یہ ہے:

انتقل الی خادمہ وربیب لطفہ محمد بن اسحٰق سنۃ سبعین وثلثین وستمائۃ ٦٣٧[3]۔

یہ کتاب مصنف کے خادم ولطف پروردہ محمد بن اسحٰق قونوی کی طرف ٦٣٧ھ میں منتقل ہوئی۔

انتہی ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کون سا نسخہ معتمد ہوگا خود قلم خاص حضرت مصنف قدس اللہ تعالٰی سرہ العزیز کی تحریر اور اس کے اول وآخر میں خود مصنف ودیگر علماء وعمائد کے دستخط کثیر، جب یہ نسخہ ان عبارات شنیعہ سے خالی ملا تو الحاق وافترا میں کیا شک رہا والحمد للہ رب العٰلمین ولہذا مفتی سلطنت عثمانیہ عمدۂ علمائے روم علامہ ابو السعود علیہ رحمۃ الملک الودود نے اپنے فتوے میں تصریح فرمائی کہ تیقنا ان بعض الیھود افتراھا علی الشیخ قدس اللہ سرہ ہمیں یقین ہے کہ بعض یہودیوں نے یہ کلمات شیخ قدس سرہٗ پر افترا کئے ہیں۔ کما نقلہ فی الدر المختار عن معروضاتہ۔

اب کلام امام شعرانی کا حال سنئے، خود امام موصوف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میزان میں فرماتے ہیں:

وقع لی ذلک من بعض الاعداء فانھم دسوا فی کتابی المسمی بالبحر المورود فی المواثیق

یعنی مجھے یہ واقعہ بعض اعدا کے ساتھ پیش آچکا ہے انھوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعھود

---

[1] تا [3] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

والعهود امورا تخالف ظاهر الشریعۃ و داروا بها فی الجامع الازهر وغیرہ و حصل بذلك فتنۃ عظیمۃ وما خمدت الفتنۃ حتی ارسلت لهم نسختی التی علیها خطوط العلماء ففتشها العلماء فلم یجدوا فیها شیئا مما یخالف ظاهر الشریعۃ مما دسہ الاعداء فالله تعالٰی یغفر لهم ویسامحهم[1] اھ۔

میں خلافِ شرع باتیں الحاق کردیں اور اسے جامع ازہر وغیرہ میں لئے پھرے اور اس کے سبب بڑا فتنہ اٹھا اور فرو نہ ہُوا یہاں تک کہ میں نے ان کے پاس اپنا نسخہ جس پر علما کے دستخط تھے بھیج دیا اہلِ علم نے تلاش کی تو اُس میں وُہ امور مخالفۂ شریعت جو دشمنوں نے ملا دئے تھے اصلاً نہ پائے اللہ تعالٰی ان کی مغفرت کرے اور درگزر فرمائے۔

خیر ایک طریقہ تو ثبوت الحاق کا یہ ہے دوسرے یہ مصنف کا امام معتمد و عالم متدین مستند ہونا معلوم ہے اور یہ کلام کہ بے تواتر حقیقی اُس کی طرف نسبت کیا گیا صریح معصیت یا بدمذہبی وضلالت جس میں اصلاً تاویل و توجیہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس وجہ سے کہ علماء تو علما عام اہلِ اسلام کی طرف بے تحقق تواتر و ثبوت قطعی کسی کبیرہ کی نسبت مقبول نہیں کما نص علیہ الامام الاجل حجۃ الاسلام محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی الاحیاء (جیسا کہ امام غزالی قدس سرہ نے "احیاء العلوم" میں اس کی تصریح کی ہے۔ ت) رَد کر دیں گے اور تحسیناً للظن الحاق کہیں گے اور اسی سے ملحق ہے بات کا ایسا سخیف و رذیل ہونا کہ کسی طرح عقلِ سلیم اس امام عظیم سے اس کا صدور منظور نہ کرے جیسے باب ذوی الارحام میں قبیل فصل صنف اول سراجیہ میں یہ مہمل عبارت لان عندهما کل واحد منهم اولی من فرعہ وفرعہ وان سفل اولی من اصلہ[2] (کیونکہ ان دونوں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اولٰی ہے اور اس کی فرع اگرچہ نچلی ہو اصل سے اولٰی ہے۔ ت) جس کے لئے اصلاً کوئی محصل نہیں ولہذا علامہ سید شریف نے شرح میں نقل فرمایا،

لم یتحصل منها معنی فهی من ملحقات بعض الطلبۃ القاصرین[3] الخ

اس کا کوئی معنی نہیں بنتا لہذا یہ بعض نالائق طلباء کی الحاق کردہ عبارت ہے الخ (ت)

اور اسی قبیل سے ہے وُہ عبارت جس میں کسی طائفہ زائغہ کے لئے کوئی غرض فاسد ہو اور امام مصنف اس

---

[1] المیزان الکبرٰی | مقدمۃ الکتاب | مطبوعہ مصطفی البابی مصر | ۱/۹
[2] السراجی فی المیراث | باب ذوی الارحام | " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۳۹
[3] حاشیۃ ضیاء السراج مع السراج بحوالہ شرح سید شریف | مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | "

سے بری اور جابجا خود اُس کا کلام اُس غرض مردود کے خلاف پر شاہد جیسے بعض خدا ناترسوں کا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی کی طرف معاذ اللہ کلمات مذمت امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نسبت کرنا حالانکہ اُن کی کتب متواترہ احیاء[ع] وغیرہ مناقب امام کی شاہد عدل ہیں اور مثل آفتاب روشن و بے نقاب کرمانحن فیہ میں ان صورتوں سے کوئی شکل نہیں والحمد للہ رب العٰلمین، اگر منکر بہجۃ الاسرار شریف کے نسخ قدیمہ صحیحہ معتمدہ اُس روایت سے خالی دکھا دیتا یا زبانی انکار کے سوا کوئی دلیل معقول قابل قبول ارباب عقول اُس کے یقینی ضلالت و مخالف عقیدۂ اہل سنت ہونے پر قائم کرلیتا تو اُس وقت دعوٰی الحاق زیب دیتا نہ کہ علی الرغم اُس کے علمائے مابعد طبقۃ فطبقۃ اُس روایت کو نقل فرمائیں اور مقرر و مسلّم رکھتے آئیں اور بہجہ کا ایک نسخہ معتمدہ بھی اُس کے خلاف نہ ملے اور محض براہ سینہ زوری الحاق کا ادعائے باطل کردیا جائے فنِ اصول میں جسے ادنٰی مداخلت ہے اس پر کالشمس واضح کہ مجرد امکان منافی قطع و لیقین بالمعنی الاعم نہیں جب تک احتمال ناشئ عن دلیل نہ ہو ورنہ تمام نصوص قرآن وحدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ منکر کا تصانیفِ شریفہ جناب شیخ اکبر و امام شعرانی قدس سرہما کی نظیر دینا کس درجہ لغو و بے محل تھا کہاں وُہ روشن وقائع قطعی ثبوت کہاں یہ زبانی شو سے حیلۂ مبہوت، کاش منکر نے جہاں تصانیفِ مذکورہ کا نام لیا تھا وہاں امام شعرانی کے اقوالِ مسطورہ بھی نقل کرلاتا تاکہ دعوٰی مدلل و ادعائے

ع ما ینسب الی الامام الغزالی یردہ ما ذکرہ فی احیائہ المتواتر عنہ حیث ترجم الائمۃ الاربعۃ وقال واما ابوحنیفۃ فلقد کان ایضا عابدا زاھدا عارفا باللہ خائفا منہ مریدا وجہ اللہ تعالٰی بعلمہ الخ اھ درمختار۔

امام اعظم کے بارے میں جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے اُس کا رد خود امام غزالی کا ذکر کردہ وہ کلام ہے جو انھوں نے تواتر سے مروی "احیاء العلوم" میں ائمہ اربعہ کے تراجم میں بیان کیا ہے اور اُنھوں نے وہاں فرمایا کہ بیشک امام ابوحنیفہ بھی عابد زاہد عارف باللہ اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے، اپنے علم کی بنا پر اللہ تعالٰی کی رضا کے طالب تھے الخ اھ درمختار (ت)

یعنی امام حجۃ الاسلام احیاء العلوم میں فرماتے ہیں ابوحنیفہ خدا کی قسم عابد زاہد عارف باللہ تھے اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے اور اپنے علم سے وجہ اللہ کا ارادہ رکھنے والے ۱۲!

---

[1] احیاء العلوم بیان العلم الذی ھو فرض الکفایۃ مطبوعہ مطبعۃ المشھد الحسینی القاھرہ مصر ۱/ ۲۸

بے دلیل کا فرق کھل جاتا و للہ الحجۃ السامیۃ۔

اور اس نماز کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان و افترا، ہرگز ہرگز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ مخالف کوئی آیت یا حدیث اپنے دعوے میں پیش کر سکا، ہر جگہ صرف زبانی ادّعا سے کام لیا مگر یہ وہی جہالتِ قبیحہ وسفاہتِ فضیحہ ہے جس میں فرقہ جدیدہ و طائفہ حادثہ قدیم سے مبتلا یعنی قرآن وحدیث میں جس امر کا ذکر نہیں وہ ممنوع ہے اگرچہ اس کی ممانعت بھی قرآن وحدیث میں نہ ہو، آن ذی ہوشوں کے نزدیک امرونہی میں کوئی واسطہ ہی نہیں اور عدمِ ذکر عدم ہے پھر خدا جانے سکوت کس شے کا نام ہے! ترمذی و ابن ماجہ وحاکم سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرّم اللہ فی کتابہ وما سکت فھو مما عفا عنہ[1]

حلال وُہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وُہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام بتایا اور جس سے سکوت فرمایا وہ عفو ہے۔

یعنی اس میں کچھ مواخذہ نہیں، اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں موجود کہ فرماتا ہے جل ذکرہ:

یٰایھا الذین اٰمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور رحیم[2]

اے ایمان والو! وُہ باتیں نہ پُوچھو کہ تم پر کھول دی جائیں تو تمھیں بُرا لگے اور اگر قرآن اُترتے وقت پُوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ نے اُن سے معافی فرمائی ہے اور اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔

ف: یہاں سے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ ایک فائدہ نفیسہ کا بیان شروع کر رہے ہیں جو چار احادیث اور ایک آیت قرآنی پر مشتمل ہے جس سے بہت سی فروعات مثل عید میلاد النبی، گیارھویں شریف، تیجا، دسواں، چہلم اور صلوۃ الاسرار وغیرہ کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

---

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۰۶
سنن ابن ماجہ باب اکل الجبن والسمن مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۹

[2] القرآن ۵/۱۰۱

بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اُن کا حکم دیتے تو فرض ہوجاتیں اور بہت ایسی کہ منع کرتے تو حرام ہوجاتیں پھر جو انھیں چھوڑتا یا کرتا گناہ میں پڑتا، اُس مالک مہربان نے اپنے احکام میں اُن کا ذکر نہ فرمایا یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ تو بھول اور ہر عیب سے پاک ہے بلکہ ہمیں پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں نہ پڑیں تو مسلمانوں کو فرماتا ہے تم بھی اُن کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھو گے حکم مناسب دیا جائے گا اور تمھیں کو دقت ہوگی۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جن باتوں کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز منع نہیں بلکہ اللہ کی معافی میں ہیں، دارقطنی ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالٰی فرض فرائض فلا تضیعوھا، وحرم حرمات فلا تنتھکوھا، وحد حدودا فلا تعتدوھا، وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔[1]

بیشک اللہ تعالٰی نے کچھ باتیں فرض کیں انھیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائیں اُن کی حُرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں اُن سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا اُن میں کاوش نہ کرو۔

احمد و بخاری و مسلم و نسائی و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذرونی ما ترکتکم فانما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شیئ فاجتنبوہ واذا امرتکم بامر فأتوا منہ ما استطعتم۔[2]

یعنی جس بات میں مَیں نے تم پر تضییق نہ کی اُس میں مجھ سے تفتیش نہ کرو کہ اگلی اُمتیں اسی بلا سے ہلاک ہوئیں، میں جس بات کو منع کروں اس سے بچو اور جس کا حکم دُوں اسے بقدرِ قدرت بجالاؤ۔

احمد، بخاری، مسلم سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] سنن الدارقطنی — باب الرضاع — مطبوعہ نشر السنۃ ملتان — ۱۸۴/۴

[2] صحیح مسلم — باب فرض الحج مرۃ فی العمر حدیث ۴۱۲ — مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی — ۴۳۲/۱

سنن ابن ماجہ — باب اتباع سنت رسول اللہ — مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۲/۱

مسند احمد بن حنبل — از مسند ابوہریرہ — " دار الفکر بیروت — ۲۴۷/۲

ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شیئ لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسألتہ[1]

بیشک مسلمانوں کے بارے میں اُن کا بڑا گناہگار وُہ ہے جو ایسی چیز سے سوال کرے کہ حرام نہ تھی اُس کے سوال کے بعد حرام کردی گئی۔

یہ احادیث باعلی ندا منادی کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کا ذکر نہیں نہ اُن کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد، اصل جواز پر ہیں ورنہ اگر جس چیز کا کتاب وسنت میں ذکر نہ ہو مطلقاً ممنوع ونادرست ٹھہرے تو اس سوال کرنے والے کی کیا خطا اُس کے بغیر پُوچھے بھی وُہ چیز ناجائز ہی رہتی۔ بالجملہ یہ قاعدۂ نفیسہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا بُرائی ثابت ہو وہ بھلی یا بُری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وُہ معاف وجائز ومباح و رَوا اور اس کو حرام وگناہ ونادرست وممنوع کہنا شریعتِ مطہرہ پر افترا۔

قال ربنا تبارك وتعالٰی لاتقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون[2]

ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا، اپنی زبانوں کا من گھڑت جھُوٹ مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا کرتے ہو بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر افترا کریں وُہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اسی طرح اس نماز کو طریقہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام کے خلاف کہنا بھی اُسی سفاہتِ قدیمہ پر مبنی کہ جو فعل اُن سے منقول نہ ہو عموماً ان کے نزدیک ممنوع تھا حالانکہ عدمِ ثبوت فعل وثبوت عدم جواز میں زمین و آسمان کا فرق ہے، امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں :

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[3]

کرنا تو جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا ممانعت کی دلیل نہیں۔

رافضیوں نے اس طائفہ جدیدہ کی طرح ایک استدلال کیا تھا اُس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں :

نکردن چیزے دیگرست ومنع فرمودن چیزے دیگراست[4] ملخصاً۔

نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے ملخصاً (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب مایکرہ من کثرۃ السؤال مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۲/ ۱۰۸۲

[2] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

[3] مواہب اللدنیہ

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد بیان اس امر کے کہ اذانِ مغرب کے بعد فرضوں سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا نہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے۔ فرماتے ہیں:

ثم الثابت بعد هذا نفی المندوبیة اما ثبوت الکراهة فلا الا ان یدل دلیل اٰخر[1]۔ — یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام کے نہ کرنے سے اس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہی کراہت وہ اس سے ثابت نہ ہوئی جب تک اور کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

اور اسے ف اخلاص وتوکل کے خلاف ماننا عجب جہالت بے مزہ ہے اس میں محبوبانِ خدا کی طرف توجہ بغرضِ توسل ہے اور ان سے توسل قطعًا محمود، اور ہرگز اخلاص وتوکل کے منافی نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون[2]۔ — اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں کوشش کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

اور انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے:

اولٰئك الذین یدعون یبتغون الٰی ربهم الوسیلة[3]۔ — وہ ہیں کہ دعا کرتے اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ودیگر انبیاء، وصلحاء، وعلماء، وعرفاء علیہم التحیۃ والثناء کا قدیمًا وحدیثًا حضور اقدس غایۃ الغایات نہایۃ النہایات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات سے حضور کے ظہور پرنور سے پہلے اور بعد بھی حضور کے زمان برکت نشان میں اور بعد بھی عہد مبارک صحابہ وتابعین سے آج تک اور آج سے قیامِ قیامت وعرصاتِ محشر ودخولِ جنت تک "استشفاع وتوسل" احادیث وآثار میں جس قدر وفور وکثرت وظہور وشہرت کے ساتھ وارد محتاجِ بیان نہیں، جسے اس کی گونہ تفصیل دیکھنی منظور ہو مواہب لدنیہ امام قسطلانی وخصائص کبرائے امام جلال الدین سیوطی وشرح مواہب علامہ زرقانی ومطالع المسرات علامہ فاسی ولمعات واشعۃ شروح مشکوٰۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب ومدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام وفضلائے عظام علیہم رحمۃ العزیز العلام کی طرف رجوع لائے کہ وہاں حجابِ غفلت منکشف

---

[1] فتح القدیر — باب النوافل — مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر — ۱/ ۳۸۹

[2] القرآن ۵/ ۳۵ — [3] القرآن ۱۷/ ۵۷

ف: یہاں سے اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ شفاعت، وسیلہ، استمداد، التجا اور ہنگام توسل ندائے محبوبانِ خدا کے جواز پر کلام شروع کررہے ہیں جو کہ آیاتِ قرآنی، احادیث اور کتبِ سیرۃ سے ماخوذ ہے، غور کرو۔ نذیر احمد

ہوتا ہے اور مصنف خطا سے منصرف و باللہ سبحنہ و تعالی التوفیق ۔

اسی طرح صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طلبِ باراں میں توسل کرنا مروی و مشہور، حصن حصین میں ہے :

وان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ خ مس والصالحین من عبادہ[1] خ ۔
یعنی آدابِ دُعا سے ہے کہ اللہ تعالی کی طرف اس کے انبیاء سے توسل کرے ۔ اسے بخاری و بزاز و حاکم نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑے ۔ اسے بخاری نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ۔

اور سب سے زیادہ وہ حدیث صحیح و مشہور ہے جسے نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی و طبرانی و ابن خزیمہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور حاکم نے برشرطِ بخاری و مسلم صحیح کہا اور حافظ امام عبد العظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد و تنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلّم و مقرر رکھا جس میں حضور اقدس ملجاء بیکساں، ملاذ دوجہاں، افضل صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہ وعلیٰ ذریاتہ نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کہے :

اللھم انی اسئلك و اتوجہ الیك بنبیك محمد نبی الرحمۃ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی[2]۔
الٰہی ! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یا رسول اللہ ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی ! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما ۔

اور لطف یہ ہے کہ بعض روایات حصن حصین میں لتقضی لی بصیغہ معروف واقع ہوا یعنی یا رسول اللہ ! میں آپ کے توسل سے خدا کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ آپ میری حاجت روائی کر دیں ۔

مولٰنا فاضل علی قاری علیہ الرحمۃ الباری حرزِ ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں :

وفی نسخۃ بصیغۃ فاعل ای لتقضی الحاجۃ
اور ایک نسخہ میں معروف کا صیغہ ہے یعنی تو میری حاجت روائی

---

[1] حصن حصین آداب دعا افضل المطابع انڈیا ص ۱۸
[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹۷

ل والمعنی تکون سببا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالاسناد مجازی اھ۔

فرما اور معنٰی یہ ہے کہ آپ میری حاجت روائی کا سبب بنیں۔ پس یہ اسناد مجازی ہے اھ (ت)

اور یہ حدیث نفیس نجیح مذیل بطراز گرانبہائے تصحیح[2] امام ابوالقاسم سلیمٰن لخمی طبرانی کے پاس یوں ہے:

ان رجلا کان یختلف الی عثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حاجۃ لہ، فکان عثمٰن لایلتفت الیہ ولاینظر فی حاجتہ، فلقی عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ فشکا ذلك الیہ، فقال لہ عثمٰن بن حنیف: ائت المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین[3] ثم قل اللھم انی اسألك واتوجہ الیك بنبینا محمد

یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں آتا امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس امر کی شکایت کی انھوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ، الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلے سے

---

[2] امام منذری ترغیب میں فرماتے ہیں، قال الطبرانی بعد ذکر طرقہ والحدیث صحیح طبرانی نے اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کرکے کہا حدیث صحیح ہے ۱۲ منہ (م)

[3] ھکذا ھو ھھنا یثبت الصلٰوۃ فی نفس الحدیث فی النسخۃ الصحیحۃ للترغیب التی من اللہ تعالٰی بھا علی ھذا المحتاج ولعل عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا روی الحدیث اتی بہ کما ھو واذا علم الرجل زاد الصلٰوۃ کما ھو المطلوب فی امثال المقام، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

یوں ہی وہ یہاں نماز کا ثبوت نفس حدیث میں ہے "ترغیب" کے صحیح نسخہ میں ہے یہ نسخہ اللہ تعالٰی نے اس محتاج کو بطور احسان عطا فرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب روایت کیا تو انھوں نے حدیث کو درست بیان فرمایا اور جب انھوں نے آدمی کو ترغیب دی ہو تو نماز کا لفظ زائد کردیا ہو جیسا کہ ایسے مقام میں مطلوب ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین صلٰوۃ الحاجۃ افضل المطابع انڈیا ص ۱۲۵

[2] الترغیب والترہیب فی الصلٰوۃ الحاجۃ ودعاءہا مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۶

صلى الله تعالیٰ علیه وسلم نبی الرحمة، یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فتقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتك ورح الی حتی اروح معك، فانطلق الرجل فصنع ما قال له، ثم اتی باب عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنه فجاء البواب حتی اخذه بیده فادخل علی عثمٰن بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه فاجلسه معه علی الطنفسة، فقال حاجتك، فذکر حاجته فقضاها له، ثم قال، ما ذکرت حاجتك حتی کانت هذه الساعة وقال ما کانت لك من حاجة فاذکرها ثم ان الرجل خرج من عنده فلقی عثمٰن بن حنیف رضی الله تعالیٰ عنه، فقال له جزاك الله خیرا ماکان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت الی حتی کلمته فی، فقال عثمٰن بن حنیف رضی الله تعالیٰ عنه والله ما کلمته، ولکن شهدت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واتاه رجل ضریر فشکا الیه ذهاب بصره، فقال له النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ائت المیضأة فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بهذه الدعوات، فقال عثمٰن بن حنیف فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کانه لم یکن به ضرقط[1]

توجہ کرتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے اور اپنی حاجت کا ذکر کر شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں، حاجت مند نے یُوں ہی کیا پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوا دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المؤمنین کے حضور لے گیا امیر المؤمنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا مطلب پوچھا عرض کیا فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا پھر فرمایا جو حاجت تمھیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور کہا اللہ تمھیں جزائے خیر دے امیر المؤمنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میرے بارے میں عرض کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تیرے معاملے میں امیر المؤمنین سے کچھ بھی نہ کہا، مگر ہُوا یہ کہ میں نے سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہُوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یُوں ہی اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھے پھر یہ دُعا کرے خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ما اسند عثمان بن حنیف ۸۳۱۱ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۹/ ۱۷

تنبیہ : ایھا المسلمون حضرات منکرین کی غایت دیانت سخت محل افسوس وعبرت اس حدیث جلیل کی عظمت رفیعہ وجلالت منیعہ اوپر معلوم ہو چکی اور اس میں ہم اہل سنت وجماعت کے لئے جوازِ استمداد و التجاء و ہنگام توسل ندائے محبوبانِ خدا کا بحمد اللہ کیسا روشن و واضح وبین ولائح ثبوت جس سے اہلِ انکار کو کہیں مفر نہیں اب ان کے ایک بڑے عالم مشہور نے باوجود اس قدر دعوی بلند علم وتدین کے اپنے مذہب کی حمایت بیجا میں جس صریح بیباکی وشوخ چشمی کو کام فرمایا ہے انھیں اس سے شرم چاہئے تھی حضرت نے حصن حصین شریف کا ترجمہ لکھا جب اس حدیث پر آئے اُس کی قاہر شوکت عظیم عزت نے جرأت نہ کرنے دی کہ نفسِ متن میں اُس پر طعن فرمائیں اور ادھر پاس مشرب ناخن بدل جوش عصبیت تاب گسل ناچار حاشیۂ کتاب پر یوں ہجوم ہموم کی تسکین فرمائی کہ :

یک راوی این حدیث عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبد اللہ متروک الحدیث است چنانکہ در تقریب موجود است وحدیث راوی متروک الحدیث قابلِ حجت نمی شود۔

ایک راوی اس حدیث میں عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبد اللہ ہے جو متروک ہے جیسا کہ "تقریب" میں موجود ہے، اور متروک الحدیث راوی کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ، انصاف ودیانت کا تو مقتضی تھا جب حق واضح ہو گیا تھا تسلیم فرماتے ارشاد مفترض الانقیاد حضور پُر نور سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ الامجاد کی طرف رجوع لاتے نہ کہ خواہی نخواہی بزورِ تحریف ایسی صحیح رجیح حدیث کو جس کی اس قدر ائمہ محدثین نے یک زبان تصحیح فرمائی معاذ اللہ ساقط ومردود قرار دیجئے اور انتقام خدا ومطالبہ حضور سید روزِ جزا علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کا کچھ خیال نہ کیجئے اب حضرات منکرین کے تمام ذیلعلموں سے انصاف طلب کہ اس حدیث کا راوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبد اللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں ملتی یا عثمان بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ جو صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں ، کاش اتنا ہی نظر فرما لیتے کہ جو حدیث کئی صحاح میں مروی اُس کا مدارِ روایت وہ شخص کیونکر ممکن جو ابن ماجہ کے سوا کسی کے رجال سے نہیں ، وائے بیباکی مشہور ومتداول صحاح کی حدیث جن کے لاکھوں نسخے ہزاروں بلاد میں موجود اُن کی اسانید میں صاف صاف عن عثمٰن بن عمر مکتوب ، پھر کیا کہا جائے کہ ابن عمر کا ابن خالد بنا لینا کس درجہ کی حیا ودیانت ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور سنئے ابن السنی عبد اللہ بن مسعود اور بزار عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا انفلتت دابۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد یاعباد اللہ احبسوا فان للہ تعالٰی عبادا فی الارض تحبسہ۔[1]

جب تم میں کسی کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہئے یُوں ندا کرے "اے خدا کے بندو! روک لو" کہ اللہ تعالٰی کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اُسے روک لیں گے۔

بزار کی روایت میں ہے یُوں کہے: اعینوا یا عباد اللہ مدد کرو اے خدا کے بندو! ۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان لفظوں کے بعد رحمکم اللہ[2] (اللہ تم پر رحم کرے۔ ت) اور زیادہ فرماتے رواہ ابن شیبۃ فی مصنفہ (اسے ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا۔ ت) امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی اذکار میں فرماتے ہیں، ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا، چھوٹا ہُوا جانور فوراً رک گیا۔ اور فرماتے ہیں، ایک بار ہمارا ایک جانور چھٹ گیا لوگ عاجز آگئے ہاتھ نہ لگا میں نے یہی کلمہ کہا فوراً رک گیا جس کا اس کہنے کے سوا کوئی سبب نہ تھا[3] نقلہ سیدی علی القاری فی الحرز الثمین (ملا علی قاری نے اسے حرز ثمین میں نقل کیا۔ ت) امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباد اللہ اعینونی یاعباد اللہ اعینونی یاعباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لایراھم۔[4]

جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھُولے یا کوئی چیز گم کردے اور مدد مانگنی چاہے تو یُوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے[عہ] ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا۔

عہ جن کے سیّد و مولا و سند و ماوٰی حضور پُرنور سیدنا عبد القادر جیلانی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ، (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المعجم الکبیر مروی از عبد اللہ ابن مسعود حدیث ۱۰۵۱۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۶۷
المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ ۳/ ۲۳۹ - کشف الاستار عن زوائد البزار ۴/ ۳۴
مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۳۲ الاذکار للنووی ص ۱۰۱

[2] المصنف لابن ابی شیبہ مایدعوبہ الرجل حدیث ۹۷۶۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۳۹۰

[3] الاذکار للنووی باب مایقول اذا انفلتت دابتہ " دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۲۰۱

[4] المعجم الکبیر ماسند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ " مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۷ و ۱۱۸

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: قد جرّب ذٰلک[1] بالیقین یہ بات آزمائی ہوئی ہے۔
رواہ الطبرانی ایضاً (اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ت) فاضل علی قاری علامہ میرک سے وہ بعض علمائے ثقات سے ناقل ھذا حدیث حسن یہ حدیث حسن ہے۔ اور فرمایا مسافروں کو اس کی ضرورت ہے، اور فرمایا مشائخ کرام قدست اسرارہم سے مروی ہُوا انہ مجرب قرن بہ النجاح[2] یہ مجرب ہے اور مراد ملنی اس کے ساتھ مقرون۔ ذکرہ فی الحرز الثمین (اس کو حرز ثمین میں ذکر کیا ہے۔ت) ان احادیث میں جن بندگانِ خدا کو وقتِ حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے قدس اللہ تعالٰی اسرارھم و افاض علینا انوارھم یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیہ فی الحرز الوصین (جیسا کہ حرز الوصین میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ت) اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن مراد ہوں وکیفما کان[1] توسّل وندا کو شرک وحرام اور منافی توکّل واخلاص جاننا معاذ اللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے۔

تنبیہ: یہاں تو حضرات منکرین کے اُنھیں عالم نے یہ خیال فرماکر معجم طبرانی بلاد ہند میں متداول نہیں بے خوف وخطر خاص متن ترجمہ میں اپنے زورِ علم ودیانت وجوشِ تقوٰی وامانت کا جلوہ دکھایا فرماتے ہیں: اس حدیث کے راویوں میں سے عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے تقوٰی اور عدالت اس کی معلوم نہیں جیسا کہ کہا ہے تقریب میں کہ نام ایک کتاب کا ہے اسماء الرجال کی کتابوں سے۔

اقول مگر بحمد اللہ آپ کا تقوٰی وعدالت تو معلوم کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقہ ثالثہ سے ہیں جنھیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لا یعرف کہا، اور کہاں اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابی جلیل القدر مہاجر ومجاہد غزوہ بدر ہیں جن کی جلالتِ شان بدر سے روشن مہر سے آبین رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما نص علیہ سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام رواہ ونقلہ فی البھجۃ و الزبدۃ والتحفۃ وغیرھا ۱۲ منہ (م)

جیسا کہ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس کی تصریح کی اور بہجۃ الاسرار، الزبدۃ اور التحفہ وغیرہا میں اس کو روایت کیا اور نقل کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] المعجم الکبیر ما سند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۸

[2] حرز ثمین حواشی حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۶

اُن کے پیشِ نظر ہے، شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی :

رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ عن نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

اس کو طبرانی نے زید بن علی سے انھوں نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

یا جس تقریب کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی :

عتبۃ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل مہاجر بدری مات سنۃ سبع عشرۃ[2] اھ ملخصا۔

عتبہ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل بدری اور مہاجر ہیں جن کا وصال ۱۷ھ میں ہوا۔ اھ ملخصاً۔ (ت)

پھر کون سے ایمان کا مقتضٰی ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزورِ زبان و بزورِ جنان درجۂ صحابیت سے طبقۂ ثالثہ میں لاڈالئے اور شمسِ عدالت و بدرِ جلالت کو معاذ اللہ مردود الروایۃ ومطعونِ جہالت بنانے کی بدراہ نکالئے

ولکن صدق نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا لم تستحی فاصنع ما شئت[3]

لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حیا نہیں تو پھر جو چاہے کر۔ (ت)

مسلمان دیکھیں کہ حضرات منکرین انکارِ حق و اصرار باطل میں کیا کچھ کر گزرے پھر ادعائے حقانیت گویا تمیز کا وضوئے محکم ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خیر یہ تو حدیثیں تھیں اب شاہ ولی اللہ صاحب کی سُنئے اپنے قصیدۂ اطیب النغم کی شرح میں پہلی بسم اللہ یہ لکھتے ہیں کہ :

لابدست از استمداد بروحِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی روحِ پاک سے مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

بنظر نمی آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ

مجھے تو ہر مصیبت میں اور ہر پریشان حال کے لئے حضور

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۵

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۴۴۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۵۳

[3] المعجم الکبیر مروی از ابومسعود حدیث ۶۵۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

[4] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل اول در تشبیب بذکر الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲

جائے دست زدن اندوہگین ست در ہر شدتے۔[1]

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دستِ تصرف ہی نظر آتا ہے (ت)

اسی میں ہے :

بہترین خلقِ خداست در خصلت و در شکل و نافع ترین ایشان ست مرد ماں را نزدیک ہجوم حوادث زماں۔[2]

زمانے کے حوادث میں لوگوں کے لئے آپ سے بڑھ کر کوئی نافع نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

فصل یازدہم در ابتہال بجناب آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمت فرستد بر تو خدائے تعالٰی اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شود اے بہترین عطا کنندہ۔[3]

گیارھویں فصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں ہے اے بہترین مددگار اور جائے امید اور بہترین عطا کرنے والے! آپ پر اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں ہوں۔ (ت)

اسی میں ہے :

اے بہترین کسیکہ امید داشت شود برائے ازالہ مصیبتے۔[4]

اے بہترین امیدگاہ، مصیبتوں کے ازالہ کے لئے۔ (ت)

اسی میں ہے :

تو پناہ دہندہ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتیکہ بخلاند در دل بدترین چنگلہا را۔[5]

آپ مجھے ہر ایسی مصیبت میں جو دل میں بدترین اضطراب پیدا کرے، پناہ دیتے ہیں۔ (ت)

اور اپنے قصیدۂ ہمزیہ کی شرح میں تو قیامت ہی توڑ گئے، لکھتے ہیں :

آخر حالتی کہ ثابت است مادح آں حضرت را صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتیکہ احساس کند نارسائی خود را از حقیقت ثنا ضراعت (بافتح خواری وزاری) ، ابتہال و اخلاص در دعا آنست کہ ندا کند زار و خوار شدہ بشکستگی دل و اظہار بے قدری خود، با خلاص در مناجات و پناہ گرفتن بایں طریق اے رسول خدا اے بہترین مخلوقات عطائے ترا میخواہم روز فیصل کردن۔[6]

مایوسی کے وقت مدح کرنے والے کی آخری حالت میں یہ دعا اور ثنا ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کو انتہائی گریہ زاری اور دل جمعی اور اظہار بے قدری میں خلوص کے ساتھ پناہ حاصل کرتے ہوئے یہ مناجات کرے اور کہے کہ اے رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اے اللہ تعالٰی کی مخلوق میں بہترین ذات! قیامت کے روز میں آپ کی عطا کا خواستگار ہوں۔ (ت)

---

[1] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل اول در تشبیب بذکر الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴
[2] 〃 〃 〃 فصل چہارم 〃 〃 〃 ص ۶
[3] و [4] و [5] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم 〃 〃 〃 ص ۲۲
[6] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم 〃 〃 〃 ص ۳۳

اسی میں ہے:

وقتیکہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا[1]	جب کوئی کام تاریکی کی گہرائی میں گر جائے تو آپ ہی ہر بلا میں پناہ دیتے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

بسوئے توست آوردن من و بہ توست پناہ گرفتن من و در توست امید داشتن من[2]	میری جائے پناہ، میری جائے امید اور میرے مرجع آپ ہی ہیں۔ (ت)

بالجملہ بندگانِ خدا سے توسل کو اخلاص و توکل کے خلاف نہ جانے گا مگر سخت جاہل محروم یا ضال مکابر ملوم، رہا اس نماز مبارک کے افعال پر کلام، **اولاً** جب اس کی ترغیب خود حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد سے ثابت تو مدعی تسنن کو کیا گنجائشِ انکار، خود منکرین کی زبانیں اس شہادت میں ہمارے دل و زبان کی شریک ہیں کہ وہ جناب اتباع قرآن و حدیث و اقتفائے سنت سنیہ و مراعات سیرت صحابہ و اجتناب محدثات شنیعہ و التزام احکام شرعیہ پر استقامت کاملہ رکھتے تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وامدنا فی الدارین بنعماہ اٰمین (اللہ تعالٰی اس سے راضی ہو اور اس کو راضی کرے اور اپنی نعمتوں سے دونوں جہاں میں ہماری امداد فرمائے آمین۔ ت)

ثانیاً وہ علماء و اولیاء جن میں بعض کے اسمائے طیبہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ ہم نے ذکر کیے جنھوں نے یہ نماز پسند کی اجازت دی سند لی خود پڑھی، منکرین میں کون ان کے پائے کا ہے؟ پھر ان کے کہے سے کیونکر مسلّم ہو کہ حکمِ شرع پر یہی چلے اور وہ سب معاذ اللہ گنہگار، فساق، بدعتی گزرے اور ان اکابر کو غیر موثوق کہہ کر اتباع سوادِ اعظم کی طرف بلانا وہی پرانی تلبیس ہے سوادِ اعظم کا خلاف جب ہو کہ جمہور ائمہ دین، فقہا و محدثین، عرفائے محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس نماز سے ممانعت کرتے آئے ہوں جب منکرین دو چار ائمہ معتمدین سے صحیح طور پر (جو دیدہ و دانستہ کذب و افتراء و وضع اسمائے کتب و علماء و استناد بمجاہیل و اجزائے خاملہ سے کہ داب قدیم اکابر منکرین ہے خالی ہو) اس نماز کریم کی ممانعت کا ثبوت نہ دے سکے نہ ان شاء اللہ تعالٰی قیامِ قیامت دے سکیں تو سوادِ اعظم کا نام لینا صرف عوام کو دھوکا دینا ہے۔

ثالثاً ان صاحبوں کے اصول پر تو اس نماز کے جواز و اباحت اور منع و انکار کی قباحت و شناعت

---

[1] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

[2] " " " " " " ص ۳۴

پرنئے طور سے (جسے معارضہ بالقلب کہئے) سوادِ اعظم ائمہ وعلماو محدثین و فقہا کا اجماع قطعی ثابت ہوگا، پہلے معلوم ہوچکا کہ ان حضرات کے مذہب میں عدم ذکر ذکرِ عدم ہے اور خود یہاں منکرین کے ادعائے سوادِ اعظم کا یہی مبنی کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اب ہم کہتے ہیں کلماتِ ائمہ میں اس نماز پرانکار جائز ہونا ہرگز مذکور نہیں، ومن ادعی فعلیہ البیان ولا یستطیعہ حتی یرجع القارظان (جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے جبکہ یہ اس کی استطاعت سے خارج ہے۔ت)، اور عدم بیان، بیان عدم تو لاجرم اس کے یہ معنٰے ہوں گے کہ اُن سب ائمہ کے نزدیک اس نمازِ مبارک پرانکار روا نہیں اور جب پرانکار ناجائز ہوگا وہ اقل درجہ مباح ہوگا فثبت المقصود وبہت العنود والحمد للہ العلی الودود (مقصود ثابت ہوا، مخالف مبہوت ہوا، الحمد للہ العلی الودود۔ت)

رابعًا ان حضرات کی عجیب عادت ہے جواز کہ عقلاً و نقلاً محتاجِ دلیل نہیں بے دلیل خاص قبول نہیں کرتے اور عدمِ جواز کے لئے ان کے زبانی دعوے کافی ہوجاتے ہیں کاش جہاں یہ کہتے ہیں کہ توجہ لعراق و روش باوسب درست نہیں وہاں اس پر کوئی دلیل شرعی بھی قائم کرتے اور جب کچھ نہیں تو ہمارے لئے اصل جواب وہی ہے جو مدعیان بے ثبوت کے مقابل قرآن عظیم نے تعلیم فرمایا کہ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین[1] (فرما دیجئے اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ت) اور منکر نے اثنائے تقریر میں جو اپنے لئے بات آسان کرنے کو ہیأتِ نماز و تذلل تام وانتہائے تعظیم کی قیدیں بڑھالیں وہ خود اسی پر مردود کہ ہرگز ترکیب صلٰوۃ الاسرار میں ان باتوں کا نشان نہیں، ہاں محبوبانِ خدا کی نفسِ تعظیم بیشک اہم واجبات و اعظم قربات سے ہے،

قال اللہ تعالٰی ومن یعظم حرمٰت اللہ فھو خیر لہ عند ربہ[2]۔ وقال تعالٰی من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب[3]○ وقال تعالٰی انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرا○ لتؤمنوا باللہ و رسولہ

اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی عزت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لئے اللہ تعالٰی کے ہاں بہتر ہے۔ اور نیز فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ قلبی تقوٰی ہوگا۔ اور نیز فرمایا ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا، بشارت سنانے

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۱

[2] القرآن ۲۲/ ۳۰

[3] القرآن ۲۲/ ۳۲

وتعزروہ وتوقروہ۔[1] | والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے مومنو! تم اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم و توقیر بجالاؤ (ت)

خود منکر نے کہا کہ صحابۂ کرام تعظیم سیدالانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہم سے زیادہ تھے بلکہ شاید ابھی منکرین کو خبر نہیں کہ علمائے دین نے روضۂ منورہ کے حضور خاص ہیأت نماز قائم کرنے کا حکم دیا تو منکر کو اس قید کا اضافہ بھی کام نہ آیا بلکہ گناہ بے لذت ٹھہرا۔ لباب و شرح لباب کی عبارت عنقریب مذکور ہوگی بالفعل اختیار شرح مختار و فتاوٰی عالمگیریہ کی تصریح لیجئے فرماتے ہیں:

یتوجہ الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ اھ[2] ملتقطا۔ | یعنی قبر شریف سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ کرے اور یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور کی صورت مبارک کا تصور باندھے۔ اھ ملتقطا۔

اے عزیز! اصل کار یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے ولہذا بکثرت احادیث میں اُستاذ و شاگرد و علماء و عام مسلمین کے لئے تواضع کا حکم ہوا جنھیں جمع کیجئے تو دفتر طویل ہوتا ہے طبرانی معجم اوسط اور ابن عدی کامل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعلموا العلم و تعلموا للعلم السکینۃ والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منہ۔[3] | علم سیکھو اور علم کے لئے سکون و مہابت (وقار) سیکھو اور جس سے علم سیکھتے ہو اُس کے لئے تواضع کرو۔

---

[1] القرآن ۴۸/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المناسک مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۶۴۲

ف: محبوبانِ خدا (مثلاً انبیاء، اولیاء، علماء، استاد اور شاگرد کہ وہ اللہ کے نبی، یہ اللہ کے ولی۔ وہ دینِ الٰہی کے قیم ہیں اور ملتِ الٰہیہ پر قائم) کی تواضع اور تعظیم کرنا درحقیقت خدا ہی کی تواضع اور تعظیم کرنا ہے ورنہ محض کسی دُنیادار یا کافر کی تعظیم جائز نہیں۔ نذیر احمد

اور خطیب نے کتاب الجامع لآداب الراوی والسامع میں اُن سے یوں روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولا تکونوا جبابرة العلماء فیغلب جهلکم علمکم[1]۔

جس سے علم سیکھتے ہو اُس کے لئے تواضع کرو اور جسے علم سکھاتے ہو اُس کے لئے تواضع کرو اور متکبر عالم نہ ہو کہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب ہو جائے۔

باانیہمہ علما نے تصریح فرمائی کہ غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے، فتاوٰی ہندیہ میں ہے: التواضع لغیر الله حرام کذا فی الملتقط[2] (غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ ت) تو بات وہی ہے کہ انبیاء و اولیاء و مسلمین کے واسطے تواضع اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یا اللہ کے ولی ہیں وہ دینِ الٰہی کے قیّم ہیں یا ملّتِ الٰہیہ پر قائم ہیں تو علّتِ تواضع جب وہ نسبت ہے جو انھیں بارگاہِ الٰہی میں حاصل تو یہ تواضع بھی درحقیقت خدا ہی کے لئے ہوئی جیسے

یہ فائدہ ضرور ملاحظہ ہو عہ عجیب تر بشنو (نہایت عجیب بات سُن۔ ت) مرزا مظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایشاں بجناب پیر خود نوشتند کہ محبت شما بر محبت خدا و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غالب ست موجب انفعال میشود در جواب برنگاشتند کہ محبت پیر ہمیں محبتِ خدا و رسول ست و سبب جذب کمالات الٰہیہ کہ در باطن پیر ثابت ست می شود ع

چوں دیدۂ عقل آمد احول
معبود تو سری ست اول[3]

انتہی بلفظہ ۱۲ منہ (م)

انھوں نے اپنے پیر کی خدمت میں لکھا کہ آپ کی محبت اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت پر غالب ہے جو کہ فیضیاب ہونے کا سبب ہے، پیر صاحب نے جواب میں لکھا کہ پیر کی محبت بھی اللہ تعالٰی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی ہی کی محبت ہے جو کہ پیر کے باطن میں ثابت شدہ اللہ تعالٰی کے کمالات کو جذب کرنے کا باعث ہے۔

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی باب ذکر ما ینبغی للراوی والسامع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۱
الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۱۶۴۳
[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۸
[3] ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں مجتبائی دہلی ص ۱۸۲

صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی تعظیم و محبت بعینہ محبت و تعظیم سید عالم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

کما نص علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر ما حدیث و نحن فی غنی عن سردھا ھھنا فما ھی شوارد بل معلومۃ الموارد۔

جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اس پر تصریح فرمائی، ایسی بہت سی احادیث ہیں ہمیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ احادیث اجنبی نہیں ہیں ان کا مورد سب کو معلوم ہے۔ (ت)

تواضع لغیر اللہ کی شکل یہ ہے کہ عیاذاً باللہ کسی کافر یا دنیادار غنی کے لئے اس کے سبب تواضع ہو کہ یہاں وُہ نسبت موجود ہی نہیں یا موجود ہے تو ملحوظ نہیں، اے عزیز! کیا وہ احادیث کثیرہ بثیرہ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خشوع و خضوع بجالانا مذکور اس درجۂ اشتہار پر نہیں کہ فقیر کو اُن کے جمع و استیعاب سے غنا ہو، ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و اصحابہ حولہ کانّ علی رؤسھم الطیر[1]۔

فرمایا میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوا، حضور کے اصحاب حضور کے گرد تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں یعنی سر جھکائے گردنیں خم کئے بے حس و حرکت کہ پرندے لکڑی یا پتھر جان کر سروں پر آبیٹھیں اس سے بڑھ کر خشوع کیا ہوگا!

ہند بن ابی ہالہ وصاف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و رضی عنہ کی حدیث حلیۂ اقدس میں ہے:

اذا تکلم اطرق جلساؤہ کانّ علی رؤسھم الطیر[2]۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلام فرماتے جتنے حاضرانِ مجلس ہوتے سب گردنیں جھکا لیتے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں ؎

عجب ست با وجودت کہ وجود من بماند | تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

(تعجب ہے کہ تیرے وجود سے میرا وجود باقی ہے تیری گفتگو نافذ ہے اور میری بات باقی ہے)

مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں لکھتے ہیں:

یکے از مشایخ گوید کہ من و شیخ علی ہیتی در مدرسہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بودیم کہ یکے از اکابر بغداد پیش آمد و

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور شیخ علی ہیتی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مدرسہ میں تھے کہ اتنے میں بغداد کے

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطب باب الرجل یتداوہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۳
مسند احمد بن حنبل حدیث اسامہ بن شریک " دار الفکر بیروت ۴/ ۲۷۸
[2] المعجم الکبیر حدیث ہند بن ابی ہالہ ۴۱۴ " مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۲/ ۱۵۸

گفت یا سیدی قال جدك رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من دعی فلیجب وھا انا ادعوك الی منزلی گفت اگر مرا اذن کنند بیایم زمانے سر و پیش انداخت پس گفت مے آیم وبراستر سوار شد شیخ علی ہیتی رکاب راست وی گرفت ومن رکاب چپ تا بسرائے آں شخص رسیدیم ہمہ مشایخ بغداد وعلما و اعیان آنجا بودند سماطے بر کشیدند بروی انواع نعمتہا وسلّۃ بزرگ سر پوشیدہ دو کس برداشتہ پیش آوردند ودر آخر سماط نہادند بعد ازاں آں شخص کہ صاحب دعوت بود گفت الصّلا وشیخ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سر در پیش افگندہ بود وہیچ نخورد واذن نیز نداد وہیچکس ہم نخورد واھل المجلس کأن علی رؤسھم الطیر ھیبتہ[1]

ایک بزرگ تشریف لائے اور انھوں نے عرض کی اے آقا (غوث اعظم) آپ کے جدّ امجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعوت دے اس کی دعوت قبول کی جائے، لو میں آپ کو اپنے گھر کے لئے دعوت دیتا ہُوں تو آپ نے فرمایا اگر مجھے اجازت ملی تو آؤں گا، یہ فرما کر آپ نے کچھ دیر سر مبارک کو جھکایا پھر فرمایا میں آرہا ہوں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے شیخ علی ہیتی نے دایاں رکاب اور میں نے بایاں رکاب پکڑا، حتی کہ ہم سب اس شیخ کے گھر پہنچے تو وہاں پر بغداد کے مشائخ اور علما اور خاص لوگ موجود تھے دستر خوان بچھایا گیا جس پر مختلف قسم کی نعمتیں موجود تھیں اور ایک بھاری بوجھل تابوت کو دس آدمی اٹھائے ہوئے لائے جو اوپر سے ڈھانپا ہُوا تھا وہ دستر خوان کے قریب ایک طرف رکھ دیا گیا، اس کے بعد صاحبِ خانہ شیخ نے کھانا کھانے کو کہا تو حضرت غوثِ اعظم نے سر مبارک جھکایا نہ خود کھانا تناول فرمایا اور نہ ہی ہمیں کھانے کی اجازت دی، اور کسی نے بھی نہ کھایا جبکہ تمام اہلِ مجلس ایسے خاموش سر جھکائے ہُوئے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (ت)

یعنی اہلِ مجلس کہ تمام اولیاء و علماء و عمائدِ بغداد تھے ہیبتِ سرکارِ قادریت کے سبب ایسے بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ مقصود اسی قدر تھا مگر ایسی جانفزا بات کا ناتمام رہنا دل کو نہیں بھاتا لہٰذا تفریحِ قلوبِ سنّت و غیظ صدورِ بدعت کے لئے تتمۂ روایت نقل کروں، فرماتے ہیں:

شیخ رضی اللّٰہ تعالٰی بمن و شیخ علی ہیتی اشارتی کرد کہ آں سلّۃ را پیش آرید برخاستیم وآں را پیش برداشتیم وبس گراں بود در پیش شیخ نہادیم فرمود تا سر آنرا بکشادیم دیدیم کہ فرزند آں شخصے بود نابینائے مادرزاد

حضرت نے مجھے اور شیخ علی ہیتی کو اشارہ فرمایا کہ اس تابوت کو میرے سامنے لاؤ، وہ بھاری تابوت ہم نے اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا اس پر سے کپڑا ہٹاؤ، جب ہم نے دیکھا وہ اس شخص کا

---

[1] نفحات الانس حالات شیخ ابوعمرو صریفینی رحمۃ اللّٰہ علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

برجائے ماندہ ومجذوم ومفلوج گشتہ شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وی راگفت قم باذن اللہ معافی آں کودک برخاست دواں وبینا وبراں ہیچ آفتے نے فریاد ازحاضراں برخاست شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ درانبوہ مردم بیروں آمد وہیچ نخورد پیش شیخ ابوسعید قیلوی رفتم وآں قصہ باوے بگفتم گفت شیخ عبدالقادر یبرئ الاکمہ والابرص ویحی الموتی باذن اللہ عزوجل ست انتہی۔[1]

لڑکا تھا جو مادر زاد نابینا اور مفلوج تھا تو حضرت نے اس لڑکے کو حکماً فرمایا قم باذن اللہ معافی (اللہ کے حکم سے کھڑے ہوجاؤ عافیت والے ہوکر) وُہ لڑکا فوراً تندرست حالت میں کھڑا ہوگیا جیسا کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت حاضرین میں سے اُٹھ کر پُوری جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد میں شیخ ابوسعید قیلوی کے پاس گیا اور ان کو میں نے یہ تمام قصہ سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مُردے کو زندہ اللہ کے اذن سے کرتے ہیں۔ (ت)

ع

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی

مُردہ را جانے دہی و درد را درماں کنی

(اے قدرت والے تجھے قدرت ہے جو چاہے تو کرے، مُردہ کو جان دیتا ہے اور درد کو آرام دیتا ہے)

امام ابوابراہیم تجیبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کتاب الشفاء میں ہے:

واجب علی کل مومن متی ذکرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوذکر عندہ ان یخضع ویخشع ویتوقر ویسکن من حرکتہ ویأخذ فی ھیبتہ واجلالہ بما کان یأخذ بہ نفسہ لوکان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویتأدب بما ادبنا اللہ تعالٰی بہ۔[2]

ہر مسلمان پر واجب ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یاد کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر آئے خضوع وخشوع بجالائے اور باوقار ہوجائے اور اعضاء کو حرکت سے باز رکھے اور حضور کے لئے اُس ہیبت وتعظیم کی حالت پر ہوجائے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رُوبرو اس پر طاری ہوتی اور ادب کرے جس طرح خدا تعالٰی نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔

---

[1] نفحات الانس حالات ابوعمرو صریفینی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

[2] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/ ۳۴

امام علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں اس قول کے نیچے لکھتے ہیں:

یفرض ذلك ویلاحظه ویتمثله فکانه عندہ[1]
یعنی یادِ حضور کے وقت یہ قرار دے کر میں حضور اقدس کا تصور باندھے گویا حضور کے سامنے حاضر ہوں۔

امام اجل سیدی قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں امام تجیبی کا ارشاد نقل کرکے فرماتے ہیں:

وھذہ کانت سیرۃ سلفنا الصالح وائمتنا الماضین رضی اللہ تعالٰی عنھم[2]
ہمارے سلف صالح و ائمہ سابقین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی داب و طریقہ تھا۔

اور فرماتے ہیں:

کان مالك اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتغیر لونہ وینحنی[3]
امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے رنگ اُن کا بدل جاتا اور جھک جاتے۔

نسیم میں ہے: لشدۃ خشوعہ[4] یہ جھک جانا سبب شدت خشوع تھا۔ شفا شریف وغیرہ تصانیف علماء میں اس قسم کی بہت روایات مذکور، شاہ ولی اللہ قصیدہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

ینادی ضارعا لخضوع قلب ۔۔۔ وذل وابتھال والتجاء
رسول اللہ یا خیر البرایا ۔۔۔ نوالك ابتغی یوم القضاء[5]

(حاجتمندی، دل کی عاجزی، انکساری، تضرع اور التجاء کے ساتھ رسول اللہ کو ندا کرے اور عرض کرے کہ اے مخلوق سے افضل ذات! میں آپ سے قیامت کے روز عطا کا خواستگار ہوں)

دیکھو صاف بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ندا اور حضور سے عرض حاجت کرے تو تضرع و خضوع قلب و تذلل و الحاح و زاری سب کچھ بجالائے۔ میں کہتا ہوں واللہ ایسا ہی چاہیے مگر آپ کے ان شرک فروشوں کی دوا کون کرے، غرض اس مطلب نفیس میں کلماتِ علماء کا استیعاب کیجئے تو دفتر چاہیے لہذا

---

[1] نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۶
[2] کتاب الشفاء " " " " " " " مطبوعہ مطبعہ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/ ۳۲
[3] " " " " " " " " " " " " ۲/ ۳۶
[4] نسیم الریاض شرح شفاء " " " دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۹
[5] شرح قصیدہ ہمزیہ شاہ ولی اللہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

میں یہاں منسک متوسط اور اُس کی شرح مسلک متقسط کی ایک نفیس عبارت کہ بہت فوائد جلیلہ پر مشتمل تلخیصاً اور ذکر کرتا ہوں مولٰنا رحمۃ اللہ سندی متن اور فاضل علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

فاذا فرغ من ذلك قصد التوجه الى القبر المقدس وفرغ القلب من كل شئ من امور الدنيا، واقبل بكليته لما هو بصدده ليصلح قلبه للاستمداد منه صلى الله تعالٰى عليه وسلم، وليلاحظ مع ذلك الاستمداد من سعة عفوه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وعطفه ورأفته (اى شدة رحمته على سائر العباد) ان يسامحه فيما يعجز عن ازالته من قلبه، ثم توجه (اى بالقلب والقالب) مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلة والانكسار والخشية والوقار والهيبة والافتقار غاض الطرف مكفوف الجوارح (من الحركات) فارغ القلب (عمن سوى مقصوده ومرامه) واضعا يمينه على شماله (تأدبا فى حال اجلاله) مستقبلا للوجه الكريم مستدبرا للقبلة ناظرا الى الارض متمثلا صورته الكريمة فى خيالك مستشعرا بانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وسلامك (بل بجميع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك) مستحضرا عظمته وجلالته وشرفه وقدره صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثم قال من غير رفع صوت (لقوله تعالٰى ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله الاية)

یعنی جب مقدمات زیارت سے فارغ ہو قبر انور کی طرف توجہ کا قصد اور دل کو تمام خیالاتِ دنیویہ سے فارغ کرے اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہوجائے تاکہ اس کا قلب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استمداد کے لائق ہو بایں ہمہ جو خیال مجبورانہ دل میں باقی رہے جس کے ازالہ پر قادر نہ ہو اُس کی معافی کے لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کمال مغفرت و مہربانی و رافت اور تمام بندوں پر حضور کی شدتِ رحمت سے مدد مانگے پھر دل و بدن دونوں سے نہایت ادب کے ساتھ مواجہہ شریف میں حاضر ہو تواضع و خضوع و خشوع و تذلل و انکسار و خوف و وقار و ہیبت و احتیاج کے ساتھ آنکھیں بند کئے اعضا کو حرکت سے روکے دل اس مقصود مبارک کے سوا سب سے فارغ کئے ہوئے ادب و تعظیم حضور کے لئے دہنا ہاتھ بائیں پر رکھے حضور کی طرف مُنہ اور قبلے کو پیٹھ کرے نگاہ زمین پر جائے رہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا تصور باندھے اور ہوشیار ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاضری و قیام و سلام بلکہ تمام افعال و احوال اور منزل بمنزل کے قیام و ارتحال پر مطلع ہیں اور حضور کی عظمت و جلال و شرف و منزلت کو خوب خیال کرے پھر نہ تو آواز بلند ہو کہ اللہ تعالٰی ان کے حضور پست آواز کا حکم دیتا ہے نہ بالکل آہستہ جس میں سُنانے کی سنّت فوت ہو اگرچہ سرکار پر کچھ پوشیدہ نہیں اس طرح حضورِ قلب و شرم و حیا

ولا اخفاء (ای بالمرۃ لفوت الاسماع الذی هوالسنة وان کان لایخفی شیٔ علی الحضرۃ) بحضور (قلب واستحیاء) السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته[1] ثم یقول یارسول الله اسألك الشفاعة ثلثا (لانه اقل مراتب الالحاح لتحصیل المنال فی مقام الدعاء والسؤال)[2]

کے ساتھ عرض کرے السلام علیك ایها النبی و رحمة الله وبرکاته پھر کہے یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتا ہوں، تین بار اس لئے کہے کہ یہ دُعا وسوال میں حصول مقصود کے واسطے ادنٰی مرتبہ الحاح کا ہے۔ (م)

وصلی الله تعالٰی علی قاضی حاجاتنا ومعطی مواداتنا سیدنا ومولانا محمد وٰاله وصحبه اجمعین۔

اللہ تعالٰی ہمارے حاجت روا اور مرادوں کو پورا کرنے والے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور آپ کی آل وصحابہ کرام سب پر رحمت نازل فرمائے۔ (ت)

اِن احادیث وروایات وکلمات طیبات سے کالشمس فی وسط السماء روشن وآشکار ہوگیا کہ ہنگام توسّل محبوبانِ خدا کی طرف منہ کرنا چاہئے اگرچہ قبلہ کو پیٹھ ہو، اور دل کو ان کی طرف خوب متوجہ کرے یہاں تک کہ ہر این وآں خاطر سے محو ہوجائے اور ان کے لئے خضوع وخشوع محمود ومشروع، اور اس میں اُن کا زمانۂ وفات ظاہری وحضور مرقد وذکر مجرد سب برابر ہے اور ان کے سوا عبارات اخیرہ سے جو اور فوائد جمیلہ وعوائد جلیلہ حاصل ہوئے بیان سے غنی ہیں والحمدللہ رب العٰلمین پس زید منکر نے کہ توجہ قلب وخشوع وہیأت نماز وغیرہ کی قیدیں بڑھا کر گمان کیا تھا کہ اب اُسے اثبات عدمِ جواز کی طرف راہ آسان ہوگی۔ بحمداللہ ثابت ہوا کہ اُس کا محض خیال ہی خیال تھا۔ والله یحق الحق بکلمته ولوکرہ المجرمون[3] (اور اللہ تعالٰی حق کو اپنے کلمہ سے ثابت فرماتا ہے اگرچہ باطل والے ناپسند کریں۔ ت) فقیر حیران ہے کہ اس نماز مبارک میں اول تو صلوٰۃ مفروضہ کے بعد قبلے سے انحراف کہاں، اور ہو بھی تو اس میں کیا گناہ ہے، ہر نماز مفروضہ کے بعد امام کو قبلے سے انحراف سنتِ معلومہ ہے، پھر اسے ممانعت میں کیا مداخلت، ہاں جو کچھ غیظ وغضب کرنا ہو تعیینِ سمت پر کیجئے اور اس کا جواب مرزا مظہر جانجاناں شہید سے لیجئے جنہیں شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے مکتوبات میں نفس زکیہ، قیم طریقہ احمدیہ، داعی سنّت

---

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری، فصل ولو توجہ الی الزیارۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۶

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۳۳۹

[3] القرآن ۱۰/ ۸۲

نبویہ، متحلی بانواع فضائل وفواضل لکھتے ہیں اور حاشیہ مکتوبات پر شاہ صاحب مذکور سے مرزا صاحب موصوف کی نسبت منقول :

انچہ قدر ایشاں ما مردم میدانیم شما چہ دانید احوال مردم ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشار فقیر ست و بلاد عرب را نیز دیدہ ایم و سیر نمودہ و احوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم و تحقیق کردہ عزیزے کہ برجادہ شریعت وطریقت و اتباع کتاب و سنت ہمچنیں استوار و مستقیم باشد و در ارشاد طالبان شان عظیم و نفسے قوی دارد و دریں جزو زماں مثل ایشاں در بلاد مذکور یافتہ نمی شود مگر در گزشتگان بلکہ در ہر جزو زمان وجود ایں چنیں عزیزاں کمتر بودہ است چہ جائے ایں زماں کہ پر فتنہ و فساد ست انتہی[1]

ان کی جو قدر ہم جانتے ہیں تم کیا جانو، ہندوستان کے لوگوں کے احوال ہم سے مخفی نہیں کیونکہ ہندوستان فقیر کا جائے پیدائش و پرورش ہے اور عرب بھی میں نے دیکھا ہے اور اس کی سیر کی ہے اور ولایت کے لوگوں کے احوال بھی سُنے ہیں، تحقیق کی ہے، کہ ان صاحب عزت، جو کہ شریعت وطریقت کے مرتبہ پر فائز ہیں اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہیں اور طالب حضرات کی رہنمائی میں عظمت اور مضبوطی رکھتے ہیں، جیسا بلادِ مذکورہ میں فی زمانہ کوئی نہیں ہے گزشتہ لوگوں (اسلاف) میں ہوسکتا ہے، بلکہ ہر دور میں ان جیسے بزرگ بہت کم ہوئے ہیں اس پُرفتن زمانہ کی بات ہی کیا ہے اھ (ت)

یہی جناب مرزا صاحب اپنے مکتوبات میں ایک مرید رشید کو (جن کی بی بی کی نسبت فرمایا: تخمے پاک در خاک آں عفیفہ کاشتہ ایم بروقت مقدر سرسبز خواہد شد (ہم نے اس پاکیزہ کی مٹی میں ایک پاک بیج کاشت کیا ہے جو مقررہ وقت پر سرسبز ہوگا۔ ت) تحریر فرماتے ہیں:

انچہ از قصد خود و مردم خانہ بجانب شاہجہاں آباد نوشتہ اند بشرط امن مبارک ست و تا رسیدن شما فقیر ان شاء اللہ تعالٰی بعد نماز یک دو گھڑی روز بر آمدہ پیش از حلقہ یا بعد آں بجانب آں مستورۂ شما متوجہ خواہد شد باید کہ ہر روز منتظر و متوقع فیض رو بایں طرف کردہ بعد نماز صبح بنشینند کہ محبت ایں عفیفہ کہ فرزند ماست در دل فقیر تاثیر کردہ است[2] الخ

میں نے اور گھر والوں نے شاہجہان آباد کی طرف جو خط لکھا ہے وہ بشرطِ امن مبارک ہے اور تمھارے پہنچنے تک ان شاء اللہ فقیر روزانہ ایک دو گھڑی حلقہ ذکر سے قبل یا بعد باہر آکر آپ کی مستورہ بیوی کی طرف توجہ کرتا ہے ہوسکتا ہے تو روزانہ فیض کا متوقع ہو کر اس طرف منہ کر کے صبح کی نماز کے بعد بیٹھا کرو تاکہ اس پاکیزہ کی جو میری بیٹی ہے کی محبت کی تاثیر اس فقیر کے دل پر ہو۔ الخ (ت)

[1] حاشیہ مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی از مجموعہ کلمات طیبات فصل چہارم "مکاتیب شاہ ولی اللہ" مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۵۸

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب سی وہفتم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۷

دُوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :

جانِ من سلامت باشی دریں مدت مفارقت دو رقعہ شمارسیدہ حرزِ جاں گردید باید دید کہ انتظار با ماچہ میکند، ہر صبح بعد نماز متوجہ بفقیر بنشینید بے ناغہ توجہ می دہم ازکسی توجہ نگیرید زیادہ عمر و مزۂ عمر باد انتہی ملخصا[1]

میری جان! سلامت رہو، اس جدائی کی مدت میں تمہارے دُو رقعے ملے ہیں جو حرزِ جاں ہیں، غور کرو کہ ہمارا انتظار کیا اثر کرتا ہے روزانہ صبح کی نماز کے بعد مجھ فقیر کی طرف منہ کرکے بیٹھا کرو اور ناغہ نہ کرو، میں خود توجہ کیا کروں گا کسی دوسرے کی توجہ کی ضرورت نہیں اِن شاء اللہ عمر زیادہ اور عمر کا مزہ بھی پاؤ گے اھ ملخصاً

انھیں مرزا صاحب کے ملفوظات میں ہے :

نسبت ما بجناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مے رسد و فقیر را نیازے خاص بآنجناب ثابت ست در وقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود و سبب حصول شفا میگردد الخ[2]

میرا خاص تعلق حضرت امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے قائم ہے اور فقیر کو آپ سے خاص نیاز حاصل رہے، فقیر جسمانی عارضہ کے وقت آپ کی طرف توجہ کرتا اور شفا پاتا ہے الخ (ت)

شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب شرح رباعیات میں اپنی یہ رباعی لکھی : ؎

آنانکہ زوا ناس بہمی جستند | باجثّۂ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں میجو | دروازۂ فیضِ قدس ایشاں ہستند[3]

(وُہ ذات جس سے لوگ بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے قدم کے انوار لباس بناتے ہیں ان کی توجہ سے مقدس فیض کی خواہش کر کیونکہ وُہ فیض قدس کا دروازہ ہیں)

پھر اس کی شرح میں لکھا :

یعنی توجہ بارواح طیبہ مشایخ در تہذیب روح وسر نفع بلیغ دارد[4]

یعنی مشائخ کی ارواحِ طیبہ روح اور سر کی صفائی میں انتہائی مفید ہیں (ت)

---

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب چہل و دوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۹
[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات 〃 〃 〃 〃 ص ۷۸
[3] مکتوبات شاہ ولی اللہ از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب بست و دوم درشرح رباعیات 〃 〃 ص ۱۹۴
[4] شرح رباعیات شاہ ولی اللہ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

انھیں شاہ صاحب نے ہمعات میں حدیث نفس کا یوں علاج بتایا :

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شد، و برائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبرِ ایشاں رود و ازانجا انجذاب دریوزہ کند[1]

مشائخ کی ارواح کی طرف متوجہ ہو اور ان کے لئے فاتحہ پڑھو اور ان کی قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ اور وہاں سے فیض حاصل کرو۔ (ت)

تقلیسہ : امام علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں :

لم یزل العلماء وذووا الحاجات یزورون قبر الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم و یرون نجح ذلك منھم الامام الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ فانہ جاء عنہ انہ قال انی لاتبرك بابی حنیفۃ واجیئ الی قبرہ فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الی قبرہ وسألت اللہ تعالٰی عندہ فتقضی سریعًا۔[2]

یعنی ہمیشہ سے علما و اہلِ حاجت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ مبارک کی زیارت اور اپنی حاجت روائیوں کو بارگاہِ الٰہی میں اُن سے توسّل کرتے اور اس سبب سے فوراً مرادیں پاتے ہیں اُن میں سے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فرماتے ہیں میں ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تبرک کرتا اور اُن کی قبر پر جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز پڑھتا اور ان کی قبر کی طرف آکر خدا سے سوال کرتا ہوں کچھ دیر نہیں لگتی کہ حاجت روا ہوتی ہے۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ یہاں نکاتِ غامضہ ہیں کہ اُن پر مطلع نہیں ہوتے مگر توفیق والے، جب معلوم ہولیا کہ حق جل وعلا عزمجدہ کی طرف اُس کے محبوبوں سے توسل محمود و مقصود و سنت ماثورہ و طریقۂ ماموره اور ہنگامِ توسل اُن کی جانب توجہ درکار یہاں تک کہ جب خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پُوچھا : دُعا میں قبلہ کی طرف منہ کروں یا مزارِ مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ؟ فرمایا :

ولم تصرف وجھك عنہ وھو وسیلتك

کیوں اپنا منہ اُن سے پھیرتا ہے وُہ قیامت کو تیرا

---

[1] ہمعات ہمعہ ۸ مطبوعہ اکادمیہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدرآباد ص ۳۴

[2] الخیرات الحسان الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۹

وسیلۃ ابیک اٰدم علیہ الصلوۃ والسلام الی اللہ تعالٰی یوم القیٰمۃ بل استقبلہ واستشفع بہ فیشفعک اللہ تعالٰی[1] اخرجہ الامام القاضی عیاض فی الشفاء وغیرہ فی غیرہ۔

اور تیرے باپ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ہیں بلکہ اُنھیں کی طرف منہ کر اور شفاعت مانگ کہ اللہ تعالٰی تیری درخواست قبول فرمائے۔

اور سوالِ حاجت سے پہلے دو رکعت نماز کی تقدیم مناسب کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلٰوۃ[2] (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ ت) پھر کامل اکسیر یہ ہے کہ کسی محبوب خدا کے قریب جائیے اسی طرف حق جل وعلا نے قرآن عظیم میں ہدایت فرمائی کہ ارشاد کرتا ہے:

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما[3]

اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے حضور حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول اُن کے لئے استغفار کرے تو بیشک اللہ تعالٰی کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

سبحان اللہ خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہو کر تم سے دعائے بخشش کریں اور قدیماً وحدیثاً علماء وصلحا اس آیہ کریمہ کو زمانۂ حیات و وفاتِ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا کئے اور اوقات زیارت میں یہی آیہ کریمہ تلاوت کرکے اللہ تعالٰی سے استغفار کرتے رہے اس مضمون کی بہت روایات وحکایات مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ ومدارج النبوۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب وخلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفٰے وغیرہا تصانیف علما میں مذکور ومشہور بعض اُن سے حضرت مقدام المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد نے سرور القلوب فی ذکر المحبوب میں ذکر کرکے اس مسئلے کا اثبات فرمایا من شاء فلیتشرف بمطالعتہ (جو چاہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہو۔ ت) اسی طرح بہت علما مصنفان مناسک باب

---

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد عثمانیۃ ۲/ ۳۵
نسیم الریاض شرح شفاء " " " " " " دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۸

[2] القرآن ۲/ ۱۵۳

[3] القرآن ۴/ ۶۴

زیارت شریفۂ مدینہ طیبہ میں وقت حاضری اس آیت کو پڑھ کر استغفار کا حکم دیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ محبوبانِ خدا کی طرف جانا اور بعد وصال اُن کی قبور کی طرف چلنا دونوں یکساں جیسا کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا امام ابوحنیفہ کے مزار فائض الانوار کے ساتھ کیا کرتے، اب یہ کہ گدائے سرکار قادریہ اُس آستان فیض نشان سے دُور و مہجور ہے گو بعد نماز مزار اقدس تک جانے کی حقیقت اسے میسر نہیں تاہم دل سے توجہ کرنا اور چند قدم اُس سمت چل کر اُن چلنے والوں کی شکل بنانا ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث حسن میں فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم[1]۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط عن حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن وان کان طریق ابی داود عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لیس بذلک۔

جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ اُنھیں سے ہے۔ اس کی تخریج طبرانی نے اوسط میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کی ہے یہ سند جید ہے اگرچہ ابوداؤد کے طریق پر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی قوی نہیں ہے۔ (ت)

ثانیاً توسل میں توجہ باطن ضرور اور ظاہر عنوانِ باطن، لہٰذا یہ چلنا مقرر ہوا کہ حالتِ قالب حالتِ قلب پر شاہد ہو جس طرح سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے استسقا میں قلب ردا فرمایا کہ قلب لباس قلب احوال و کشف باس کی خبر دے، شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں قضائے حاجت کے لئے صلوٰۃ کن فیکون کی ترکیب لکھی جس کے آخر میں ہے کہ پھر پگڑی اتارے آستین گلے میں ڈالے پچاس بار دعا کرے ضرور مستجاب ہو[2]۔ اس پر اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: "بعض ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے آستین گردن میں ڈالنا کیونکر جائز ہو گا، حالانکہ ادعیہ ماثورہ میں یہ ثابت نہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ قلب ردا یعنی چادر کا اُلٹنا پلٹنا نمازِ استسقاء میں رسول علیہ السلام سے ثابت ہے تا حال عالم کا بدل جائے تو اس طرح آستین گردن میں ڈالنا امر مخفی کے اظہار کے واسطے یعنی تضرع کے واسطے حصولِ شعار گردشِ حال کے یا مقصود کے کیونکر نا جائز ہو گا[3]۔" انتہی مترجما بترجمۃ المولوی خرم علی البلہوری فی شفاء العلیل ترجمۃ القول الجمیل ۔ میں کہتا ہوں جب آستین گلے میں باندھنا باآنکہ طرق ماثورہ میں وارد نہیں اس وجہ سے کہ اس میں تضرع مخفی کا اظہار شدید ہے اگرچہ نفس

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲
مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الزہد " دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۰/ ۲۷۱

[2] القول الجمیل مترجم اردو پانچویں فصل صلوٰۃ کن فیکون - ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۳

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل " " " " " ص ۷۴

اظہار گڑگڑانے کی صورت سے حاصل تھا جائز ٹھہرا تو یہ چند قدم جانب عراق محترم چلنا اس وجہ سے کہ اس میں توجہ مخفی کا اظہار قوی ہے کیونکر ناجائز ہوگا۔

ثالثاً ظاہر مصلح خاطر ولہٰذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام چاہتے ہیں وہاں اس کے مناسب احوال وجوارح رکھے جاتے ہیں کہ ان کی مدد سے خاطر جمع اور انتشار دفع ہو اسی لئے نماز میں تلفظ بہ نیت قصد جمع عزیمت علماء نے مستحسن رکھا کما فی المبسوط والھدایۃ والکافی والحلیۃ وغیرھا (جیسا کہ مبسوط، ہدایہ، کافی اور حلیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں:

من جبلۃ الانسان انہ اذا استقر فی قلبہ شیئ جری حسب ذلک الارکان واللسان وھو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان فی جسد ابن اٰدم مضغۃ" الحدیث، ففعل اللسان والارکان اقرب مظنۃ وخلیفۃ لفعل القلب[1]

انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز اس کے دل میں جم جاتی ہے تو اعضاء اور زبان اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کا کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے الحدیث، پس زبان اور اعضاء کی حرکت دل کے فعل کے تابع ہوتی ہے۔ (ت)

اور یہی سر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ مقرر ہوا۔ شاہ ولی اللہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

الھیأۃ المندوبۃ ترجع الی معان، منھا تحقیق الخضوع کصف القدمین، ومنھا محاکاۃ ذکر اللہ تعالٰی باصابعہ ویدہ حذو ما یعقلہ بجنانہ کرفع الیدین والاشارۃ بالمسبحۃ لیکون بعض الامر معاضدًا لبعض[2] اھ ملخصا

مستحب حالت کئی معانی کی طرف راجع ہے، ایک خشوع کا پایا جانا، جیسے قدموں کا برابر ہونا، اور ایک اللہ کے ذکر کی حکایت ہاتھ اور انگلیوں سے کرنا تاکہ دل میں جو کچھ ہے اس کی مطابقت ہوسکے، جیسے ہاتھ اٹھانا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا جس سے بعض افعال کی بعض سے تقویت ہوتی ہے اھ ملخصا (ت)

اور اسی قبیل سے ہے دعا میں ہاتھ اٹھانا چہرے پر پھیرنا، شاہ ولی اللہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ افعال رغبت باطنی کی تصویر بنانے کو ہیں کہ قلب اس پر خوب متنبہ ہوجائے اور حالت قلب ہیأت سے تائید پائے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ الامور التی لابد منہا فی الصلوۃ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۵

[2] " " اذکار الصلوۃ وہیأتہا المندوب الیہا " " " " ۲/ ۷

کتاب مذکور میں ہے :

امارفع الیدین ومسح الوجہ بھما فتصویر للرغبۃ ومظاھرۃ بین الھیأۃ النفسانیۃ ومایناسبھا من الھیأۃ البدنیۃ وتنبیہ للنفس علی تلک الحالۃ[1]

اور ہاتھ اٹھانا اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا یہ اپنی دُعا میں رغبت کا اظہار ہے اور ہیئت نفسانیہ کی تصویر اور ہیئت بدنیہ کی مناسبت ہے اور نفس کو اپنی حالت پر تنبیہ ہے۔ (ت)

بعینہٖ یہی حالت اس چلنے کی ہے کہ رغبت باطنی کی پُوری تصویر بتاتا اور قلب کو انجذابِ تام پر متنبہ کرتا ہے جیسا کہ اس عمل شریف کے بجالانے والوں پر روشن، گو منکر محروم بیخبر باش ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نچشی

(اس شراب کا مزہ تُو اسے چکھے بغیر نہ پا سکے گا۔)

رابعاً سنّتِ نبویہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ ہے کہ جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہو عمل صالح وہاں سے ہٹ کر کرے اسی لئے جب ایک بار سفر میں آخر شب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نزول فرمایا اور آنکھ نہ کھلی یہاں تک کہ آفتاب چمکا حضور نے وہاں نماز نہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ شیطان حاضر ہُوا تھا اپنے مرکبوں کو یونہی لئے چلے آؤ پھر وہاں سے تجاوز فرما کر نماز قضا کی مسلم فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عرسنا مع نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیأخذ کل رجل براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرنا فیہ الشیطان قال ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضأ الحدیث[2] (حدیث کا ترجمہ متنِ حدیث سے پہلے موجود ہے) یہاں بھی جب یہ محتاج دو رکعت نماز پڑھ چکا اور اب وقت وہ آیا کہ جہت توسل کی طرف منہ کر کے اللہ جل جلالہ سے دُعا چاہتا ہے نفس نماز میں جو قلت حضور وغیرہ قصور سرزد ہوئے یاد آئے اور سمجھا کہ یہ وُہ جگہ ہے جہاں شیطان کے دخل نے مجھ سے مناجاتِ الٰہی میں تقصیر کرا دی ناچار ہٹتا ہے اور ُپر ظاہر کہ جہت توجہ اس کے لئے اولٰی والیسر یمیناً وشمالاً انصراف میں ترک توجہ اور رجعت قہقری بُعد کی صورت اور اقبال نشان اقبال فکان ھو المختار۔

خامساً خادمِ شرع جانتا ہے کہ صاحبِ شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو باب دعا میں تفاؤل

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ الاذکار وما یتعلق بہا مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۷۵

[2] صحیح مسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۸

پر بہت نظر ہے اسی لئے استسقاء میں قلبِ ردا فرمایا کہ تبدل حال کی فال ہو

الدارقطنی بسند صحیح علی اصولنا عن الامام ابن الامام ابن الامام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم عن ابیہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استسقٰی وحوّل رداءہ للیتحول القحط۔[1]

ہمارے اصول کے مطابق دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ امام ابن امام ابن امام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (بارش کے لئے دعا میں) چادر مبارک الٹی تاکہ قحط ختم ہوجائے۔ (ت)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں،

قالوا والتحویل شرع تفاؤلا بتغییر الحال من القحط الی نزول الغیث والخصب ومن ضیق الحال الی سعتہ۔[2]

ائمہ کرام نے فرمایا کہ چادر الٹنا اس لئے مشروع ہے کہ قحط سے بارش کی طرف اور تنگی سے خوشحالی کی طرف حالت کو تبدیل کرنے کے لئے نیک فال بن سکے۔ (ت)

اسی لئے بدخوابی کے بعد جو اس کے دفع شر کی دعا تعلیم فرمائی ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کروٹ بدل لے تاکہ اُس حال کے بدل جانے پر فال حسن ہو

مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما مرفوعا اذا رأی احدکم الرؤیا یکرھھا فلیبصق عن یسارہ ثلثا ولیستعذ باللہ من الشیطان ثلثا ولیتحول عن جنبہ الذی کان علیہ۔[3]

مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں جانب تھوکے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تین مرتبہ پڑھے اور اپنی کروٹ دوسری جانب بدلے۔ (ت)

علامہ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں، تفاؤلا بتحول تلک الحال[5] (تاکہ اس سے نجات کےلئے

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاستسقاء حدیث ۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۶۶

[2] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلوٰۃ الاستسقاء " نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۹۲

[3] صحیح مسلم کتاب الرؤیا " " " " " " ۲/ ۲۴۱

سنن ابو داؤد باب فی الرؤیا " " " " " " ۲/ ۶۸۵

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اذا رأی احدکم کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۱/ ۹۷

نیک فال بن سکے۔ت) اسی لئے ہنگام استسقا پشتِ دست جانب آسمان رکھے کہ ابر چھانے اور باران آنے کی فال ہو۔

مسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء[1]

مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب بارش کے لئے دعا فرماتے تو ہتھیلی مبارک کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے (ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں ہے:

طیبی گفتہ ایں نیز برائے تفاول ست بقلب تبدل حال مثل صنیع وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در تحویل رداء اشارتست بمطلوب کہ بطون سحائب بجانب زمین گردد و بریزد انچہ دروست از امطار واللہ تعالٰی اعلم[2]

طیبی نے فرمایا یہ عمل بھی حالت کو تبدیل کرنے کی نیک فال کے طور پر ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چادر تبدیل کرتے تھے جس میں بادلوں کے پیٹ زمین کی طرف ہوجانے اور بادلوں سے بارش ہونے کے مطلوب کی طرف اشارہ تھا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اسی لئے علما نے مستحب رکھا جب دفعِ بلا کے لئے دعا ہو پشتِ دست سوئے سما ہو گویا ہاتھوں سے آتشِ فتنہ کو بجھاتا اور جوشِ بلا کو دباتا ہے۔ اشعہ میں ہے:

گفتہ اند چوں دعا برائے طلب وسوال چیزے از نعما بود مستحب است کہ گرد انیدہ شود بطون کفہا بجانب آسمان وہرگاہ کہ برائے دفع ومنع فتنہ وبلا باشد پشت ہائے دست بجانب آسمان کند از برائے اطفائے نائرہ فتنہ وبلا وپست کردن قوت حادثہ وغلبۂ آں[3]

علما نے فرمایا ہے کہ جب کسی نعمت کے حصول کیلئے دعا کی جائے تو مستحب یہ ہے کہ دعا میں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کیا جائے اور اگر کسی دفعِ شر کے لئے دعا کی جائے تو پھر ہاتھوں کی پشت کو آسمان کی طرف کیا جائے تاکہ فتنہ اور مصیبت کی شدت کم ہو اور حادثہ کی قوت وغلبہ پست ہوجائے۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب صلوۃ الاستسقاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۳

[2] اشعۃ اللمعات " " " " " نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲۳

[3] " " " " " " " " " " " "

اسی لئے دُعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہوا کہ حصول مراد وقبول دعا کی فال ہو گویا دونوں ہاتھ خیر وبرکت سے بھر گئے اُس نے وہ برکت اعلٰی واشرف اعضا پر اُلٹ لی کہ اس کے توسط سے سب بدن کو پہنچ جائے گی۔ ترمذی وحاکم کی حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ[1]۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو چہرہ مبارک پر پھیرے بغیر ہاتھوں کو نیچے نہ کرتے۔ (ت)

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

تفاؤلا باصابۃ المراد وحصول الامداد[2]۔

مراد کو پانے اور امداد حاصل کرنے کے لئے نیک فال کے طور پر۔ (ت)

اور حدیث حسن:

ابی داؤد عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ۔

ابو داؤد نے حضرت سائب بن یزید سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو ہاتھ اٹھا کر چہرہ مبارک پر ملتے۔ (ت)

کے نیچے لکھا:

تفاؤلا وتیامنا بان کفیہ ملئتا خیرا فافاض منہ علی وجھہ[3]۔

یہ نیک فال ہوسکے کہ ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اور اس خیر کو چہرہ پر فائض فرمایا۔ (ت)

اور حدیث ابی داؤد:

بیھقی عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم سلوا اللّٰہ ببطون اکفکم

بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ

---

[1] جامع الترمذی "الدعوات" باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعاء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷۶
المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مسح الوجہ بالیدین مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۵۳۶
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث کان اذا رفع یدیہ فی الدعاء کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲/۲۵۰
[3] " " " " " حدیث کان اذا دعا فرفع کے تحت ۲/۲۴۹

ولا تسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔

نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے اپنے ہاتھوں کے باطن میں سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت میں سوال نہ کرو، اور جب دُعا سے فارغ ہوجاؤ تو ہاتھوں کو چہرے پر پھیرو۔ (ت)

کے تحت میں لکھا:

تفاؤلا باصابۃ المطلوب وتبرکا بایصالہ الی وجھہ الذی ھو اشرف الاعضاء ومنہ یسری الی بقیۃ البدن[1]

تاکہ نیک فال ہوسکے کہ مطلوب پالیا اور اس کو برکت کے لئے چہرے تک پہنچایا جو کہ اعضا میں افضل ہے اور اس سے تمام بدن میں سرایت کرے۔ (ت)

فاضل علی قاری نے حرزِ ثمین میں فرمایا:

لعل وجھہ انہ ایماء الی قبول الدعاء وتفاؤل بدفع البلاء وحصول العطاء فان اللہ سبحنہ یستحیی ان یرد یدعبد صفرا ای خالیا من الخیر فی الخلاء والملاء[2]

ہوسکتا ہے کہ یہ اس بات کا اشارہ ہو کہ دعا قبول ہوچکی ہے اور دفعِ بلا اور حصولِ عطا کے لئے نیک فال بن سکے کیونکہ اللہ تعالٰی اپنے بندے کے ہاتھوں کو خلاء اور ملاء میں خیر سے خالی لوٹانے پر حیا فرماتا ہے۔ (ت)

اسی طرح صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نائب جلیل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقاصدِ شرع پر لحاظ فرماکر خاص اُن کے موافق یہ چلنا مقرر فرمایا کہ نفی اعراض وعطائے قربت وحصول اغراض واقبال اجابت کے لئے فالِ حسن ہو واللہ تعالٰی الموفق۔

سادساً صحیح مسلم شریف میں بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ثابت کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین نماز میں چند قدم آگے بڑھے جب جنت خدمتِ اقدس میں اتنی قریب حاضر کی گئی کہ دیوارِ قبلہ میں نظر آئی یہاں تک کہ حضور بڑھے تو اس کے خوشہ ہائے انگور دستِ اقدس کے قابو میں تھے

ف: آئندہ سطور میں ہلالین کے اندر اعلٰحضرت کی اپنی عبارت ہے اور ہلالین سے باہر حدیث کی عبارت ہے۔ نذیر احمد

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث سلوا اللہ کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲/ ۴۰

[2] حرزِ ثمین حواشی حصن حصین مع حصن حصین آداب الدعاء افضل المطابع انڈیا ص ۱۱

اور یہ نماز صلوٰۃ الکسوف تھی۔

وذلك قوله (بعد ما وصف صلوة النبي صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الکسوف) ثم تأخر (یعنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) وتأخرت الصفوف خلفہ حتی انتھینا (قال مسلم وقال ابوبکر یعنی ابن ابی شیبۃ شیخہ حتی انتھی) الی النساء ثم تقدم وتقدم الناس معہ حتی قام فی مقامہ فانصرف حین انصرف وقد أضت الشمس فقال (وقص الحدیث حتی قال) ما من شیئ توعدونہ الا وقد رأیتہ فی صلوتی ھذہ لقد جیئ بالنار وذلکم حین رأیتمونی تأخرت (وساق الخبر الی ان قال) ثم جیئ بالجنۃ وذلکم حین رأیتمونی تقدمت حتی قمت فی مقامی ولقد مددت یدی وانا ارید ان اتناول من ثمرھا[1] (الحدیث مختصر)

ان کا قول یہ کہ سورج گرہن کی نماز کو بیان کرتے ہوئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں پیچھے ہٹ گئے اور آپ کے پیچھے صفیں بھی ہٹ گئیں حتی کہ ہم ہٹ گئے' مسلم نے فرمایا کہ ان کے استاد ابوبکر ابن ابی شیبہ نے فرمایا یعنی ہم عورتوں کی صف تک پیچھے ہٹ گئے، پھر حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ آگے بڑھ گئے حتی کہ حضور علیہ السلام اپنے پہلے مقام پر کھڑے ہوئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہوگیا، پس انھوں نے کہا کہ راوی نے پوری حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا تمھیں جن امور کا وعدہ دیا گیا میں نے نماز میں ان سب چیزوں کو دیکھا ہے اور تحقیق میرے سامنے آگ (جہنم) پیش کیا گیا یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا اور واقعہ بیان کرتے ہوئے راوی نے کہا، پھر آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا اور یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا حتی کہ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس خیال سے کہ میں جنت کا پھل حاصل کروں (الحدیث مختصراً)۔ (ت)

اسی طرح جب ارباب باطن واصحاب مشاہدہ یہ نماز پڑھ کر بروجہ توسل عراق شریف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انوار وبرکات وفیوض وخیرات اس جانب مبارک سے باہزاراں جوش وہجوم پیہم آتے نظر آتے ہیں، یہ بیتابانہ ان خوشہائے انگور جنات نور وباغات سرور کی طرف قدم شوق پر بڑھتے اور ان عزیز مہمانوں کے لئے رسم باجمال تلقی واستقبال بجالاتے ہیں سبحان اللہ کیا جائے انکار ہے اس نیک بندے پر جو اپنے رب کی برکات وخیرات کی طرف مسارعت کرے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الکسوف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۷

ان جئتکم قاصدا اسعی علی بصری
لم اقض حقا وای الحق ادیت

(اگر میں تمہارے قصد سے آؤں تو آنکھوں کے بل دوڑتا ہوا آؤں، تو حق ادا نہ کرسکوں اور کونسا حق ہے جو میں نے ادا کردیا ہے)

رہے ہم عامی جن کا حصہ یہی شقشقہ لسان واضطراب ارکان ہے ولس نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ ت) ہم اس امر جمیل میں اُن اہلِ بصائر کے طفیلی ہیں ؎

وللارض من کأس الکرام نصیب

(کریم حضرات کے پیالوں سے زمین کا بھی حصہ ہے)

جیسے نماز کہ اس کے اکثر افعال و احکام ان اسرار وحِکم پر مبنی جو حقیقۃً صرف احوال سنیۂ اہل قلوب پر مبتنی پھر عوام بھی صورتِ احکام میں اُن کے مشارک مثلاً نماز نہاری میں اخفاء واجب ہوا اور لیلی میں جہر کہ لیل آیت لطف ہے اور اس کی تجلی لطیف اور نہار آیت قہری ہے اور اس کی تجلی شدید پھر تجلی جہری تجلی سِرّی سے بہت قوی و گرم تر، لہذا التعدیل کے لئے تجلی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلی رکھی گئی اور لطفی کے ساتھ گرم، جمعہ و عیدین میں باوجود نہاریت حکم جہر ہوا کہ بوجہ کثرتِ حاضرین اُنس حاصل اور وحشت زائل اور قلب بوجہ شہود تجلی سے قدرے ذاہل بھی ہوگا، معہذا ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہو کر حجاب میں گونہ قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے ما ہے یہ معالجہ مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اُسے گلا دے جیسے اطبا، خطوط دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً بغرض تمرین اُسے علاج سمجھتے ہیں اور کسوف میں گو جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اخفاء ہی رہا کہ وہ وقت تخویف و تجلی جلال اور وقفہ طویل ہے جہر نہ ہوسکے گا، اسی لئے ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں اصلاً قرأت نہیں کہ یہ ہیبت عظیم و تجلی جلالی تجلی شدید قرآنی سے جمع نہ ہو اور جو قرأت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت برشدت بڑھ جائے گی۔ شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنتِ الٰہیہ ہے تجلی شیئاً فشیئاً وارد کرتے اور ہر ثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلی گرم نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی اسی لئے ہر دو رکعت پر جلسۂ طویلہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد واجب ہوئی کہ لطفِ جمال سے حظ اٹھالے اور پچھلی رکعتوں میں قرأت معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو اور منفرد پر جہر واجب نہیں کہ بوجہ تنہائی دہشت و ہیبت زیادہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اُسے اُس کے حال و وقت پر چھوڑنا مناسب رکوع و سجود میں قرأت قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلی تجلیِ قیام سے سخت اشد دوسری تجلی شدید قرأت مل کر

افراط ہو گی نیز قعود[۱۴] میں قراءت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لئے رکھا گیا تجلی قرآنی کی شدت مل کر اسے مقصود سے خالی کردے گی اسی[۱۵] لئے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلی قوی سے آرام لے کر تجلی اقوی کی طرف جائے ورنہ تاب نہ لائے گا اسی[۱۶] بنا پر بین السجدتین اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلی سجدہ ثانیہ اور اشد و اعظم ہو گی اشد بر اشد کی توالی سے بنیان بشری نہ منہدم ہو جائے۔ امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان میں نقل فرماتے ہیں:

انه وقع لبعض تلامذة سیدی عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالٰی عنه انه سجد فصار یضمحل حتی صار قطرة ماء علی وجه الارض فاخذها سیدی عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه بقطنة ودفنها فی الارض وقال سبحٰن اللہ رجع الی اصله بالتجلی علیه[۱]۔

یعنی حضور پُر نور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض مریدوں نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شئے کا نشان نہ رہا صرف ایک بُوند پانی کی زمین پر پڑی رہ گئی حضور پُر نور نے رُوئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی اور فرمایا سبحٰن اللہ تجلی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند

(قسمت دیکھ کہ عشق کی تلوار کے مقتول نے ایسی موت کو پایا جس کے لئے زندہ لوگ دعا کی آرزو کرتے ہیں)

سابعاً دیدۂ انصاف بے غبار و صاف ہو تو احادیث صحیحہ سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ جہاں جانا چاہے اُس طرف چند قدم قریب ہونا اور جہاں سے جُدائی مقصود ہو اُس سے کچھ گام دُور ہونا بھی نافع و بکار آمد ہوتا ہے جب کمال قُرب و بُعد میسر نہ ہو۔ طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے بسند صحیح مستدرک میں بر شرط شیخین ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شیئ یتکلم به ابن اٰدم فانه مکتوب علیه فاذا اخطأ الخطیئة ثم احب ان یتوب الی اللہ عزوجل فلیأت بقعة

آدمی کا ہر بول اس پر لکھا جاتا ہے تو جو گناہ کرے پھر اللہ تعالٰی کی طرف توبہ کرنا چاہے اسے چاہئے بلند جگہ پر جائے اور اللہ تعالٰی کی طرف ہاتھ پھیلا کر

---

[۱] المیزان الکبرٰی باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

مرتفعة فلیمد یدیه الی اللہ ثم یقول اللھم انی اتوب الیک منھا لا ارجع الیھا ابدا فانہ یغفر لہ مالم یرجع فی عملہ ذلک[1]

کہ الٰہی! میں اس گناہ سے تیری طرف رجوع لاتا ہوں اب کبھی اُدھر عود نہ کروں گا۔ اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمادے گا جب تک اس گناہ کو پھر نہ کرے۔

توبہ کے لئے بلندی پر جانے کی یہی حکمت ہے کہ حتی الوسع موضع معصیت سے بُعد اور محلِ طاعت و منزلِ رحمت یعنی آسمان سے قُرب حاصل ہو، جب سیّدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانۂ انتقال قریب آیا بَن میں تشریف رکھتے تھے اور ارضِ مقدسہ پر جبارین کا قبضہ تھا وہاں تشریف لے جانا میسر نہ ہوا دعا فرمائی کہ اس پاک زمین سے مجھے ایک سنگ پرتاب قریب کردے۔ بخاری، مسلم، نسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ارسل ملک الموت الی موسی علیھما الصلوٰۃ والسلام (فذکر الحدیث الی ان قال) نسأل اللہ ان یدنیہ من الارض المقدسۃ رمیۃ بحجر[2]

موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اللہ تعالٰی نے ملک الموت کو بھیجا، پس حدیث کو بیان کرتے یہاں تک بیان کیا کہ موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے سوال کیا کہ مجھے بیت المقدس کے اتنا قریب کردے جتنا کہ پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ (ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں دُعائے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یُوں ترجمہ کرتے ہیں:

نزدیک گردان مرا از ان اگرچہ بمقدار یک سنگ اندازہ باشد[3]

مجھے اس قدر نزدیک کردے اگرچہ ایک پتھر کا اندازہ ہو۔ (ت)

ظاہر ہے کہ ہنگامِ حاجت سرِ دستِ عراق شریف کی حاضری متعذر لہٰذا چند قدم اس ارض مقدسہ کی طرف چلنا ہی مقرر ہوا کہ مالا یدرک کلہ لایترک کلہ وللہ الحمد دقہ وجلہ (جو مکمل حاصل نہ ہوسکے تو وہ مکمل چھوڑا بھی نہ جائے، اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی حمد ہے۔ ت) رہی عدد یازدہ کی تخصیص، اس کی وجہ ظاہر کہ ان اللہ تعالٰی وتر یحب الوتر[4] اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دعا قضاء الدین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۵۱۶

[2] صحیح بخاری باب وفاتِ موسٰی علیہ السلام الخ " قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۴

صحیح مسلم باب من فضائل موسٰی علیہ السلام " نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۶۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الفتن باب بدأ الخلق الخ " نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۵۳

[4] جامع الترمذی ابواب الوتر مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۶۰

مسند احمد بن حنبل مروی از ابن عمر رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۹، ۱۵۵، ۲۵۸، ۲۶۶، ۲۷۷

دوست رکھتا ہے قالہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ الامام احمد عن ابن عمر بسند صحیح والترمذی عن علی بسند حسن وابن ماجۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے، اس کو امام احمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اور افضل الاوتار و اول الاوتار ایک ہے مگر یہاں تکثیر مطلوب اور اس کے ساتھ تیسیر بھی ملحوظ، لہذا یہ عدد مختار ہوا کہ یہ افضل الاوتار کا پہلا ارتفاع ہے جو خود بھی وتر اور مشابہت زوج سے بھی بعید کہ سوا ایک کے اُس کے لئے کوئی کسر صحیح نہیں اور اس سے ایک گھٹا دینے کے بعد بھی جو زوج حاصل ہوتا ہے زوج محض ہے نہ زوج الازواج کہ اس کے دونوں حصص متساویہ خود افراد ہیں بلکہ غلو مرتبہ پر وہ بعینہٖ ایک ہے۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

الشرع لم یخص عددا الالحکم ترجع الی اصول، الاول ان الوتر عدد مبارك لایجاوز عنه ماکان فیه کفایة، ثم الوتر علی مراتب، وتر لیشبه الزوج کالتسعة والخمسة فانهما بعد اسقاط الواحد ینقسمان الی زوجین والتسعة وان لم تنقسم الی عددین متساویین فانها تنقسم الی ثلثة متساویة، وامام الاوتار الواحد وحیث اقتضت الحکمة ان یؤمر باکثرمنها اختار عددا یحصل بالترفع کالواحد یترفع الی احد عشر[1] اھ ملتقطا۔

شرع شریف میں عدد کی تخصیص صرف ایسے حکم کے لئے کی جاتی جو کئی معانی کی طرف راجع ہوتا ہے اول یہ کہ وتر ایسا مبارک عدد ہے کہ اس سے تجاوز اس وقت تک جائز نہیں جبکہ اس وتر میں کفایت موجود ہے پھر وتر کے کئی اقسام ہیں، ایک وتر زوج کے مشابہ ہوتا ہے جیسا کہ نو اور پانچ کا عدد کہ یہ دونوں ایسے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک ایک کو ساقط کردیا جائے تو یہ دونوں برابر تقسیم ہوکر دو زوج بن جاتے ہیں، اور نو کا عدد خود اگرچہ دو جفت (زوج) پر تقسیم نہیں ہوتا مگر تین مساوی عددوں پر منقسم ہوتا ہے، تمام وتروں کا امام (اصل) ایک کا عدد ہے اور حکمت کا تقاضا ہو تو زیادہ عدد کا تب حکم ہوتا کہ وہ عدد بڑھ کر واحد کی طرح ہوجائے مثلاً گیارہ ہوجائے اھ ملتقطا (ت)

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب اسرار الاعداد والمقادیر مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/ ۱۰۰

اس کے بعد فقیر گدائے سرکار قادریہ غفر اللہ لہ کل ذنب وخطیئۃ نے سرکار غوثیت مدار سے اس عدد مبارک کے اختصاص پر بعض دیگر نکات جمیلہ عظیمہ جلیلہ پائے ہیں کہ بتوفیق اللہ تعالٰی رسالہ مبارکہ انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار میں ذکر کئے یہاں ان کا بیان زخمہ برعود مپیس گاواں

فمن شاء فلیرجع الی ذالك التحریر الانیق واللہ سبحنہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

اگر کوئی چاہے تو اس صاف ستھری تحریر کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اللہ تعالٰی پاک ہے، اور مجھے توفیق ملی، جبکہ اللہ کے قبضہ میں ہی تحقیق کی لگام ہے۔ اور صلٰوۃ وسلام ہو ہمارے آقا محمد اور ان کی آل و صحابہ سب پر۔ (ت)

بالجملہ اس نماز مقدس میں اصلاً کوئی محذور شرعی نہیں، آور خود کون سا طریقۂ دیانت وانصاف ہے کہ جو امر حضور پُرنور محی الملۃ، مقیم السنۃ، ملاذ العلماء، معاذ العرفاء، وارث الانبیاء، ولی اللہ، منبع الارشاد، مرجع الافراد، امام الائمہ، مالک الازمہ، کاشف الغمہ، ملجأ الامہ، قطب الاعلم، غوثنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ (اللہ تعالٰی ان کی رضا کو دونوں جہان میں ہماری جان کا مرتی بنائے۔ ت) ارشاد فرمائیں آور حضور کے اصحاب اکابر انجاب قدست اسرارھم وتممت انوارھم (ان کے اسرار مقدس اور ان کے انوار تام کئے جائیں۔ ت) کہ بالیقین اعاظم علماء واجلۂ کملا تھے اُسے بجالائیں آور طبقۂ فطبقۂ اولیاء وعلمائے سلسلۂ عالیہ قادریہ روح ارواح اصحابھا واروی قلوبنا باھل عبابھا (اللہ تعالٰی ان کی ارواح کو معطر فرمائے اور ہمارے دلوں کو ان کے جاری چشموں سے سیراب فرمائے۔ ت) اسے اپنا معمول بنائیں آور ثقات علماء وکبار اولیاء اپنی تصانیف میں اُسے نقل وروایت کریں اجازتیں دیں اجازتیں لیں آور منکرین مکابرین کو اصلاً قدرت نہ ہو کہ آیت وحدیث تو بڑی چیز ہے کہیں دو چار عمائد دین وفقہائے معتمدین ہی سے اُس کا رد وانکار بے اعانت کذب واختلاق ومکابرہ وشقاق ثابت کرسکیں ایسی جمیل چیز جلیل عزیز کو محض اپنی ہوائے نفسانی واصول بہتانی کی بنا پر بلحاظ اصل مذہب شرک قطعی آور فاعلوں مجوزوں کو معاذ اللہ مشرک جہنمی اور بخوف اہل حق تسہیل امر کو بارے جی سے صرف فاسق بدعتی بتائیے آور انکار ارشاد سیدالاولیا وتضلیل وتفسیق علماو عرفا کا وبالِ عظیم گردن پر اٹھائیے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[1] (اور اب جان جائینگے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ ت) اور حضرات منکرین کا یہ کہنا کہ صحابہ

---

[1] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

تابعین سے منقول نہیں، صحابہ محبت وتعظیم میں ہم سے زیادہ تھے ثواب ہوتا تو وہی کرتے۔

اولاً وہی معمولی باتیں ہیں جن کے جواب علمائے اہلسنّت کی طرف سے ہزار ہزار بار ہوچکے جسے آفتاب روشن پر اطلاع منظور ہو اُن کی تصانیفِ شریفہ کی طرف رجوع لائے علی الخصوص کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" وکتابِ لاجواب "اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" وغیرہما تصانیف لطیفہ و تالیف منیفہ حضرت تاج المحققین سراج المدققین حامی السنن ماحی الفتن بقیۃ السلف حجۃ الخلف فرد الاماثل فخر الاکابر وارث العلم کابرًا عن کابر سیّدی ووالدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی اعظم اللہ اجرہ ونور قبرہ وقدس سرہ ورزقنا برہ واعطاہ المسرۃ ووقاہ المضرۃ وکل معرۃ بجاہ المصطفٰی واٰلہ الشرفاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والثنا اٰمین اٰمین یا اھل التقوی واھل المغفرۃ (اللہ تعالٰی ان کا اجر بڑا کرے، ان کی قبر کو منور کرے، ان کے اسرار کو مقدس بنائے، ان کی بھلائی ہمیں نصیب فرمائے اور ان کو سرور عطا فرمائے، اور ان کو ہر ضرر و تکلیف سے محفوظ فرمائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل کی وجاہت کی برکت سے علیہم الصلوٰۃ والسلام اے تقوٰی اور مغفرت والے۔ ت) اور فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی بھی اس بحث اور اس کے امثال کو بروجہ اجمال رسالہ "اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" و رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" وغیرہما اپنے رسائل و مسائل میں بقدر کفایت منقح کرچکا والحمد للہ رب العٰلمین۔

ثانیاً یہاں تو ان جہالات کا کوئی محل ہی نہیں، یہ نماز ایک عمل ہے کہ قضائے حاجات کے لئے کیا جاتا ہے اور اعمالِ مشائخ میں تجدید و احداث کی ہمیشہ اجازت، شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبا نسخہائے قرابادین راایں فقیر رامعلوم شدہ است کہ در وقت صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم را بآں نور دوختن و یا نور را گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد و احادیث نفس رامی نشاند۔[1]

جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیسا کہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یانور ہزار بار تک پڑھنے سے قوتِ ملکیہ حاصل ہوتی ہے اور دل کی باتوں پر آگاہی ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

اسی میں ہے:

چند نوع از کرامت از ہیچ ولی الا ما شاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ ظہور تاثیر در اعمال تصریفیہ او تا عاملے بفیض او منتفع شوند[1] اھ ملخصاً۔

چند کرامتیں ایسی ہیں جو کسی ولی سے جُدا نہیں ہو پاتیں جن میں ایک یہ کہ اس کے جاری اعمال و وظائف کی ایسی تاثیر جوان پر عمل پیرا کو اس کے فیض سے نفع دیتی ہے اھ ملخصاً (ت)

خود شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور اُن کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہرگونہ حاجات کے لئے صدہا اعمال بتائے کہ تازہ بنے تھے جن کا پتا قرون ثلٰثہ میں اصلاً نہ تھا بعض اُن میں سے فقیر نے اپنے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ذکر کئے، اور خود اُن کی "قول الجمیل" ایسی باتوں کی حائز و کفیل۔ جامع ترشئے شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تصریح کرتے ہیں کہ انھوں نے جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الباری کی سندیں اور اس کے اعمال کی اجازتیں اپنے استاذ علم حدیث مولانا ابوطاہر مدنی و شیخ محمد سعید لاہوری مرحومین سے حاصل کیں، حیث قال:

ایں فقیر خرقہ از دست شیخ ابوطاہر کردی پوشیدہ وایشاں بعمل انچہ در جواہر خمسہ است اجازت دادند عن ابیہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ احمد القشاشی عن الشیخ احمد الشناوی عن السید صبغۃ اللہ عن الشیخ وجیہ الدین علوی الکجراتی عن الشیخ محمد غوث الکوالیاری وایضاً لبسہا الشیخ ابوطاھر عن الشیخ احمد النخلی بسندہٖ الٰی اٰخرہ وایضا ایں فقیر در سفر حج چوں بلاہور رسید و دست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت دعائے سیفی دادند بل اجازت

اس فقیر نے شیخ ابوطاہر کُردی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا اور انھوں نے جواہر خمسہ کے تمام وظائف کی اجازت دی یہ اجازت اُن کو اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے اور اُن کو اپنے شیخ احمد قشاشی سے اور ان کو شیخ احمد شناوی اور ان کو سید صبغۃ اللہ سے ان کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے۔ نیز خرقہ پایا شیخ ابوطاہر نے احمد نخلی سے ان کی آخری سند تک۔ اور نیز فقیر جب حج کے سفر میں لاہور پہنچا تو وہاں شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی کی تو انھوں نے مجھے دعائے سیفی کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ انھوں نے ان تمام وظائف

---

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

[2] الانتباہ فی سلاسل اولیاء، مترجم از طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

جمیع اعمال جواہر خمسہ و سند خود بیان کردند وایشاں[1]
دریں زمانہ یکی از اعیان مشائخ طریقہ احسنیہ و
شطاریہ بودند وچوں کسے را اجازت می دادند او را
دعوت رجعت نمی شود رحمہ اللہ تعالیٰ سند قال
الشیخ المعمر الثقۃ حاجی محمد سعید
لاھوری اخذت الطریقۃ الشطاریۃ واعمال
الجواھر الخمسۃ من السیفی وغیرہ عن
الشیخ محمد اشرف لاھوری عن الشیخ
عبد الملک عن الشیخ ابایزید الثانی
عن الشیخ وجیہ الدین الکجراتی عن
الشیخ محمد غوث الکوالیاری[1] انتھی۔

واعمال کی اجازت دی جو جواہر خمسہ میں ہیں ، اور
انھوں نے اپنی سند بھی بیان کی اور آپ اس زمانہ
کے مشائخ شطاریہ احسنیہ کے سلسلہ کے خاص بزرگوں
میں سے تھے ، اور جب آپ کسی کو اپنے سلسلہ کی
اجازت دیتے تو پھر اس کو رجوع کی حاجت نہ رہتی
(اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) سند یہ ہے شیخ بزرگ باوثوق
حاجی محمد سعید لاہوری نے فرمایا کہ میں نے سلسلہ شطاریہ
اور جواہر خمسہ کے وظائف و اعمال سیفی وغیرہ ، شیخ
محمد اشرف لاہوری انھوں نے شیخ عبد الملک بایزید
ثانی سے انھوں نے وجیہ الدین گجراتی انھوں نے شیخ
محمد غوث گوالیاری سے حاصل کئے ، انتھی (ت)

حضرات منکرین ذرا مہربانی فرماکر جواہر خمسہ پر نظر ڈال لیں اور اُس کے اعمال کا ثبوت قرون ثلثہ سے
دے دیں بلکہ اپنے اصولِ مذہب پر اُن اعمال کو بدعت وشرک ہی سے بچالیں جن کے لئے شاہ ولی اللہ جیسے
سُنّی موحد محدثانہ سند لیتے اور اپنے مشائخ حدیث وطریقت سے اجازت حاصل کرتے ہیں زیادہ نہ سہی یہی
دعائے سیفی جس کی نسبت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ میں نے اپنے شیخ سے اخذ کی اور اجازت لی اسی کی ترکیب
میں ملاحظہ ہو کہ جواہر خمسہ میں کیا لکھا ہے ،

نادعلی ہفت بار یا سہ بار یا یکبار بخواند و آں
اینست نادعلیا مظھر العجائب تجدہ
عونالک فی النوائب کل ھم وغم سینجلی
بولایتک یا علی یا علی یا علی[2]
مسئلہ : قال اللہ تعالیٰ واذ اخذ
اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ

نادعلی سات بار یا تین بار یا ایک بار پڑھو اور
وہ یہ ہے : پکار علی کو جو عجائب کے مظہر ہیں تو
ان کو اپنے مصائب میں مددگار پائے گا ہر پریشانی
اور غم ختم ہوگا آپ کی مدد سے یا علی یا علی یا علی (ت)
اور جب خدا نے عہد لیا اُن لوگوں سے جنھیں کتاب
دی گئی اسے صاف بیان کردیں گے لوگوں سے

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مترجم اردو طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۸
[2] فتوح الغیب ضمیمہ جواہر خمسہ مترجم اردو نادعلی کا بیان " دارالاشاعت کراچی ص ۴۵۳

للناس ولا تکتمونہ[1] اور چھپائیں گے نہیں۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے ملّتِ نجدیہ ھداھم اللہ تعالٰی الی الملۃ الحنفیۃ (اللہ تعالٰی ان کو حق کی طرف رجوع کرنے والی ملت کی طرف رہنمائی کرے) کہ جو لوگ نادِ علی پڑھیں پڑھائیں، سیکھیں اُس کی سندیں دیں اجازتیں لائیں، اس کے سلسلے کو سلاسلِ اولیاء اللہ میں داخل کرجائیں، اُس کے حکم دینے والوں کو ولیِ کامل بتائیں اپنا شیخ و مرشد و مرجع سلسلہ بتائیں، اُن میں بعض کو بلفظ ثقہ و اعیانِ مشائخ اور اُن کی ملاقات کو بکلمۂ دستبوس تعبیر فرمائیں اُنھوں نے غم و مصیبت و رنج و آفت کے وقت یا علی یا علی کہنا روا رکھا یا نہیں اور اسے ورد و وظیفہ بنایا یا نہیں اور غیرِ خدا کو خدا کا شریک فی العلم و شریک فی التصرف ٹھہرایا یا نہیں اور وہ اس سبب سے مشرک کافر بے ایمان جہنمی ہوئے یا نہیں پھر جو ایسوں کو اپنا پیر جانیں عالمِ اُمت حامیِ سنّت و قطبِ زمان و مرشدِ دوراں مانیں (جیسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب) اُنھیں مقتدائے دین و پیشوائے مسلمین بتائیں ان کے علم و افضال و عرفان و کمال پر سچے دل سے ایمان لائیں (جیسے تمام اصاغر و اکابر حضرات وہابیہ) انھیں سیّد الحکما و سیّد العلما و قطب المحققین، فخر العرفاء المکملین، اعلمھم باللہ و قبلۂ اربابِ تحقیق و کعبۂ اصحابِ تدقیق و قدوۃ اولیاء و زبدۂ اربابِ صفا بلکہ امام معصوم و صاحبِ وحیِ تشریعی ٹھہرائیں (جیسے میاں اسمٰعیل دہلوی) ان سب صاحبوں کی نسبت کیا حکم ہے یہ حضرات ایک مشرک کو جو شرک پسند شرک آموز کو پیرو پیشوا و امام و مقتدا بناکر سیّد العلما و مقبولِ خدا بتاکر خود بھی کافر و مشرک و مستحقِ عذاب الیم و مہلک ہوئے یا نہیں اور ان پر بھی مسئلۂ الرضاء بالکفر کفر (کفر پر رضامندی کفر ہے۔ت) و مسئلۂ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور اس کے عذاب پر شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ت) و حکمِ آیۂ کریمہ و من یتولھم منکم فانہ منھم[2] (تم میں سے جو جس سے محبت کرتا ہے وہ انھیں میں سے ہوگا۔ت) و حدیث صحیح المرء مع من احب[3] (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ت) جاری ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔ خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا پھر اصل مبحث یعنی دربارۂ اعمال تجدید و اختراع کی طرف چلئے، یہی شاہ ولی اللہ صاحب اسی انتباہ میں قضائے حاجات کے لئے ختم خواجگانِ چشت قدست اسرارہم کی ترکیب بتاتے اور اس کے آخر میں یوں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۳/ ۱۸۷

[2] القرآن ۵/ ۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱

دہ مرتبہ درود بخوانند ختم کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند و حاجت ازخدائے تعالیٰ سوال نمایند ہمیں طور ہر روز میخوانده باشند ان شاء اللہ تعالیٰ در ایام معدودہ مقصود بحصول انجامد۔[1]

دس مرتبہ درود شریف پڑھ کر ختم دیں اور کچھ شیرینی پر خواجگانِ چشت کے نام کی فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کریں، یہ عمل روزانہ کریں ان شاء اللہ چند روز میں مقصود حاصل ہوجائے گا۔ (ت)

مرزا مظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

دعائے حزب البحر وظیفۂ صبح وشام وختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہر روز بجہت حل مشکلات باید خواند۔[2]

حزب البحر شریف کا وظیفہ صبح وشام اور روزانہ خواجگان (قدس اسرارہم) کا ختم مشکلات کے حل کے لئے پڑھیں۔ (ت)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

ختم خواجہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز بعد حلقۂ صبح لازم گیرید۔[3]

ختمِ خواجگان اور ختمِ حضرت مجدد صاحب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) صبح حلقۂ ذکر کے بعد ضروری کریں۔ (ت)

مکتوب آخر میں کہتے ہیں:

ختم حضرت خواجہا وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالےٰ عنہم نیز اگر یاراں جمع آیند بعد از حلقۂ صبح براں مواظبت نمایند کہ از معمولات مشایخ ست وفائدۂ بسیار و برکت بے شمار دارد۔[4]

ختم خواجگان وختم حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہم صبح کے حلقۂ ذکر کے بعد پابندی سے کریں کیونکہ یہ مشایخ کے معمولات میں سے ہے بہت مفید اور بابرکت ہے۔ (ت)

اور مرزا صاحب موصوف کے معمولات مسمّٰی بہ معمولاتِ مظہری سے اس کی ترکیب یوں منقول:

اوّل دست برداشتہ سورۂ فاتحہ یکبار بخوانند[5] الخ

پہلے ہاتھ اٹھا کر ایک بار سورۂ فاتحہ پڑھیں الخ (ت)

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ذکر طریقۂ ختم خواجگانِ چشت مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۰۰

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات " مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴

[3] مکتوبات " " " " " " مکتوب بست وہشتم " " " " ص ۴۱ و ۴۲

[4] ملفوظات " " " " " " نصائح ووصایا " " " " ص ۹۲

[5] معمولاتِ مظہری " " " " حاشیہ برعبارت مذکورہ " " " " "

4

اخیر میں لکھا :

بعدازاں ازجناب خدائے عزوجل حصول مطالب بتوسل ایں بزرگواراں باید خواست وتا سرانجام مقصود مداومت باید نمود[1] الخ

اس کے بعد اللہ تعالٰی سے اپنی حاجت کے حصول کےلئے ان بزرگوں کے توسل سے دُعا کرنی چاہئے تاکہ انجام میں دائمی طور پر مقصد ظاہر ہوجائے الخ (ت)

ان صاحبوں سے کوئی نہیں کہتا کہ یہ طریقے قرون ثلٰثہ میں کہاں منقول ہیں، ان میں کچھ ثواب یا تقرب الی اللہ کی امید ہوتی تو صحابہ ہی بجالاتے اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فاتحہ شیرینی پر دلاتے والحمدللہ علی وضوح الحق (حق کے واضح ہونے پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ ت)

ثالثاً خیر صلٰوۃ الاسرار شریف تو ایک عمل لطیف ہے کہ مبارک بندہ اپنے حصول اغراض ودفع اعراض کے لئے پڑھتا ہے مزاج پُرسی ان حضرات کی ہے جو خاص امور ثواب وتقرب رب الارباب میں جو محض اسی نیت سے کئے جاتے ہیں ہمیشہ تجدید واختراع کو جائز مانتے اور ان محدثات کو ذریعہ وصول الی اللہ جانتے ہیں وہ کون، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ مجدد الف ثانی، مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی خرم علی بلہوری وغیرہم جنھیں منکرین بدعتی وگمراہ کہیں تو کس کے ہو کر رہیں، خود شاہ ولی اللہ قول الجمیل میں اپنے اور اپنے پیرانِ مشائخ کے آداب طریقت واشغالِ ریاضت کی نسبت صاف لکھتے ہیں :

لم یثبت تعیین الاداب ولا تلک الاشغال[2]

یہ خاص آداب واشغال نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئے۔ (ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں، اسی طرح پیشوایانِ طریقت نے جلسات وہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے[3] (الٰی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے[4] انتہی بترجمۃ البلہوری۔

مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین اسے نقل کرکے لکھتے ہیں، یعنی ایسے امور کو مخالفِ شرع یا داخلِ بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں[5] انتہی۔

---

[1] معمولاتِ مظہری از مجموعہ کلمات طیبات حاشیہ برعبارت مذکور نصائح ووصایا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل گیارھویں فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل 〃 〃 〃 〃 ص ۵۱

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۵۲

[5] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۵۲

اور سُنئے اسی قول الجمیل میں اشغال مشائخ نقشبندیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم میں تصورِ شیخ کی ترکیب لکھی کہ،

ثالثھا الرابطۃ بشیخہ فاذا صحبہ خلی نفسہ من کل شیئ الا محبتہ وینتظر لمایفیض منہ واذا غاب الشیخ عنہ یخیل صورتہ بین عینیہ بوصف المحبۃ والتعظیم فتفید صورتہ ما تفید صحبتہ[1] اھ ملخصا۔

یعنی تیسرا طریقہ وصول الی اللہ کا رابطۂ شیخ ہے جب شیخ کی صحبت میں ہو تو اپنا دل اس کی محبت کے سوا ہر چیز سے خالی کرے اور فیض کا منتظر ہو اور جب شیخ غائب ہو تو اس کی صورت اپنے پیش نظر محبت وتعظیم کے ساتھ تصور کرے جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ صورت دے گی اھ ملخصا (ت)

شفاء العلیل میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا حق یہ ہے کہ "سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب ہے"[2] انتہی۔

اب کون کہے کہ یہ وہی راہ ہے جسے آپ کے سچّے معتقدین ٹھیٹ بُت پرستی بتائیں گے، مرزا مظہر صاحب نے اگرچہ کتاب وسنّت کو طرق حادثہ سے افضل مانا اور بے شک ایسا ہی ہے مگر ان کے بھی مباح و مفید ہونے کی تصریح فرمائی، مکتوب ۱۱ میں لکھتے ہیں،

ذکر جہر با کیفیات مخصوصہ و نیز مراقبات باطوار معمولہ کہ در قرون متاخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام و اعلام از مبدءِ فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت ست و دائرۂ اباحت و فائدہا دراں متحقق و انکار آں ضرور نے[3]۔

آخری زمانہ جو ذکر بالجہر مخصوص کیفیت کے ساتھ ہو رہا ہے نیز مراقبات جن کا عمل جاری ہے یہ کتاب وسنّت سے ماخوذ نہیں بلکہ یہ مشائخ کرام نے بطور الہام مبدءِ فیاض سے پایا ہے اور شریعت اس کے منع پر خاموش ہے لہٰذا یہ دائرۂ اباحت میں داخل ہے اس میں فائدہ ہے اس کا انکار ضروری نہیں۔ (ت)

اور سُنئے مکتوب ۱۶ میں ہے،

اگرچہ از مصحف مجید فال زدن در حدیث شریف نیامدہ

اگرچہ نیک فال قرآن مجید سے نکالنا حدیث شریف میں

---

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل چھٹی فصل طریقہ مراقبہ بسیط مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰ - ۸۱

[2] " " " " " " " " ص ۸۰

[3] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

اما ممنوع ہم نیست اگر کسی[عہ] زند مضائقہ ندارد[1]۔

مذکور نہیں لیکن ممنوع بھی نہیں، اگر کوئی نکالے تو مضائقہ نہیں۔ (ت)

انھیں کے ملفوظات میں ہے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ طریقہ نو بیان نمودہ و مقامات و کمالات طریقہ خود بسیار تحریر فرمودہ و در آں مقامات ہیچ شبہ نیست کہ باقرار ہزاراں علماء و عقلاء بتواتر رسیدہ[2] اھ ملخصاً

حضرت مجدد صاحب نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اپنے طریقہ کے کمالات و مقامات کو خوب بیان فرمایا ہے، ان مقامات میں کوئی شک و شبہہ نہیں کیونکہ ہزاروں علماء و عقلاء نے اس کی تصدیق فرمائی ہے جو تواتر کو پہنچی ہے اھ ملخصاً (ت)

اُسی میں ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند و در تحقیق اسرار معرفت طرز خاص دارند مثل ایشاں در محققانِ صوفیہ کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند[3] اھ ملخصاً

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے جدید طریقہ بیان فرمایا ہے وہ معرفت کے اسرار کی تحقیق میں خاص طرز رکھتے ہیں اور یہ ان چند محقق صوفیوں میں سے ہیں جنھوں نے ظاہری و باطنی علوم جمع فرمائے اور نئے علوم بیان کئے ہیں ایسے چند بزرگ ہوئے ہیں اھ ملخصاً (ت)

عہ اقول یہ جناب مرزا صاحب کا خیال تھا، صحیح یہ ہے کہ قرآن عظیم سے فال کھولنا منع ہے، حدیقہ ندیہ میں ہے:

قال والدی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علی شرح الدرر وفی کتاب التحفۃ اخذ الفال من المصحف مکروہ کذا ذکرہ القہستانی یعنی کراھۃ التحریم الخ ۱۲ منہ دام ظلہ (م)

میرے والد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا درر کی شرح میں اور کتاب التحفہ میں ہے کہ قرآن پاک سے فال نکالنا مکروہ ہے، قہستانی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے الخ ۱۲ منہ دام ظلہ (ت)

---

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب شصت و یکم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۶

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں " " ملفوظات " " " " " ۷۰

[3] " " " " " " " " " " ص ۸۳ و ۸۴

میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں،

اشغالِ مناسبۂ ہر وقت و ریاضات ملائمۂ ہر قرن جداجدا می باشند ولہٰذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعیین کردہ شود[1] الخ۔

ہر وقت کے مناسب وظائف اور ہر زمانہ کے لائق ریاضتیں جُداجدا ہیں لہٰذا ہر زمانہ کے محققین نے ہر سلسلہ کے اکابرین سے نئے وظائف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس بنا پر میں نے مصلحت دیکھی کہ وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کا ایک باب نئے وظائف و اعمال میں جو اس وقت کے مناسب ہوں، کے لئے معین کروں الخ

اب خدا جانے یہ حضرات بدعتی کیوں نہ ہُوئے اور انھیں خاص ان امورِ دینیہ میں جو محض تقرب الی اللہ کیلئے کئے جاتے ہیں نئی نئی باتیں جو قرآن میں نہ حدیث میں نہ صحابہ میں نہ تابعین میں نکالنی اور عمل میں لانی اور ان سے امید وصول الی اللہ رکھنی کس نے جائز کی۔

مسئلہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ یوم القیمۃ بلجام من نار[2] اخرجہ احمد و ابوداود والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس سے کوئی علمی بات پوچھی جائے وہ اسے چھپائے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اسے آگ کی لگام دے گا۔ اس حدیث کو ابوداود، ترمذی نے تحسین کی۔ نسائی، ابن ماجہ، حاکم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے صحیح روایت کیا۔ (ت)

اب کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ اسمٰعیلیہ ھداھم اللہ تعالٰی الی الشریعۃ الحقۃ الابراھیمیۃ (اللہ تعالٰی شریعت حقہ ابراہیمیہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے۔ ت) کہ دینِ خدا میں ایسی نئی نئی باتیں نکالنا اور یہ اقرار کرکے کہ کتاب و سنت سے اس کا ثبوت نہیں ان پر عمل کرنا اور انھیں موجب ثواب و قرب رب الارباب سمجھنا بدعت سیئہ شنیعہ ہے یا نہیں، اور یہاں حدیث من احدث فی امرنا مالیس منہ فھو

---

[1] صراط مستقیم قبیل باب اول مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۷

[2] سنن ابوداود باب کراہیۃ منع العلم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹
جامع الترمذی باب ماجاء فی کتمان العلم " امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۸۹
مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ " دار الفکر بیروت ۲/ ۳۰۵، ۳۴۴، ۳۵۳، ۴۹۵

منہ[1] (جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ت) وحدیث کل بدعۃ ضلالۃ[2] (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) وکل ضلالۃ فی النار[3] (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ت) و حدیث شر الامور محدثاتھا[4] (سب سے بُری بات نئے امور ہیں۔ت) وحدیث اصحاب البدع کلاب اھل النار[5] (بدعت والے جہنم کے کُتے ہیں۔ت)، وارد ہوں گی یا نہیں، اور جن صاحبوں نے یہ باتیں ایجاد فرمائیں آپ کیں، اوروں سے کرائیں، کتابوں میں لکھیں، زبانی بتائیں، حسبِ تصریح تقویۃ الایمان اُن کے اصل ایمان میں خلل آیا یا نہیں، اور وُہ بدعتی فاسق مخالفِ سنّت قرار پائے یا نہیں، اور اُن سے بھی کہا جائے گا یا نہیں کہ صحابہ ثواب وحسنات پر تم سے زیادہ حریص تھے بھلائی ہوتی تو وہی کرجاتے، اور میاں بشیر قنوجی یہاں بھی ہیأت عبادات کو توقیفی بتائیں گے یا نہیں، پھر جو لوگ ان صاحبوں کو امام و پیشوا جانتے اور ان کی مدح وستائش میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں (جیسے شاہ ولی اللہ مداح و معتقد مرزا مظہر صاحب اور شاہ عبدالعزیز وصاف و مرید شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل غلام و بادخوانِ ہر دو شاہ صاحب اور تمام حضرات وہابیہ مداحین و معتقدین جمیع صاحبان مذکورین) ان سب کے بارے میں کیا حکم ہے، آیا بحکم حدیث من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام[6] (جس نے بدعت والے کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔ت) یہ سب کے سب قصرِ اسلام کے ڈھانے والے ہوئے یا نہیں، یا یہ احکام صرف مجلس میلاد

---

[1] صحیح بخاری	کتاب الصلح	مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۳۷۱
صحیح مسلم	کتاب الاقضیہ	" نور محمد اصح المطابع کراچی	۲/۷۷
السنن الکبری	کتاب آداب القاضی	" دار صادر بیروت	۱۰/۱۱۹
[2] صحیح مسلم	کتاب الجمعہ	" نور محمد اصح المطابع کراچی	۱/۲۸۵
سنن ابن ماجہ	باب اجتناب البدع والجدل	" ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	۱/۶
[3] درمنثور	تحت آیۃ من یہدی اللہ فھو المھتدی	" منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران	۳/۱۴۷
[4] صحیح مسلم	کتاب الجمعہ	" نور محمد اصح المطابع کراچی	ص ۲۸۵
مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل اول		مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی	ص ۲۷
[5] کنز العمال	فصل فی البدع حدیث ۱۰۹۴	مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت	۱/۲۱۸
[6] مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام والسنۃ	فصل سوم	" مطبع مجتبائی دہلی	ص ۳۱
کنز العمال	فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲	" موسسۃ الرسالۃ بیروت	۱/۲۱۹

وغیرہ انھیں امور کے لئے ہیں جن میں محبوبانِ خدا کی محبت و تعظیم ہو باقی سب حلال وطیب، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے کہ تصورِ برزخ کو اتنا پسند کیا کہ اُسے سب سے زیادہ قریب تر راستہ خدا کا بتایا اور مولوی خرم علی صاحب نے اسے نقل کر کے مسلّم رکھا یہ دونوں صاحب مع اصل کا تب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب پھر ان صاحبوں کے معتقدین و مداح سب کے سب مشرک و شرک پرست ٹھہرے یا نہیں' یا یہ حضرات احکامِ شرع سے مستثنیٰ ہیں' اور تقویۃ الایمان و تذکیر الاخوان وغیرہما کی آیتیں حدیثیں صرف مؤمنین اہل سنت کو جو خاندان عزیزی سے نہ ہوں معاذ اللہ مشرک بدعتی بنانے کے لئے اتری ہیں' بینوا توجروا۔ سبحٰن اللہ ان صاحبوں کے یہ احداث و اختراع سب مقبول ہوں' اور ناجائز و بدعت ٹھہرے تو وہ نماز جو حضور پُر نور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قضائے حاجات کے لئے ارشاد فرمائی ؏

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھ راستہ کہاں سے کہاں تک ٹیڑھا ہے)

حق جل علا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور اپنے محبوبوں کی جناب میں معاذ اللہ بدعقیدہ نہ کرے خصوصاً حضور سید المحبوبین مطلوب المطلوبین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین آمین۔ یہ ہے جو اس گدائے سرکار فیضبار قادریہ پُر برکات ونعمات حضور پُر نور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فائض ہوا ؏

گر قبول افتد زہے عز و شرف

گدائے بے نوا فقیر ناسزا اپنے تاجدار عظیم الجود عمیم العطا کے لطف بے منت و کرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفو و عافیت و حسن عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپا مدار سے رخصت ہوتے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتول زہرا کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن و حسین کے قرۃ بصر، محی سنت ابی بکر و عمر صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم یعنی حضور غوثِ صمدانی قطبِ ربانی واہب الآمال و معطی الامانی حضور پُر نور غوثِ اعظم قطبِ عالم محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ کی محبت و عشق و عقیدت و اتباع و اطاعت پر جائے اور جس دن یوم ندعوا کل اناس بامامہم[1] (جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ ت) کا ظہور ہو یہ سراپا گناہ زیر لوائے بیکس پناہ سرکار قادریت ظل آلہ جگہ پائے،

---

[1] القرآن ۱۷/۷۱

فان ذٰلك على الله يسيران الله على كل شیئ قدیر بحمد الله وقع الفراغ من تسویدہ لثمان خلون للقمر الزاھر من شھر سید تا الغوث الفاخر اٰعنی شھر ربیع الاٰخر فی ثلثۃ مجالس من ثلث غدوات عام الف وثلث مائۃ وخمس من ھجرۃ سید الکائنات علیہ وعلٰی اٰلہ واٰبنہ الوارث لمجدہ وکمالہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات واز کی التحیات وانمی البرکات اٰمین اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

پس بیشک یہ اللہ تعالٰی کے لئے آسان ہے اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے، بحمداللہ تعالٰی اس رسالہ کے مسودہ سے ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو فراغت ہوئی یہ مسودہ تین دن کی تین مجلسوں میں تیار ہوا۔ سیدالکائنات پران کی آل پر اور آپ کے بیٹے جو آپ کی بزرگی اور کمال کے وارث ہیں پر افضل درود اور کامل سلام اور پاکیزہ تعریفیں اور بڑی برکات ہوں آمین آمین اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اللہ سبحانہٗ وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم بڑا ہے اور اس کی بزرگی مضبوط اور تام ہے۔ (ت)

ا ٣ ھ ۵

ازھار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار

(صلوٰۃ الاسرار کی بادِ صبا سے غنچوں کے پھول)

(نمازِ غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکرالك یا من بالتوسل الیہ یغفر کثرالذنوب، وحمدالك یا من بالتوکل علیہ یجبرکسرالقلوب، اسألك ان تصلی وتسلم وتبارك علی سراج افقك، وملجأ خلقك، وافضل قائم بحقك، المبعوث بتیسیرك ورفقك، رحمۃ للعٰلمین، وشفیعا للمذنبین، وامانا للخائفین، ویسرا للبائسین (سخت حاجتمند)، وبشری للائسین (ناامیدان)، محمد النبی الرؤف الرحیم، الجواد الکریم، العلی العلیم، الغنی الحی الحکیم الحلیم، مصحح الحسنات، مقیل العثرات، قاضی الحاجات،

تیرا شکر ہے اے ایسی ذات جس کی طرف وسیلہ پیش کرنے سے کثیر گناہ معاف ہوتے ہیں اور تیری حمد ہے اے وُہ ذات کہ جس پر توکل سے شکستہ دلی ختم ہو جاتی ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ رحمت، سلامتی اور برکتیں نازل فرما اُس پر جو تیری کائنات کا چراغ اور تیری مخلوق کا ملجا اور تیرے حق کے لئے قائم لوگوں سے افضل اور تیری سہولت اور مہربانی لے کر مبعوث ہونے والے رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین اور ڈرنے والوں کے لئے امان اور حاجت مندوں کی سہولت اور ناامید ہونے والوں کے لئے بشارت رؤف، رحیم نبی، کرم والے سخی، بلند مرتبہ، بڑے علم والے، غنی، تابندہ، حکمت والے، بُردبار، نیکیوں کو بنانے والے، غلطیوں کو مٹانے والے، حاجتوں کو پُورا کرنے والے، مرادیں

واهب المرادات ، صلى الله تعالىٰ عليه
وعلىٰ اٰله الطاهرين ، واصحابه الظاهرين ،
وازواجه الطيبات امهات المؤمنين ،
واولياء امته الكاملين العارفين ، وامناء
ملته الراشدين المرشدين ، لاسيما
على هذا الفرد الفريد ، الغوث المجيد ،
الغيث المجيد ، واهب النعم ، سالب
النقم ، كاسب العدم ، صاحب القدم ،
جود الجود وكرم الكرم ، ملاذ العرب ومعاذ
العجم ، مناح العطايا ، مناع الرزايا ، القطب
الربانى ، الغوث الصمدانى ، سيدنا ومولٰنا ابى محمد عبدالقادر
الحسنى الحسينى الجيلانى ، رضى الله تعالىٰ عنه و
ارضاه ، وجعل حرزنا فى الدارين ، اٰمين اٰمين
يا ارحم الراحمين ، واشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ
لاشريك له ، واشهد ان محمدًا عبده ورسوله بالرحمة
ارسله ، صلوات الله وسلامه عليه ، وعلى
كل محبوب ومرضى لديه ، اما بعد
فقد سألنى الفاضل الكامل ، جميل الشمائل ،
جامع الفضائل ، والفخر الجسيم ، والشرف
العظيم ، مولانا الشاه محمد ابراهيم القادرى
المدراسى الحيدرآبادى ، جعله الله من اولى
الايادى ، وحفظه من شر الاعادى ، اجازة الصلوٰة
الغوثية ، المباركة المرضية ، المعروف عندنا
بصلوٰة الاسرار ، المجربة مرارا لقضاء الاوطار ،
ودفع الاشرار ، تحسين ظن منه بهذا العبد

بُر لانے والے ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین اور حق کو
ظاہر کرنے والے صحابہ اور اس کی پاک ازواج پر جو
مومنین کی مائیں ہیں اور اس کے کامل ، عارف اولیاء امت
ہدایت یافتہ ، رہنما ، اس کی اُمت کے امینوں پر خصوصًا
ایسی یکتا ، منفرد ، غوث بزرگی والے ، برکت دینے والی
بارش ، انعامات دینے والے ، محروموں کو بنانے والے
تسلط والے ، سخیوں کے سخی ، کریموں کے کریم ، عرب و
عجم کی جائے پناہ ، عطیات دینے اور مصیبتوں کو دفع کرنے
والے ، قطب ربانی ، خدائی مدد ، ہمارے آقا و مولیٰ
ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی پر رضی اللہ عنہم اور جس
کو وہ راضی کرے اور اس کو دونوں جہانوں میں ہمارے
لئے محفوظ خزانہ بنائے آمین آمین یا ارحم الراحمین ،
اور میں گواہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور
گواہ ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے
خاص بندے اور اس کے خاص رسول ہیں جن کو اس
نے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس پر اللہ کی رحمتیں اور سلام
ہو اور ہر اس پر جو اس کا محبوب اور پسندیدہ ہو ۔ اما بعد
کامل فاضل ، اچھے اخلاق والے ، فضائل کے جامع ، بڑے
فخر ، عظیم شرف والے ، مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری
مدراسی حیدرآبادی (اللہ تعالیٰ ان کو صاحبِ قوت بنائے
اور ان کو دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے) نے مجھ سے
" صلوٰۃ غوثیہ " مبارکہ پسندیدہ جو کہ ہمارے ہاں " صلوٰۃ
الاسرار " کے نام سے معروف ہے کی اجازت طلب کی ،
یہ صلوٰۃ الاسرار قضائے حاجت اور دفعِ شر کے لئے بارہا
مجرب ہے ، انھوں نے مجھ فقیر ، حقیر ، اپنے نفس پر ظلم

الظلام، الکثیرالاثام، الفقیر الاذل، الحقیر
الارذل، عبد المصطفیٰ احمد رضا، المحمدی السنی
الحنفی، القادری البرکاتی البریلوی، لطف اللّٰہ بہ،
وعفا عن ذنبہ، واصلح عملہ، وحقق املہ،
معانی لست ھنالک، ولا اھلا لذلک، لکنی
اجبتہ بالانقیاد، واجزتہ بالمراد، رجاء
البرکۃ لی ولہ فی الدنیا والاٰخرۃ، ان ربنا
تعالیٰ ھو اھل التقوی واھل المغفرۃ، کما
اجازنی بہما سیدی و مولای، وسندی
ومأوای، شیخی ومرشدی، وکنزی
وذخری لیومی وغدی، تاج الکاملین،
سراج الواصلین، حضرۃ السید الشاہ
اٰل الرسول الاحمدی، المارھری، رضی اللّٰہ
تعالیٰ عنہ بالرضی السرمدی، بحق روایتہ
لہما واجازتہ بہما عن شیخہ الاجل، وعمہ
الابجل، الامام الاکمل، والکرم الاشمل،
والقمر الاجمل، فرد عصرہ، وقطب
دھرہ، ذی الفیض العظیم والفضل المبین،
حضرۃ ابی الفضل شمس الملۃ والدین، السید
الشاہ اٰل احمد اچھے میاں المارھری، رضی اللّٰہ
تعالیٰ عنہ بالرضوان الابدی، عن ابیہ العریف،
النبیہ الغطریف، البحر الطمطام، والحبر الصمصام،
ذی الفناء والبقاء، والوصول واللقاء، حضرۃ السید
الشاہ حمزۃ العینی المارھری علیہ الرضوان
الدائم من العلی القوی، بسندہ المسلسل کابرا

کرنے والے، نہایت گنہگار، عبد المصطفیٰ احمد رضا محمدی
سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی کے بارے میں حسنِ ظن
رکھتے ہُوئے یہ سوال کیا (اللہ تعالیٰ ان پر مہربانی فرمائے
اور ان کو معاف فرمائے اور ان کے اعمال کو درست فرمائے)
حالانکہ میں اس قابل نہیں ہُوں اور نہ ہی اس کا اہل ہوں
لیکن ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہُوئے میں ان کو اس کی
اجازت دیتا ہُوں یہ امید کرتے ہوئے کہ دنیا و آخرت
میں ہم دونوں کے لئے باعثِ برکت ہو (تقویٰ اور مغفرت
کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے) (ان کو میری طرف سے
اجازت ہے جیسا کہ مجھے میرے آقا، مولیٰ، جائے اعتماد،
ماویٰ اور میرے شیخ، مرشد، سہارا، خزانہ اور میرے
آج اور کل کے ذخیرہ اور کاملین کے تاج، واصلین کے
چراغ، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی رضی اللہ
عنہ نے مجھے اجازت دی جیسا کہ ان کو روایت اور اجازت
ملی، ان کے عظیم شیخ اور اُن کے بزرگوار چچا، کامل امام،
وسیع کرم، خوبصورت چاند، اپنے زمانہ کے منفرد اور قطبِ
عظیم فیض اور روا ضح فضیلت، حضرت ابوالفضل، ملت اور
دین کے سورج، سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اور ان کو اپنے والدِ گرامی عارفِ
کامل، مضبوط فہم، بحرِ بیکراں، پختہ ماہر، صاحبِ بقاء
وفناء، صاحبِ وصول وحضور، حضرت شاہ حمزہ
عینی مارہروی (ان پر اللہ تعالیٰ کی دائمی رضا) سے
اسلاف در اسلاف سے ان کی مسلسل، سند سے،
جوان کو بلند دربار، مضبوط چوکھٹ، مخلوق کے مرجع
دربار قادریہ (وہاں کے رہنے والوں اور وہاں کے

عن کابر، عن الحضرۃ الرفیعۃ، والسدۃ المنیعۃ، مرجع البریۃ، الحضرۃ القادریۃ، علی حضارھا وخدامھا رضوان القادر، فان اصلھا ماثور بطرق عدیدۃ، عن الحضرۃ المجیدۃ، کما ذکرہ العلماء، منھم الامام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر¹ اللخمی الصوفی الشطنوفی فی "بھجۃ الاسرار" والامام الاجل عبداللہ بن الاسعد الیافعی الشافعی، والفاضل علی بن سلطان محمد القاری الھروی المکی، والشیخ المحقق شیخ

خدام پر اللہ تعالٰی کی رضا ہو) سے حاصل ہوئی کیونکہ "صلوٰۃ الاسرار" کا ثبوت متعدد طرق سے منقول ہے برگزیدہ دربار سے جیسا کہ اس کو بہت سے علماء نے ذکر فرمایا ہے جن میں امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی صوفی شطنوفی نے بہجۃ الاسرار میں، اور امام اجل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی و فاضل علی بن سلطان محمد القاری الھروی المکی اور شیخ محقق علماء ہند کے شیوخ کے شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ

---

¹ یجب ان یعلم انہ لیس بابن جھضم الذی تکلم فیہ الذھبی علی دابہ مع الصوفیۃ الکرام فی "المیزان" فانہ مقدم علی سیدنا الغوث رضی اللہ تعالٰی عنہ بزمان وھذا معاصر الذھبی وبینہ وبین سیدنا واسطتان صحب المولی اباصالح قاضی القضاۃ نصرا صحب اباہ سیدی عبدالرزاق صحب اباہ سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد وصفہ الذھبی نفسہ فی "طبقات القراء" بالامام الاوحد وکذلک الامام الجلال السیوطی فی "حسن المحاضرۃ" اما نسبۃ الذھبی کتاب بھجۃ الاسرار الی ذلک فان کان لہ ایضا کتاب اسمہ ھذا فذاک والا فاشتباہ عظیم واجب التنبیہ ۱۲ (م)

یاد رہے کہ یہ ابن جہضم نہیں ہیں جن کے اولیاء کرام کے بارے میں خصوصی نظریات پر ذہبی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ وہ غوث اعظم سے بہت پہلے کے ہیں اور یہ امام ذہبی کے معاصر ہیں جبکہ ان کے اور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، انھوں نے قاضی القضاۃ نصر کی انھوں نے اپنے والد اور انکے والد نے حضرت عبدالرزاق کی انھوں نے اپنے والد حضرت غوث اعظم کی صحبت پائی جن کو خود امام ذہبی نے "طبقات القراء" میں ذکر فرمایا اور امام سیوطی نے بھی "حسن المحاضرہ" میں ذکر کیا، امام ذہبی کا ابن جہضم کی طرف کتاب بہجۃ الاسرار کو منسوب کرنا جب درست ہوگا جب اس نام کی کوئی کتاب ان کی ہو ورنہ یہ نسبت درست نہیں ہے بلکہ ان کو اشتباہ ہوا ہے ۱۲ (ت)

شیوخ علماء ھند عبدالحق بن سیف الدین المحدث الدھلوی وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین انہ قال سیدنا ومولٰنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ من توسل بی فی شدۃ فرجت عنہ ومن استغاث بی فی حاجۃ قضیت لہ ومن صلی بعد المغرب رکعتین ثم یصلی ویسلم علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یخطو الی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ یذکر فیہا اسمی قضی اللہ تعالٰی حاجتہ[1] **قلت** وفرجت وقضیت تحتملان صیغۃ المجھول لواحدۃ غائبۃ، وصیغۃ المعلوم للواحد المتکلم وعلی ھذہ ترجمۃ الشاہ ابی المعالی رحمہ اللہ تعالٰی فی التحفۃ القادریۃ، وایاما کان فالحاصل واحد، اولٰھما تحتمل الحقیقۃ الباطنۃ الذاتیۃ[عہ] والظاھرۃ[عہ] المستفادۃ،

علیہم اجمعین سے منقول کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت میں میرا وسیلہ دیا تو اس کی مصیبت ختم ہوگی، اور جس نے اپنی حاجت کے لئے مجھ سے مدد مانگی تو اس کی حاجت پُوری ہوگی، اور جس نے نمازِ مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا اور پھر عراق کی جانب گیارہ قدم میرا نام کہتے ہُوئے چلا تو اللہ تعالٰی اس کی حاجت کو پُورا فرمائے گا۔ **قلت** "فرجت" اور "قضیت" دونوں صیغے، واحد غیب مونث مجہول اور واحد متکلم معلوم بن سکتے ہیں، اور شاہ ابو المعالی نے "تحفہ قادریہ" میں واحد متکلم معلوم کا ترجمہ فرمایا ہے (یعنی میں اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کروں گا) بہرحال جو بھی صیغہ ہو ماحصل ایک ہے کیونکہ پہلا صیغہ ہو تو یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ذاتی باطنی حقیقت کا احتمال ہے جبکہ دُوسرا

عہ وھی التی تثبت بالذات من دون عطاء ولا الاستناد الی جعل وھذا مختص بصفات اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فحسب ۱۲ (م)

عہ وھی التی حصلت بالعطاء ولاثبوت لہا الابالجعل وھکذا جمیع صفات المخلوق کالعلم والقدرۃ والعطاء والعون حتی الوجود ۱۲ (م)

یہ بالذات ثابت ہے عطاء اور جعل کی طرف منسوب نہیں، اور یہ صرف اللہ تعالٰی کی صفات سے مختص ہے اور بس[1]۔ (ت)

یہ صرف عطاء سے حاصل ہے اس کا ثبوت اللہ تعالٰی کے عطا فرمانے پر ہے جیسا کہ مخلوق کی تمام صفات ہیں مثلاً انسان کا علم، قدرت، عطا، امداد حتّٰی کہ مخلوق کا وجود بھی عطائی ہے[2]۔ (ت)

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہٖ وبشراھم مطبوعہ مصطفٰی البابی الحلبی مصر ص ۱۰۲

والاخری تتعین للاخیر والمرجع ما ذکرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٰخرا بقولہ قضی اللہ
تعالیٰ حاجتہ ان الی ربك المنتھٰی ، ثم
ان لمشایخنا قدست اسرارھم ورحمنا
اللہ تعالیٰ بھم فی ھذہ الصلوٰۃ طریقتین،
صغرٰی ، وکبرٰی ، والمعمول عندنا
الاسھل الاشمل من حیث السوغ لکل احد
من دون الاختصاص بالقائمین فی مجالی
الشھود الھائمین فی فیافی الوجود ھی الطریقۃ
الانیقۃ الصغری، صفتھا بحیث یکون
کالشرح للفظ الکریم ویتضمن مختارات
ھذا العبد الاثیم ، ان من عرضت لہ
حاجۃ دینیۃ او دنیویۃ صلی بعد صلوٰۃ
المغرب بسنتھا رکعتین من غیر فریضۃ
ناویا صلوٰۃ الاسرار تقربا الی اللہ تعالیٰ و
ھدیۃ لروح سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ، وان جددلھما الوضوء فھو
اضوء ، وقد عھدنا ذلك من النبی صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الحاجۃ ، والا
فھو لبسبیل من الرخصۃ فان توضأ فلیحسن
وضوءہ ھکذا امر النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ذلك المکفوف بصرہ وآحب
الی ان یقدم صدقۃ عہ فانھا اسرع فی

صیغہ ظاہری حاصل کردہ حقیقت کا معین احتمال
ہے لیکن بہتر وہ ہے جس کو خود حضور غوث اعظم نے
بعد میں یُوں ذکر فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس کی حاجت
پُوری کرے گا کیونکہ تیرے رب کی طرف ہر چیز کی انتہی
ہے"۔ پھر ہمارے مشائخ (رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے
سبب ہم پر رحم فرمائے) نے اس نماز کے بارے میں
دو طریقے بتائے ہیں، ایک مختصر اور دوسرا طویل ہے،
اور ہمارے ہاں جو مروّج ہے وہ آسان اور جامع
اور ہر ایک کے مناسب ہے یہ مرتبۂ شہود پر
فائز لوگوں یا مرتبہ وجود میں طالبین کے لئے مخصوص
نہیں، یہ بہترین طریقہ اختصار والا ہے۔ اس کا
طریقہ ایسا ہے جو خود لفظ (صلوٰۃ الاسرار) کی شرح
جیسا ہے اور اس عاجز بندے کا پسندیدہ ہے کہ
جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو خواہ وہ دینی ہو یا
دنیوی، تو وہ مغرب کی نماز کے بعد سنّتوں کے ساتھ
دو رکعت "صلوٰۃ الاسرار" کی نیت سے اللہ تعالےٰ کی
قربت اور حضور غوثِ اعظم کی روح کو ہدیہ کے لئے پڑھے
اور اگر اس کے لئے نیا وضو کرے تو یہ نور ہوگا کیونکہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نابینا کو یہ فرمایا تھا ورنہ
نیا وضو ضروری نہیں، مجھے تو یہ پسند ہے کہ صلوٰۃ الاسرار
پڑھنے سے پہلے کوئی صدقہ کرے کیونکہ یہ عمل کامیابی
جلدی لاتا ہے اور مصیبتوں کے دروازوں کو خوب بند
کرتا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناجات کیلئے

عہ الافضل الاسرار بنص القرآن وھی

صدقہ میں افضل یہ ہے کہ پوشیدہ دے کیونکہ قرآن کا
(باقی بر صفحہ آئندہ)

الانجاح واسد لابواب البلاء وقد امر الله
تعالیٰ من يناجی رسوله ان يقدموا بين يدی
نجوٰهم صدقة، فنجوی الله احق مع ان
هٰذه الصلوٰة تشتمل علی نجوی النبی صلی
الله تعالیٰ عليه وسلم ايضاً، وآلوجوب
وان نسخ رحمة من الله تعالیٰ فلا مرية
فی الاستحباب هٰذا ويقرأ فيها بعد الفاتحة
ماتيسر من القراٰن فان قرأ الاخلاص
احدی عشرة مرة فهو احسن حتی اذا سلم
حمد الله تعالیٰ واثنی عليه بما هو اهله،
عــه الا فضل الصيغ الواردة عن النبی صلی الله

پہلے صدقہ دینے کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، تو اللہ تعالیٰ
سے مناجات میں اور زیادہ بہتر ہے باوجودیکہ اس
نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مناجات
موجود ہے، اگرچہ اس صدقہ کا وجوب منسوخ ہوچکا
ہے جس میں اُمت کی آسانی ہے مگر استحباب کے
طور پر جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس نماز میں
فاتحہ کے بعد کوئی آسان سُورت پڑھے بہتر ہے کہ
سُورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو بہت اچھا ہے۔
نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا
اس کی شان کے مطابق بجا لائے اور اس میں بہتر
وُہ الفاظ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقی مصارع السوء كما فی الحديث وفضائلها
اكثر من ان تحصی والاحسن ان يتصدق
بزوجين بفضل ذلك ورد حديث وفلسان
زوجان وخبزان زوجان ومن لم يجد
فودعتان زوجان والودعة خرمهرة ۱۲ (م)

عــه كقوله اللهم لك الحمد حمدا يوافی
نعمك ويكافئ مزيد كرمك وقوله اللهم
لك الحمد انت قيم السمٰوٰت والارض
ومن فيهن ولك الحمد انت
ملك السمٰوٰت والارض ومن
فيهن ولك الحمد انت نور السمٰوٰت

یہ حکم ہے، اور یہی بُرے احتمال سے بچاؤ ہے، جیسا کہ
حدیث میں بیان کیا گیا ہے، اور اس میں بہت زیادہ
فضیلت ہے، اور بہتر یہ ہے کہ صدقہ میں جو دے، دو
کی تعداد دے، دو پیسے، دو روٹیاں، اگر اور کچھ
نہ پائے تو کم از کم دو خرمہرے دے ۱۲ (ت)

اور جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے
اے اللہ! تیرے لئے ایسی حمد جو تیری نعمتوں کے برابر ہو
اور مزید کرم کو کفایت کرے، اور حضور کا ارشاد
کہ تیری حمد کہ تُو آسمانوں اور زمین کا نگران ہے، اور
تیری حمد کہ تُو آسمانوں اور زمین اور ان میں ہر چیز کا مالک
ہے، اور تیری حمد کہ تُو زمین اور آسمانوں اور ان میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ لایقدر احد ان یحمد الاحد کحمد احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن احسنھا اللھم ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبٰرکا فیہ کما تحب ربنا وترضی ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشئت من شیئ بعد، ومنھا اللھم لک الحمد حمدا دائما مع دوامک ولک الحمد حمدا خالدا مع خلودک ولک الحمد حمدا لامنتھی لہ دون مشیئتک ولک الحمد حمدا دائما لایرید قائلہ الا رضاک ولک الحمد حمدا عند کل طرفۃ عین وتنفس کل نفس،

بطور حمد وثنا پڑھے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام سے بڑھ کر بہتر حمد اور اچھی ثنا کوئی نہیں کرسکتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ بہترین محامد میں ایک یہ ہے: اے اللہ! ہمارے رب! تیرے لئے کثیر، طیب، مبارک حمد جیسے تجھے پسند ہے اور تو راضی ہے، زمینیں اور آسمان اور ہر وہ چیز بھر کر جس کو تو چاہے۔ اور ان میں سے ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے دائمی حمد جیسا کہ تیرا دوام ہے اور تیری حمد جو باقی رہنے والی ہو تیری بقاء کے ساتھ، تیری ایسی حمد جو تیری مشیئت کے بغیر ختم نہ ہو اور ایسی دائمی حمد جس کو بیان کرنے والا صرف رضا کا طالب ہو، اور تیرے لئے ایسی حمد جو آنکھ کی ہر پلک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والارض ومن فیھن وملک الحمد وقولہ اللھم لک الحمد فی بلائک وصنیعک الی خلقک ولک الحمد فی بلائک وصنیعک الی اھل بیوتنا ولک الحمد فی بلائک وصنیعک الی انفسنا خاصۃ ولک الحمد بما ھدیتنا ولک الحمد بما اکرمتنا ولک الحمد بما سترتنا ولک الحمد بالقراٰن ولک الحمد بالاھل والمال ولک الحمد بالمعافاۃ ولک الحمد حتی ترضی ولک الحمد اذا رضیت یا اھل التقوی واھل المغفرۃ الی غیر ذلک من صیغ کثیرۃ ۱۲ منہ (م)

ہر چیز کا نور ہے اور مالکِ حمد ہے۔ اور آپ کا یہ قول: اے اللہ! تیری مخلوق کے لئے تیرے امتحان اور تیرے حکمت والے عمل پر تیری حمد۔ ہمارے گھر والوں کے لئے امتحان اور تیری کارسازی پر حمد۔ اور خاص ہماری جانوں میں تیرے امتحان وکارسازی پر حمد۔ ہمیں ہدایت دینے پر تیری حمد، اور ہمیں عزت دینے اور ہمیں مستور کرنے پر تیری حمد، قرآن سے تیری حمد اہل ومال دینے پر، عافیت دینے پر تیری حمد، حتی کہ تو راضی ہوجائے، تیرے لئے حمد ہے جب تو راضی ہو، اے تقوٰی اور مغفرت والو۔ اور ان جیسے دیگر الفاظ کثیرہ سے حمد پڑھے ۱۲ منہ (ت)

ومنها اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطنك، ومنها اللهم لك الحمد شكراً ولك المن فضلا، ومنها اللهم لك الحمد كما تقول وخيرا مما نقول الى غير ذلك مما وردت به الاحاديث فليجمعها او ليكتف ببعضها، ويعجبني ان يختمها بقوله اللهم لا احصي ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك فانه من اجمع حمد واوسع ثناء عليه سبحنه وتعالى ومن لم يحسن من ذلك شيأ فليقل الحمد لله ثلثا او ليقرء الفاتحة او اٰية الكرسي بنية الثناء فلا يجد ثناء افضل منها ثم ليصلي ويسلم على النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم احدى عشرة مرة اذ لا يستجاب دعاء الا بالصلوٰة عليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وامر بالسلام احرازا للفضلين واحترازا عن الخلاف فان من العلماء من كره الافراد ثم العبد يختار ههنا الصلوٰة الغوثية المروية عن سيدنا الغوث الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، وهي اللهم صل على (سيدنا ومولٰنا)[ع] محمد

اور ہر سانس کے وقت ہو، اور ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے تیری ذات کے جلال اور تیری عظیم سلطنت کے شایانِ شایان حمد ہو، اور ایک یہ ہے: اے اللہ! شکر بجا لانے کے لئے تیری حمد اور تیرا احسان و فضل ہے۔ اور ایک یہ ہے: اے تیرے لئے وہ حمد جو تُو نے فرمائی اور وُہ بہتر جو ہم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر جو احادیث میں مروی ہیں سب کو یا بعض کو پڑھے۔ اور مجھے تو پسند ہے کہ آخر میں یہ حمد پڑھے: اے اللہ! میں تیری ثناء کو بجا نہیں لا سکتا جس طرح تُو نے خود اپنی ثناء فرمائی ہے کیونکہ یہ حمد بہت جامع اور وسیع ہے۔ اور اگر کسی مذکورہ محامد میں سے کوئی حمد یاد نہ ہو تو تین بار الحمد للہ پڑھ لے یا سورہ فاتحہ یا آیۃ الکرسی حمد وثنا کی نیت سے پڑھے، ان سے بہتر ثناء نہ پاؤ گے، اور پھر آخر میں نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام گیارہ مرتبہ پڑھے کیونکہ درود شریف کے بغیر کوئی دُعا قبول نہیں ہوتی اور سلام کا بھی حکم ہے تاکہ دونوں کی فضیلت ہو جائے۔ اور بعض علمائے دونوں میں سے ایک پر اکتفاء مکروہ قرار دیا ہے اس لئے دونوں کو ملا کر پڑھنے سے اس خلاف سے بچے گا۔ پھر مجھ بندہ کو یہاں درودِ غوثیہ جو آپ سے مروی ہے

[ع] اعلم ان لفظه سيدنا ومولانا من زيادات للفقير على ما بلغنا عن مشايخنا وقد زاد امير المؤمنين عمر وابنه عبد الله

سیدنا ومولانا کا لفظ اس فقیر نے بڑھایا ہے، یہ لفظ ہمارے مشائخ کا نہیں، یہ اضافہ جائز ہے جیسا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

معدن الجود والکرم واٰلہ وسلم والعبد
یقولہا ھکذا اللّٰھم صل علی سیدنا ومولٰنا
محمد معدن الجود والکرم واٰلہ الکرام
وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ یا اکرم
الاکرمین وبارک وسلم ثم لیتوجہ
بقلبہ الی المدینۃ الطیبۃ و
لیقل احدی عشرۃ مرۃ یارسول اللّٰہ
یا نبی اللّٰہ اغثنی وامددنی فی قضاء
حاجتی یا قاضی الحاجات **ثم یخطو**
الیٰ جہت العراق وھو من
بلادنا بین الشمال والمغرب افادہ
سیدی حمزۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ
وھی ایضا جہۃ المدینۃ المنورۃ وکربلاء و
العبد الضعیف قد استخرج جہۃ حضرۃ بغداد
من بلدنا بریلی بالمؤامرۃ البرہانیۃ علی ان
عرضہا لح ک[ع۱] وطولہا مد لح[ع۲] وعرض بریلی

پسندیدہ ہے اور وہ یہ ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و
مولیٰ محمد جود و کرم کی کان پر رحمت نازل فرما اور آپ کی
آل پر، اور سلامتی نازل فرما۔ جس کو یہ بندہ یوں پڑھتا
ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و مولیٰ محمد جود و کرم کی کان
پر اور آپ کی برگزیدہ آل اور کریم بیٹے اور برگزیدہ امت
پر صلوٰۃ و سلام فرما اے برگزیدوں کے برگزیدہ، اس کے
بعد مدینہ منورہ کی طرف دلی توجہ کرکے گیارہ مرتبہ یوں
پڑھے: یارسول اللہ یا نبی اللہ! میری مدد کرو، اور
اے حاجات پوری کرنے والے! میری حاجت کے
پورا ہونے میں مدد فرماؤ۔ اور پھر عراق کی طرف قدم
بڑھائے، اور ہمارے ہاں عراق شمال مغرب میں ہے
یہ میرے آقا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے
اور یہی مدینہ منورہ اور کربلا معلی کی جہت ہے۔ اور
اس عبد ضعیف نے اپنے علاقہ بریلی سے دربار بغداد
کی جہت جیومیٹری کی بنیاد پر متعین کی ہے یوں کہ بغداد
کا عرض لح ک اور اس کا طول مد لح اور بریلی کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما علی تلبیۃ رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم واجاز العلماء
زیادۃ السیادۃ فی الصلوٰۃ کما فی الدر المختار
فکیف فی غیرہا وقصۃ الترک فی قراءۃ دلائل
الخیرات معلومۃ والولایۃ مثل السیادۃ ۱۲ (م)

ع۱ ثلاث وثلاثون درجۃ و ثلث ۱۲ (م)

ع۲ اربع واربعون درجۃ وثمان وعشرون دقیقۃ ۱۲ (م)

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تلبیہ کے الفاظ میں زائد الفاظ
شامل کئے، اور ہمارے علماء نے بھی درود شریف میں
"سیدنا" کا لفظ بڑھایا جیسا کہ درمختار میں ہے تو اس کے
غیر میں بھی جائز ہوگا، نیز دلائل الخیرات میں ترکی کا
قصہ معلوم ہے جبکہ ولایت بھی سیادت کے معنی میں ہے (ت)

ع۱ تینتیس درجے اور ایک ثلث ۱۲ (ت)

ع۲ چوالیس درجے اور ۲۸ دقیقے ۱۲ (ت)

لحه عله کا وطولها عطه الرفجا الانحراف الشمالی اعنی من نقطة المغرب الی نقطة الشمال لحه کلح فیستخرج خط الزوال ویقیم علیه عمودا الی المغرب ویدیر علیهما قوسا بجعل راس القائمة مرکزا فیجزّیها اخماسا عله ویصل خطا بین الراس والخمس الاول مایلی المغرب فهذا الخط هو سمت حضرة بغداد اما المدینة الکریمة فاربع درج اعنی کحه نر من نقطة المغرب الی الشمال علی مااستخرجت بعدة طرق برهانیة احدی عشرة خطوة معتدلة معتادة فانه المتبادر من الکلام لامایفعله بعض العوام من انهم لایرفعون قدما ولا یخطون خطوة وانما یتقدمون کل مرة نحو ثلاث اصابع اواربع فلیس هذا من الخطوة فی شیٔ وانما امرنا بالخطا فالعدول عنها بدون ضرورة

عرض لحه اور اس کا طول عطه الرجے۔ اس سے شمالی انحراف یعنی نقطۂ مغرب سے نقطۂ شمال کی طرف لحه کلح حاصل ہوا، اب خطِ زوال نکال کر اس پر قائمہ کی صورت میں عمود، مغرب کی طرف کھینچا جائے اور خطِ زوال اور عمود پر قوس اس طرح بنایا جائے کہ راس القائمہ کو مرکز قرار دیا جائے اور قوس کے پانچ جُز بنائے جائیں اور راس القائمہ اور مغرب کی طرف سے پہلے خمس کو خط کے ذریعے ملایا جائے تو یہ خط دربارِ بغداد کی جہت ہو گی۔ لیکن مدینہ منورہ نقطۂ مغرب سے شمال کی جانب چار درجے ہے جیسا کہ میں نے جیومیٹری کے متعدد طریقوں سے معلوم کیا ہے بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم عادت کے مطابق درمیانے قدم چلے کیونکہ کلام سے یہی سمجھا جا رہا ہے اور بعض عوام کی طرح نہ کرے کہ وُہ قدم چلنے کی بجائے ہر مرتبہ صرف تین یا چار انگشت آگے بڑھتے ہیں حالانکہ یہ قدم کا فاصلہ نہیں کہلاتا، جبکہ ہمیں گیارہ قدم کے بارے میں حکم ہے اس لئے بغیر ضرورت اور بلا عذر اس حکم سے عدول نہیں کرنا چاہئے، اور یہ عدول غلط ہے۔ ہاں اگر

عله ثمان وعشرون درجة واحدی وعشرون دقیقة ۱۲ (م)
عله تسع وسبعون درجة وسبع وعشرون دقیقة من قرنیص مرصد لندن ۱۲ (م)
عله ثمانی عشرة درجة ومثلها الدقائق ۱۲ (م)
عله اقتصر علی التخمیس لعدم الحاجة الی تدقیق الدقائق مع ما فیه من الدقة ۱۲ (م)

۲۸ درجے اور ۲۱ دقیقے ۱۲ (ت)
۷۹ درجے اور ۲۷ دقیقے، لندن کی قرنیص رصدگاہ سے ۱۲ (ت)
۱۸ درجے اور ۱۸ دقیقے ۱۲ (ت)
پانچ حصّوں کو بیان کیا ہے کیونکہ دقیقے بنانے میں دقت ہے ۱۲ (ت)

عين الخطا نعم ان كان فى مضيق لا يجد مساغا للخطوات المعهودة ولا الخروج الى مندوحة فليأت بما استطاع واشد شناعة من هذا ما رأيت بعضهم من انه يصلى ركعتين حتى اذا كان فى اخر قراءة الاخرى انحرف الى العراق فتخطى، ثم عاد الى مكانه فتوجه نحو القبلة واتم الصلوٰة ولا يدرى المسكين ان هذا مع مخالفة للوارد[1] مفسد[2] لصلوٰته وابطال العمل حرام ثم النفل يجب بالشروع فيلزمه القضاء وهو لا يريده ولا يدرى به فيأثم مرتين[3] ولمثل هذا ورد[4] فى الحديث "المتعبد بغير فقه كالحمار

عذر ہو مثلاً جگہ تنگ ہو اور پورا قدم چلنے کی گنجائش نہ ہو اور کھلی جگہ نہ ملے تو پھر حسب گنجائش قدم کا فاصلہ بنائے، اور اس سے بڑھ کر قابل اعتراض وہ صورت ہے جو میں نے بعض جہال کو کرتے دیکھا کہ وہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کی قراءت کے آخر میں نماز میں ہی عراق کی طرف منہ پھیر کر چلتے ہیں اور گیارہ قدموں کے بعد پھر واپس پہلی جگہ پر لوٹ کر قبلہ رُو ہو جاتے ہیں اور پھر نماز کو مکمل کرتے ہیں، ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ مرویہ کے خلاف بھی ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، حالانکہ عبادت کو شروع کرکے توڑنا حرام ہے۔ چونکہ نفل ہیں، اور نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں اس لئے ان پر دو رکعتوں کی قضا لازم ہے، جبکہ اسے مسئلہ معلوم ہی نہیں تو قضا کیا کرے گا لہذا اس کو دوہرا گناہ ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں حدیث شریف

---

[1] فى صفة هذه الصلوٰة عن سيدنا الغوث الاعظم رضى الله تعالٰى عنه كما سمعت ۱۲ (م)

[2] لان المشى عمل كثير ۱۲ (م)

[3] اثم الابطال حاضر الوقت واثم ترك القضاء يظهر عند الموت، والعياذ بالله تعالٰى ۱۲ (م)

[4] اخرجه ابونعيم فى الحلية عن واثلة بن الاسقع رضى الله تعالٰى عنه، ومثله قول على كرم الله وجهه قصم ظهرى اثنان جاهل متنسك وعالم متهتك نسأل الله العفو والعافية ۱۲ (م)

[1] اس نماز کو غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان کردہ طریقہ میں جیسا کہ میں نے سنا ۱۲ (ت)

[2] کیونکہ چلنا، کثیر عمل ہے ۱۲ (ت)

[3] ایک جاری عبادت کو توڑنا وقتی گناہ اور دوسرا گناہ قضا کا ترک جو موت کے وقت ظاہر ہوگا العیاذ باللہ تعالٰی ۱۲ (ت)

[4] اس کی تخریج امام ابونعیم نے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی کتاب حلیہ میں کی ہے، اور ایسا ہی ایک قول حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی ہے کہ دو چیزوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک جاہل عامل نے اور دوسرے متشدد عالم نے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کے خواستگار ہیں ۱۲ (ت)

في الطاحونة[1] "واكبر اثما منه شيخه الذي علمه هذا ولاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم هذا ولكن عند التخطي على هيأة الهيبة والخضوع والادب والخشوع، وانا احب ان يتخيل كانه حاضر في بغداد ومرقده رضى الله تعالى عنه بين عينيه وهو راقد فيه مستقبل القبلة الكريمة والعبد يتعمد كرمه فيريد ان يتقدم اليه اذ يعتريه الحياء من قبل المعاصي فيقف حيران كانه يستاذن ويستشفع اليه رضى الله تعالى عنه بسعة جوده وبشرى مقالته ان لم يكن مريدي جيدا فانا جيد[2]" فبينا هو

میں آیا ہے کہ بغیر علم عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے جو آٹے کی چکی میں جتا ہو۔ ایسا عمل کرنے والے سے بڑھ کر اس کا وُہ شیخ مجرم ہے جس نے اسے یہ طریقہ بتایا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور قدم چلتے وقت خشوع، خضوع اور ادب وہیبت کی کیفیت ہونی چاہئے، اور مجھے یُوں پسند ہے کہ اس وقت یوں خیال کرے کہ وُہ بغداد شریف میں آپ کی مرقد شریف کے سامنے حاضر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے اور یہ خیال کرے کہ حضور غوثِ اعظم اپنی قبرِ انور میں قبلہ رُو سوئے ہوئے ہیں اور قدم چلنے والا بندہ آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے آگے بڑھنے کا ارادہ کئے ہُوئے ہے مگر اپنے گناہوں کے پیشِ نظر آگے جانے میں حیا کرتے ہُوئے حیران کھڑا ہو جاتا ہے اور گویا اب آپ سے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کر رہا ہے کیونکہ آپ کا جُود وسخا وسیع ہے اور آپ کی یہ بات بشارت ہے کہ "اگر میرا مرید خوب نہیں میں تو خوب تر ہوں۔" قدم

عـه اخرج الامام الشنطوفي روح الله تعالى روحه في بهجة الاسرار عن الشيخ القدوة ابي الحسن على القرشي قال قال سيدي الشيخ محي الدين عبد القادر الجيلي رضى الله تعالى عنه اعطيت

امام شنطوفی نے بہجۃ الاسرار میں شیخ امام ابوالحسن علی قرشی سے تخریج فرمائی ہے کہ میرے آقا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مدِ بصر تک دراز ایک دفتر مجھے عطا کیا گیا جس میں میرے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حلیۃ الاولیاء عنوان ۳۱۸ خالد بن معدان عن وثلۃ بن الاسقع مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر فضل اصحابہ وبشراہم " مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

كذلك وهو رضي الله تعالیٰ عنه ينظر اليه و يعلم فقره وحياءه اذ يجئ الكرم العميم فيشفع للعبد الاثيم فكانه رضي الله تعالیٰ عنه يقول اذنت لهذا الفقير المضطر ان يخطو الى تلك الخطوات، و **يذكر فيها اسمى** ولا يخشى المعاصي عندي فاني انا ضمينه وكفيل مهماته في الدنيا والاٰخرة فينشط العبد ويتقدم على اقدام الوجد قائلا على كل خطوة ياغوث الثقلين و ياكريم الطرفين فانه رضي الله تعالیٰ عنه حسني الاب حسيني الام اغثني و امددني في قضاء حاجتي يا قاضي الحاجات

بڑھانے والے کی اس کیفیت کو آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کے فقر و حیا کو جان کر آپ وسیع کرم فرمائیں گے اور اس بندے گنہ گار کی شفاعت فرمائیں گے، اور گویا یہ فرمائیں گے کہ میں اس فقیر تنگدست کو اپنی طرف قدم بڑھانے کی اجازت دیتا ہوں، یہ چلتے ہوئے میرا نام ذکر کرے اور میرے پاس آکر اپنے گناہوں کا فکر نہ کرے کیونکہ میں دنیا و آخرت میں اس کی مشکلات کا کفیل اور ضامن ہوں، تو بندہ یہ سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور ہر قدم پر وجدانی کیفیت میں "یا غوث الثقلین" "یا کریم الطرفین" پکارتا ہے (کریم الطرفین اس لئے کہ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں) اور کہتا ہے میری حاجت براری میں میری مدد کرو اے حاجات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سجلامد البصر فيه اسماء اصحابي و مريدي الى يوم القيمة وقيل لي قد وهبوا لك وسألت مالكا خازن النار هل عندك من اصحابي احد فقال لا و عزة ربي و جلاله ان يدي على مريدي كالسماء على الارض ان لم يكن مريدي جيدا فانا جيد و عزة ربي و جلاله لابرحت قدماي من بين يدي ربي حتى ينطلق بي وبكم الى الجنة اھ والحمد لله رب العلمين الكريم عميم والرجاء عظيم ۱۲ منه (م)

ساتھیوں اور مریدین کے نام ہیں جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے مجھے کہا گیا یہ آپ کی ملکیت ہے۔ اور میں نے جہنم کے خازن فرشتے سے پوچھا کیا تیرے پاس میرے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رب ذو الجلال کی عزت کی قسم کہ تمام مریدین پر میرا ہاتھ ایسے ہے جیسے زمین پر آسمان سایہ فگن ہے۔ اور فرمایا: اگر میرا مرید خوب نہیں تو میں خوب تر ہوں، اور رب ذو الجلال کی عزت کی قسم میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے دربار سے حرکت نہ کروں گا جب تک مجھے اور تم سب کو جنت کا پیغام نہ مل جائے گا، الحمد للہ رب العلمین الکریم ۱۲ منہ (ت)

لہ بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراہم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

ثم ليدع الله سبحٰنه وتعالیٰ متوسلا اليه بجاه سيد المرسلين صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ثم بجاه ابنه هذا السيد الكريم غوثنا الاعظم رضی الله تعالیٰ عنه ، وليراع اٰداب الدعاء المذكورة فی كلمات العلماء كالحصن الحصين وغيره ومن احسن من فضلها وجمع شتاتها مقدام المحققين امام المدققين العالم الربانی سيدی ووالدی قدس سره الزكی فی كتابه الشريف "احسن الوعاء لاٰداب الدعاء" وقد لخصها تلخيصا حسنا

پورا کرنے والے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے حضور علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے (غوث اعظم) کے وسیلے سے دُعا کرے، مذکورہ دُعا میں ان آداب کا خیال رکھے جو علماء کرام نے ذکر فرمائے جیسا کہ "حصن حصین" وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ مختلف دعاؤں کو جمع کرنے اور فضیلت بیان کرنے والوں میں میرے والد گرامی نے اپنی کتاب "احسن الوعاء لآداب الدعاء" میں بہترین دعاؤں کو ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کا خلاصہ محققین کے امام، مدققین کے پیشوا، عالم ربانی، میرے آقا والد گرامی قدر قدس سرہٗ نے اپنی بہترین کتاب

عہ هو البحر الزاخر الباهر، النجم الزاهر، حامی السنن، ماحی الفتن العالم العامل الفاضل الكامل، الحاج الزائر، الجامع المفاخر مولٰنا المولوی محمد نقی علی خان المحمدی السنی الحنفی القادری البركاتی البريلوی اجل خلفاء حضرة شيخنا ومرشدنا بحر الرحمة مولی النعمة حضرة السيد الشاه آل الرسول الاحمدی مارهری قدس الله تعالیٰ سرهما وافاض علينا برهما ولد رحمه الله تعالیٰ مستهل رجب ۱۲۴۶ھ ونشأ فی حجر العلوم والعرفان تفقه علی ابيه الفاضل الاجل العارف الاكمل مولٰنا المولوی محمد رضا علی خان قدس سره وصنّف تصانيف

یہ گہرا سمندر، روشن چاند، چمکنے والا ستارہ، سنت کی حمایت والا اور فتنوں کو مٹانے والا، عالم باعمل، کامل فاضل الحاج اور مدینہ منورہ کی زیارت والا، فخر کا جامع، مولانا مولوی محمد نقی علی خان محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، خلیفۂ اجل حضرت ہمارے شیخ، مرشد، رحمت کے دریا، نعمت کے مالک، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی (قدس اللہ سرہما) اللہ تعالیٰ ان کی بھلائی کا ہم پر فیضان فرمائے، آپ کی پیدائش ابتدائے رجب ۱۲۴۶ھ میں ہوئی، انھوں نے علمی اور عرفانی ماحول میں پرورش پائی اور اپنے والد فاضل اجل عارف اکمل مولانا مولوی محمد رضا علی خان قدس سرہٗ سے علم حاصل کیا، اور ۲۵ کے قریب تصنیفات جلیلہ تصنیف فرمائیں، اور ان کتب میں سے یہ کتاب "جواہر البیان"

(باقی برصفحہ آئندہ)

فی باب الحج من کتابہ "المستطاب جواہر البیان فی اسرار الارکان" ولیبدأ بیا ارحم الراحمین ثلثاً فان من قالہ ناداہ ملک موکل بہ ان ارحم الراحمین قد اقبل علیک وبیا بدیع السمٰوٰت والارض یاذا الجلال والاکرام فانہ اسم اللہ الاعظم علیٰ قول وکذا التسبیح سیدنا ذی النون علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم ولیختمہ بأمین ثلثا فانہ خاتم الدعاء ومما خص اللہ تعالیٰ بہ ھذہ الامۃ المرحومۃ وبالصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین والحمد للہ رب العٰلمین لیکون البدء وختم کلامہا بالصلوٰۃ علی واھب الصلوٰۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فان الدعاء طائر والصلوٰۃ جناحہ فبذلک یتم الجناحان ولان الصلوٰۃ علیہ علیہ الصلوٰۃ و

"جواہر البیان فی اسرار الارکان" کے باب الحج میں بیان فرمایا اور دُعا کی ابتداء میں "یا ارحم الراحمین" تین مرتبہ کہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے تو اس کو فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ بیشک ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے، اور "یا بدیع السمٰوٰت والارض یاذا الجلال والاکرام" بھی ابتداء میں پڑھے کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ "اسمِ اعظم" ہے، ایسے ہی حضرت سیدنا ذی النون علیہ السلام کی تسبیحاتِ باری تعالیٰ کو ابتداء میں پڑھے اور دعا کے آخر میں تین مرتبہ آمین کہے کیونکہ یہ دُعا کی مُہر ہے اور یہ خاص اس اُمتِ مرحومہ کو عطیہ ہے، اور دعا کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام، اور "الحمد للہ رب العٰلمین" پڑھے تاکہ دُعا کی ابتداء اور اس کا خاتمہ، نمازیں عطا کرنے والے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درود شریف پر ہو جائے، یہ اس لئے کہ دُعا ایک پرندہ ہے اور درود شریف اس کے پر ہیں، اور اس لئے بھی کہ درود شریف مقبول ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جلیلۃ تاقت خمسۃ وعشرین من اجلہا ھذا الکتاب "جواھر البیان" الذی لم یرمثلہ فی بابہ والتفسیر الکبیرۃ لسورۃ الانشراح وسرور القلوب فی ذکر المحبوب واصول الرشاد لقمع مبانی الفساد واذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیر ذلک توفی سلخ ذی القعدۃ سنۃ ۱۲۹۷ھ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (م)

بے مثل ہے، اور ایک سورہ الم نشرح کی تفسیر فرمائی ہے اور ایک سرور القلوب فی ذکر المحبوب، اور ایک اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد، اور اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیر ذلک ہیں۔ اور آپ کی وفات آخر ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (ت)

السلام مقبولة لا شك فاذا استجیب الطرفان فالله تعالٰی اکرم من ان یدع ما بینهما ولیکن الدعاء وترا فان الله وتر یحب الوتر ولیصل بعد کل مرة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لم یرشیئ اجلب للاستجابة من الصلوٰة والسلام علی هذا النبی الکریم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلوٰة والتسلیم ولیجتهد ان تخرج دمعة فانها علم الاجابة فان لم یبك فلیتباك فمن تشبه بقوم فهو منهم ثم المختار عندی ان یبقی حین الدعاء ایضا کما هو مستقبل الجهة العراقیة فانها کما اسمعناك جهة الشفعاء الکرام ولا علیه ان لا ینحرف الی القبلة وقد عہ سأل ابوجعفر المنصور ثانی الخلفاء العباسیة

ترجب دعا کے ابتداء وانتہاء میں درود ہوگا تو اللہ تعالٰی کے کرم سے بعید ہے کہ وہ درمیان میں دعا کو قبول نہ فرمائے، اور دُعا میں وتر کا لحاظ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے اور ہر بار درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف سے بڑھ کر کوئی چیز مقبولیت کو حاصل کرنے والی نہیں ہے صلی اللہ تعالٰی علی النبی الکریم وآلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم، اور کوشش کرے کہ دُعا میں آنسو نکلیں کیونکہ یہ بھی قبولیت کی علامت ہے، اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت بنائے کیونکہ جو کسی کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ بھی انہی میں شمار ہوتا ہے پھر مجھے یہ پسند ہے کہ دعا کے وقت بھی عراق کی طرف متوجہ رہے کیونکہ یہ جہت شفاعت والوں کی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، لہذا اس دعا میں قبلہ کی طرف متوجہ نہ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابوجعفر منصور خلیفہ ثانی خاندانِ عباسیہ نے

عہ قال الفقیر احمد رضا غفر الله تعالٰی له انبأنا سراج الحنفیة عبد الرحمٰن بن عبد الله السراج المکی عن مفتی الحنفیة جمال بن عمر المکی عن المولی عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الفلانی عن محمد بن سنة عن الشریف محمد بن عبد الله عن محمد بن ارکماش عن الحافظ ابن حجر العسقلانی عن ابی اسحٰق القنوجی عن ابی المواهب ربیع

فقیر احمد رضا غفرلہ کہتا ہے کہ مجھے خبر دی حنفیوں کے چراغ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج مکّی نے، انھوں نے حنفیوں کے مفتی جمال بن عمر مکّی سے روایت کی، انھوں نے آقا عابد سندی مدنی سے، انھوں نے شیخ صالح فلانی سے، انھوں نے محمد بن سنہ سے، انھوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے، انھوں نے محمد بن ارکماش سے، انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے، انھوں نے ابواسحٰق قنوجی سے، انھوں نے ابوالمواہب ربیع بن ابی عامر

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

عالم المدینۃ مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ یا ابا عبد اللہ استقبل القبلۃ و ادعوام استقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ولم تصرف وجھک عنہ وھو وسیلتک ووسیلۃ ابیک اٰدم علیہ السلام الی اللہ عزوجل یوم القیٰمۃ بل استقبلہ واستشفع بہ فیشفعک اللہ تعالٰی[1] فمن فعل ذلک موقنا بقلبہ

ایک دفعہ حضرت امام مالک عالمِ مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال کیا کہ میں قبلہ رُو ہو کر دُعا کروں یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف متوجہ رہوں، تو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیر کیونکہ وُہ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے روز اللہ تعالٰی کے دربار میں وسیلہ ہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن ابی عامر یحیی بن عبد الرحمٰن بن ربیع انا الحسن بن علی الغافقی اجازنا القاضی عیاض ثنا القاضی ابی عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن الاشعری وابو القاسم احمد بن بقی الحاکم وغیر واحد فیما اجازونیہ قالوا انا ابو عباس احمد بن عمر بن دلہاث نا ابو الحسن علی بن فھر ابو بکر محمد بن احمد بن فرج نا ابو الحسن عبد اللہ بن منتاب نا یعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل نا ابن حمید قال ناظر ابو جعفر امیر المؤمنین مالکا فذکر الحدیث، وفیہ و قال یا ابا عبد اللہ ما استقبل الحدیث ۱۲ منہ یحفظہ اللہ تعالٰی ابدا۔ (م)

یحیٰی بن عبد الرحمٰن بن ربیع سے، انھوں نے کہا کہ مجھے حسن بن علی غافقی نے خبر دی، انھوں نے کہا کہ مجھے قاضی عیاض نے اجازت دی، انھوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن اشعری اور ابو القاسم احمد بن بقی حاکم وغیرہم نے مجھے اجازت دی اور انھوں نے فرمایا کہ ہمیں بیان کیا ابو عباس احمد بن عمر بن دلہاث نے، انھوں نے کہا کہ مجھے بیان کیا ابو الحسن علی بن فہر ابو بکر محمد بن احمد بن فرج نے، انھوں نے کہا مجھے بیان کیا ابو الحسن عبد اللہ بن منتاب نے، انھوں نے کہا مجھے بیان کیا یعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل نے، انھوں نے کہا مجھے بیان کیا ابن حمید نے اور کہا کہ ابو جعفر امیر المومنین نے امام مالک سے بحث کی اور پُوری حدیث بیان کی اور اس میں ہے کہ ابو جعفر نے کہا اے ابو عبد اللہ (مالک)! میں کس طرف منہ کروں، الحدیث ۱۲ منہ اللہ تعالٰی اس کی حفاظت فرمائے۔ (ت)

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ بلاد عثمانیہ ۲/ ۳۵
نسیم الریاض شرح شفاء " " " " " " " " دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۸

غیر مستعجل من ربہ یقول دعوت فلم یجب لی قضی اللّٰہ تعالیٰ حاجتہ مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم فہذہ صفتہا و اللفظ الکریم مکتوب فیہا بالحمرۃ ، و ما علیہ خط احمر فہو الذی بلغنا عن مشایخنا قدست اسرارہم ، وما دون ذلک فہو من ہذا العبد الاثیم غفر اللّٰہ تعالیٰ لہ ولیعلمن العارف ان ما ذکرتہ لا یرکن الی خلاف لذرۃ من الکلمات العلیۃ ، ولا فیہ علیہا زیادۃ اجنبیۃ ، وانما ہو تصریح مطوی ، او توضیح منوی ، او تبیین مجمل ، او تعیین افضل ، معتمدا فی ذلک علی احادیث کثیرۃ ، اشرت الیہا فی جمل یسیرۃ ، یعرفہا الماہر کالشمس فی فیٔ ، ویمر الغافل کأن لم یکن شیٔ ، فجاءت بحمد اللّٰہ عروسا ملیحۃ ، مکشوفۃ النقاب عن عوارضہا الصبیحۃ ، بحلیتہا حلیتہا ، ثم اجتلیتہا ، فالحمد للّٰہ اولا و اٰخرا ، و باطنا وظاہرا ، والمامول من لطف مولٰنا الشاہ محمد ابراہیم ، و غیرہ من اخواننا القادریۃ سلمہم المولی الکریم ،

طرف متوجہ ہو کر ان کو شفیع بنا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جو شخص دلی یقین سے یہ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا بشرطیکہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مایوسی کا اظہار نہ کرے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی۔ یہ دعا قبول ہو گی جبکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ ہو۔" صلوٰۃ الاسرار" کا یہ طریقہ ہے (آپ کی طرف لکھی گئی تحریر میں) اصل منقول الفاظ سُرخ سیاہی سے لکھے گئے ہیں اور جن الفاظ پر سرخ خط ہے وہ الفاظ ہمیں اپنے مشائخ کرام سے پہنچے ہیں، ان کے علاوہ باقی الفاظ مجھ گنہگار بندے کے زائد کردہ ہیں، اور عارف شخص ضرور جانے کہ میرے ذکر کردہ الفاظ اصل کلمات کے ذرہ بھر خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کوئی اجنبی زیادتی ہے بلکہ یہ مخفی کی تصریح اور نیت میں مراد کی وضاحت ہے یا پھر مجمل کا بیان یا افضل کی تعیین ہے اور یہ سب کچھ کثیر احادیث سے اخذ کردہ ہے جن کی طرف میں نے مختصر جملوں میں اشارہ کیا ہے جن کو ماہر خوب جانتا ہے جس طرح دھوپ اور سایہ کی معرفت رکھتا ہے اور غافل شخص کوئی توجہ کئے بغیر گزر جائے گا، الحمدللہ، صلوٰۃ الاسرار کا طریقہ، دلکش دلہن جس کے خوبصورت رخسار سے نقاب اٹھایا گیا ہو، کی طرح واضح طور پر حاصل ہو گیا، میں نے اس دلہن کو زیورات سے آراستہ کر کے مزید جلا دی ہے، الحمدللہ اولاً و آخراً، باطناً وظاہراً۔ مجھے مولانا شاہ محمد ابراہیم (سائل) کی مہربانی سے توقع اور امید ہے کہ وہ اور دوسرے ہمارے قادری بھائی (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے) اس

ان لا ینسوا ھذا الفقیر فی صالح دعائھم ، غب ھذہ الصلوٰۃ و فی سائر اٰنائھم ، و یسمحوا لہ بسؤال المغفرۃ ، وکمال العافیۃ فی الدنیا والاٰخرۃ ، والعبد یدعو لہ ولھم ، والدعاء یغنی عن دروع [جمع درع ۱۲] واطم ، لاسیما دعوۃ المسلم لاخیہ بظھر الغیب ، طھرنا اللہ جمیعا من کل عیب ، ووقانا شرور الجھل والریب ، وحشرنا طرًّا [ای جمیعا ۱۲] فی الامۃ المحمدیۃ ، والجماعۃ المبارکۃ السَنِیّۃ السُنّیۃ ، والزمرۃ الکریمۃ القادسۃ القادریۃ ، انہ علی مایشاء قدیر ، فنعم المولٰی ونعم النصیر۔

صلوٰۃ الاسرار کو پڑھنے کے بعد کسی مرحلہ پر بھی اس فقیر کو اپنی دُعاؤں میں نہ بھولیں گے، اور اس کے لئے مہربانی فرماتے ہوئے مغفرت اور دنیا و آخرت میں عافیت کی دُعا کریں گے، اور یہ بندہ بھی ان کے لئے دعا گو رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ ہتھیاروں اور قلعوں سے دعا مستغنی کردیتی ہے خصوصاً وہ دُعا جو پسِ پشت مسلمان بھائی کے لئے کی جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ہم سب کو ہر قسم کے عیب سے پاک فرمائے اور جہالت کے شر و شک سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو اُمتِ محمدیہ میں اٹھائے اور اہلِ سنت و جماعت کی مبارک اور قیمتی جماعت اور سلسلہ کریمہ قادریہ میں شامل رکھے، اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے پس وُہ اچھا مددگار اور اچھا آقا ہے۔

لطیفۃ نظیفۃ : بامرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان یخطوا احدی عشرۃ خطوۃ، علوات لھذا العدد مزیۃ اختصاص بالحضرۃ القادریۃ من زمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولیس ان القادریین ھم اختاروہ لکون العرس الشریف فی الحادی عشر ولکن لم اکن اعلم سرًا فی ذلک حتی صلیت فی شاھجھان آباد عہ

پاکیزہ لطیفہ : حضور غوثِ اعظم کے حکم کے مطابق گیارہ قدم چلے اور یہ یقین کرے کہ اس عدد کو خاص خصوصیت دربارِ قادریہ سے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حاصل ہے، اور یہ خیال نہ کرے بعد میں قادری سلسلہ والوں نے گیارھویں شریف کی مناسبت سے ایسا کیا ہے، لیکن مجھے خود گیارہ قدموں کا راز معلوم نہ تھا حتی کہ ایک روز میں نے شاہجہان آباد

عہ ھی قاعدۃ دیار الھند المعروفۃ بدھلی وکان ذلک سنۃ اثنتین بعد الالف وثلثمائۃ حین شددت الیھا رحلی قاصدا زیارۃ سیدی سلطان المشایخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالٰی سرہ المکین ۱۲ منہ (م)

یہ ہندوستان کا مرکزی مقام (ضلع) ہے جو دہلی کے نام سے معروف ہے اور یہ واقعہ ۱۳۰۲ھ کا ہے جب میں وہاں سیدی سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہٗ کی حاضری کے ارادہ سے گیا ۱۲ منہ (ت)

ذات لیلۃ صلوٰۃ الاسرار وانا مقبل علیہا بشراشرِ[1] قلبی ما کانت منی التفاتۃ الی ذلک اذ لمعت بارقۃ سر جلیل، فی خاطر کلیل، واللہ اعلم منی جاءت وکیف جاءت ماشعرت بہا الا وھی حلیلۃ ببالی فتأملتہا بعد الفراغ من الصلوٰۃ فاذا ھی کما اود واشتھی، وھی ان فی احد عشر عقدا و وحدۃ، وھما[2] بالحروف یاء والف والمجموع 'یا' ا ن

میں رات کے وقت صلوٰۃ الاسرار پڑھی اور میں پوری توجہ قلبی سے مصروف تھا اور میرا اس راز کی طرف ذرا بھی التفات نہ تھا کہ میرے دل پر ایک عظیم راز دار تجلی چمکی، خدا کی قسم مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ کب اور کس طرح یہ چمک آئی جبکہ وہ میرے دل میں سرایت کر چکی تھی میں نے نماز سے فارغ ہو کر غور و تأمل کیا تو وہ میری مراد اور خواہش میری تمنا کے مطابق تھی وہ قلبی القا یہ تھا کہ گیارہ کے عدد میں ایک دہائی اور ایک کا عدد ہے، اور (ابجد کے حساب سے) دس کا حرف "ی" اور

---

[1] ای بجمیع اجزائہ ۱۲ (م)

[2] اعلم ان مالا یوجد لہ حرف واحد فالمصیر فیہ الی التزکیب و یجب القصر علی اقل ما یمکن فلا یختار الثلاثی ما امکن الثنائی ولا الرباعی ما ساغ الثلاثی کما لا یختار الثنائی ما وجد حرف واحد ثم الحاجۃ الی الترکیب انما تقع فیما بین عقد وعقد الی مائۃ وفی العقود غیر المئات المحضۃ ایضا من مائۃ الی الف ثم تد و م الی ما لا نہایۃ لہ وذلک لان العقود والمئات لکل منہما حروف معلومۃ فالترکیب الثنائی مثلا وان تصور بجمع آحاد الی آحاد کمثل طب وجج وند وھو فی احد عشر وھو اول ما یحتاج الی ذلک لکن اختیار بعض منہا دون بعض ترجیح بلا مرجح

یعنی مکمل طور پر ۱۲ منہ (ت)

جب کوئی عدد ایک حرف والا نہ ہو تو وہاں ترکیب ضروری ہے اور ترکیب حسبِ ضرورت ہو گی اگر ترکیب ثنائی کافی ہو ثلاثی کی ضرورت نہیں اور ثلاثی کافی ہو تو رباعی کی ضرورت نہیں جیسا کہ ایک حرف والے کے لئے ثنائی ترکیب کی ضرورت نہیں ہے، پھر اکائیوں اور دہائیوں میں سَو تک ہو گی، اور اسی طرح سَو سے اُوپر ہزار تک، لیکن خالص دہائیوں اور خالص سَو کے لئے ترکیب کی ضرورت نہیں (کیونکہ ان کے لئے ایک ایک حرف ہے مثلاً ترکیب ثنائی تمام اکائیوں کی آپس میں ہو سکتی ہے مثلاً طب، جج، ند، گیارہ میں جو کہ پہلا عدد ہے جس میں ترکیب ثنائی کی ضرورت ہے اگرچہ کوئی دو حرف ملائے جا سکتے ہیں مگر ان حروف میں سے یہاں بعض کو لینا اور بعض کو نہ لینا بے مقصد ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

قدمت العقد و إی ان

ایک کا حرف "الف" ہے اور اگر دہائی کو مقدم کریں تو دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترکیب الطبعی ان یلتمس العقد فیوضع حرفہ ثم حرف ما زاد علیہ من الآحاد و ھکذا فیقدم الالف ثم المئات ثم العشرات ثم الآحاد ویکفی ھذا الی الف وتسعۃ وتسعین فلفظھا "غظصط" فاذا زاد فیہ ورالامر فالفان "بغ" وثلثۃ آلاف "جغ" ومائۃ الف "قغ" والف الف "غغ" وھکذا الی ما لا نھایۃ لہ یعرف ذلك من یعلم ارقام الھیأۃ والنجوم ومن منافع ھذا الوضع الامن من الالتباس فی غالب الصور فان "غظصط" المذکور مثلاً ان کتب من دون نقط لتعینت الحروف بالوضع الطبعی فالاول لایمکن انیکون ع مھملۃ لانہ لایتقدم ظ و لا الثانی ط مھملۃ لانھا لاتتقدم ص ولا الثالث ض معجمۃ لانھا لا تعقب ظ ولا الرابع ظ معجمۃ لانھا لاتعقب ص و تمام الکلام فی رسالتنا اطیب الاکسیر ۱۲ منہ (م)

اس لئے طبعی ترکیب کو ملحوظ رکھنا ہوگا وہ یہ کہ جو دہائی مقصد ہو پہلے اسے پھر اکائی جو مقصود ہو، اگر ہزار ہو تو پہلے ہزار پھر سو اور پھر دہائی اور پھر اکائی کو ترتیب وار ذکر کرکے ترتیب دی جائے گی یہ ترکیب ایک ہزار نو سو ننانوے تک کام دے گی، اس کے لئے حروف میں غظصط سے مرکب ہوگا، اور اس پر ایک زائد ہو تو دو ہزار ہوگا جس کے لئے حروف میں بغ، اور تین ہزار جغ، لاکھ کے لئے قغ، اور دس لاکھ کے لئے غغ، اسی طرح جتنا چاہے آگے جائے، جس کو علم نجوم اور ہیأۃ کی رقموں کی معرفت ہے خوب جانتا ہے۔ اس ترکیب کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان ہندسوں میں غلطی سے بچ جاتا ہے کیونکہ مثلاً غظصط میں اگر نقطے نہ بھی لکھے جائیں تو مذکورہ حروف اپنی طبعی ترتیب کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں کیونکہ غ کو ع اور ظ کو ط نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس ترکیب میں ظ سے غ مقدم ہوتا ہے اور ع مقدم نہیں ہوسکتا ہے، اسی طرح ص سے ظ مقدم ہے ط مقدم نہیں ہوسکتا، اور آخری دو حروف ص، ط کو ض، ظ نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ ض ظ کے بعد نہیں ہوسکتا اور یونہی ظ بھی ص کے بعد نہیں ہوسکتا ہے یہ اس لئے کہ ایک ترکیب میں بڑے عدد والا حرف پہلے اور چھوٹے والا بعد ہوتا ہے یہی ترکیب طبعی ہے اور یہ پوری بحث ہمارے رسالہ "اطیب الاکسیر" میں ہے ۱۲ منہ (ت)

عکست، و یا للنداء وإی للایجاب فکانت فی ذلك اشارة الی معاملته رضی الله تعالٰی عنه مع السائلین والفقراء المستغیثین فانهم فی مقام الکثرة مع کثرتهم فی انفسهم، واذا ارادو سؤال حاجاتهم من الحضرة العلیة توجهوا الی الوحدة وکان علیهم افراغ القلوب من تشتت الخاطر مع کونهم ههنا علی منهج واحد، سواء منهم العاکف والباد وعظیم الملك و عدیم الزاد فقد انتقلوا بوجهین من الکثرة الی الوحدة و

حرفوں کا مجموعہ "یا" ہے اور اگر الٹ کریں تو مجموعہ "اِی" ہے جبکہ "یا" ندا اور طلب کے لئے ہے اور "اِی" قبول و منظوری کے لئے ہے تو اس طرح گیارہ کے عدد میں حضور غوث اعظم کا سوال اور امداد وطلب کرنے والوں سے معاملہ سمجھ آتا ہے کہ جس طرح "یا" میں "ی" دہائی اور کثرت اور اس کے بعد "الف" وحدت ہے) یوں ہی سائلین کثیر تعداد والے کثیر مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبات کو دربارِ عالیہ میں پیش کرتے ہوئے کثرت سے وحدت کی طرف متوجہ ہوں گے (کیونکہ آپ واحد ہیں) نیز یوں بھی کہ سائلین اور حاجتمند کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود غوث پاک کی طرف متوجہ ہونے میں یکساں ہیں خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، شہنشاہ ہوں یا گدا، تو قلبی حاجات مختلف وکثیر مگر ان کے ازالہ کا ڈھنگ ایک، لہذا کثرت

عـه وقوعه ههنا علٰی قول انه کنعم مطلقا ظاهر والا فالتقدیر یا سیدی هل تقضی حاجتی الجواب ای والله ۱۲ منه (م)

عـه یہاں اس کا استعمال "نعم" کی طرح ہے جیسا کہ ایک قول ہے ورنہ اصل میں 'اے میرے آقا! کیا آپ میری حاجت روائی فرمائیں گے، جواب میں اِی واللہ ہے ۱۲ منہ (ت)

عـه وذلك طریق الارقام الجفریة یقدمون فیها الآحاد ثم عشرات الخ فالف ومائة واحد عشر بارقامهم "ایقع" وبالارقام النجومیة "غقیا" ۱۲ (م)

عـه یہ جفری علم کی رقم کا طریقہ ہے جس میں اکائی کو دہائی پر مقدم کرتے ہیں مثلاً ہزار، سو کے بعد گیارہ کا ذکر ان کی رقم میں "ایقع" ہے اور نجومی رقم میں "غقیا" ہے ۱۲ (ت)

عـه الاضافة لفظیة ای عظیم ملکه او معنویة فالعظیم بمعنی السلطان کعظیم الروم ای سلطانه ۱۲ (م)

عـه یہ اضافت لفظی ہے یعنی اس کا ملک عظیم ہے اور اگر اضافت معنوی بنائی جائے تو عظیم بمعنی سلطان ہوگا جیسے عظیم الروم ہے ۱۲ (ت)

هذا شان[1] يا وحركة الياء لاضطرابهم فى الطلب وتخصيص الفتح يدل ما لهم من فتح وفيض ببركة هذا النداء، ثم هو رضى الله تعالٰى عنه مستغرق فى بحار الوحدة رفيع مقامه عن مجامع الكثرة فاذا نودى لكشف بلاء اورشف عطاء دعاه الكرم الى التنزل من غيب الوحدة الى مشاهد الكثرة وذلك شان[2] اِى والكسر يحكى التنزل و سكون الياء لتسكين قلقهم فكان المعنى انهم تحركوا من مقام الكثرة مضطربين وهم يونعون متوجهين الى حضرة الوحدة متحدين هنالك فى الرغبة والرهبة وكان رضى الله تعالٰى عنه ساكنا فى مقام الوحدة فتنزل منه الى نادى الكثرة لتسكين قلوبهم و اصلاح خطوبهم والحاصل انه اذا دعى يجيب وسائله لايخيب ومن عجائب

کے بعد وحدت جیسے "ی" کے بعد "الف" ہے دو طرح سے ثابت ہے۔ یہ "یا" کے لحاظ سے ہے پھر "ی" کی حرکت، طالبین کے اضطراب، اور اس حرکت کا فتح ہونا اس ندا کی برکت سے فتح و فیض کی علامت ہے، اور "اِی" کے اعتبار سے یہ کہ حضور غوثِ اعظم بحرِ وحدت میں مستغرق ہیں اور کثیر اجتماعات سے آپ کا مقام بلند و بالا ہے، جب آپ کو مصائب مٹانے اور عطیات نچھاور کرنے کے لئے پکارا جاتا ہے تو آپ کو کرم و سخا مجبور کرتا ہے کہ آپ وحدتِ غیب سے تنزل فرما کر کثرتِ مشاہد پر توجہ فرمائیں (یہ وحدت سے کثرت کی طرف رجوع ہے جیسا کہ "اِی" میں "الف" اور پھر "ی" ہے) اور "اِی" کا کسرہ (زیر) تنزل کی حکایت ہے اور "ی" کا سکون طالبین کا پریشانی سے سکون ہے۔ معنٰی یہ ہوا کہ حاجتمند لوگ اضطراب کی حالت میں متفرق طور پر مقامِ کثرت سے مقامِ وحدت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور سب کے سب امید و خوف میں یکساں ہیں اور آپ یعنی غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مقامِ وحدت پر ساکن ہیں، پھر آپ نداء کرنے والے کثیر لوگوں کی طرف تنزل فرما کر ان کے دلوں کو تسکین دیتے ہیں اور ان کی پراگندہ حالت کی اصلاح فرماتے ہیں غرضیکہ جب آپ کو نداء دی جائے تو آپ جواب دیتے ہیں اور

---

[1] فانه ينتقل فيها من العقد الى الواحد ۱۲ (م)

[2] فان الواحد مقدم فيه على الكثير ۱۲ (م)

کیونکہ اس میں دہائی سے اکائی کا انتقال ہے ۱۲ (ت)

کیونکہ واحد، کثیر پر مقدم ہے ۱۲ (ت)

صنع اللہ سبحنہ وتعالٰی ان أ اول الحروف فلا حرف فوقھا وی اٰخر الکل فلا حرف تحتھا فمن ترقی من ی فلا مظھر لہ وراء أ ومن تنزل من أ فلا منزل لہ تحت ی فدل ذلک ان سیدنا رضی اللہ تعالٰی عنہ اخذ فی الطرفین بغایۃ الغایات فتنقطع مطایا الکاملین دون سیرہ فی اللہ فلذا کانت قدمہ علی جمیع الرقاب ولذا قال رضی اللہ تعالٰی عنہ الانس لھم مشایخ، والجن لھم مشایخ، والملئکۃ لھم مشایخ، وانا شیخ الکل بینی وبین مشایخ الکل کما بین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علی احد اوکذا اما استکمل المکملون[عـــہ] سیرہ من اللہ ولذا کانت

سائل کو محروم نہیں کرتے۔ اللہ تعالٰی کے عجائبات میں سے ہے کہ "الف" پہلا حرف ہے اور "ی" آخری حرف ہے جس کے بعد کوئی حرف نہیں ہے، اگر کوئی "ی" سے آگے بڑھنا چاہے تو آگے الف ہی پائے گا، اور اگر کوئی الف سے آگے بڑھے گا تو "ی" سے آگے کوئی منزل نہ پائے گا تو گیارہ کے حرف یعنی "یا" سے پتا چلا کہ آپ دونوں طرف انتہائی مقاصد پر رسائی رکھتے ہیں اور تمام کاملین حضرات سیر فی اللہ میں غوث اعظم کی سیر فی اللہ سے بہت پیچھے ہیں، اسی لئے آپ کا قدم گردنوں پر ہے اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ انسان اور جن اور ملائکہ کے اپنے اپنے مشائخ ہیں جبکہ میں ان سب کا شیخ ہوں اور میرے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مجھے کسی دوسرے پر اور کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس نہ کرو، اور ایسے ہی کوئی کامل شخص آپ کی سیر فی اللہ کو اللہ تعالٰی سے کامل طور پر حاصل نہ کر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ

عـــہ۱ ای یجمع اولھم واٰخرھم ۱۲ (م)

یعنی ان کے اول اور آخر سب کو جمع کریں گے ۱۲ (ت)

عـــہ۲ ولاحاجۃ الی ابداء استثناء الانبیاء والمرسلین علیھم الصلوٰۃ والسلام فانہ مرکوز فی اذھان المسلمین وکذا الصحابۃ والتابعون لھم باحسان لما عرف فی محلہ وبالجملۃ فسیدنا رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاولیاء الامن قام الدلیل علی استثنائہ ۱۲ (م)

یہاں انبیاء و مرسلین کے استثناء کا اظہار ضروری نہیں کیونکہ یہ بات تمام مسلمانوں کے ذہنوں میں مرکوز ہے یوں ہی صحابہ و تابعین کا استثناء بھی معلوم ہے حاصل یہ کہ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں مگر اس میں سے وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے ۱۲ (ت)

عـــہ۳ ھذا کذلک ۱۲ منہ (م) یہ بھی اسی طرح ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۴ ھذا کذلک ۱۲ منہ (م) یہ بھی اسی طرح ۱۲ منہ (ت)

هدایته اتم واوفر، وطریقته انفع و ایسر، وکراماته اکثر واظهر، حتی لم ینقل عشرها ولا معشارها عن احد من الاولیاء فیما نعلم ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم، واٰخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العٰلمین، والصلوٰة والسلام علی خاتم النبیین، محمد واٰله وصحبه اجمعین، وابنه هذا الفرد المکین، والغوث المبین، وعلینا بهم یاارحم الراحمین، واوفی ختامه ثانیقین من صفر الخیر یوم جمع المسلمین، سنة الف و ثلثمائة وخمس، من هجرة من اتی بالصلوات الخمس، وردّت لامره من المغرب الشمس، صلی الله علیه وعلی اٰله اجمعین، والحمد لله رب العٰلمین۔

آپ کی رہنمائی اتم اور اکمل ہے اور آپ کا طریقہ آسان واضح ہے اور آپ کی کرامات کثیر اور غالب ہیں حتی کہ کسی ولی کی کرامات آپ کی کرامات کی نسبت عشر عشیر بھی منقول نہیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ ہمارا آخری اعلان ہے کہ سب تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لئے ہیں اور صلوٰۃ وسلام خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل وصحابہ پر اور آپ کے اس حاکم بیٹے اور واضح غوث پر اور ان کے ساتھ ہم پر یا ارحم الراحمین۔ اس رسالے کا اختتام ۲ صفر بروز جمعہ ۱۳۰۵ھ کو ہوا، سن ہجری اس ذات کی ہجرت جس کو پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور جن کے حکم پر مغرب سے سورج واپس پلٹا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین، الحمد للہ رب العٰلمین۔ (ت)

۱۲ ھ ۱۳

وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کو بیان)

(ختمِ تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۴ از اوجین، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی ملا محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلادِ ہندوستان میں کہ سب اہل سنت وجماعت بفضلہ تعالٰی حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سُنا کہ تمام حفاظِ قرآن تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سُورت پر بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہُوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسلِ خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعوٰی کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسوا سُورہ برأت کے از بس لازم ہے ورنہ ایک "۱۱۳ سو تیرہ"، اور کبھی کہتا ہے ایک "۱۱۴ سو چودہ" آیت کا نقصان لازم آئے گا بسم اللہ کا جزویت اور غیر جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک تواتراً منقول ہے حنفیہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر سے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں، عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اُسے کہا بتسویلِ نفسانی منہمک سیآت کے ہوا اور تخریبِ دین محمدی میں کمر باندھ کر اصول و قواعدِ دینیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت اور دو فتوے مولوین مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۵ پر لکھا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تبیین الفساد ترجمہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہلِ قرات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے

والے پڑھیں جو اُن قاریوں کی قراءت پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا جزو جانتے ہیں، واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک ۱۱۴ سو چودہ آیتوں کا کم کرنا اور ترک کردینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے۔ اُن شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک و غفلت کا کیا سبب ہے فقط۔ صفحہ ۷ پر لکھا "استفتائے مولوی رشید احمد گنگوہی، بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی یہ بھی قراء کا مذہب ہے اگر حضرت حفص کی اقتداء کرو درست و مقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں، سب حق پر ہیں سب کے مذہب صحیح و درست ہیں لیکن حفاظِ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمان صاحب کے عند الحفص ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی"۔ صفحہ ۱۰ پر لکھا" استفتاء قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، زمانہ قراءِ سبعہ کا زمانہ اجتہاد و عمل بالسنہ کا تھا، زمانہ تابعین کا تھا اور مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں، اور مدار قراء کا فقط روایت و صحت پر ہے اور قراء سب اپنی اپنی قراءت کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہذا قراءت میں کسی اہلِ ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تا زمانہ قراء محتاج الیہ و محصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، ائمہ قراءت کو پوچھنا کیا مذہب رکھتے تھے، حق ہے بعد صحت روایت کے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قول احناف کا ہے جب مدار صحت روایت پر مذاہب اربعہ میں ہُوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قراءت پڑھے گا اس کی قراءت میں جو ہو اس کی اتباع کرے جو کہ امام عاصم کی قراءت میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایۃً، اور کہیں حنفیہ کی کتب میں ممانعت قراءت عاصم و حفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا والا پُورا ختم روایت حفص میں نہ ہُوا فقط واللہ اعلم بالصواب، العبد عبدالرحمان عفی عنہ"۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوٰۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابوحنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قراءِ مسلمین بسم اللہ کو جہراً پڑھنا ساتھ تاکد کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمان صاحب کی زبانی بھی سنی ہے"۔ اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات وفتاوی صحیح ہیں یا غلط، اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ سرا و جھارا و لیلا و نھارا حمدا | سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں آہستہ اور بلند، دن اور

کیا را دا مۃ واکثا سما والصلوات السامیۃ والتحیات النامیۃ علی من سن فی الصلوٰۃ اسرار القسمیۃ وعلی الہ وصحبہ النفوس الحامیۃ لبیضۃ السنۃ من الغوغاء العامیۃ اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین۔

رات کو، بڑی حدیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچا سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنّت فرمایا اور آپ کی آل واصحاب پر جو کہ خالص سنّت کو عوام کے شورش سے محفوظ رکھنے والے ہیں آمین آمین یاارحم الراحمین۔ (ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر مذہب حنفی میں لازم وواجب ہونا محض بے اصل و باطل صریح اور حنفیہ کرام پر افتراء قبیح ہے تحصیل سنّت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر و غیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:

البسملۃ من القراٰن اٰیۃ فتقرأ فی الختم مرۃ۔[1]

یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی ایک آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلما بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

علی ھذا ینبغی ان یقرأھا فی التراویح بالجھر مرۃ ولا تتأدی سنۃ الختم دونھا۔[2]

یعنی اس بنا پر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت ختم ادا نہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:

من قال بکون البسملۃ جزء من القراٰن من غیر تعیین المحل او بجزئیتھا لہ فی اول کل سورۃ قال بوجوب قراءتھا فیما یختم فیہ القراٰن من الصلوٰۃ کالتراویح الا ان الجماعۃ الاولی تقول بوجوب قراءتھا جھراً مرۃ والثانیۃ

یعنی جو علما بسم اللہ شریف کو جزو قرآن مجید مانتے ہیں خواہ بے تعیین محل (جیسے علماء حنفیہ وغیرہم) یا یوں کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علماء شافعیہ) ان سب کے نزدیک جس نماز میں، قرآن مجید کا ختم کیا جائے جیسے تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک

---

[1] مسلم الثبوت کامل، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۱۵۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۴

تقول بوجوب قرأتها جهرا فی اول کل سورۃ سواء البراءۃ [1]

صرف ایک بار بآواز اور شافعی مذہب میں سورۂ برأت کے سوا ہر سُورت کی ابتداء پر۔

قمر الاقمار مولانا عبدالحلیم انصاری میں ہے :

اعلم ان التسمیۃ اٰیۃ من القراٰن کلہ انزلت للفصل بین السور ولیست جزءً من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ فالقراٰن عبارۃ عن مائۃ واربعۃ عشر سورۃ واٰیۃ وھی التسمیۃ فلابد فی ختم القراٰن من قراءۃ التسمیۃ مرۃ علی صدر اٰیۃ سورۃ کانت وھذا کلہ عندنا علی المختار [2] اھ مختصرا

یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی نہ وہ فاتحہ کی جُز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سَو۱۱۴ چودہ سُورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی سُورت کے سرے پر ایک بار پڑھنا ضرور ہے یہ سب ہمارے ائمہ کا مذہب مختار ہے اھ مختصراً

جوابِ مسئلہ تو اسی قدر سے ہوگیا مگر فقیر غفراللہ تعالٰی بعون رب قدیر جل جلالہ تحقیق حق نجیح و تلخیص قول رجیح کے لئے چند افاداتِ عالیہ لکھے جن سے بتوفیقہٖ تعالٰی احکامِ مسئلہ کو نورِ انکشاف اور اوہامِ باطلہ کو ظہورِ انکساف ملے واللہ المعین وبہ نستعین (اللہ تعالٰی مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ ت)

افادۂ اُولٰی : بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ و تابعین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہبِ حق و محقق یہ ہے کہ وُہ کسی سورتِ قرآن کی جُز نہیں جداگانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک و فصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہُوئی۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلۂ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں :

الصحیح من المذھب انھا من القراٰن لکنھا لیست جزءً من کل سورۃ عندنا بل ھی اٰیۃ منزلۃ للفصل بین السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثلہ روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔ [3]

صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وُہ قرآن کی جُز ہے مگر ہر سُورت کی جُز نہیں بلکہ یہ ایسی آیۃ ہے جو سُورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکر رازی نے ذکر کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔ (ت)

---

[1] شرح مسلم الثبوت ولی اللہ

[2] قمر الاقمار حاشیہ نورالانوار | مقدمۃ الکتاب | مطبوعہ مطبع علیمی دہلی | ص ۹

[3] کتاب التحقیق شرح حسامی | " | " منشی نولکشور لکھنؤ | ص ۶

امام محقق ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں :

المشھور عن اصحابنا انھا لیست بآیۃ من الفاتحۃ ولا من غیرھا بل ھی اٰیۃ من القراٰن مستقلۃ نزلت للفصل بین السور[1]۔

ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سُورۃ کی جز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی مستقل آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں :

ان مذھبنا و مذھب الجمھور لیست اٰیۃ من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ[2]۔

ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے (ت)

امام ابو البرکات نسفی کنز الدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر اور علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی تنویر الابصار میں فرماتے ہیں :

ھی اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین السور ولیست من الفاتحۃ ولا من کل سورۃ[3]۔

یہ قرآن کی آیۃ ہے جو سُورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے فاتحہ یا کسی اور سُورۃ کی جز نہیں ہے (ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

قال اصحابنا البسملۃ اٰیۃ من القراٰن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحۃ ولا من اول کل سورۃ[4]۔

ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سُورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے (ت)

اسی طرح بہت کُتب میں ہے۔

افادہ ثانیہ : مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں دو سورۃ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظمہ میں نازل ہو کر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۶

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب صفۃ الصلوٰۃ 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵

در مختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ 〃 مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری خطبۃ الکتاب 〃 ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/۱۲

میں فرماتے ہیں:

تعدد نزولها لا یقتضی تعدد قرأنیتها کیف و قد قیل بتکرار نزول الفاتحة ولم یقل احد بتعدد قرأنیتها[1]

بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وہ متعدد بار قرآن کا جز بنے، یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورۂ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا (ت)

علامہ خسرو کے حاشیۂ تلویح میں ہے:

القول بتکررہ لا یقتضی القول بتعددها کیف و قد قیل الی اٰخر ما مر[2]۔

بسم اللہ کے تکرار نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کو لازم نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سورۂ فاتحہ کے بارے، الی آخرہ۔ (ت)

ولہٰذا علامہ بحر نے بحر الرائق میں فرمایا:

انها فی القراٰن اٰیة واحدة یفتتح بها کل سورة و عند الشافعی اٰیات فی السور[3]

یہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اس سے ہر سورۃ کا افتتاح کیا جاتا ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر سورۃ کی علیحدہ آیت ہے۔ (ت)

اسی طرح قرالاقمار سے بھی گزرا کہ وہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک سو تیرہ یا چودہ آیتیں ہوں اور جب آیت واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کما لا یخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو۔ ت) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سو بار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔

افادۂ ثالثہ بسم اللہ شریف کا جزءِ سورت ہونا ہرگز ہرگز حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہونا در کنار ثابت کرنا دشوار اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان و افتراء بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ،

کحدیث قسمة الصلوٰة و حدیث ثلثین اٰیة

جیسا کہ تقسیم نماز والی حدیث، اور وہ حدیث جس سورۃ

---

[1] تمۃ حاشیہ حلپی علی التوضیح والتلویح حاشیہ ۵ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] حاشیۂ تلویح لمنلا خسرو " " " ص ۳۱

[3] بحر الرائق باب صفۃ الصلوٰۃ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۲

للملك وغيرها كما فصله العلماء الكرام فی تصانیفهم ولاحاجة الیٰ ایرادها هنا فان شهرة الكلام فيه اغنتنا عن اعادته و اطالة المقال بتذكاره۔

مُلک کی تیس آیتوں کا ذکر اور ان جیسی اور احادیث جن کو علماءِ کرام نے مفصل طور پر اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے سے مستغنی کردیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔(ت)

افادۂ رابعہ: یُونہی اُس پر اجماعِ اُمّت کا بیان افترا و بہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام و تابعین اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع تھا کہ بسم اللہ شریف جزءِ سور نہیں قول جزئیت اُن کے بعد حادث و نو پیدا ہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

هذا ان قلنا ان البسملة ليست بأية ولا بعض اية من اول الفاتحة ولا من غيرها وانما كتبت فی المصاحف للتيمن والتبرك اوانها فی اول الفاتحة لابتداء الكتاب على عادة الله جل وعز فی ابتداء كتبه وفی غير الفاتحة للفصل بين السور قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما كان رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم لا يعرف فصل السورة حتی ينزل عليه بسم الله الرحمٰن الرحيم وهو مذهب مالك وابی حنيفة والثوری وحكی عن احمد وغيره وانتصر له مكی فی كشفه وقال انه الذی اجمع عليه الصحابة والتابعون والقول بغيره محدث بعد اجماعهم وشنع القاضی ابو بكر بن الطيب بن الباقلانی المالكی البصری نزيل بغداد علی من خالفه

یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سُورۃ کی جُز نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہذا سورۂ فاتحہ کے ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دو سورتوں کا فصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابوحنیفہ، ثوری کا مذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیا گیا ہے، اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی، اور قاضی ابوبکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ

وکان اعرف الناس بالمناظرۃ و ادقھم فیھا نظرا[1] قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقتِ نظر رکھتے ہیں ۔ (ت)

امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں :

قال بعض اھل العلم و من جعلھا من کل سورۃ فی غیر الفاتحۃ فقد خرق الاجماع لانھم لم یختلفوا فی غیر الفاتحۃ[2] بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سُورت کا جُز مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں ہے ۔ (ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں :

فان قیل نحن نقول انھا اٰیۃ من غیر الفاتحۃ فکذلک انھا اٰیۃ من الفاتحۃ قلت ھذا قول لم یقل بہ احد و لھذا قالوا ان زعم الشافعی انھا اٰیۃ من کل سورۃ و ما سبقہ الی ھذا القول احد لان الخلاف بین السلف انما ھو فی انھا من الفاتحۃ او لیست باٰیۃ منھا و لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[3] اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں تو اس کا معنٰی یہ ہُوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتا ہُوں کہ یہ کسی کا قول نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہا کہ صرف امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ ہر سورۃ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے اسلاف میں صرف یہ تھا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، اور اس کو کسی نے باقی سورتوں کا جُز نہیں مانا۔ (ت)

افادۂ خامسہ : تمام مصاحف حنفیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشانِ آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ ناس تک تمام سورتیں آیاتِ حنفیہ کی گنتی بتائیے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آتی ہے، مثلاً سُورۂ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چار آیتیں ہیں، سورۂ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جُدا ہی تین آیتیں ہیں وعلٰی ھذا القیاس بخلاف سورۂ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک انعمت علیھم پر آیت نہیں و لھذا ہمارے مصاحف

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۷

[2] فتح المعین علی شرح الکنز فصل و اذا اراد الدخول الخ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۲۹۲

میں اُس پر نشانِ آیت عندالغیر ۵ لکھتے ہیں نہ ○ یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انھیں قاریوں کی کیا تخصیص سب کے نزدیک سوا فاتحہ کے کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اُس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قولِ جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔ امام زیلعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں:

ان کتاب المصاحف کلھم عدوا اٰیات السور فاخرجوھا من کل سورۃ وقال بعض اھل العلم[1] الی اٰخر ما مر۔

قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سورتوں کی آیات کو شمار کیا ہے اور انھوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات میں شمار نہیں کیا اور بعض علماء نے گزشتہ قول کو انھوں نے آخر تک بیان کیا۔ (ت)

عمدہ میں امام عینی کا ارشاد گزرا: لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[2] (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیۃ نہیں مانا۔ ت)

تنبیہ: شمار سے اخراج تو عدمِ جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور اد خال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہو سکے گا، امام زیلعی نصب الرایہ اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

لعل اباھریرۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأھا فظنھا من الفاتحۃ، فقال انھا احدی اٰیاتھا ونحن لا ننکر انھا من القراٰن، ولکن النزاع وقع فی مسئلتین احدھما انھا اٰیۃ من الفاتحۃ، والثانیۃ ان لھا حکم سائر اٰیات الفاتحۃ جھرا وسرا، ونحن نقول، انھا اٰیۃ مستقلۃ قبل السورۃ، ولیست منھا جمعا بین الادلۃ، وابوھریرۃ لم یخبر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال، ھی احدی اٰیاتھا،

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پڑھتے ہوئے سنا تو خیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جز ہے تو انھوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں شامل ہے، بسم اللہ کا قرآن کی آیت ہونے سے ہمارا انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کا حکم فاتحہ کی دوسری آیات والا ہے کہ جہر وسر میں ان کی طرح پڑھی جائے گی یا نہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں، یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ

---

[1] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۹۲

وقراءتها قبل الفاتحة لایدل علی ذلك و اذا جاز ان یکون مستند ابی ھریرۃ قراءۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھا ، وقد ظھر ان ذلك لیس بدلیل علی محل النزاع، فلا یعارض بہ ادلتنا الصحیحۃ الثابتۃ اھ[1]

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ خبر نہیں دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ ایک آیۃ ہے جبکہ محض سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور جب صرف حضور کا پڑھنا ہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہو تو یہ محل نزاع یعنی فاتحہ کا جز ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی ؛ لہذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہوسکتی اھ (ت)

افادۂ سادسہ : جزئیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام علمائے عظام سے غفلت ہے بلکہ جزئیت سورت درکنار جزئیت قرآن بھی خبراً متواتر نہیں،

ولذا انکرھا الامام الاوزاعی و الامام مالك و بعض مشایخنا ونسب للمتقدمین بل وقع فی التلویح وحواشی الکشاف وغیرھما انہ المشھور من مذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2] قال القھستانی ان ھذا لم یوجد[3] قال الشامی فی رد المحتار ای بل ھو قول ضعیف عندنا[4]۔

بسم اللہ کے قرآن کا جز ہونے کا امام اوزاعی، امام مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیا ہے۔ متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ہے۔ امام قہستانی نے فرمایا اس قول کا وجود نہیں ہے۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔ (ت)

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں :

قال الجد المحقق فی تفسیر الفاتحۃ قال ابوحنیفۃ ومالك رحمھما اللہ تعالٰی المعتبر التواتر فی قرانیتھا لا فی نقلہ فقط وھو الحق

بزرگ محقق نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ اس کا قرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۸۶
نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ ” المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض الشیخ ۱/۳۴۳
[2] التوضیح والتلویح مع حاشیہ چلپی بیان ادلۃ اربعہ ” منشی نولکشور کانپور ص ۵۰
[3] جامع الرموز فصل صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۵۱
[4] ردالمحتار مطلب قرأۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹۱

اذ من الظاهر ان النقل اذا لم یکن علی انه قرآن لا یفید القرانیة والتواتر فی نقل البسملة لیس علی انه قرآن والا لم یخالف فیه بل کتب فی المصاحف للفصل والتبرک بها الخ۔[1]

کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو تو پھر بسم اللہ کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوگا، اور بسم اللہ کے نقل میں جو تواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا گیا ہے الخ (ت)

ہمارے ائمہ کہ اثبات فرماتے ہیں بوجہ اثبات فی المصاحف و امر بالتجرید دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں نہ تواتر سمعی بالجملہ حق یہ کہ بسم اللہ شریف کا جزء قرآن عظیم ہونا تو ہمارے نزدیک دلیل قطعی سے ثابت ہے مگر جزء سور ہونا ہرگز نقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیل قطعی سے باطل اور بعض اخبار احاد کو، کہ موہم جزئیت واقع ہوئے مخالف قاطع کے سبب نامقبول و مضمحل بتاتے ہیں نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کہ قائلین جزئیت ہیں خود منکر قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ امام عبدالعزیز بن احمد بخاری تحقیق میں فرماتے ہیں:

النقل المتواتر لما لم یثبت انها من السورة لم یثبت ذلک۔[2]

جب نقل متواتر، بسم اللہ کو سورت کا جزء ہونا ثابت نہیں کرتا تو اس کا جزء ہونا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

علامہ بہاری مسلم الثبوت اور علامہ بحر فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

(لم یتواتر انها جزء منها) فلا تثبت الجزئیة اذ قد سبق ان تواتر الجزئیة شرط لاثباتها۔[3]

اس کا جزء ہونا تواتر سے ثابت نہیں، لہذا جزئیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے جزئیت کے اثبات کے لئے جزئیت کا تواتر شرط ہے۔ (ت)

اُنہیں میں ہے:

(عارضه القاطع) وهو عدم تواتر الجزئیة الدال علی عدمها فی الواقع فیضمحل المظنون

بسم اللہ کے جزء ہونے کو ایک قطعی دلیل معارض ہے اور وُہ جزئیت کے تواتر کا نہ ہونا جو کہ فی الواقع جزء نہ ہونے

---

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح بیان ادلہ اربعہ حاشیہ ۲۶ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] کتاب التحقیق شرح الحسامی مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۶

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۴

وهذا هو الجواب عن الاخبار الاحاد التی توهم الجزئیة بل یجب ان تکون هذه الاخبار مقطوع السهو والا لتواترت الخ[1]

کی دلیل ہے پس ظنی امر کمزور قرار پائے گا، یہ جزئیت کا وہم پیدا کرنے والی اخبار احاد کا جواب ہے لہذا ان اخبار کا سہو قطعی ہے ورنہ اگر بسم اللہ سورۃ کا جز ہوتی تو تواتر سے ثابت ہوتی۔ (ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لایثبت کونها اٰیة من کل سورة من السور بلا دلیل قطعی کما فی سائر الاٰیات واجماع الصحابة علی اثباتها فی المصحف لایلزم منه انها اٰیة من کل سورة بل اللازم منه مع الامر بالتجرید عن غیر القراٰن انها من القراٰن وبه نقول انها اٰیة منه نزلت للفصل بین السور[2]

قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کا جز ہونا اور آیت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پر اجماع ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کو غیر سے مبرا رکھنے کے حکم سے اتنا لازم آتا ہے کہ یہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو کہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔ (ت)

علامہ بحر الفقہ زین بن نجیم مصری شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

هی قراٰن لتواتر فی محلها ولا کفر لعدم تواتر کونها فی الاوائل قراٰنا[3]

بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ تواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کے انکار سے کفر لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت نہیں۔

علامہ سید ابو السعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

ثبوت قراٰنیتها لا علی سبیل التواتر ولهذا علل فی النهر عدم تکفیر جاحدها بعدم

بسم اللہ کے قرآن ہونے پر تواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کا انکار کرے تو کفر

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۵

[2] غنیۃ المستملی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۷

[3] منحۃ الخالق حاشیہ علی البحر الرائق فصل واذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۲

تواترکونها قرآنا۔[1] نہ ہوگا تو نہر میں عدمِ تکفیر کی یہی علت بیان کی گئی ہے (ت)

علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں :

لانها وان تواتر کتابتها فی المصاحف لم یتواتر کونها قرآنا۔[2] مصحف میں اس کو لکھنے کے تواتر سے اس کے قرآن ہونے کا تواتر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں فرماتے ہیں :

ولم یتواتر تسمیتها قرآنا وایة بالنقل عنه علیه الصلٰوۃ والسلام اذلو تواتر لکفر جاحدها وهو لایکفر بالاتفاق۔[3] بسم اللہ کا نام قرآن یا سُورۃ کی آیۃ، تواتر سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کا انکار کفر ہوتا حالانکہ باتفاق یہ کفر نہیں ہے۔ (ت)

اُسی سے امام قرطبی رحمہ اللہ سے ہے :

المسألة اجتهادیة ظنیة لاقطعیة کماظنه بعض الجهلة من المتفقهة۔[4] یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ (ت)

اُسی میں تفسیر امام سمین مسمّی بالوجیز سے ہے :

المطلوب هنا الظن لا القطع۔[5] اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں (ت)

اُسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے :

انه اقام الدلیل علی الاکتفاء بالظن فیما نحن فیه۔[6] ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وُہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ (ت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں :

---

[1] فتح اللہ المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول فی الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان سنن الصلٰوۃ " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۴۱

[3] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ " دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

[4] " " " " " " " ۱/ ۳۰

[5] " " " " " " " ۱/ ۳۰

[6] " " " " " " " ۱/ ۳۰

البسملة اٰیة من الفاتحة عملا وظنا لاقطعا[1] الخ نقلہ عنہ القاری فی المرقات۔

بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جز ہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے الخ اس کو ملّا علی قاری نے مرقات میں ان سے نقل کیا ہے (ت)

علامہ سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

ان المحققین من الشافعیۃ وعزاہ الماوردی للجمھور علی انہ اٰیۃ حکما لا قطعا قال النووی والصحیح انھا قراٰن علی سبیل الحکم ولوکانت قراٰنا علی سبیل القطع لکفرنا فیھا وھو خلاف الاجماع[2]

محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق ان کے جمہور نے کہا ہے کہ بسم اللہ کا فاتحہ کی جز ہونا حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے، اور امام نووی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کا قرآن ہونا حکمی ہے اور اگر قطعی ہوتا تو ہم مخالف کو کافر کہتے جبکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

اُسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلی شافعی سے ہے:

البسملۃ منھا ای من الفاتحۃ عملا لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عدھا اٰیۃ منھا صححہ ابن خزیمۃ والحاکم ویکفی فی ثبوتھا من حیث العمل الظن[3]

بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا حصّہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیا ہے جس کی ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے ظن ہی کافی ہے۔ (ت)

افادۂ سابعہ: اقول وباللہ التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لااقل ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر تمام قراء کا اجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت[عہ] سورت غیر برأت میں اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورت کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام نافع مدنی بروایت قالون اور امام عبداللہ بن کثیر مکی و

عہ: شروع تلاوت اگر ابتدائے سورت کے علاوہ کہیں وسط سے ہو تو بسم اللہ کی حاجت نہیں بہتر ہے اور اگر ابتدائے سورت سوائے براءت سے تلاوت آغاز کرے تو بسم اللہ بالاجماع پڑھے پھر اثنائے تلاوت میں جو سورتیں آتی جائیں اُن پر بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲ (م)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۹۶

[2] و [3] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۹

وامام عاصم بن بہدلہ کوفی وامام علی بن حمزہ کسائی کوفی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبداللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوفی وامام ابوعمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسۂ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم با بتدائے واحد ختم کرے تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قرا پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔ غیث النفع میں ہے :

لاخلاف بینھم فی ان القاریٔ اذا افتتح قراءتہ باول سورۃ غیر براءۃ انہ یبسمل سواء کان ابتداءہ عن قطع او وقف (الی ان قال) ، واختلفوا فی اثباتھا بین السورتین سواء کانتا مرتبتین اوغیر مرتبتین فاثبتھا قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفھا حمزۃ ووصل السورتین (الی قولہ) وانما اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء لانھا مرسومۃ فی المصاحف فمن یترکھا فی الوصل لو لم یأت بھا فی الابتداء لخالف المصاحف وخرق الاجماع[1] الخ۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاری کسی سورۃ کو ابتداء سے شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے ماسوا سورۃ برات کے، خواہ قاری قطع کے بعد ابتداء کرے یا وقف کے بعد، ہر طرح بسم اللہ پڑھے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا) اور تلاوت میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے میں انھوں نے اختلاف کیا ہے خواہ دونوں کو ترتیب سے پڑھے یا غیر ترتیب پر پڑھے، امام قالون، مکی، عاصم اور علی نے بسم اللہ کو ثابت مانا ہے اور امام حمزہ نے حذف کرنا قرار دیا ہے اور دونوں سورتوں میں وصل کا قول کیا ہے (اور پھر اس کو بیان کیا کہ) ان ائمہ نے دونوں سورتوں کے وصل کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں لکھی ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ (ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے :

اخبران رجالا بسملوا بین السورتین وھم قالون والکسائی وعاصم وابن کثیر والباقین لایبسملون بین السورتین لان ھذا من قبیل الاثبات والحذف[2] اھ ملخصا۔

معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دو سورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات وحذف والا ہے اھ ملخصاً (ت)

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۲۸
[2] سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۲۸

عن اھل العلم و الفضل (یہ تمام اہلِ فہم اور اہلِ عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہلِ علم وفضل پر واضح نہ ہو۔ت) اور یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت وسخت سفاہت ہے بلکہ حقیقۃً روایتِ قرّاء نے جزئیت میں کچھ دخل نہ دیا وا ژگوں فہموں نے الٹا سمجھ لیا، آخر امام قرطبی وغیرہ کا ارشاد سُن چکے کہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ علامہ بہاری وعلامہ بحر فرماتے ہیں:

(ترکھا نصف القراء) وھم ابن عامر ونافع بروایۃ الورش وحمزۃ وابوعمرو وقال مطلع الاسرار الالٰھیۃ قدس سرہ فی غیر الفاتحۃ (وتواترانہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم (ترکھا) عند قراءۃ السور لان قراءۃ القراء متواترۃ ولامعنی عند قصد قراءۃ سورۃ ان یترک اولھا) فیجب اَن لا تکون جزأ ویشھد علیہ ما روی فی الخبر الصحیح عدم الجھر بھا فی الصلٰوۃ فان قلت قد قرأھا الباقون من القراء فتواتر قراءتہ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ الصلٰوۃ والسلام فیجب ان تکون جزأ قال (وتواتر قراءتھا عنہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بقراءۃ) القراء (الاٰخرین لایستلزم کونھا) جزء (منھا) لجواز انیکون للتبرک کالاستعاذۃ۔[1]

اس کو نصف اہلِ علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابو عامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الالٰہیہ قدس سرہٗ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قرأت متواترہ ہیں اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑ دیں لہٰذا ضروری ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز نہیں، اور یہ بات۔ اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور پر مروی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں فرمایا، اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قرأت متواتر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ سے متواتر ہوگا، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کا جز ہے، تو جواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قرأت سے حضور علیہ السلام کی قرأت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سُورتوں کا جز ہو جائے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جہالِ زمانہ کو خبر نہیں۔

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۲/۱۴

اب نظرِ غائر کیجئے تو حذف صراحۃً نافی و منافی جزئیت ہے کہ اگر جز ہوتی تو حذف کیونکر ہوسکتی، اور اثبات اصلاً مفیدِ جزئیت نہیں کہ اثبات اعوذ پر بھی اجماعِ قراء ہے اور وہ بھی مثل اثبات بسملہ متواتر، حالانکہ باجماعِ مسلمین قرآن نہیں، غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بین العلماء ان القاری مطلوب منه فی اول قراء ته ان یتعوذ الخ[1]

علماء میں یہ کوئی اختلاف نہیں کہ قاری قرآن کی تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھے الخ (ت)

شرح الشاطبیہ لابن القاصح میں ہے:

الاستعاذة قبل القراءة باجماع وقوله مجملا ای مطلقا لجمیع القراء وفی جمیع القراٰن[2]

اعوذ باللہ قراءت شروع کرنے سے قبل بالاجماع پڑھی جائے، اس کے قول مجملا کا معنی تمام قراء کے نزدیک تمام قرآن کے شروع میں۔ (ت)

تو مجرد اثبات و روایت متواترۂ قراء سے عند التحقیق جزئیتِ قرآن پر بھی جزم نہ ہوسکتا نہ کہ خاص جزئیت سورت پر، ولہذا علمائے عالم جیسا کہ اثبات و تواترِ تعوذ پر اجماع کرکے اس کی عدم قرآنیت پر اجماع رکھتے ہیں یونہی اثبات و تواتر بسملہ یک بار مطلق پر اجماع فرماکر اس کی قرآنیت میں اختلاف رکھتے ہیں تو مجرد اثباتِ قراء و تواترِ روایت سے جزئیت پر دلیل لانی محض باطل ہے، ہاں قرآنیت بسم اللہ پر اس کے سوا ایک دلیل قطعی قائم ہوئی جس کا ذکر اوپر گزرا جمہور ائمہ قائل قرآنیت ہولئے اور جزئیتِ سورت پر کوئی دلیل قطعی نہیں لہذا جمہور ائمہ جانب جزئیت نہ گئے، بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ ائمہ قراءت کا اثبات متواتر اصلاً مفید جزئیت نہیں، اس بنا پر حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تواترِ جزئیت کا ادعائے باطل درکنار قراء سے تواتر قول بالجزئیت بھی ثابت نہیں ہوسکتا بالجملہ یہ کہنا حق ہے کہ اثبات و حذف دونوں متواتر قطعی اور یہ کہنا باطل کہ جزئیت و عدم دونوں القطع مروی کہ اثبات و جزئیت میں شرق و مغرب کا فرق ہے اس پر ایک دلیل جلیل واضح و روشن یہ بھی ہے کہ قائلانِ جزئیت بعض احادیث احاد سے احتجاج و استناد کی طرف جھکے اور اس بنا پر کہ ثبوت قطعی نہیں ظنیتِ مسئلہ کی تصریحیں کرگئے دفع اعتراض کے لئے یہاں کفایتِ ظن کے قائل ہولئے جیسا کہ ابھی کلمات امام حجۃ الاسلام و امام ماوردی و امام نووی و امام محلی و امام ابن حجر وغیرہم سے مذکور ہوا اگر اثبات قراء مثبت جزئیت ہوتا تو اسی پر تعویل کرتے قطعیت چھوڑ کر ظنیت کی طرف کیوں اترتے ہذا کلہ جلی واضح عند کل من لہ فہم و عقل فضلا

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع باب البسملۃ مطبوعہ ۱۹۵۴ء البابی مصر ص ۴۸

[2] تذکار المقری شرح شاطبیہ لابن القاصح " " " " ص ۲۶

افادۂ ثامنہ اوّل روایت اثبات کا اثبات جزئیت عند المسلمین سے بھی بے علاقہ ہونا تو ظاہر ہوچکا اور ہم یہ بھی ثابت کر آئے کہ شمارِ آیات وسور دلیل واضح ہے کہ قراء مسلمین بھی جزئیت سور نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کا مذہب جزئیت تھا تو وہ جدا بات ہے اس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم اُن کے مقلد نہیں، نہ اُن کی قراءت کا اختیار برخلاف مذہب اُن کے مذہب پر عمل لابد کرسکے امر واضح پر دلیل روشن درکار ہو تو سُنئے، شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قراءت عاصم و روایت حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریہ وجہریہ سب میں ہمارے یہاں اخفاء بسملہ کا حکم اور شک نہیں کہ مذہب امام پر نماز جہریہ میں ایک آیت کے سہواً اخفاء پر بالاتفاق سجدہ اور عمداً پر اعادہ لازم، تو قطعاً ثابت کہ حفص و عاصم اگرچہ جزئیتِ فاتحہ کی طرح جزئیتِ ہر سُورت بھی مانتے ہوں مگر اُن کی قراءت اختیار کرنے نے ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور نہ کیا ورنہ ضرور جہریہ میں جہر تسمیہ علی الفاتحہ کا حکم ہوتا اور اُس کا ترک سجدۂ سہو یا اعادہ چاہتا، پھر بعد فاتحہ سر سورت پر اتیان بسملہ میں عامۂ متون مذہب مثل ہدایہ، ... وقایہ ونقایہ واصلاح وغرر وملتقی الابحر وتنویر وغیرہا انکار محض پر ہیں اور اسی پر بدائع وشرح وقایہ و درر و جوہرہ نیرہ و مجمع الانہر وغیرہا شروح نے مشی فرمائی محققین کے نزدیک اگرچہ اُس کا حاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کما بیناہ فی فتاونا العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ" میں بیان کیا ہے۔ت) تاہم اگر اختیار قراءت عاصم اختیار جزئیت لازم کرتا تو نفی سنیت اور التزام ترک بسملہ میں نفی کراہت پر اجماع حنفیہ ناممکن تھا، ابھی مسلم وفواتح سے سُن چکے کہ سُورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑ دینا بے معنی ہے سیّدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ھجر شیئ من القراٰن وذٰلک لیس من اعمال المسلمین[1] اھ نقلہ الشامی عن النھر عن الامام فی باب سجود التلاوۃ۔	اس میں بعض قرآن کا ترک لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہے اھ اس کو علامہ شامی نے باب سجود التلاوۃ میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیا ہے۔(ت)

پس آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجماعِ تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد وعدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قراءۃ عاصم موجب عمل برجزئیت نہیں تو ختم میں کیا نقصان، اور اگر ہے تو فرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیا فرائض میں ہم قرآن

---

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷

بقرأت عاصم نہیں پڑھتے بھلا ختم میں اتنا ہی ہے کہ سنت ناقص رہی یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ **اقول** بطور مناظرہ علی التنزل اگر مان لیجئے کہ اختلاف قراء روایت جزئیت و عدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم کامل ہو، اگر اول مانو تو محض باطل اور شرع مطہر پر کھلا افترا، کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہوگیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذ اللہ ناقص، حاش للہ ہر طرح تام وکامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پر نور سید العالمین وحضرت جبریل روح الامین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قراءت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات وحذف ہے، اپنے نزدیک تمامی عند اللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عند اللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سوئے ظن ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ ت) اگر کہئے گو قرآن فی نفسہٖ تام وکامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اقول دو حال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اُخر بھی متواترہ نہیں اور اُن میں ایک کا اعتبار اس بنا پر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھا اُن کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تواتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاول بلاشبہہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الٰہی پورا ختم ہوگیا اگرچہ اُن کی روایت پوری نہ ہوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا، نہ خاص ان کی روایت پر، وعلی الثانی جب ہم پر مہر نیمروز وماہ نیم ماہ کی طرح اُن روایات کا تواتر روشن ہوگیا تو امام عاصم کا نہ جاننا، مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُس کا خلاف بتواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعم باطل پر چھوڑا جائے کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ت) قول احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدم اطلاع پر مبنی ہوا اس پر جمود ایسا ضرور کہ اس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنظور۔

---

[1] القرآن ۹/ ۱۲۰

ہاں ائمہ کرام نے حفظِ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قراءتِ غریبہ و وجوہِ عجیبہ نہ پڑھیں کہ مبادا وہ انکار یا طعن یا استہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے:

یجوز بالروایات السبع لکن الاولٰی ان لایقرء بالغریبۃ عند العوام صیانۃ لدینھم[1]

قرأت سبعہ پڑھنا جائز ہے مگر عوام کے لئے اجنبی قراءت کو نہ پڑھے تاکہ عوام کے دین میں خلل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یجوز بالروایات السبع، بل یجوز بالعشر ایضا کما نص علیہ اھل الاصول' قولہ بالغریبۃ ای بالروایات الغریبۃ و الامالات، لان بعض السفہاء یقولون ما لا یعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولا ینبغی للائمۃ ان یحملوا العوام علی ما فیہ نقصان دینھم، ولا یقرؤ عندھم مثل قراءۃ ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزۃ والکسائی صیانۃ لدینھم فلعلھم یستخفون او یضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحۃ قطعیۃ ومشائخنا اختاروا قراءۃ ابی عمرو وحفص عن عاصم اھ عن التاتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ[2]

قولہ روایتِ سبعہ جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے جیسا کہ اہلِ اصول نے تصریح کی ہے' قولہ اجنبی یعنی روایات اور امالاتِ اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں' اور ان کے سامنے امام ابوجعفر، ابن عامر، علی اور کسائی جیسی قراءت نہ کریں، ہوسکتا ہے کہ عوام لاعلمی کی بنا پر ان کی قراءات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا شروع کردیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے اگرچہ یہ تمام قراءات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ ہمارے مشائخ نے ابوعمرو کی عاصم سے روایت کردہ قراءت کو اپنایا ہے اھ یہ فتاوی الحجہ سے تتارخانیہ کی روایت ہے۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔

افادۂ حادیہ عشر اقول جس مصلحت کے لئے یہاں علما نے پیشِ عوام روایتِ غریبہ کی

---

[1] درمختار فصل و یجھر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۰

[2] ردالمحتار " " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۴۱

افادۂ عاشرہ اگر بعد طلوع فجرِ ساطع و ظہورِ حق لامع اپنی خطا پر مطلع ہو کر دعوٰی نقصانِ ثواب سے عدول کرکے اس راہ چلئے کہ بلاشبہہ قرآن بھی کامل ختم، ختمِ کامل کا ثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قراءتِ امام عاصم اختیار کئے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعاً یہی واجب کہ انھیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول یہ بھی محض باطل اتباعِ قراءتِ واحدہ صرف ہنگامِ روایت واجب ہے کہ روایت احد القراء کا نام کرکے بعض حروف روایتِ دیگر پڑھے تو کذب فی النسبۃ و تخلیط و تغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اس کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیینِ قراءت واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عند الرحمٰن ہے تو تخصیصِ بعض و انکارِ بعض کے کیا معنی، اختلافِ قراءت مثل اختلافِ مذاہب نہیں کہ تعیین واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سور بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قراءت کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر بعض دیگر کے تو عند التحقیق اصلاً ممانعت نہیں جب تک وہ تلفیق موجبِ اختلالِ نظم یا فسادِ معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہو کر دوسری بات شروع ہو جب تو احق و اولٰی بالجواز ہے خصوصاً جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی اتقان شریف میں امام سیّد القراء شیخ المقرئین شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری سے نقل فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان کانت احدی القرائتین مرتبۃ علی الاخری منع ذلک منع تحریم کمن یقرأ فتلقّی اٰدم من ربہ کلمٰت برفعھما او نصبھما اخذ ارفع اٰدم من قراءۃ غیرابن کثیر و رفع کلمات من قراء تہ و نحو ذلک مما لا یجوز فی العربیۃ واللغۃ و مالم یکن کذلک فرق فیہ بین مقام الروایۃ و غیرھا فان کان علٰی سبیل الروایۃ حرم ایضا لانہ کذب فی الروایۃ و تخلیط و ان کان علٰی سبیل التلاوۃ جاز[1]

یہ کہنا درست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلقّی اٰدم من ربہ کلمٰت میں لفظ "اٰدم" اور "کلمٰت" دونوں پر پیش پڑھے یا دونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "اٰدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور "کلمٰت" کی پیش ابن کثیر کی قراءت سے اخذ کر لے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں خلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیلِ تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔ (ت)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھئے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کے تمام حفاظ وقراء وسامعین عامۂ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سُن کر مخالفت کریں گے طعن واعتراض سے پیش آئیں گے تمھارے زعم میں یہ اعتراض اُس امر پر ہوگا جو قرناً فقرناً حضور پُرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقر ہو کہ وہ بھی حق وصحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کرکے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجئے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مسلمانوں سے انکار واعتراض کراؤ کیا اسی کا شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی پر قاری یا مُلّا ہونا رہ گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ تازی جدا اکثر مسلمین کے گوش ناآشنا نہ ہو شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر بناہم بحمداللہ قاریانِ قرآن قراءتِ قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی، امام علامہ جلال الدین زیلعی نصب الرایہ میں نقل فرماتے ہیں:

یسوغ للانسان ان یترک الافضل لاجل تالیف القلوب واجتماع الکلمۃ خوفا من التنفیر، کما ترک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بناء البیت علی قواعد ابراھیم لکون قریش کانوا حدیثی عھد بالجاھلیۃ، وخشی تنفیرھم بذلک، ورای تقدیم مصلحۃ الاجتماع علی ذلک، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود اکمالہ الصلٰوۃ خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیرہ علی ذلک فی البسملۃ وفی وصل الوتر وغیر ذلک مما فیہ العدول عن الافضل الی الجائز المفضول مراعاۃ لائتلاف المامومین اولتعریفھم السنۃ، وامثال ذلک وھذا اصل کبیر فی سد

لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا انسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہوجائے جیسا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نومسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیسا کہ حضرت ربیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر رد کا تو انھوں نے فرمایا کہ خلاف کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کرکے جائز مفضول کو

الذرائع[1] اختیار کیا گیا ہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیف قلبی اور ان کی سنت شناسی وغیرہ کا پاس کیا جاسکے، یہ بات فتنہ کے سدِّ باب کے لئے بڑا ضابطہ ہے۔ (ت)

یہ سب اس تقدیر پر تھا کہ بفرض باطل قطعیت جزئیت مان لی جائے ورنہ حق وتحقیق کا ایضاح پہلے ہوچکا اس تقدیر پر قاری وعلّا اپنی اس تنفیر واثارت فتنہ کی حدیں بتائیں یہاں تو بداہۃً عوام اُس غیر قصدی الزام سے بھی محفوظ اور یہ تنفیر وایقاع اختلاف ویسے مستند معتمد سے نامحفوظ کما لایخفی واللہ الھادی (جیسا کہ مخفی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

افادۂ ثانیہ عشر یہاں تک دعوی قطعیت جزئیت ولزوم نقصان ختم کا رد تھا کہ بحمد اللہ باحسن وجوہ ظاہر ہوا اب لعونہ تعالٰی جہر واخفا کی طرف چلئے، تراویح میں جہر بسملہ کا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افترا ہے تواتر درکنار زنہار کسی حدیث احاد سے بھی اس کا ثبوت نہیں، جہر فی التراویح تو جدا مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہرگز ہرگز متواتر نہیں، تواتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام ونزاع ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:

لایصح فی الجھر بالبسملۃ حدیث مسند[2]۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔

بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے عمدۃ القاری میں ذکر کیا گیا۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لم یصح فی الجھر حدیث[3]۔ ذکرہ فی عنایۃ القاضی۔

جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اسے عنایۃ القاضی میں ذکر کیا گیا۔

یہی امام دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے دربارۂ جہر ایک جزء تصنیف فرمایا بعض مالکیہ نے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہِ انصاف اعتراف فرمایا کہ:

کل ما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر میں جو کچھ

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/ ۳۲۸

[2] عمدۃ القاری باب مایقول بعد التکبیر ر ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/ ۲۸۸

[3] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ ر دارصادر بیروت ۱/ ۳۱

فی نیل الاوطار۔

امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان احادیث الجھر لم تثبت[1] اثرہ السید الازھری فی الفتح۔

خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سید ازہری نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں:

فھذہ الاحادیث کلھا لیس فیھا صریح صحیح، ولیست مخرجۃ فی شیئ من الصحیح ولا المسانید ولا السنن المشھورۃ وفی رواتھا الکذابون والضعفاء والمجاھیل الخ[2]

ان حدیثوں میں کوئی حدیث صریح وصحیح نہیں، نہ یہ صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں مروی ہوئیں ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ ہیں الخ

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

احادیث الجھر لیس فیھا صریح بخلاف حدیث الاخفاء فانہ صحیح صریح ثابت مخرجہ فی الصحیح والمسانید المعروفۃ والسنن المشھورۃ[3]۔

جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں بخلاف حدیث اخفا کہ وہ صحیح وصریح اور صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک وامام شافعی وامام احمد چاروں ائمہ مذہب اور بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ چھؤں ائمہ حدیث اور دارمی وطحاوی وابن خزیمہ وابن حبان ودارقطنی وطبرانی وابویعلی وابن عدی وبیہقی وابونعیم وابن عبدالبر اکابر حفاظ واجلہ محدثین اپنی صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم میں باسانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر وعثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن

میں نے حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی کے پیچھے نماز پڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا

---

[1] تبیین الحقائق فصل اذا اراد الدخول فی الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱/۱۱۲

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلٰوۃ ” مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۵

[3] عمدۃ القاری النوع الرابع اختلاف الفقہاء فی البسملۃ ” ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۵/۲۹۱

وسلم فی الجھر فلیس بصحیح[1]۔ ذکرہ الامام الزیلعی عن التنقیح عن مشایخہ عن الدارقطنی والمحقق فی الفتح۔

روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دارقطنی سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

امام ابن الجوزی نے کہا:

لم یصح عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الجھر شیئ[2]۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیثِ جہر لکھ کر فرماگئے:

ھذہ الاحادیث فی الجملۃ لاتحسن بمن لہ علم بالنقل ان یعارض بھا الاحادیث الصحیحۃ، ولولا ان یعرض للمتفقہ شبھۃ عند سماعھا فیظنھا صحیحۃ لکان الاضراب عن ذکرھا اولی، ویکفی فی ضعفھا اعراض المصنفین للمسانید والسنن عن جمھورھا[3]۔

ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات کو فقیہ سُن کر غلط فہمی کی بنا پر صحیح گمان کرنے کا خدشہ نہ ہوتا تو ان کو ذکر کرنا مناسب تھا، اور ان روایات کے ضعف پر دلیل تمام مسانید وسنن کے مصنفین کا ان کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیث صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، ولہذا مصنفانِ مسانید وسنن نے اُن کے ذکر سے اعراض کیا نقلہ فی نصب الرایۃ (اس کو نصب الرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ت) خود پیشوائے وہابیہ ابن القیم نے اپنی کتاب مسمی بالھدی میں لکھا:

فصحیح تلک الاحادیث غیر صریح وصریحھا غیر صحیح[4]۔ نقلہ امام الوھابیۃ الشوکانی

ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وہ جہر میں صریح نہیں اور جو جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ اس کو وہابیوں کے

---

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۹
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلٰوۃ " مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۸۶
[3] نصب الرایہ بحوالہ التنقیح کتاب الصلٰوۃ " مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸
[4] نیل الاوطار باب ما جاء فی بسم اللہ الخ " مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۸

الرحیم[1] ھذا لفظ مسلم وفی لفظ للامام احمد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ وغیرھم باسناد علی شرط الصحیح کما افادہ فی الفتح کانوا لا یجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[2] وفی لفظ لابن خزیمۃ والطبرانی وابی نعیم کانوا یسرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[3] ولابن ماجۃ فکلھم یخفون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم[4]

وہ بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرماتے تھے وہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد، نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیا ہے، جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کا جہر نہ فرماتے تھے، اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابونعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ بسم اللہ کو پوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کا اخفاء فرماتے تھے۔ (ت)

یہ وہ حدیث جلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمہ مذہب اور چھتوں اصحاب صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی[ف] نے انھیں سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم وابابکر وعمر وعثمٰن وعلیا[5]

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہم بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔

امام الائمہ امام ابوحنیفہ وامام محمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہم ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

---

[1] صحیح مسلم باب حجۃ من قال لایجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۲

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ 〃 دار الفکر بیروت ۳/۱۷۹، ۲۷۵

فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ 〃 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوا یسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۴۹

[4] سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[5] المعجم الکبیر مروی از انس رضی اللہ عنہ حدیث ۷۳۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۵۵

صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوا یسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۵۰

ف: طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں۔ نذیر احمد

سمعنی ابی وانا اقول بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فقال ای بنی ایاك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ قال وصلیت مع النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمٰن فلم اسمع احدا منہم یقولہا فلا تقلہا، انت اذا صلیت فقل الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔[1]

یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انھوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرو۔

انہی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سُنا، پکار کر فرمایا:

یا عبد اللّٰہ انی صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم فلم اسمع احدا منہم یجہر بہا۔[2] رواہ الامام الاعظم ذکرہ فی الفتح۔

اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر و عمر و عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے نہ سنا۔ اس کو امام اعظم رحمہ اللہ نے روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا۔

امام اعظم وامام محمد وامام احمد وامام طحاوی وامام ابوعمر ابن عبدالبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

الجہر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم قراءۃ الاعراب۔[3]

بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی قراءت ہے۔

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۳
سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] مسند الامام الاعظم بیان عدم الجہر بالبسملۃ " نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸
فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] شرح معانی الآثار باب قراءت بسم اللہ الخ " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
المصنف لابن ابی شیبۃ من کان لایجہر ببسم اللہ الخ " ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/۴۱۱

حدثنا المخلص نا ابو الفضل شعیب بن محمد نا علی بن حرب بن بسام سمعت شعیب بن جریر یقول قلت لسفین الثوری حدث بحدیث السنة ینفعنی اللہ بہ فاذا وقفت بین یدیہ وسألنی عنہ قلت یارب حدثنی بھذا سفین فانجوانا وتوخذ فقال اکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم القرآن کلام اللہ غیر مخلوق منہ (وجعل یسرد الی ان قال) یا شعیب لا ینفعک ماکتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم افضل من الجھر بہ وحتی تؤمن بالقدر (الی ان قال) اذا وقفت بین یدی اللہ فسألک عن ھذا فقل یارب حدثنی بھذا سفین الثوری ثم خل بینی و بین اللہ عزوجل[1]

یعنی شعیب بن جریر نے امام سفیان ثوری سے کہا مجھے عقائد اہلسنت بتا دیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے نفع بخشے اور جب میں اس کے حضور کھڑا ہوں اور مجھ سے ان کے متعلق سوال ہو تو عرض کردوں کہ الٰہی! یہ مجھے سفیان نے بتائے تھے تو میں نجات پاؤں اور جو پوچھ گچھ ہو آپ سے ہو تو فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں اور اسی طرح اور عقائد و مسائل لکھوا کر فرمایا اے شعیب! یہ جو تم نے لکھا تمھیں کام نہ دے گا جب تک مسح موزہ کا جواز نہ مانو اور جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا آواز پڑھنے سے افضل ہے اور جب تک تقدیر الٰہی پر ایمان نہ لاؤ جب تم اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہو اور تم سے سوال ہو تو میرا نام لے دینا کہ یہ عقائد و مسائل مجھے سفیان ثوری نے بتائے پھر مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور چھوڑ کر الگ ہوجانا۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: ھذا ثابت عن سفین وشیخ المخلص ثقۃ۔ یہ روایت سفیان سے ثابت ہے اور راوی ثقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

افادۂ ثالثہ عشر **اقول** ہم آفتاب روشن کی طرح ثابت کر آئے کہ اگر بفرض باطل مذہب ثابت نہیں کہ اُن کا طریقہ نماز میں ہر جگہ جہر بسم اللہ تھا تاہم ان کی قراءت اختیار کرنی ہرگز اسے مستلزم نہیں کہ نماز میں دربارۂ جہر و اخفاء اُن کی پیروی ضرور ہو کہ یہ مسئلہ فقہیہ ہے اور ہم فقہ میں اُن کے مقلد نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہمارے ائمہ کرام نے اُن کی قراءت اختیار فرمائی اور نماز میں بسم اللہ شریف کے اخفاء کا حکم دیا، لاجرم ہمارے علماء نے صاف صریح تصریح فرمائی کہ جہر و اخفائے بسم اللہ شریف میں امام قراءت کا اتباع بیرون نماز

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ۲۰۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۱۹۳
[2] " " " " " " " " " " " " " " " "

نیز اسی جناب سے مروی ہوا:

لم یجھر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالبسملۃ حتی مات[1] ذکرہ المحقق فی الفتح۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسندِ صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انا اعرابی ان جھرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[2]۔

میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی:

حدثنا حماد بن زید عن کثیر بن شنظیر ان الحسن سئل عن الجھر بالبسملۃ فقال انما یفعل ذلک الاعراب[3]۔

حماد بن زید نے کثیر بن شنظیر سے بیان کیا کہ امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پُوچھا گیا، فرمایا یہ گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی: الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ[4]۔ بسم اللہ شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔ اثرم انھیں سے راوی:

ما ادرکت احدا یجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم والجھر بھا بدعۃ[5]۔

میں نے صحابہ و تابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر کرتے نہ پایا اُس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر در کنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلّہ صحابہ و تابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کرسکتے تھے ولکن الجھلۃ یقولون مالا یعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ ت) نہایت کہ امام الفقہا امام المحدثین اوحد الاولیا اوحد المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مہجور مجروح مانا اور اس کے اخفا کو افضل و اولٰی سمجھنا تتمہ عقائد اہل سنت جانا محدث لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح راوی:

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[2]

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

[4] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایجھر ببسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۴۱۱

[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ الاثرم کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

ہے نماز میں اخفاہی کرے اور بیرونِ نماز بھی اتباعِ قاری خاص صرف بر وجہ اولویت ہے نہ بطورِ وجوب ولزوم و ضرورت۔

لما قدمنا ان القراءات کلہا حقۃ بالیقین لا احتمال فیہا للخطأ ولا ینافی بعضہا بعضا فلا حجر فی شیئ منہا لاجمعا ولا افراد ما لم یؤد التلفیق الی التغییر بخلاف المجتہدات الخلافیۃ فان المجتہد یخطئ ویصیب فلا نعد وعما اعتقدنا انہ صواب یحتمل الخطأ الی ما ظننا انہ خطأ یحتمل الصواب ولئن لفقت لربما اتفق الاقوال علی فساد العمل۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ تمام قراءات برحق ہیں، ان میں خطاء کا احتمال نہیں ہے اور ایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں، لہذا ان کو ملاکر پڑھنا یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کا مختلف انداز معنی کی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اس کے برخلاف اجتہادی اختلافی مسائل میں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں درستی اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہے اس لئے وہاں ہم اپنے ظن میں درست کو اپنائیں گے اور جس کو ہم خطا سمجھیں گے اس کو نہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطاء کا احتمال ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کو اپنانا عمل میں فساد پیدا کردے گا۔ (ت)

مجتبی شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر رد المحتار حاشیہ درمختار میں ہے۔[1]

لا یجہر بہا فی الصلوٰۃ عندنا خلافا للشافعی وفی خارج الصلوٰۃ اختلاف الروایات و المشایخ فی التعوذ والتسمیۃ قیل یخفی التعوذ دون التسمیۃ والصحیح انہ یتخیر فیہما ولکن یتبع امامہ من القراء وہم یجہرون بہما الا حمزۃ فانہ یخفیہما اھ۔

ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کو جہر کے ساتھ لیکن صحیح یہ ہے قاری کو اختیار ہے کہ دونوں کو آہستہ پڑھے یا بلند پڑھے، لیکن ائمہ قراء میں اپنے امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں اھ (ت)

بحمداللہ تعالٰی یہ خیالات جدیدۂ وہابیہ کے رد میں ہمارے علماء کا نص صریح ہے۔

افادۂ رابعہ عشر اقول وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایاتِ قراء

---

[1] رد المحتار بحوالہ الکفایۃ عن المجتبٰی فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹۰

طبقۃً فطبقۃً قرناً فقرناً بذریعہ تدریس وتعلیم وتلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر و اخفا و اوقات تعلیم و اقرا کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تو طریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہا کہ تلامذہ پڑھتے استاذ سنتے بتاتے نہ یہ کہ نمازوں میں سُن سن کر سیکھتے جس میں سوال و جواب وتفہیم وتفہم کا کوئی موقع نہیں، بیرونِ نماز بھی قراءتِ شیوخ کا دستور نہ تھا بلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھا کہ جو طرز ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتا دریافت کرلیتا استاد اعادہ کردیتا۔ اتقان شریف میں ہے:

اوجہ التحمل عند اھل الحدیث السماع من لفظ الشیخ والقراءۃ علیہ، والسماع علیہ بقراءۃ غیرہ، والمناولۃ والاجازۃ والمکاتبۃ والعرضیۃ والاعلام والوجادۃ، فاما غیر الاولین فلا یاتی ھنا لما یعلم مما سنذکرہ، واما القراءۃ علی الشیخ فھی المستعملۃ سلفا وخلفا، واما السماع من لفظ الشیخ فیحتمل ان یقال بہ ھنا لان الصحابۃ رضی اللہ عنھم انما اخذوا القراٰن من فی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکن لم یاخذ بہ احد من القراء والمنع فیہ ظاھر لان المقصود ھھنا کیفیۃ الاداء ولیس کل من سمع من لفظ الشیخ یقدر علی الاداء کھیأتہ، بخلاف الحدیث فان المقصود فیہ المعنی او اللفظ لا بالھیأت المعتبرۃ فی اداء القراٰن، واما الصحابۃ فکانت فصاحتھم وطباعھم السلیمۃ تقتضی قدرتھم علی الاداء کما سمعوہ من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانہ نزل بلغتھم، ومما یدل للقراءۃ علی الشیخ

محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سُننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہُوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قراءت کے بارے میں پہلے دو طریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیسا کہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قراءت میں شیخ پر شاگرد کا پڑھنا ابتداء سے آج تک مروج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہوسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اخذ کرلے، لہذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کا معاملہ

عرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القرآن علٰی جبریل فی رمضان کل عام[1] اھ

الگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بنا پر حضور علیہ السلام سے سن کر قراءت کو اسی کیفیت سے ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کو اخذ کرنے میں شیخ کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اھ (ت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادہ حضور فاعل کامل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہایت استعداد نفوس قوابل رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُن کر سیکھا مگر وہ بھی بطور تعلیم وتلقین ظاہر و باطن ونظم ومعنی وحکم وحکمت تھا نہ یوں کہ صرف نماز میں قراءت اقدس سے لفظ یاد کرلئے، صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم وعمل کے سیکھتے جب اُن پر قادر ہوجاتے دَرس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ برس میں سورۂ بقر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک اونٹ ذبح کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد دیر زائد۔ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات من القراٰن لم نتعلم من العشر التی نزلت بعدھا حتی نعلم ما فیہ، فقیل لشریک من العمل قال نعم[2]۔

ہم جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی دس آیات کا علم حاصل کرتے تو اس کے بعد والی دس آیات کی تعلیم حاصل نہ کرتے جب تک پہلی آیات میں بیان شدہ اعمال کو معلوم نہ کرلیتے۔ شریک سے پُوچھا گیا کہ آیات کے بیان شدہ اعمال سیکھنا مراد ہے، تو انہوں نے کہا ہاں۔ (ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنّف میں ابوعبدالرحمان سلمی سے راوی، قال:

حدثنا من کان یقرئنا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کانوا یقترؤن من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات ولا یاخذون فی العشر الاخری

صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قراءت پڑھاتے انہوں نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم وعمل کو

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الرابع والثلاثون الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۹

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر عنوان عبداللہ بن مسعود بن غافل ۲۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴/ ۵۹

حتی یعلموا ما فی ھذہ من العلم والعمل فانا علمنا العلم والعمل[1]

نہ سیکھ لیتے، یُوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل کرتے۔ (ت)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبداللہ بن جعفر عن ابی الملیح عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغاً راوی:

ان ابن عمر تعلم البقرۃ فی ثمان سنین[2]

بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھا۔ (ت)

خطیب بغدادی کتاب رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا[3]

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح کیا۔ (ت)

تو ظاہر ہُوا کہ یہ روایات جہر و اخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمد اللہ تعالٰی اُس ارشادِ علماء کا راز واضح ہوا کہ بیرونِ نماز اتباعِ امام قرارت مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلہ تعوذ ہے عامۂ قرا کا اُس کے جہر پر اتفاق ہے۔ امام اجل ابو عمرو دانی نے اس پر اجماع اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف حکایت خلاف[عـــہ] تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ و رواۃ اُس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ میں ہے:

لا اعلم خلافا بین اھل الاداء فی الجھر بھا عند افتتاح القراٰن وعند الابتداء برؤس الاجزاء وغیرھا فی مذھب الجماعۃ اتباعا للنص واقتداء بالسنۃ۔[4]

قرآنی نص اور سنّت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذ باللہ کو جہر سے پڑھنے میں اہلِ ادا یعنی قرار حضرات کا اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

عـــہ ای وان جاءت الروایۃ علی انحاء فصلھا ۱۲ منہ

اگرچہ تعوذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب فضائل قرآن ۱۷۵۵ حدیث ۹۹۷۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/۴۶۰

[2] موطا امام مالک باب ما جاء فی القرآن مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[3] رواۃ مالک للخطیب بغدادی

[4] تیسیر باب ذکر الاستعاذہ

حرز الامانی ووجہ التہانی میں ارشاد فرمایا:

اذا ما اردت الدھر تقرء فاستعذ
جھارا من الشیطان باللہ مسجلا[1]

(تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذ باللہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجلا۔ ت)

سراج القاری میں ہے:

"قولہ مسجلا ای مطلقا لجمیع القراء و فی جمیع القرآن"[2]

اس کا قول "مسجلا" یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک اور تمام قرآن میں۔ (ت)

پھر فرمایا:

واخفاؤہ فصل اباہ وعاتنا
وکم من فتی کالمھدوی فیہ اعملا[3]

اس کی شرح میں ہے:

ای روی اخفاء التعوذ عن حمزۃ و نافع اشار الی حمزۃ بالفاء من فصل والی نافع بالالف من اباہ وجھر بہ الباقون وھم ابن کثیر و ابوعمرو وابن عامر وعاصم والکسائی ھذا ھو المقصود بھذا النظم بالباطن ونبہ بظاھرہ علی ان من ترجع قراءتہ الیھم من الائمۃ ابوا الاخفاء و لم یاخذوا بہ بل اخذوا بالجھر للجمیع و لذلک امر بہ مطلقا فی اول الباب[4] ملخصا

یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذ باللہ کا اخفاء مروی ہے "فصل" کی فاء سے حمزہ کی طرف "اباہ" کے الف سے نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے اعوذ باللہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں: ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انھوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انھوں نے اخفاء کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انھوں نے اعوذ باللہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقاً کہہ کر تمام قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے (ت)

---

[1] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[2] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ " " " ص ۳۱
[3] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰
[4] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ " " " ص ۳۲

اب کون عاقل کہے گا کہ یہ اطباق جمہور رواۃ و اتفاق جمیع اہلِ ادا نماز و غیر نماز سب کو شامل، وہ سب تمام قرّاء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بجہر پڑھتے تھے، حاشا بلکہ قطعاً یہ روایات و نقول سب محل روایت و تلاوت بیرونِ نماز سے متعلق ہیں لاجرم شرح میں فرمایا :

قولہ فاستعذ جہارا ھو المختار لسائر القراء وھذا فی الاستعاذۃ القاری علی المقرئ اوبحضرۃ من یسمع قراءتہ اما من قرأ خالیا اوفی الصلٰوۃ فالاخفاء اولٰی[1]

اس کا قول "جہاراً" یہ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے۔ لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قراءت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولٰی ہے (ت)

امام جلیل جلال سیوطی اتقان میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل :

المختار عند ائمۃ القراءۃ الجہر بہا وقیل یسر مطلقا وقیل فیما عدا الفاتحۃ وقد اطلقوا اختیار الجہر وقیدہ ابو شامۃ بقید لابد منہ وھو ان یکون بحضرۃ من یسمعہ لان الجہر بالتعوذ اظہار شعار القراءۃ کالجہر بالتلبیۃ وتکبیرات العید ومن فوائدہ ان السامع ینصت للقراءۃ من اولہا لایفوتہ منہا شیئ واذا اخفی التعوذ لم یعلم السامع بہا الابعد ان فاتہ من المقرو شیئ وھذا المعنی ھو الفارق بین القراءۃ فی الصلٰوۃ وخارجہا اھ[2]

قراءت کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقاً آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم راجح ہے، اور ابو شامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شعار ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا تو سامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سُننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداءً فوت ہو جائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہِ فرق ہے۔ (ت)

افادۂ خامسہ عشر قرآنیتِ بسم اللہ ضرور حق ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت

---

[1] سراج القاری المبتدی شرح حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ص ۳۱

[2] الاتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۱۰۵

نہیں بلکہ کتابت مصاحف واجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا:

وبسمل بین السورتین بسنة
رجال نموها دریة وتحملا

(دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ سنتِ صحابہ سے ثابت ہے جس کو انھوں نے جاری رکھا، عقل و نقل کے طور پر)

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہ اس سے مراد بالسنة التی نموھا کتابة الصحابة لھا فی المصحف (سنة التی نموھا سے مراد صحابہ کرام کا بسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھنا ہے۔ ت) پھر اس کا حاصل بھی صرف اس قدر کہ بسم اللہ کلامِ الٰہی ہے نہ یہ کہ ہر سورت کی جز ہے یا ختم میں ہر جگہ اُس کا جہر لازم کما مر فی الافادة السادسة (جیسا کہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجئے اور صرف اس کی صحت کو مناط مان کر اثبات مدعا کا حوصلہ کیجئے تو یہ محض باطل وہوس عاطل، فقط صحت روایت پر مدارِ قراءت ہونے سے کیا مقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہوجاتی ہے تو قطعاً مردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقیناً مفقود، افادہ ششم میں اس کا بیان موجود۔

اقول ولا نسلم انه فی القرآن حتی عن السبعة مالم یتواتر وان اشتھر بل القرآن متواتر قطعا بجمیع اجزائه وان لم تقف انت علی تواتر بعضه فلیس من شرط المتواتر تواتره عندك۔

اقول (میں کہتا ہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ قراء سبعہ سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگا جب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگر تجھے تواتر کا بعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔ (ت)

اتقان میں ہے:

لاخلاف ان کل ماھو من القرآن یجب ان یکون متواترا فی اصله واجزائه واما فی محله ووضعه وترتیبه فکذلك عند محققی اھل السنة للقطع بان العادة تقضی بالتواتر فی تفاصیل مثله لان ھذا

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو کچھ قرآن کا حصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اور اس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہلسنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتاً تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ

المعجز العظیم الذی ھو اصل الدین القویم والصراط المستقیم مما تتوفر الدواعی علی نقل جملہ وتفاصیلہ فما نقل اٰحاداً ولم یتواتر یقطع بانہ لیس من القراٰن قطعاً[1] الخ۔

یہ عظیم معجزہ جو کہ دینِ قویم اور صراطِ مستقیم کی بنیاد ہے اس کے اجمال وتفصیل کے دواعی وافر طور پر پائے جاتے ہیں، جو اجزاء خبر واحد یا غیر متواتر طور پر ثابت ہوں ان کے قطعی طور پر قرآن ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا الخ (ت)

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو اور نہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑھنا جائز سمجھیں گے تو **اولاً** یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین قراء و محدثین وفقہا و اصولیین اس کے بطلان کے قائل،

اقول کیف لا وانما الکلام فی قراءتہ قراٰناً وھی موقوفۃ علی ثبوت قراٰنیتہ الموقوف علی تواترھا والا فلا شک فی جواز قراءۃ الاحاد بل الشواذ للاحتجاج بھا فی حکم کخبر الواحد اوالاستشھاد بھا علی مسئلۃ ادبیۃ مثلا اذا لم یعتقد قراٰنیتھا ولم یوھمھا والا حرم باجماع المسلمین کما نص علیہ فی غیث النفع عن ابی القاسم النویری فی شرح طیبۃ النشر عن الامام ابی عمر فی التمھید۔

اقول یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو احاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہوجاتا ہے جبکہ اس سے کسی حکم کا استدلال کرنا ہو جیسا کہ خبر واحد کا حکم ہے یا اس کو کسی ادب کے بارے مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابوالقاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انھوں نے طیبۃ النشر کی شرح میں امام ابوعمر کے حوالہ سے کہ انھوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غیث النفع میں ہے:

مذھب الاصولیین وفقھاء المذاھب الاربعۃ والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحۃ القراءۃ ولا تثبت

اہلِ اصول، چاروں فقہاء کرام، محدثین اور قراء حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا

---

[1] الاتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوتہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

بالسند الصحیح غیر المتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیة والعربیة وقال الشیخ ابو محمد مکی القراءة الصحیحة ما صح سندها الی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وساغ وجهها فی العربیة ووافقت خط المصحف وتبعه علی ذلك بعض المتأخرین ومشی علیه ابن الجزری فی نشره وطیبته وهذا قول محدث لایعول علیه ویؤدی الی تسویة غیر القرأن بالقرأن ولا یقدح فی ثبوت التواتر اختلاف القراء فقد تواتر القراءة عند قوم دون قوم الخ[1]

کافی نہیں ہے اگرچہ وُہ الفاظ مصاحفِ عثمانیہ کے رسم الخط اور عربی کلام کے معیار پر کیوں نہ ہو، شیخ ابو محمد مکی نے فرمایا کہ قراءۃ صحیحہ وُہ ہے کہ جس کی سند حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام تک صحیح ہو اور اس کا انداز عربی ہو اور قرآنی رسم الخط کے موافق ہو، اس کو بعض متاخرین نے معیار بنایا ہے اور ابن جزری نے بھی اپنی کتاب نشر اور طیبہ میں اس کی پیروی کی ہے حالانکہ یہ معیار نئی بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس سے قرآن اور غیر قرآن مساوی ہو جائیں گے۔ تواتر کے ثبوت میں قرار حضرات کا آپس کا اختلاف مانع نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تواتر سے قراءت کرتا ہے اگرچہ ہر ایک کا تواتر مختلف ہے الخ (ت)

اور بعض متاخرین کہ جائز رکھتے ہیں وُہ بھی شہرت و استفاضہ و قبول قرار شرط کرتے ہیں مجرد صحت روایت پر قناعت کسی معتمد فی الفن کا قول نہیں، خود امام ابن الجزری جنھوں نے نشر میں یہ ضابطہ باندھا کہ:

کل قراءة وافقت العربیة ولو بوجه ووافقت احدی المصاحف العثمانیة ولو احتمالا و صح سندها فهی القراءة الصحیحة۔[2]

ہر وہ قراءت جو کسی طرح عربی معیار، مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہونے کا احتمال، اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیحہ ہے۔ (ت)

انھیں نے اس ضابطہ کی تشریح میں آپ ہی فرمایا:

اذا کانت القراءة مما شاع وذاع وتلقاه الائمة بالاسناد الصحیح اذ هو الاصل الاعظم و الرکن الاقوم۔[3]

جب وُہ قراءۃ مشہور و معروف ہو اور امت نے صحیح سند سے اس کو قبول کرلیا ہو یہ اس لئے ضروری ہے کہ تلقی اُمت، رکنِ اعظم اور مضبوط بنیاد ہے (ت)

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی هامش سراج القاری، فوائد تشدید الحاجة الخ مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ص ۵، ٦

[2] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۱/۷۵

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۷۵

پھر فرمایا:

نعنی بہ ان یروی تلك القراءۃ العدل الضابط عن مثلہ وھکذا حتی تنتھی و تکون مع ذلك مشھورۃ عند ائمۃ ھذا الشان[1]

ہماری مراد یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل کامل ضبط شخص نے اپنے ہی جیسے سے آخر تک سلسلہ وار روایت کیا ہو اور اس کے باوجود وہ ایسے ہی عظیم شخصیات کے ہاں مشہور بھی ہو۔ (ت)

امام جلیل جلال سیوطی جنھوں نے یہاں کلام امام القراء کی تعریف کی اگرچہ اس کے بعد وہ کلام مذکور سابق افادہ فرمایا جس نے اُس کے مضمون کی تضعیف[عــه1] کی:

اعنی لاخلاف ان کل ما ھو من القراٰن یجب ان یکون متواترا[عــه2] الی اٰخر ماھو۔

یعنی جو بھی قرآن ہے اس کا متواتر ہونا واجب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (ت)

اس کلام کی تلخیص میں فرماتے ہیں:

اتقن الامام ابن الجزری ھذا الفصل جدا وقد تحرر لی منہ ان القراءات انواع الاول المتواتر الثانی المشھور وھو ما صح سندہ ولم یبلغ درجۃ التواتر و وافق العربیۃ والرسم واشتھر عند القراء و یقرؤنہ علی[عــه2] ماذکر ابن الجزری الثالث الاٰحاد وھو ما صح سندہ وخالف الرسم او العربیۃ او لم یشتھر الاشتھار المذکور ولا یقرؤنہ[2] اھ۔

امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہُوا کہ قراءتیں کئی قسم ہیں: ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے؛ اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ (ت)

عــه1: بلکہ یہاں بھی ایک لفظ سے اپنی برأت اس سے ظاہر فرمادی کما سیأتی ۱۲ منہ (م)

عــه2: ھذہ کلمۃ التبری ۱۲ منہ (م)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۶

[2] " " " " " " " " " " " " " " ۱/ ۷۷

ثانیاً اگر بالفرض یہ مسلّم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا جوازِ قراءت نہ بروجہ قرآنیت، یہ محض ایک امرِ زائد و خارج ہے جس سے نہ لزوم وضرورت ثابت ہوسکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک حکم نقصان ختم کی راہ ملے، اللّٰھم الا عند مجنون نابذ العقول لایسمع مایقال ولا یدری مایقول۔ اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سُنے نہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات بسملین کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔

اول تو اولاً بحث سے محض برکراں جس سے جزئیت سور درکنار قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان۔

ثانیاً روایاتِ جہر و اثبات سب بیرونِ نماز کی حکایات اُس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابلِ التفات۔

ثالثاً بفرض باطل بطور مناظرہ ادعائے نقصان ختم میں یُوں بھی کلام کہ خلاف و اثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔

دوم ثبوتِ قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیت سور و جہر فی الصلٰوۃ سے علاقہ نہیں نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول، تو ایک بار پر اقتصار میں نقصان ختم کا زعم مخذول۔

سوم کی دو صورتیں ہیں: تواتر یا مجرد صحت، اور ہر ایک دربارۂ جہر فی التراویح یا درباب جزئیت بسم اللہ شریعت میں تواتر نص تو سرے سے دربارۂ قرآنیت ہی نہیں تا بجزئیت چہ رسد اور جہر مذکور و جزئیت سور میں نفس صحت معدوم تا بتواتر چہ کشد، خود قائلان جزئیت مصرحان ظنیت اور نافیان ظنیت اور عند التحقیق انتفائے قطعیت خود انتفائے جزئیت ولہذا صحابہ و تابعین و جمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیت کے محدث و نو پیدا ہونے کا صاف اظہار، ہاں صرف دربارۂ فاتحہ بعض اخبار آحاد مذکور کہ عند المحققین مخالفت قاطع کے سبب مہجور اور مجرد صحت روایت پر اقتصار و قناعت باطل و مقہور، پھر علی التسلیم اُن سے ثابت ہوگا تو وہ امر جدید جو دعوے مخالف کے عموم و خصوص دونوں کا مخالف و رَد شدید یعنی صرف جزئیتِ فاتحہ تو ہر سُورت پر جہر کے لئے یہ تعمیم سور کا رد ہُوا اور فاتحہ کے ساتھ فرائض جہریہ میں اخفا رکس وجہ سے اس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا، یہ تو امور ثابتہ تھے ولو بوجہ جن میں مخالف کے لئے اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اُس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلے کو منصوصہ قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ ماننا مذہب کو اس میں دخل نہ جاننا محض جہل مستر داب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیت سور یا جہر فی التراویح مذہب عاصم اور اُن کی قراءت کے آخذ پر جہر و اخفاء نماز میں اُن کا اتباع لازم، اول ائمہ قراءت پر افترا و تہمت اور ثانی محض جہل و سفاہت مخالفت تصریح ائمہ حنفیت غرض حفاظ حنفیہ پر سر سر سورت پر جبر جہر محض ظلم و قہر نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلیہ و فرعیہ ہمارے قول پر حاکم، ہمارے ہی قول کی ناصر و راعی مصالح شرعیہ ہمارے ہی قول کی طرف داعی وللہ الحمد والمنۃ والصلٰوۃ والسلام علی نبینا سید الانس والجنۃ و آلہ وصحبہ سادات الجنۃ۔ آمین!

تذییل

الحمد للہ آفتاب عالم تابِ حق وصواب بے نقاب وحجابِ شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظرِ احباب ہوا اب کیا حاجت کہ حشویاتِ زائدہ ولغویاتِ بے فائدہ کے ردو ابطال میں تضیعِ وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدتِ جہالت و قوتِ سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اُس کی بات قابلِ التفات ہو اُس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا زورِ تناقض وشورِ تعارض نے جابجا اپنا ہی لکھا خود رد کردیا عنادو اجتراو مکابرہ وافترا سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماورا جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں متبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرفہ تماشا کیا کہ اول تو اپنے پیشوا جناب قاری صاحب کا صاف رَدکی قاری صاحب نے فرمایا تھا اس مسئلے میں مذہب کو کچھ دخل نہیں گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبین دخل نہ ہونا کیا معنی صریح اجتہادیہ ہے حفص کا مذہب جہر امام اعظم کا مذہب اخفاء ہے جس کی پیروی کیجئے درست و بجا ہے، قاری صاحب جہر فی الختم اگرچہ نماز میں ہو حفص کی روایت ہے، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروجہ صحت ہے، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفص کی رائے ہے محل اجتہاد سے، ہاں مذہب سب بجا ہیں یوں حق ورشاد ہے، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بدمذہب بھی خلاف سے کنارہ گزیں، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گزاف ہے، خود ائمہ سنت نزاع کررہے ہیں، خود امام اعظم کا صریح خلاف ہے، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحتِ روایت پر مدار کار ہے، گنگوہی صاحب حضرت چاروں درکنار خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے، قاری صاحب جب مسئلہ بروایتِ صحیحہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہوچکا خلافِ ابوحنیفہ باقی ہی کب رہا' اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قولِ احناف ہے تو بعد صحت روایت خلاف وتخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ تو بداہۃً مردود، خلاف امام اعظم قطعًا موجود، قاری صاحب بعد صحتِ روایت کسی مذہب کی کیا حاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی تو کیا قابلِ سماعت، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق وہدایت جس کی اقتداء کرو اہتداء کی بشارت، غرض اولًا قاری صاحب کے خیالات کا رَدِ کلی فرما کر اخیر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سر دھرا کہ یہ سب کچھ ہے مگر حافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور، مُلک خدائے غالب کا حکم جناب قاری صاحب کا جو ہر سورت پر جہرِ بسم اللہ نہ کرے گا ختم کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا۔

اقول ان سب خرافاتوں کا رَدِّ بالغ وطرز بازغ تو طرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت سے **اوّلاً** اتنا دریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کا اتباع ہدایت، سب کے اقتدا کی عام اجازت، تو اب حفاظ پر خاص ایک ہی کا اتباع کیوں لازم وضرور ہوگیا، حفص کا خلاف تو پہلے بھی معلوم ہی تھا، اُس وقت تو آپ یہی فرمارہے تھے کہ اس میں عیب، نہ اُس میں حرج۔ اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیا جس نے ایک حق کو ناحق، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کو ناجائز کردیا۔

ثانیاً یہ آپ فتوٰی لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پنچایت، قاری صاحب کا فرمان حدیث ہے یا آیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت۔

ثالثاً ثبوت تو دیجئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیت لبسامل تھا۔

رابعاً پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصبِ اجتہاد حاصل تھا۔

خامساً مسئلہ اجتہادیہ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے فتوٰی میں ذکر فرمان پانی پت تک جو کچھ لکھا سب پر پانی پھیر لیے اور اگر ہاں تو آپ اجتہادیات میں امام اعظم ملت امام ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلیدِ امام کو آگ دکھانا، پانی پت کی خاک پر دھونی رمانا، کس نے مانا اور یُوں بھی سہی تو آپ کو اپنی ذات کا اختیار مسلم حنفیہ کو اُن کے خلاف امام فتوٰی بتانا کیسا ستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلید شخصی کو ایسا چھوڑا کہ سب مذہب بجا سب پر عمل روا، آخر میں پکڑا تو ایسا پکڑا کہ امام کا اتباع متروک ومہجور، اور تقلید پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اس شتر گربگی کی کیا سند، صُلت علی الاسد وبُلتُ عن النقد (شیر پر حملہ کیا اور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔ت) خیر انھوں نے تو سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پر ڈھال کر اُن کی ڈھال پکڑی۔ قاری صاحب کی سُنئے تو اُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھا سکے، اور عاقل جانتا ہے کہ محلِ فتوٰی میں ادعائے بے دلیل، ذلیل وعلیل۔

دوم سند دکھانا کہاں کا خوب جانتے تھے کہ یہ چلے خلافِ مذہب کیے، لہٰذا وہ راہ چلے کہ اتباعِ مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمر آئی غیر مقلدوں سے معرض ہیں، ترکِ تقلید پر معترض ہیں، انھیں گمراہ ومفسد بتایا کرتے ہیں، تحریراً وتقریراً جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وُہ کچھ فرمایا کہ انھیں بھی شرمایا، بعد صحتِ روایت کسی مذہب کی کیا حاجت، عمل بالحدیث ہی طریقِ انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیا خلاف ہے فھو مذھبی اذا صح الحدیث صحیح ہی میرا مذہب ہے۔ت، خود قولِ احناف ہے، زمانۂ قرآن زمانۂ اجتہاد وعمل بالسنہ گزرا، تخصیص دلیل ہے کہ جب دورِ تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلیدِ ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اُس کا خلاف صریح فتنہ ہے

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سوم اذا صح الحدیث تو سُن لیا مگر صحتِ فقہی و صحتِ حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس باب میں فقیر کا رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی مطالعہ کیجئے کہ مطلب کھلے، شک و ریب کی ظلمت دُھلے۔

چہارم اگر تلقی و القائے بیرونِ نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم ما روشن دل ما شاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القتاد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع و مردود، افادہ ۱۲ و ۴ یاد کیجئے اور خدا انصاف دے اذا صح الحدیث سے اپنے عکس مراد کا مژدہ لیجئے کہ حدیثِ صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور خصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی مجرد کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلے کو مجتہد فیہا نہ رکھے یہ تو بداہۃً مردود و کتب معللہ خلافیہ دیکھئے ہزاروں مسائل اجتہادیہ میں ہر فریق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھا سکتے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جُز ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اُس کا جہر چاہئے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہوتا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض زبانی ادعاؤں سے مذہب حنفیہ رد ہو جائے حاشا یہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم جزئیت جمیع سور میں اختلاف ائمہ قرأت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث و بے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورۂ بقرہ سے سورۂ ناس تک بسم اللہ باتفاق قرا سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم ایک سو۱۱۴ چودہ آیتوں کی گنتی کس حساب سے جی، قرآن عظیم میں کُل سُورتیں اسی قدر ہیں اور برارت میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسائل اوائل ایک سو۱۱۳ تیرہ ہی رہیں، حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سو۱۱۲ بارہ ہی کا نقصان حاصل، چودہ۱۴ کس گھر سے آئیں، کیا حفد و خلع بھی دو سورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقاً تارکِ جہر ہی سہی تاہم کیا برارت مستثنیٰ ہو کر بھی گنتی چودہ۱۴ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ۱۳ کہا۔

ہشتم یہ تو اہل اہوا گمراہان باطغوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں قرأت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہٰذا اُس میں کسی بدمذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گمراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیا، صراحۃً بداہۃً منکر صدہا قواطع و نصوص ویحک یا مقری کانک لا تدری ما علی لسانک یجری ع فانکنت لا تدری الخ (افسوس ہے اے استاذ! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخ ت)

تھم قرأت میں اہلِ ہوا کا خلاف نہ ماننا بھی عجب بے خبری ہے یا کوتہ نظری، خلاف کی دو صورتیں ہیں ہمارے ائمہ کی کسی قرأت پر طاعن ومنکر ہوں یا کہیں اپنی نئی گھڑت کے مظہر، اہلِ ہوا خذلھم اللہ تعالٰی دونوں راہ چل چکے، سرِدست تحفۂ اثنا عشریہ ہی کا تحفہ کافی جسے ہر فارسی خواں بھی سمجھ سکے، باب دوم مکائد روافض قتلھم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں:

کید سیزدہم آنست کہ گویند عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر وعمر نیز رضی اللہ تعالٰی عنہم قرآن را تحریف کردند وآیات فضائل اہلبیت اسقاط نمودند ازاں جملہ وجعلنا علیا صھرک کہ در الم نشرح بود[1] "ملخصاً

تیرھواں مکر یہ ہے کہ کہتے ہیں عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے قرآن میں تحریف کردی ہے، اور انھوں نے فضائلِ اہلِ بیت کی آیات کو ساقط کردیا ہے اور ان میں سے ایک "الم نشرح" میں یہ آیت تھی کہ علی کو ہم نے تیرا داماد بنایا ہے۔ (ت)

ایک سُنّی نے اس پر ظرافۃً کہا ہاں اس کے بعد ایک آیت اور تھی وہ رافضیوں نے گھٹا دی یعنی وعلی الروافض قھرک (رافضیوں پر تیرا قہر ہے۔ ت) تمۂ باب چہارم میں اُن اشقیا کا زعم نقل کیا:

"صحابہ بجائے من المرافق الی المرافق ساختند وبجائے ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم، امۃ ھی اربی من امۃ نوشتند وعلٰی ہذا القیاس[2]"

صحابہ نے من المرافق کی بجائے الی المرافق کردیا اور ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم کی بجائے امۃ ھی اربی من امۃ کردیا (یعنی تمھارے اماموں سے زیادہ پاکیزہ امام "کی جگہ" امت یہ دوسری امت سے بڑی" کردیا) علٰی ہذا القیاس۔ (ت)

شرح حدیث الثقلین میں ذکر کیا کلینی رافضی نے کافی میں کہ روافض کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے روایت کی کسی نے امام جعفر صادق کے حضور قرآن کے کچھ لفظ ایسے پڑھے کہ لوگوں کی قرأت میں نہ تھے امام نے فرمایا کیا ہے ان الفاظ کو نہ پڑھ جیسا لوگ پڑھ رہے ہیں اسی طرح پڑھ یہاں تک کہ مھدی آکر قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں[3]۔ اُسی میں روایت ہے امام زین العابدین نے یہ آیت یوں پڑھی، وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث (نہ بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہ نبی نہ محدّث جس سے فرشتے باتیں کریں) اور فرمایا مولٰی علی محدّث تھے[4]۔ اسی میں روایت ہے امام جعفر صادق نے فرمایا، امۃ ھی اربی من

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ فصل دوم از باب دوم کید سیزدہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸

[2] " " " تمۃ الباب دردلائل شیعہ باب چہارم " " " " ۱۳۰

[3] و [4] " " " " " " " " " " ۱۳۰

امۃ (یہ اُمت دوسری اُمت سے بڑی۔ت) کلام اللہ نہیں اس میں تحریف ہوئی اللہ تعالٰی نے یوں اتارا تھا ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم[1] (یہ ائمہ تمہارے ائمہ سے زیادہ پاکیزہ ۔ت) یہیں شاہ صاحب نے ان ملاعنہ کا زعم نقل فرمایا کہ :

لفظ ویلك قبل از لا تحزن ان اللّٰہ معنا نیز ساقط کردہ اند و لفظ عن ولایۃ علی بعد ازیں آیت وقفوھم انھم مسئولون ٥ و یملکہ بنوامیۃ بعد خیر من الف شھر و بعلی بن ابی طالب بعد وکفی اللّٰہ المؤمنین القتال و اٰل محمد ازیں لفظ وسیعلم الذین ظلموا، اٰل محمد منقلب ینقلبون و لفظ علی بعد از ولکل قوم ھاد، وذکر کل ذلك ابن شھر اٰشوب المازندرانی فی کتاب المثالب لہ و علی ھذا القیاس کلمات بسیار و آیات بے شمار را کردہ اند[2] ملخصاً

"نہ ڈر اللہ تعالٰی ہمارے ساتھ ہے" سے پہلے لفظ "ویلك" (تجھے ہلاکت ہو) ساقط کردیا۔ "ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیا جائے گا" کے بعد "عن ولایۃ علی" (علی کی ولایت کے بارے میں) ساقط کردیا۔ "اور بنوامیہ بادشاہ بنیں گے" کو "خیر من الف شھر" (ہزار مہینوں سے بہتر) کے بعد بڑھادیا ہے' اور "کفی اللّٰہ المؤمنین القتال" کے بعد "بعلی بن ابی طالب" بڑھایا، یعنی "اللہ تعالٰی مومنوں کو جنگ میں کافی" کے بعد انھیوں نے "علی کی وجہ سے" بڑھادیا۔ اور "سیعلم الذین ظلموا" کے بعد "اٰل محمد" کا لفظ انھوں نے بڑھادیا، یعنی "عنقریب اللہ تعالٰی اپنے علم کو ظالموں کے بارے میں ظاہر فرمائے گا" کے بعد "آل محمد پر ظلم کرنے والے" بڑھادیا۔ اور "ہر قوم کے لئے ہادی" کے بعد لفظ "علی" بڑھادیا۔ یہ سب کچھ ابن شہر آشوب المازندرانی نے اپنی کتاب "المثالب" میں ذکر کیا، اور اسی طرح انھوں نے بہت سے کلمات اور بہت سی آیات بڑھادیں۔(ت)

نیز کلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی انھوں نے امۃ ھی اربی کی جگہ ائمۃ ھی ازکی پڑھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں کیا ائمۃ ہے، فرمایا ہاں خدا کی قسم، میں نے کہا لوگ تو اربی پڑھتے ہیں، حقارت سے ہاتھ جھٹک کر فرمایا اربی کیا[3]۔

دہم آپ کے زعم میں بسم اللہ شریف کا جزء ہر سورت ہونا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایۃً صحیح ہوچکا

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳۱

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳۲

اور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحتِ روایت پر مدار ہے ' ائمہ حنفیہ کا حال تو افادہ ۸ میں ظاہر ہولیا کہ انھوں نے کیونکر آپ کے اس مدار کا دمار نکالا، مالکیہ سے پُوچھئے وہ کیا فرماتے ہیں ہمارے یہاں تو باوصف جہر سور اخفاہی کا حکم تھا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مشہور یہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہرگز پڑھے ہی نہیں' نہ آواز سے نہ آہستہ، روایتِ اباحت ضعیف ہے، پڑھے گا تو نماز مکروہ ہوگی، ہاں نفلوں میں اختیار ہے کیا اُنھیں اپنے شہر مبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کا حال معلوم نہ تھا کہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:

المشھور من مذھب مالک کراھتھا فی الفرض[1]

امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے (ت)

مقدمہ عشماویہ علامہ عبدالباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:

المشھور فی البسملۃ والتعوذ الکراھۃ فی الفریضۃ دون النافلۃ وعن مالک القول بالاباحۃ[2]

بسم اللہ اور اعوذ باللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کا پڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں' اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابو عمر قال مالک لاتقرؤ البسملۃ فی الفرض سرا ولا جھرا وفی النافلۃ ان شاء فعل وان شاء ترک[3]

ابو عمر نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا بسم اللہ کو فرضوں میں نہ بلند آواز سے پڑھو نہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ذرا اس تفریق کو بھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تا شانزدہم تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ زمانۂ قراء سبعہ زمانۂ اجتہاد تھا زمانۂ تابعین تھا' ائمہ مذہب تا زمانۂ قراء محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے قراء کا مذہب پوچھنا عبث ہے، ان فقرات کو مقصود میں بھی کچھ دخل ہے یا برائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کو اصلاً دخل ہی نہیں تو زمانۂ قراء زمانۂ اجتہاد ہو یا عصر تقلید، عہد تابعین ہو یا وقتِ جدید، ائمہ مذہب اس وقت

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا

[2] المقدمۃ فی الفروع المالکیۃ للعشماوی

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر حدیث ۱۳۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۸۴

محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قراء سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا! اور ان کے خلاف بھی مانئے تو تفاوت کیا۔ فتاوٰئ سامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اسی متعلق کہ زمانہ تبع تابعین ومحدثین تک چار میں حصر مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے' جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہوگیا' اور یہی ہے کہ وہ بھی محل سے یُوں ہی بیگانہ واجنبی ہے۔

ہفدہم ثبوت تو دیجئے کہ قراء سبعہ سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

ہیجدہم اُس زمانہ میں عدم حصر وکثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اُس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ ومجتہد تھا اس کا تو زعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل یا انتساب گو عام نہ تھا اصلاً نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہوگا مگر بے خبر غافل۔ کیا امام ابویوسف وامام محمد وغیرہما حنفیہ اور امام اشہب وامام قاسم وغیرہما مالکیہ میں معدود نہیں (کتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقیناً قطعاً تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نوزدہم درفن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ ت) ائمہ مذہب بعد قراء کے تھے شہب جانے دیجئے بدوری میں کلام کیجئے سات میں چار ہمارے امام سے وفاۃً متاخر ہیں، امام ابوعمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیات نے ۱۵۴ یا ۱۵۶ یا ۱۵۸ھ، امام نافع مدنی نے ۱۶۹ھ، امام علی کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ یا ۶۱ھ[عہ] میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں' دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رَے میں فقہ وادب دونوں دفن کردئے۔ اب کون جاہل کہے گا کہ امام اعظم امام محمد کے بعد ہوئے ہیں۔

بستم ائمہ مذہب محتاج الیہ ومحصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرمایا یا مطلق' اول تو بداہۃً عقل سے عاطل' چار کبھی بھی نا محصور نہیں ہوسکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شنیع وباطل، زمانۂ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو' ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے

عہ بلکہ ایک قول میں ولادت امام ۶۱ھ ہے کمافی وفیات الاعیان (جیسا کہ وفیات الاعیان میں ہے۔ ت) یوں تقریباً ۶۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲ (م)

تو ائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت تو جنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اھل الجنۃ یحتاجون الی العلماء فی الجنۃ وذلک انھم یزورون اللہ تعالٰی فی کل جمعۃ فیقول لھم تمنوا علی ماشئتم فیلتفتون الی العلماء فیقولون ماذا نتمنی فیقولون تمنوا علیہ کذا وکذا فھم یحتاجون الیھم فی الجنۃ کما یحتاجون الیھم فی الدنیا[1]۔ رواہ ابن عساکر عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

بے شک اہل جنت جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انھیں اللہ تعالٰی کا دیدار نصیب ہوگا مولٰی سبحانہٗ تعالٰی فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو (اب جنت سے مکان میں جاکر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا مانگیں) علما کی طرف منہ کرکے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو تو لوگ جنت میں بھی علما کے محتاج ہونگے۔ اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ذکر کیا۔

اللھم انی اسألک بعلماء امۃ حبیبک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ترحمنا بھم فی الدنیا والاٰخرۃ وترزقنا بجاھھم عندک العلم النافع والقلب الخاشع والعفو والعافیۃ والمغفرۃ وصل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اٰمین والحمد للہ رب العلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں کہ تو ہم پر ان کے وسیلے سے دنیا و آخرت میں رحم فرما اور ان کو جو عزت وکرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں نافع علم، خشوع والا دل، معافی، عافیت اور مغفرت عنایت فرما اور درود وسلام اور برکت ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمد للہ رب العالمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۵ و ۱۳۶
[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر زیر عنوان صفوان ثقفی 〃 احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۴۲۷
مختصر تاریخ ابن عساکر 〃 〃 〃 〃 〃 دار الفکر بیروت ۱۱/ ۹۹

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱۔ الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔ الاجناس فی الفروع	ابو العباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔ الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔ الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔ ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔ ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔ الارکان الاربع	مولانا عبد العلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔ الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	۹۷۰
۹۔ اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔ اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔ الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔ آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔ انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔ امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔ انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔ الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔ امالی فی الحدیث	عبد الملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۸۔ الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف با بن السنی	۳۶۴
۱۹۔ القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	۹۲۲
۲۴	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۳
۲۵	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷	تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵	التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی م	۸ ـ ۹۱۱
۳۹	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰	تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

۴۲ - التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۷۲۸
۴۳ - تقریب القریب	ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوادی	۹۱۱
۴۴ - التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵ - التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶ - تبیین الحقائق	فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷ - تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸ - تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۴۹ - تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰ - تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱ - تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲ - التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳ - جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹
۵۴ - جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵ - الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶ - الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷ - الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸ - جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹ - جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰ - الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱ - جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲ - الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳ - جواہر الفتاوی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴ - الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۶۵ - الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحییٰ بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶ - الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۶۷ - حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰے ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸ - حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹ - حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰ - حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملاخسرو	۸۸۵
۷۱ - حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علامہ سفطی	۰
۷۲ - الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳ - الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴ - الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵ - حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶ - حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷ - حلیۃ المحلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۷۸ - خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹ - خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰ - خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱ - خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲ - خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳ - خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

کتاب	مصنف	سنہ وفات
۸۴ - الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵ - الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملاخسرو	۸۸۵
۸۶ - الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷ - الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

کتاب	مصنف	سن وفات
۸۸ - ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹ - ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰ - ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

کتاب	مصنف	سن وفات
۹۱ - الرحمانیۃ		
۹۲ - رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳ - رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴ - رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵ - رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶ - رد علی الجہمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

کتاب	مصنف	سن وفات
۹۷ - زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی	المتوفی اواخر القرن السادس
۹۸ - زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹ - زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰ - زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

کتاب	مصنف	سن وفات
۱۰۱ - السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۰۲ - السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳ - السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴ - السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵ - السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶ - السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
۱۰۷	السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
۱۰۹	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲	شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰	شرح الغریبین		
۱۲۱	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶	شرح مواہب اللدنیۃ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱ - شرح الہدایة	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲ - شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳ - شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴ - شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵ - شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶ - صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷ - صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸ - صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹ - الصراح	ابوالفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰ - الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱ - الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲ - الطریقة المحمدیة	محمد بن پیر علی المعروف بیرکلی	۹۸۱
۱۴۳ - طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴ - عمدة القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵ - العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶ - عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷ - عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸ - عقود الدریة	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۴۹ - عقدة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۲

غ

۱۵۱ - غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲ - غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۵۳ - غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴ - غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۱۵۵ - غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶ - غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷ - فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸ - فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد با بن الہمام	۸۶۱
۱۵۹ - فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰ - فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱ - فتاوی حجہ		
۱۶۲ - فتاوی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳ - فتاوی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴ - فتاوی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵ - فتاوی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶ - فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷ - فتاوی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸ - فتاوی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹ - فتاوی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰ - فتاوی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۱۷۱ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵ - فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷ - فوائد المخصصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹ - فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب لسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰ - القاموس	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۱۸۱ - قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳ - القرآن		

ک

۱۸۴ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵ - الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶ - الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸ - کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰ - کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲ - کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵ - کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	

۱۹۶ - کشف الاسرار	علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری	۳۰
۱۹۷ - کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸ - کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبد الوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹ - کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰ - الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱ - کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۰۲ - کنز الدقائق	عبد اللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳ - الکنی للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴ - الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵ - کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶ - کتاب المغازی	یحیی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷ - کتاب الصمت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸ - کتاب الزہد	عبد اللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹ - الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰ - لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱ - لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲ - مبارق الازہار	الشیخ عبد اللطیف بن عبد العزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳ - مبسوط خواہر زادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴ - مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵ - مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی تقریباً	۹۹۵
۲۱۶ - مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷ - مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسی	۵۵۰
۲۰۸ - مجمع الانہر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

کتاب	مصنف	سن وفات
۲۱۹ - المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰ - المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱ - مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲ - مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳ - المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴ - المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵ - مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶ - مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷ - مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸ - مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹ - ملتقط الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰ - المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱ - المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲ - مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳ - مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴ - مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵ - مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۲۳۶ - مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷ - مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸ - مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹ - مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰ - مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱ - المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲ - مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳ - مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴ - مصباح الدجی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵ - معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶ - المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷ - المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸ - المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹ - معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰ - مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱ - المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲ - المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳ - مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴ - مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵ - المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶ - المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبد الباری العشماوی المالکی	
۲۵۷ - الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸ - مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹ - مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰ - المنتقیٰ (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱ - المنتقیٰ فی فروع الحنفیۃ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲ - منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳ - منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴ - ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵ - منہاج	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی	۶۷۶
۲۶۶ - مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷ - المبتغیٰ	شیخ عیسیٰ بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸ - المبسوط	عبد العزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹ - مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰ - المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱ - منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲ - موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳ - موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴ - مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵ - مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶ - میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷ - میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸ - المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹ - مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰ - النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۸۱ - نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲ - نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳ - النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴ - النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵ - النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶ - نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷ - نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸ - النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹ - نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰ - الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱ - الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲ - الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳ - الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴ - الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵ - الیواقیت والجواہر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶ - ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹